انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

خلفائے راشدین

۵

دارالاشاعت کراچی

رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ (القرآن)

اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

اسوۂ صحابہؓ ۲ حصص کامل

جلد پنجم

حصہ ہشتم و نہم

صحابۂ کرامؓ کی پوری حیات طیبہ کا اجمالی نقشہ اور اسوۂ حسنہ، صحابہ کرامؓ کے عقائد و عبادات، معاملات و معاشرت، اخلاق و سیاست، زہد و تقویٰ اور ان کی سیاسی و مذہبی، علمی و اخلاقی مجاہدانہ کارناموں کی پوری تفصیل

تحریر و ترتیب
جناب مولانا عبدالسلام ندویؒ

دارالاشاعت
اُردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 592 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیپ روڈ لسبیلہ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd
Cooks Road, London E15 2PW

فہرست مضامین

اسوۂ صحابہؓ حصہ اول

فہرست مضامین

اسوۂ صحابہؓ حصہ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ
وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

انسان کے فرائض میں سب سے مقدم اور سب سے اہم فرض یہ ہے کہ اخلاق انسانی کی اصلاح اور نفوس بشری کی تہذیب و تکمیل کی جائے علوم و فنون تہذیب و تمدن صنعت و حرفت، غرض وہ تمام چیزیں جو ہمیشہ سے دنیا کا سرمایہ ناز رہی ہیں۔ آسمان کی ہزاروں گردشوں اور زمانہ کے ہزاروں انقلابات کے بعد عالم وجود میں آئیں لیکن تہذیب نفوس انسانی کا فرض اس قدر ضروری تھا کہ دنیا کا پہلا انسان آدم دنیا میں آیا تو اس کی ذمہ داریوں سے گرانبار ہو کر آیا۔ حضرت آدمؑ کے بعد اس سلسلے کو زیادہ ترقی ہوئی اور بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوئے لیکن ان سب کے فضائل و مناقب کا مجموعہ محمد ﷺ کی ذات پاک تھی جہاں پہنچ کر یہ سلسلہ ابدالآباد تک کیلئے مکمل ہو گیا اور وحی الٰہی نے یہ مژدہ سنایا:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس برگزیدہ اصفیاء اور عصارہ انبیاء یعنی سرور کائنات محمد ﷺ نے اس مقدس فرض کو کس وسعت اور کس جامعیت کے ساتھ ادا کیا؟ اور نفوس بشریہ کو تہذیب اخلاق کے کس ذروہ کمال تک پہنچایا؟ تو اس کا جواب ہم کو اسلام کے ان مقدس بزرگوں کے فضائل اخلاق کی خاموش زبان سے دینا ہو گا۔ جو آپ ﷺ کے اخلاق و اعمال کے مظہر اتم آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کی مثال بین آپ ﷺ کی ہدایت و ارشاد کے مخاطب اول اور آپ ﷺ کے فیض صحبت سے شب و روز بہرہ اندوز تھے۔

اس مقدس جماعت کی نشوونما بھی دنیا کے حیرت انگیز واقعات کی ایک عجیب و غریب مثال ہے اول اول جب رسول اللہ ﷺ نے اہل عرب کو عقائد و اعمال کے اصلاح کی دعوت دی تو ریگستان عرب کے ایک ذرہ نے بھی اس کا جواب نہ دیا۔ لیکن صداقت کے اثر اور تربیت پذیری کے جوہر نے چند ہی دنوں میں آپ ﷺ کے آگے پیچھے دائیں بائیں غرض ہر طرف ان بزرگوں کی قطاریں کھڑی کر دیں جن کے وجود سے دعوت نوح بعثت موسیٰ اور نبوت عیسیٰ کی تاریخ اکثر خالی ہے ابتداء ان بزرگوں کا نام انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا ہجرت کے زمانہ تک

ان میں معتد بہ اضافہ ہوا اور غزوہ بدر کی صف میں تین سو تیرہ سر فروش تیغ بکف نظر آئے۔ فتح مکہ میں یہ تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی اور حجۃ الوداع میں تیرہ ہزار صحابہ ﷺ آپ ﷺ کے جلو میں روانہ ہوئے لیکن جب آپ ﷺ نے انتقال فرمایا تو یہ تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔

دریائے حق کے جزر و مد کا یہ کتنا عجیب و غریب منظر ہے حضرت نوح علیہ السلام مدتوں توحید کا غلغلہ بلند کرتے رہے لیکن ان کے سائے کے سوا کسی نے ان کا ساتھ نہ دیا حضرت عیسٰی علیہ السلام نے انصار و اعوان کی جستجو میں من انصاری الی اللہ کا نعرہ لگایا لیکن چند حواریین کے سوا کسی نے ان کی حمایت نہ کی لیکن رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو چھوڑا تو اس آفتاب عالمتاب کے نور سے ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ روشن تھا۔ لیکن دوسرے پیغمبروں پر آپ ﷺ کو صرف یہی فضیلت حاصل نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے اصحاب ﷺ کی تعداد اکثر پیغمبروں کے اصحاب سے زیادہ ہے بلکہ آپ ﷺ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے نور ہدایت نے جن ذروں کو روشن کر دیا تھا وہ اب تک اسی آب و تاب کے ساتھ چمک رہے ہیں اور گم گشتگان راہ انہیں ستاروں کی روشنی میں اصحابی کالنجوم اپنی منزل مقصود کا پتہ لگا رہے ہیں اگر ہم شناوران طوفان نوح کے حالات کا پتہ لگانا چاہیں تو ناکامی کے سوا ہم کو کیا ملے گا؟ اگر ہم معتکفان وادی تیہ کے اخلاق و عادات سے واقف ہونا چاہیں تو خاک بیزی کے سوا کیا حاصل ہو گا؟ اگر ہم حواریین عیسٰی کے سوانح تلاش کریں تو چند غیر مرئی نقوش کے سوا ہم کو تاریخ کے صفحوں میں کیا نظر آئے گا لیکن اصحاب محمد ﷺ کے ایک ایک خط و خال کو ہم تاریخ کے مرقع میں دیکھ سکتے ہیں اور اس مرقع کو مذہبی، علمی، سیاسی، اخلاقی غرض ہر حیثیت سے دنیا کے سامنے فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔

تاریخ کے اسی خاص سلسلے کا نام سیر الصحابہ ہے اور علمائے اسلام کو اس سلسلہ کی تدوین و ترتیب کا خیال اس بنا پر پیدا ہوا کہ روایات میں سب سے پہلے صحابہ کرام ﷺ ہی کا نام آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اول اول محدثین نے اس کی طرف توجہ کی اور صحابہ کرام ﷺ کے حالات میں سب سے پہلی کتاب امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ نے تصنیف کی جس کا نام اسماء الصحابہ تھا اور جس کا کچھ حصہ علامہ ابوالقاسم بغوی کبیر نے اپنی کتاب معجم الصحابہ میں نقل[1] کیا ہے اس کے بعد اس فن کو بہت زیادہ ترقی ہوئی اور بکثرت علماء مثلاً ابو بکر بن ابوداؤد عبدان مطین ابو علی بن السکن، ابو حفص بن شاہین، ابو منصور ماوردی، ابوحاتم بن حبان اور طبرانی وغیرہ نے اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں لیکن ان میں سب سے زیادہ ابو عبداللہ مندہ، ابونعیم اور قاضی ابو عمر بن عبدالبر کی کتابیں مقبول ہوئیں اور انہیں کو تمام متاخرین نے اپنی کتابوں کا ماخذ قرار دیا۔

---

[1] مقدمہ اصابہ و کشف الظنون ۱۲۔

یہ کتابیں اگرچہ قدماء کی کتابوں سے زیادہ جامع تھیں تاہم ان میں بھی بہت سے صحابہ ﷡ کے حالات رہ گئے تھے اس لئے متعدد علماء نے ان پر ذیل لکھے چنانچہ ابوالموسیٰ المدینی نے عبداللہ بن مندہ کی کتاب پر اور ابو بکر بن فتحون اور ابو علی غسانی نے قاضی عبدالبر کی تصنیف پر ذیل لکھا اور اس میں بہت سے صحابہ ﷡ کے حالات کا اضافہ کیا لیکن یہ تمام کتابیں ناپید ہیں صرف قاضی عبدالبر کی کتاب استیعاب دو جلدوں میں موجود ہے جس میں ساڑے تین ہزار صحابہ ﷡ کے حالات مذکور ہیں اور ابن فتحون نے جو ذیل لکھا تھا اس میں قریب اسی قدر ناموں کا اور اضافہ کیا تھا۔[1]

ان سب کے بعد علامہ ابن اثیر جزری (المتوفی ۶۳۰ھ) نے صحابہ ﷡ کے حالات میں ایک نہایت مبسوط کتاب لکھی جس کا نام اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ ﷡ ہے اس کتاب میں سات ہزار پانچ سوچون صحابہ ﷡ کے حالات ہیں اور اس کا ماخذ ابن مندہ قاضی عبدالبر ، ابو نعیم اور ابو موسیٰ کی کتابیں ہیں جن میں صحابہ ﷡ کے جس قدر حالات مذکور تھے علامہ موصوف نے ان سب کو اپنی کتاب میں یکجا جمع کر دیا اور ذیل ابو علی غسانی وغیرہ کی مدد سے بہت سے ناموں کا اضافہ کیا۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت سی کتابوں سے مدد لی اور سب کی مختلف خصوصیات کو ایک جگہ جمع کر دیا لیکن اس کتاب میں بھی بہت سے ایسے لوگوں کے نام آگئے تھے جو صحابی نہ تھے۔ اس لئے علامہ ذہبی نے تجرید الصحابہ ﷡ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں ان غلطیوں کی اصلاح کی اور آٹھ ہزار صحابہ ﷡ کے ناموں کا اور اضافہ کیا۔[2]

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے پانچ جلدوں میں ایک نہایت مفصل کتاب لکھی جس کا نام اصابہ فی تمیز الصحابہ ﷡ رکھا اور اس میں ان تمام صحابہ ﷡ کے علاوہ جو استیعاب، ذیل استیعاب اور اسد الغابہ میں مذکور ہیں اور بہت سے صحابہ ﷡ کے حالات کا اضافہ کیا اور حافظ جلال الدین سیوطی نے عین الاصابہ کے نام سے اس کا ایک خلاصہ لکھا جو ناتمام رہا۔[3] لیکن بایں ہمہ ضبط و استقصاء یہ کل سرمایہ اس دریا کا صرف ایک قطرہ ہے جو مدتوں ریگستان عرب میں موجیں مارتا رہا ابوزرعہ کا قول ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا یا آپ ﷺ سے سنا ان کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی۔[4]

بہر حال صحابہ ﷡ کے حالات میں سر دست جو کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں وہ

۱: مقدمہ اصابہ و اسد الغابہ ۱۲۔

۲: مقدمہ تجرید اسماء الصحابہ، مقدمہ اسد الغابہ و مقدمہ اصابہ ۱۲۔

۳: کشف الظنون ذکر اصابہ و عین الاصابہ۔

۴: مقدمہ تجرید اسماء الصحابہ۔

صرف یہی استیعاب، اسد الغابہ اصابہ اور تجرید اسماء الصحابہ ﷡ ہیں لیکن ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابوں سے صحابہ ﷡ کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں مثلاً حافظ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ میں ان تمام صحابہ ﷡ کا ذکر کیا ہے جنھوں نے مصر میں قیام کیا ہے، طبقات الحفاظ اور طبری میں بھی اکابر صحابہ ﷡ کے حالات مذکور ہیں اور طبقات ابن سعد کی متعدد جلدوں میں بھی صحابہ ﷡ کے مفصل حالات ملتے ہیں۔

لیکن اب تک بار بار مشک کے رگڑنے کی ضرورت باقی ہے یہ سچ ہے کہ ان کتابوں کے ذریعہ سے صحابہ کرام ﷡ کے عام حالات معلوم ہو سکتے ہیں لیکن اس زمانہ کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ صحابہ کرام ﷡ کی مقدس زندگی کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے جس سے لوگوں میں شوق عمل پیدا ہو اور اس مثال کو پیش نظر رکھ کر لوگ خود بخود اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کی طرف مائل ہوں یہی وجہ ہے کہ اس دور تجدید و اصلاح میں ہندوستان کے مجدد اعظم مولانا شبلی مرحوم کو جب مسلمانوں کی ترقی و اصلاح کا خیال پیدا ہوا تو انھوں نے اسی تریاق اکبر کو اس درد کا علاج قرار دیا اور ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ صحابہ کرام ﷡ کے فضائل و مناقب اس ترتیب و جامعیت کے ساتھ لکھے جائیں کہ دنیا کے سامنے معاشرت و اخلاق اور عبادات و معاملات کا بہترین عملی مجموعہ آ جائے۔ چنانچہ ایک بار مولانا حبیب الرحمان خان شروانی نے اس مقدس کام کیلئے آمادگی ظاہر کی تو یہ دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی اور ان کو ایک خط میں لکھا:

> واللہ میرے دل کی بات چھین لی صحابہ ﷡ کے حالات سے بڑھ کر کوئی چیز ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتی لیکن ہر پہلو کو لیجئے اور ان پہلوؤں کو صاف دکھلایئے جن سے آج کل کے مولوی قصداً چشم پوشی کرتے ہیں۔
> مفصلہ ذیل کتابیں اس کیلئے ضروری ہیں استیعاب قاضی عبدالبر اسد الغابہ اصابہ ابن کثیر شامی۔[1]

سیرۃ نبوی ﷺ کی تدوین و تالیف میں مصروف ہوئے تو یہ ضرورت اور بھی شدت کے ساتھ محسوس ہوئی اور عملاً اس کام کی تکمیل کا خیال پیدا ہوا چنانچہ مولوی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ ریاست بھوپال کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

> سیرت کی رقم بھی مستقل ہو جاتی تو بہت اچھا ہوتا اس مد کی تصنیف کا مستقل سلسلہ قائم رہتا کانوں میں بھنک تو ڈال دیجئے وسیع سلسلہ ہے مثلاً سیر الصحابہ ﷡ سیر ازواج پیغمبر علیہ السلام وغیرہ۔[2]

۱: مکاتیب شبلی جلد اول صفحہ ۲۲۴۔ ۲: مکاتیب شبلی جلد ۲ ۲۶۸۔

لیکن ابھی خود سیرت بھی مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

تاہم کاروان رفتہ کا نقش قدم باقی تھا یعنی مولانا نے مرحوم کے فرزندان روحانی باقی تھے اور ان کے غیر مختتم اعمال صالحہ کی تکمیل کیلئے اپنی زندگیوں کو وقف کر چکے تھے اس لئے انھوں نے سیرت نبوی ﷺ کی تکمیل کے ساتھ سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم کی تدوین و تالیف کا کام بھی شروع کر دیا اور الحمد للہ کہ توفیق ایزدی نے ان کو اس ارادہ میں کامیاب کیا۔ اور مولانائے مرحوم نے اس کتاب کا جو ذہنی خاکہ قائم کیا تھا اسی کے مطابق کتاب کی تدوین و تالیف کا سلسلہ جاری ہوا اور تین شخصوں نے اس مقدس کام میں شب و روز مصروف و سرگرم رہ کر۔

۱) ایک شخص نے متعدد جلدوں میں مہاجرین کے حالات لکھے جس میں عشرہ مبشرہ کیلئے ایک حصہ مخصوص کر لیا گیا اور بقیہ حصے عام مہاجرین کے حالات میں لکھے گئے۔

۲) ایک شخص نے انصار کے حالات زندگی متعدد جلدوں میں لکھے جس میں خلفائے انصار کے تذکرے بھی شامل ہیں۔

۳) اسی سلسلہ میں صحابیات رضی اللہ عنهن کے حالات بھی ایک مستقل جلد میں لکھے جس میں مہاجرات اور انصاریات دونوں کے حالات ہیں۔

۴) سادہ حالات زندگی کے علاوہ ایک جلد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق و سیاست، اور کارنامہائے زندگی کی تفصیل کی گئی اور یہ اس کا پہلا حصہ ہے جو اس وقت قوم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

انبیاء صوفیہ اور پیشوایان مذہب کے متعلق جو مبالغہ آمیز اور موضوع روایتیں پیدا ہو جاتی ہیں، وہ قدرتی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی پیدا ہوئیں اور اس شدت کے ساتھ اسلامی لٹریچر میں سرایت کر گئیں کہ عام طور پر فضائل و مناقب کے لفظ سے اسی قسم کی روایتوں کی طرف ذہن متبادر ہوتا ہے لیکن اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس قسم کی دور از کار ولیات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے اور تمام واقعات اسماء الرجال اور تاریخ کی مستند کتابوں سے بہم پہنچائے گئے ہیں اور جہاں تک ہو سکا ہے تاریخ و رجال کی کتابوں کے علاوہ صحاح ستہ بالخصوص صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے مدد لی گئی ہے۔

کتاب کی مقبولیت و عدم مقبولیت کا تمام تر دارومدار خدا کے فضل و کرم، قوم کے مذہبی احساس اور ذوق صحیح پر ہے لیکن کتاب کی ترتیب میں جو کدوکاش کی گئی ہے، صحت کا جو التزام کیا گیا ہے فضائل اخلاق کے جو عنوانات قائم کئے گئے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کے ایک ایک خط و خال کو جس طرح نمایاں کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے یہ دعویٰ بے جا نہ ہوگا کہ اس

موضوع پر آج تک ایسی جامع کتاب اردو فارسی کیا عربی میں بھی نہیں لکھی گئی لیکن اس کتاب کی تدوین و تالیف کا یہ مقصد نہیں ہے کہ قوم سے صرف حسن قبول کا تمغہ حاصل کیا جائے بلکہ اصلی مقصد یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اس کتاب کی برکت سے قوم میں وہی اخلاقی مذہبی اور علمی روح پیدا کردے جو صحابہ کرام ﷺ کے قالب میں موجود تھی۔ اس بنا پر اگر قوم نے اس حیثیت سے اس کتاب کا خیر مقدم کیا تو وہی ان ناچیز کوششوں کا صلہ ہوگا جو اس کتاب کی تدوین و ترتیب میں کی گئی ہیں۔ السعی منی و الا تهام من اللّٰه

عبدالسلام ندوی
دارالمصنفین اعظم گڈھ

مقدمہ

صحابی کی تعریف

عہد رسالت میں بہت سے بزرگوں نے مدتوں جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا بہت سے بزرگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ متعدد غزوات میں شرکت کی تھی بہت سے بزرگوں نے آپ ﷺ سے بکثرت احادیث کی روایتیں کی تھیں۔[1] بہت سے بزرگوں نے مسلمان ہو کر سن بلوغ میں آپ ﷺ کو دیکھا تھا۔[2] بہت سے بزرگوں نے آپ ﷺ کو قبل اسلام تو دیکھا تھا لیکن بعد اسلام ان کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔[3] بہت سے لوگ گو عہد رسالت میں موجود تھے لیکن ان کو آپ ﷺ سے ملنے یا آپ ﷺ کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔[4] بہت سے لوگوں نے آپ ﷺ کی زندگی میں تو آپ ﷺ کو نہیں دیکھا لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد ان کو آپ ﷺ کا دیدار نصیب ہوا۔[5] اور ان کے علاوہ بہت سے بچے تھے جو آپ ﷺ کے مبارک عہد میں پیدا ہوئے اور صحابہ کرام ﷺ نے حصول برکت کیلئے ان کو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا اور آپ ﷺ نے ان کا نام رکھا اور ان کو دعا دی۔[6] اب سوال یہ ہے کہ ان مختلف الحیثیات بزرگوں میں کون لوگ ہیں جن پر لفظ صحابی کا اطلاق کیا جاسکتا ہے؟ اور وہ صحابہ رسول اللہ ﷺ کے مقدس خطاب سے یاد کئے جاسکتے ہیں۔

۱) محدثین کی ایک جماعت اور جمہور اصولیین نے صحابی ہونے کیلئے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کو ایک مدت تک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نشست و برخاست کا موقع ملا ہو، کیونکہ عرف عام میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا ساتھی یا رفیق ہے تو اس سے صرف یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے ایک کافی زمانہ تک اس کی صحبت اٹھائی ہے۔ جو لوگ کسی شخص کو محض دور یا قریب سے دیکھ لیتے ہیں اور ان کو اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور بات چیت کرنے کا موقع نہیں ملتا ان کو عام طور پر اس کا رفیق و ساتھی نہیں کہا جاتا۔ قاضی ابو بکر محمد بن الطیب کا قول ہے کہ باتفاق اہل لغت صحابی صحبت سے مشتق ہے مگر صحبت کی کسی مخصوص

۱: مثلاً خلفائے راشدین اور تمام اکابر صحابہؓ۔ ۲: مثلاً شرکائے حجۃ الوداع۔
۳: مثلاً ورقہ بن نوفل۔ ۴: مثلاً حضرت اویس قرنی اور احنف بن قیس ؓ
۵: مثلاً ابن ابی ذؤیب الہذلی شاعر۔
۶: مثلاً عبید اللہ بن الحارث بن نوفل، عبد اللہ بن ابی طلحہ الانصاری اور محمد بن ابی بکر الصدیق ؓ جو آپ کی وفات سے تقریباً تین مہینے پیشتر حجۃ الوداع کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔

مقدار سے مشتق نہیں بلکہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہو سکتا ہے جس نے کم وزیادہ کسی کی صحبت اٹھائی ہو ،اس لئے کہا جاتا ہے کہ میں نے ایک سال یا ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک گھڑی تک ایک شخص کی صحبت اٹھائی اس لئے صحبت کی تھوڑی یا زیادہ مقدار دونوں پر صحبت کا اطلاق ہو سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ عرفاً صحابی صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جس نے کسی کی طویل صحبت اٹھائی ہو، عرفاً اس شخص کو صحابی نہیں کہہ سکتے جس نے کسی سے ایک گھنٹہ کی ملاقات کی ہو یا اس کے ساتھ چند قدم چلا ہو یا اس سے کوئی حدیث سنی ہو۔[1]

بلکہ حضرت سعید بن مسیب ؓ کے نزدیک صحابی صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو ایک غزوات میں شرکت کا موقع ملا ہو اور کم از کم اس نے سال دو سال تک آپ ﷺ کے ساتھ قیام کیا ہو۔

۲) بعض لوگوں کے نزدیک صحابی صرف اس کو کہتے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ سے احادیث کی روایت کی ہو۔

۳) بعض لوگوں کے نزدیک صحابی ہونے کیلئے صرف طویل صحبت کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اس نے آپ ﷺ کی صحبت بغرض حصول علم و عمل اختیار کی ہے چنانچہ علامہ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں:

قال ابو الحسين في المعتمد هو من طالت مجالسته على طريق التبع له و الاخذ عنه اما من طالت بدون قصدا لاتباع او لم تطل كالوافدين فلا ـ[2]

ابوالحسین نے معتمد میں کہا ہے کہ صحابی وہ ہے جس نے بطریق اتباع آپ ﷺ کی طویل صحبت اٹھائی ہو اور آپ ﷺ سے علم حاصل کیا ہو جن لوگوں نے اس کے بغیر آپ ﷺ کی طویل صحبت اٹھائے یا اس مقصد کو تو پیش نظر رکھا لیکن طویل صحبت نہیں اٹھائی۔ مثلاً وفود میں آنے والے لوگ تو وہ صحابی نہیں۔

۴) بعض لوگ ہر اس مسلمان کو صحابی کہتے ہیں جس نے حالت بلوغ اور حالت صحت عقل میں آپ ﷺ کو دیکھا ہے۔

۵) بعض لوگوں کے نزدیک آپ ﷺ کا دیکھنا بھی ضروری نہیں بلکہ ہر اس مسلمان کو صحابی کہہ سکتے ہیں جو عہد رسالت میں موجود تھا چنانچہ قاضی عبدالبر نے اپنی کتاب استیعاب میں اور ابن مندہ نے اپنی کتاب معرفۃ الصحابہ ؓ میں اسی شرط کی بنا پر صحابہ ؓ کے ساتھ بہت سے ان لوگوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جو آپ ﷺ کے عہد میں موجود تھے مگر آپ ﷺ کو دیکھا نہیں تھا لیکن درحقیقت یہ لوگ صحابی نہ تھے بلکہ اس سے مقصود یہ تھا کہ اس زمانہ کے تمام لوگوں کے حالات کا استقصاء کر لیا جائے۔

1: اسد الغابہ جلد ا صفحہ ۱۲۔ ۲: فتح المغیث ص ۱۷۔ ۳۔

۶) محدثین کی ایک جماعت جس میں امام احمد، علی بن مدینی اور امام بخاری بھی شامل ہیں صحابی کا خطاب صرف ان لوگوں کو دیتی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو حالت اسلام میں دیکھا ہے بلکہ آنکھوں سے دیکھنا بھی ضروری نہیں صرف آپ ﷺ کی ملاقات کافی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اندھے تھے اس لئے آپ ﷺ کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن بایں ہمہ ان کا شمار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہے کیونکہ ان کو آپ ﷺ کا شرف ملاقات حاصل تھا۔

ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ لغت کے رو سے ہر اس شخص کو صحابی کہہ سکتے ہیں جس نے زمانہ کی کسی ساعت میں ایک شخص کی صحبت اٹھائی ہے امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ ہر وہ شخص جس نے ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک منٹ تک رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی یا آپ ﷺ کو صرف دیکھا وہ صحابی ہے امام بخاری فرماتے ہیں کہ جس مسلمان نے آپ ﷺ کی صحبت اٹھائی یا آپ ﷺ کو دیکھا وہ صحابی ہے۔[1]

ان تمام اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں پیدا ہو کر سن بلوغ کو نہیں پہنچے وہ صحابی نہیں ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اصابہ میں لکھتے ہیں۔

ذکر اولئك فی الصحابة انما هو علی سبیل الالحاق لغلبة الظن علی انه صلی اللّٰه علیه وسلم راهم۔[2]

صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان بچوں کا ذکر بالکل الحاقی ہے کیونکہ ظن غالب یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا ہوگا۔

لیکن بعض لوگوں کے نزدیک یہ لوگ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے گروہ میں داخل ہیں چنانچہ مولانا عبدالحیٰ صاحب ظفر الامانی میں لکھتے ہیں:

والمرجح هو دخوله فیهم نعم حدیثهم مرسل لکنه مرسل مقبول۔[3]

مرجح یہ ہے کہ یہ لوگ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم میں داخل ہیں البتہ ان کی حدیث مرسل ہے لیکن وہ مرسل مقبول ہے۔

اسی طرح جن لوگوں نے آپ ﷺ کو بعد وفات دیکھا تھا وہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں داخل نہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی مقدمہ اصابہ میں لکھتے ہیں:

والراجح عدم الدخول۔[4]

قول راجح یہ ہے کہ یہ لوگ صحابی نہیں ہیں۔

جو مسلمان آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے لیکن ان کو آپ ﷺ کا دیدار نصیب

۱: اسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۔ ۲: مقدمہ اصابہ ص ۵۔
۳: کتاب مذکور ص ۳۰۷۔ ۴: مقدمہ اصابہ ص ۸۔

نہیں ہوا وہ بھی صحابی نہیں چنانچہ حضرت اویس قرنی ﷺ اسی قسم کے بزرگ ہیں۔

جن لوگوں نے اسلام لانے سے پہلے آپ ﷺ کو دیکھا تھا لیکن اسلام لانے کے بعد ان کو آپ ﷺ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی وہ بھی صحابی نہیں ہیں بلکہ ان کا شمار کبار تابعین میں ہے۔[1] اب ان اقوال کے مطابق صرف ان لوگوں کو صحابی کہا جا سکتا ہے:-

۱) جنہوں نے ایک مدت تک آپ ﷺ کا شرف صحبت حاصل کیا ہے۔

۲) یا کم از کم ایک غزوہ میں آپ ﷺ کے ساتھ شرکت کی ہے۔

۳) یا آپ ﷺ سے احادیث کی روایت کی ہے۔

۴) یا آپ ﷺ کی صحبت حصول علم و عمل کیلئے اختیار کی ہے۔

۵) یا مسلمان ہونے کے ساتھ آپ ﷺ کو حالت بلوغ و حالت ثبات عقل میں دیکھا ہے یا آپ ﷺ سے ملاقات کی ہے۔[2]

۶) یا حالت اسلام میں محض آپ ﷺ کو دیکھا ہے یا ملاقات کی ہے۔

ان اقوال میں چھٹا یعنی آخری قول جمہور کے نزدیک سب سے زیادہ صحیح اور عام مسلمانوں میں مقبول ہے کیونکہ یہ ان تمام صحابہ ﷺ کو شامل ہے جن میں احادیث کی روایت کی جا سکتی ہے اور ان کو اسوہ حسنہ بنایا جا سکتا ہے اس کے بعد پہلا یعنی اصولیین کا قول قابل اعتبار ہے کیونکہ اس سے اگرچہ بہت سے وہ صحابہ ﷺ جنہوں نے صرف رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا لیکن آپ ﷺ کی فیض صحبت سے کافی زمانہ تک متمتع نہیں ہوئے تھے صحابہ ﷺ کی جماعت سے نکل جاتے ہیں تاہم اس کے ذریعہ سے صحابیت کا ایک بلند معیار قائم ہوتا ہے اور تمام اکابر صحابہ ﷺ اس میں شامل ہو جاتے ہیں ان کے علاوہ اور تمام اقوال درجہ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں کیونکہ ان میں بعض اس قدر وسیع اور عام ہیں کہ عہد رسالت ﷺ کا ہر مسلمان صحابہ ﷺ کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے اور بعض اس قدر محدود ہیں کہ بہت سے کبار صحابہ ﷺ کے گروہ سے نکل جاتے ہیں اس کے علاوہ فضیلت کا دار و مدار صرف علم و عمل پر ہے اصولیین نے صحابہ ﷺ کی جماعت پر اخذ مسائل اور روایت حدیث کے لحاظ سے نظر ڈالی۔ اس لئے انھوں نے صرف اس شخص کو صحابی قرار دیا جس نے مدت تک آنحضرت ﷺ کا شرف صحبت حاصل کیا لیکن جمہور کے نزدیک صحابیت کا معیار صرف زہد و تقدس ہے اس لئے وہ ہر اس شخص کو صحابی کہتے ہیں جس نے حالت اسلام میں آپ ﷺ کو دیکھا ہے یا آپ

۱: ظفر الامانی ص ۳۰۸۔

۲: اور جس کا خاتمہ اسلام پر ہوا یعنی مرتے وقت وہ مسلمان تھے کیونکہ بعض ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے مسلمان ہونے کے ساتھ یا حالت اسلام میں آپ کو دیکھا یا ملاقات کی مگر بعد میں وہ دین سے پھر گئے اور اسی حالت میں مر گئے۔ (خورشید)

ﷺ سے ملاقات کی ہے۔

صحابہ ؓ کی تعداد

صحابہ ؓ کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان سے صحابہ ؓ کی تعداد کا صحیح پتہ لگانا سخت مشکل ہے اور اس کو خود ان کتابوں کے مصنفین تسلیم کرتے ہیں چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری اسد الغابہ میں لکھتے ہیں:

ولو حفظوا ذلك الزمان لكانوا اضعاف من ذكره العلماء۔[1]

اگر خود صحابہ ؓ اپنے زمانہ میں صحابہ ؓ کے نام محفوظ رکھتے تو ان کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہوتی جس کو علماء نے بیان کیا ہے۔

البتہ احادیث کی بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد صحابہ ؓ کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور آپ ﷺ کی وفات تک صحابہ ؓ کی ایک عظیم الشان جماعت تیار ہو گئی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا۔

اكتبوا الى من تلفظ بالاسلام من الناس۔

جو لوگ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں مجھے ان کا نام لکھ کر دو۔

اور جب اس حکم کی تعمیل کی گئی تو پندرہ سو مسلمانوں کی فہرست مرتب ہوئی۔[2] لیکن اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ حکم کس موقع پر دیا گیا اس لئے محدثین نے مختلف رائیں قائم کی ہیں حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ غالباً یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جب صحابہ ؓ جنگ احد کیلئے جا رہے تھے ابن تین کے نزدیک یہ حکم غزوہ خندق میں دیا گیا تھا داؤدی کے نزدیک یہ حدیبیہ کے زمانہ کا واقعہ ہے اس کے بعد اس تعداد میں اور اضافہ ہوا چنانچہ فتح مکہ میں دس ہزار صحابہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک جنگ ہوئے[3] اور فتح مکہ کے بعد جب تمام عرب مسلمان ہو گیا تو یہ تعداد اضعافاً مضاعفہ ہو گئی غزوہ حنین میں خادموں اور عورتوں کے علاوہ بارہ ہزار[4] اور غزوہ تبوک میں ۳۰ ہزار مجاہد آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔[5] حجۃ الوداع میں جس کے ایک سال بعد آپ ﷺ کا وصال ہوا ۴۰ ہزار صحابہ ؓ شریک تھے۔[6] غرض ۱۰ھ تک مکہ اور طائف میں کوئی شخص ایسا نہیں رہ گیا تھا جو مسلمان ہو کر حجۃ الوداع میں شریک نہ ہوا ہو۔[7] شرکائے حجۃ الوداع میں چار ہزار صحابہ ؓ کی مزید

۱: اسد الغابہ جلد اول ص ۳۔ ۲: بخاری کتاب الجہاد باب کتابۃ الامام الناس۔
۳: بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح فی رمضان۔
۴: اسد الغابہ صفحہ ۱۲ ج ۱۔ ۵: طبقات ابن سعد ذکر غزوہ تبوک۔
۶: مقدمہ ابن صلاح باب ۳۹ صفحہ ۱۵۱۔ ۷: مقدمہ اصابہ ص ۹۔

تعداد بھی شامل ہے۔ [1] امام شافعیؒ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو ساٹھ ہزار مسلمان موجود تھے جن میں تیس ہزار خاص مدینہ میں اور تیس ہزار مدینہ سے باہر اور مقامات میں تھے۔ ابوزرعہ رازی کا قول ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے وقت جن لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ سے حدیث سنی ان کی تعداد ایک لاکھ سے زائد [2] تھی جن میں مرد اور عورت دونوں شامل تھے اور ان میں ہر ایک نے آپ ﷺ سے روایت کی تھی۔ [3] ابن فتحون نے ذیل استیعاب میں اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ابوزرعہ نے یہ تعداد صرف ان لوگوں کو بتائی ہے جو روا ۃ حدیث میں تھے۔ لیکن ان کے علاوہ صحابہ ؓ کی جو تعداد ہوگی وہ اس سے کہیں زیادہ ہوگی۔ [4] بہر حال اکابر صحابہ ؓ کے نام ان کی تعداد اور ان کے حالات تو ہم کو صحیح طور پر معلوم ہیں لیکن ان کے علاوہ ہم اور صحابہ ؓ کی صحیح تعداد نہیں بتا سکتے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ خود صحابہ ؓ کے زمانہ میں مشاغل دینیہ نے صحابہ ؓ کو یہ موقع نہ دیا کہ وہ اپنی تعداد کو محفوظ رکھیں۔ [5] اس کے علاوہ اکثر صحابہ ؓ صحرا نشین بدوی تھے اس لئے ایسی حالت میں ان کا گمنام رہنا ضروری تھا۔ [6]

صحابہ ؓ کی شناخت

جن بزرگوں کی نسبت صحابی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس کی صحت کی دلیلیں اور علامتیں یہ ہیں کہ:

۱) ان کا صحابی ہونا بطریق تواتر ثابت ہو مثلاً حضرت ابو بکر صدیق ؓ، حضرت ؓ، حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور تمام اکابر صحابہ ؓ کا صحابی ہونا اسی طریقہ سے ثابت ہے۔

۲) ان کے صحابی ہونے کا ثبوت اگر تواتر کے درجہ تک نہ پہنچ سکے تو کم از کم بطریق روایت مشہور ان کا صحابی ہونا ثابت ہو حضرت عکاشہ بن محصن ؓ حضرت ضمام بن ثعلبہ ؓ وغیرہ کا صحابی ہونا اسی طریقہ سے ثابت ہے۔

۳) جن صحابہ ؓ کا صحابی ہونا یقینی طور پر ثابت ہے ان کی شہادت سے بھی اس کا ثبوت ہو سکتا ہے مثلاً ایک صحابی کا یہ کہنا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فلاں شخص کے ساتھ حاضر ہوا یا آپ ﷺ نے میرے سامنے فلاں شخص سے گفتگو کی اس شخص کے صحابی ہونے کی دلیل ہے بشر طیکہ وہ مسلمان ہو۔

۱: ایضاً ص ۷ ۱۴۔ ۲: تجرید جلد ا ص ۳۔
۳: مقدمہ اصابہ ص ۳۔ ۴: ایضاً
۵: مقدمہ اسد الغابہ ص ۳۔ ۶: مقدمہ اصابہ ص ۴۔

۴) اسی طرح ثقات تابعین کی شہادت سے بھی اس کا ثبوت ہو سکتا ہے۔
۵) چونکہ روایات سے ثابت ہو چکا ہے کہ عہد خلافت میں صرف صحابہ ؓ ہی امیر العسکر بنائے جاتے تھے اس لئے اگر غزوات وفتوحات میں کسی کی نسبت یہ ثابت ہو جائے کہ وہ امیر بنایا گیا تو اس سے بھی صحابیت ثابت ہو جائے گی۔
۶) روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہ ؓ کے گھروں میں جب بچے پیدا ہوتے تھے تو وہ تبرک وتحنیک کی غرض سے ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کرتے تھے اس لئے جن بچوں کی نسبت روایات سے ثابت ہو جائے ان کا صحابی ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔
۷) روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ فتح مکہ کے بعد مکہ اور طائف کے تمام لوگ مسلمان ہو کر حجتہ الوداع میں شریک ہوئے تھے اس لئے جن لوگوں کی نسبت یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اس وقت موجود تھے ان کا صحابی ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔
۸) لیکن اگر کوئی شخص بذات خود صحابی ہونے کا مدعی ہو اور اس کے دعویٰ کی صحت کیلئے متذکرہ بالا دلیلوں میں سے کوئی دلیل موجود نہ ہو تو اس کی نسبت محدثین کی مختلف رائیں ہیں:-

۱۔ بعض محدثین کا خیال ہے کہ چونکہ وہ خود اپنے لئے ایک شرف کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کا دعویٰ مقبول نہ ہوگا۔

۲۔ بعضوں کے نزدیک اگر وہ نہایت مختصر اور محدود صحبت کا مدعی ہو تو اس کا دعویٰ قبول کر لیا جائے گا کیونکہ بہت سی گھڑیاں ایسی ہوتی تھیں جن میں رسول اللہ ﷺ تنہا رہتے تھے اس لئے اگر اس حالت میں کسی نے آپ ﷺ سے ملاقات کی ہو یا آپ ﷺ کو دیکھا ہو تو اس کا ثبوت کسی دوسرے صحابی کی شہادت سے بہ مشکل ہو سکتا ہے۔

۳۔ لیکن اگر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے مدتوں آپ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے اور مدتوں سفر وحضر میں آپ ﷺ کے ساتھ رہا ہے تو اس کا یہ دعویٰ مقبول نہ ہوگا کیونکہ ایسے شخص کو عام طور پر لوگ آپ ﷺ کے پاس دیکھتے رہے ہوں گے اس لئے جب تک اس کی صحابیت نقل صحیح اور روایت عامہ سے ثابت نہ ہو جائے اس کا دعویٰ مقبول نہیں ہو سکتا۔

۴۔ لیکن محدث ابن عبدالبر نے اس معاملہ میں بہت زیادہ فیاضی کی ہے اور دو شرطوں کے ساتھ اس قسم کے اشخاص کے دعووں کو مطلقاً مقبول قرار دیا ہے ایک یہ کہ اس دعویٰ سے پہلے اس شخص کا عادل، ثقہ اور مقبول الروایۃ ہونا ثابت ہو، دوسرے یہ کہ خارجی قرائن اس کے دعویٰ کی تکذیب نہ کرتے ہوں۔ مثلاً ہجرت کی ایک صدی گزرنے کے بعد اگر کوئی شخص دوسری صدی کے دسویں سال صحابی ہونے کا مدعی ہو تو اس کا دعوی مردود قرار دیا جائے گا کیونکہ روایات سے ثابت ہو گیا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے تک صحابہ ؓ کا دور گزر جائے گا اور اس کے بعد کوئی صحابی باقی نہ رہے گا چھٹی صدی ہجری میں ایک شخص رتن ہندی گزرا ہے جس نے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا تھا لیکن محدثین نے اس کو

دجال اور کذاب قرار دیا۔

صحابہ ؓ کی عدالت

اگرچہ اصول کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ الصحابته کلهم عدول یعنی تمام صحابہ ؓ عادل ہیں لیکن شافعیہ میں ابوالحسین بن القطان نے اس عموم سے اختلاف کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک صحابہ ؓ میں چند بزرگ ایسے بھی گزرے ہیں جن سے کچھ لغزشیں سرزد ہوئی ہیں مثلاً ولید ؓ صحابی تھے لیکن انھوں نے شراب پی ہے۔ حاطب بن بلتعہ ؓ صحابی تھے لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے منشاء کے خلاف کفار مکہ کو خط لکھا ہے ایک خیال یہ ہے کہ خانہ جنگی کے زمانے سے پہلے گو تمام صحابہ ؓ عادل تھے لیکن جب خود صحابہ ؓ میں خانہ جنگی پھیل گئی اور صفین و جمل کے معرکے گرم ہوئے تو ان لوگوں کی عدالت قابل بحث و تحقیق ہو گئی، معتزلہ کے نزدیک جن لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے جنگ کی وہ عادل نہیں رہے لیکن جو لوگ حضرت معاویہ ؓ کے طرف دار ہیں وہ اس کے برعکس دعویٰ کرتے ہیں۔[1] محدث مازری نے عدالت کو صرف ان صحابہ ؓ کیلئے مخصوص کیا ہے جو شب و روز رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور آپ ﷺ کی اعانت میں مصروف رہتے تھے اس لئے ان کے نزدیک ہر صحابی عادل نہیں ہے چنانچہ ان کا قول ہے کہ:

لسنا نعنى بقولنا "الصحابته عدول" كل من را ﷺ يوما ما او زاره لما ما او اجتمع به لغرض وانصرف عن كثب وانما نعنى به الذين لازموه وعزروه ونصروه واتبعو النور الذى انزل معه اولئك هم المفلحون۔[2]

ہم جو یہ کہتے ہیں کہ صحابہ ؓ عدول ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر وہ شخص جس نے آپ ﷺ کو کسی دن دیکھ لیا یا چلتے پھرتے آپ ﷺ کی زیارت کر لی یا کسی غرض سے آپ ﷺ کی ملاقات کر کے تھوڑی دیر کے بعد واپس گیا عادل ہے بلکہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ رہے آپ ﷺ کی تائید و اعانت کی اور اس نور کا اتباع کیا جو آپ ﷺ کے ساتھ اتارا گیا یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔

لیکن عام محدثین کے نزدیک ان آیات کے بنا پر جو قرآن مجید میں عموماً تمام صحابہ ؓ کے فضائل میں نازل ہوئی ہیں یہ خصوصیت تمام صحابہ ؓ میں پائی جاتی ہیں اور ہر زمانہ میں پائی جاتی ہے اس میں صحابہ ؓ کا ہر فرد داخل ہے اور جو لوگ اس اصول کی ہمہ گیری کے مخالف ہیں انھوں نے عدالت کے مفہوم پر غور نہیں کیا ہے عدالت ایک مشترک لفظ ہے جس کے مختلف معنی ہیں مثلاً:-

---

1: فتح المغیث صفحہ ۷۷-۳ 2: مقدمہ اصابہ صفحہ ۱۱

۱) کبھی عدالت کو جور و ظلم کے مقابل میں بولا جاتا ہے اور اس وقت یہ لفظ انصاف کا مراوف ہو جاتا ہے۔
۲) کبھی فسق و فجور کے مقابل میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس وقت یہ لفظ تقویٰ کا ہم معنی ہوتا ہے۔
۳) کبھی یہ لفظ صرف عصمت پر دلالت کرتا ہے اور یہ وصف صرف انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہے۔
۴) کبھی یہ لفظ گناہوں سے محفوظ رہنے پر دلالت کرتا ہے اور نتائج کے لحاظ سے اگرچہ اس میں اور عصمت میں کوئی فرق نہیں تاہم عصمت ایک ملکہ فطری وہبی ہے اور گناہوں سے محفوظ رہنا ایک ملکہ کسبی ہے اسی بنا پر انبیاء علیہم السلام کو معصوم اور اولیاء کو محفوظ کہا جاتا ہے۔
۵) کبھی عدالت کے معنی روایت حدیث میں جھوٹ سے بچنے کے ہوتے ہیں اور اس معنی میں عادل اس شخص کو کہتے ہیں جو روایت حدیث میں دروغ بیانی نہ کرتا ہو۔

لیکن یہ کسی محدث کا دعویٰ نہیں ہے کہ صحابہ ﷺ کوئی کام انصاف کے خلاف نہیں کر سکتے ان سے کوئی فعل تقویٰ و طہارت کے خلاف صادر نہیں ہو سکتا۔ وہ انبیاء کی طرح معصوم ہیں یا وہ تمام گناہوں سے محفوظ ہیں بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ کوئی صحابی ﷺ روایت کرنے میں دروغ بیانی سے کام نہیں لیتا۔ چنانچہ ابن الانباری کا قول ہے کہ:

لیس المراد بعد التهم ثبوت العصمة لهم و استحالة المعصية من هم و انما المراد قبول روايا تهم من غير تكلف البحث عن اسباب العدالة و طلب التزكية الا ان يثب ارتكاب قارح لم يثبت ذلك۔

ابن انباری کا قول ہے کہ صحابہ ﷺ کی عدالت سے یہ مراد نہیں کہ صحابہ ﷺ بالکل معصوم ہیں اور ان سے گناہوں کا سرزد ہونا محال ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ ان کی رواتوں کو اسباب عدالت و ثقاہت کی چھان بین کے بغیر قبول کر لینا چاہئے بجز اس صورت کے جب وہ ایسے امر کا ارتکاب کریں جو روایات میں قادح ہو اور یہ ثابت نہیں ہے۔

مولانا شاہ عبدالعزیزؒ صاحب دہلوی لکھتے ہیں

اہل سنت کا یہ مقررہ عقیدہ ہے کہ صحابہ ﷺ کل کے کل عادل ہیں یہ لفظ بار بار بولا گیا ہے اور میرے والد مرحوم شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس لفظ کی حقیقت سے بحث کی تو یہ ثابت ہوا کہ اس موقع پر عدالت کے متداول معنی مراد نہیں ہیں بلکہ صرف عدالت فی روایۃ الحدیث مراد ہے اس کے سوا اور کچھ مراد نہیں ہے اور اس عدالت کی حقیقت روایات میں جھوٹ سے بچنا ہے کیونکہ ہم نے تمام صحابہ ﷺ کی سیرت کو خوب ٹٹولا یہاں تک کہ ان لوگوں کی سیرت کا بھی مطالعہ کیا جو خانہ جنگیوں فتنوں اور لڑائی جھگڑوں میں شریک ہوئے

توہم کو معلوم ہوا کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے متعلق دروغ بیانی کو سخت ترین گناہ سمجھتے ہیں اور اس سے شدت کے ساتھ احتراز کرتے ہیں۔[1]

صحابہ رضی اللہ عنہم کے طبقے

مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مختلف طبقے ہیں چنانچہ قلت و کثرت روایت کے لحاظ سے ان کے مختلف طبقات قائم کیے گئے ہیں لیکن فضائل و مناقب کے لحاظ سے اہل سنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق۔

خلفائے راشدین... تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں اور خلفاء میں بھی ترتیب خلافت مدارج فضیلت قائم ہوئے ہیں خلفاء کے بعد،

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن...... افضل ہیں اور ان دونوں کے بعد فضیلت کی ترتیب یہ ہے۔

مہاجرین اولین..... لیکن ان میں باہم ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی جاسکتی۔

اہل عقبہ .... مہاجرین اولین کے بعد اہل عقبہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

اہل بدر.......... اہل عقبہ کے بعد شرکائے بدر کا درجہ ہے۔

اہل مشاہد .... اس کے بعد درجہ بدرجہ اہل مشاہد کو فضیلت حاصل ہے یعنی جو غزوہ پہلے ہوا ہے اس کے شرکاء ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں جو اس کے بعد کی لڑائیوں میں شریک ہوئے خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے:

لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل و اولئك اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا و کلا وعداللّٰه الحسنی (حدید۔۱)

تم (مسلمانوں) میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (راہ خدا میں مال) خرچ کئے اور دشمنوں سے لڑے وہ درجہ میں ان مسلمانوں سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے پیچھے مال خرچ کئے اور لڑے اور یوں حسن سلوک کا وعدہ تو اللہ نے سب ہی سے کر رکھا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مبارک زمانہ ابتدائے بعثت سے شروع ہو کر پہلی صدی کے آخر تک ختم ہو گیا اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کی معجزانہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو ان الفاظ میں کی گئی ہے:

فان راس مائة سنة لا یبقی ممن هو الیوم علی ظهر الارض احد

جو لوگ آج روئے زمین پر موجود ہیں ان میں سے سو سال کے بعد کوئی باقی نہ رہے گا۔

1: ظفر الامانی ص ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔

لیکن ان مبہم الفاظ سے صحابہ کرام ﷡ کو دھوکا ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ سو سال کے بعد قیامت آکر تمام دنیا ہی کا خاتمہ کردے گی حالانکہ آپ ﷺ کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس پیشین گوئی کے وقت جو لوگ موجود ہیں ان میں سے سب فنا ہو جائیں گے[1] اور نسل انسانی کا یہ مخصوص دور ختم ہو جائے گا اور جہاں تک عہد صحابہ ﷡ کا تعلق ہے واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں چنانچہ مدینہ کے صحابہ ﷡ میں حضرت سہل بن سعد ﷜ آخری صحابی ہیں جنھوں نے باختلاف روایت ۸۸ھ میں ۹۶ سال یا ۹۱ھ میں سو سال کی عمر میں وفات پائی وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں مر جاؤں تو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے والا کوئی دوسرا نہ ملے گا۔[2]

بصرہ کے صحابہ ﷡ میں حضرت انس بن مالک ﷜ آخری صحابی تھے جنھوں نے باختلاف روایت ۹۰ھ یا ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں زیادہ سے زیادہ ۱۰۳ سال کی عمر میں وفات پائی[3] خود ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ اب کوئی صحابی ﷜ باقی ہے یا نہیں۔ تو بولے کہ ”دیہات کے چند بدو البتہ باقی رہ گئے ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے لیکن اب کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے آپ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہو۔[4]

لیکن ان سب میں حضرت ابوالطفیل ﷜ عامر بن واثلہ سب سے آخری صحابی تھے جنہوں نے ۱۰۰ھ میں مکہ میں وفات پائی وہ خود کہا کرتے تھے کہ آج میرے سوا روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔[5]

بہرحال حدیث صحیح اور عام روایات کی رو سے پہلی صدی کے ختم ہونے کے ساتھ صحابہ کرام ﷡ کا دور مبارک ختم ہو گیا اور اب صرف ان کے اعمال صالحہ باقی رہ گئے ہیں اور اس کتاب میں ہم انہیں اعمال صالحہ کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

۱: بخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء۔
۲: استیعاب تذکرہ سہل بن سعد ﷜۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت انس بن مالک ﷜۔
۴: مقدمہ ابن صلاح باب ۳۹ ص ۱۴۸۔
۵: استیعاب تذکرہ حضرت ابوالطفیل ﷜۔

قبولِ اسلام

لطافت طبع رقت قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پند و موعظت تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کر سکتا ہے ،پھولوں کی پنکھڑیاں نسیم صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں لیکن تناور درختوں کو باد صر صر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے شعاع نگاہ آئینہ کے اندر سے گذر جاتی ہے لیکن پہاڑوں میں فولادی تیر بھی نفوذ نہیں کرتے بعینہ یہی حال انسان کا بھی ہے ایک لطیف الطبع، رقیق القلب اور اثر پذیر آدمی ہر دعوت حق کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے لیکن سنگ دل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے سے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے اس فرق مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں لیکن اشاعت اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے کفار میں ہم کو بہت سے اشقیا کا نام معلوم ہے جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا ،لیکن صحابہ کرام ﷺ نے قرآن مجید کی آیات رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و عادات آپ ﷺ کے مواعظ و نصائح شکل و شباہت دعاۃ اسلام کی تعلیم ہدایت و ارشاد اور معجزات و آیات غرض ہر موثر چیز کے اثر کو قبول کیا اور بطوع و رضا اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے۔

قرآن مجید کا اثر

عمر ﷺ خود آنحضرت ﷺ کا (نعوذ باللہ) کام تمام کرنے کیلئے گھر سے نکلے تھے لیکن جب قرآن مجید کی چند آیتیں سنیں تو ان کا دل نور ایمان سے لبریز ہو گیا۔[1] حضرت ابوذر غفاری ﷺ نے اپنے بھائی سے قرآن مجید کے معجزانہ اثر کا ذکر سنا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صدق دل سے مسلمان[2] ہو گئے۔

حضرت عثمان بن مظعون ﷺ نے جب یہ آیت سنی:

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان و ایتاء ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون (نحل۔۱۳)

خدا عدل احسان اور قرابتداروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بدکاری برائی

۱: اصابہ تذکرہ حضرت عمر ﷺ۔ ۲: صحیح مسلم فضائل ابوذر ﷺ۔

اور ظلم سے روکتا ہے وہ اس لئے یہ نصیحتیں کرتا ہے کہ شاید تم اس کو قبول کر لو۔

تو ان کے دل پر جو اثر ہوا اس کو وہ خود ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

فذلك حين استقرا لايمان في قلبي و احببت محمدا۔[1]

یہی وہ وقت ہے جب ایمان میرے دل میں جاگزین ہوا اور میں محمد ﷺ سے محبت رکھنے لگا۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیتیں سنیں:

ام خلقو امن غير شئى ام هم الخالقون ام خلقوا السموات و الارض بل لا يوقنون ام عندهم خزائن ربك ام هم المصيطرون۔

کیا یہ لوگ خود بخود پیدا ہو گئے۔ یا یہ لوگ خود پیدا کرنے والے ہیں کیا آسمان و زمین کو انہی لوگوں نے پیدا کیا ہے سچ تو یہ ہے کہ ان کے دل میں ایمان نہیں (اے پیغمبر) کیا ان کے پاس تمہارے پروردگار کے خزانے ہیں۔ یا یہ لوگ سربراہ کار ہیں۔

تو خود کہتے ہیں کہ میرا دل اڑنے لگا[2] حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن سنا تو بے اختیار ہو کر مسلمان ہو گئے۔[3] طائف کے سفر میں حضرت خالد العدوانی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ آیت سنی:

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ۔ ”آسمان کی قسم اور رات میں آنے والے کی قسم“

تو اسی وقت پوری سورہ کو یاد کر لیا اور بالآخر مسلمان ہو گئے۔[4]

اشخاص سے الگ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کی جماعت قرآن مجید کے اثر سے متاثر ہوئی اور اسلام لائی، مثلاً حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دعوت اسلام دی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔[5]

قرآن مجید نے ایرانیوں کے مقابل میں رومیوں کی فتح کی جو پیشین گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی تو بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔[6]

1: مسند ابن حنبل جلد ا ص ۳۱۸۔
2: صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ طور۔
3: استیعاب و طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ۔
4: مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۳۳۵۔
5: اسد الغابہ تذکرہ ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ۔
6: ترمذی کتاب التفسیر سورہ روم۔

اخلاق نبوی ﷺ کا اثر

ایک بار ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سی بکریاں مانگیں آپ ﷺ نے اس کا سوال پورا کیا اس پر اس فیاضی کا یہ اثر پڑا کہ اپنے قبیلہ میں آکر کہا کہ لوگو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد ﷺ اس قدر دیتے ہیں کہ انکو اپنے تنگ دست ہو جانے کا بھی خوف نہیں ہوتا۔[1]

ایک یہودی عالم نے جب آپ ﷺ کو تقاضائے قرض میں اس قدر تنگ پکڑا کہ ظہر کی نماز سے لے کر فجر تک آپ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا تو صحابہ کرام ؓ نے اس کو سخت دھمکیاں دیں لیکن آپ ﷺ نے فرمایا خدا نے مجھے کسی ذمی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دی ہے دن چڑھا تو وہ اسلام لایا اور کہا کہ میرا نصف مال خدا کی راہ میں صدقہ ہے اس سخت گیری سے میرا صرف یہ مقصد تھا کہ تورات میں آپ ﷺ کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا تجربہ کروں۔[2] ثمامہ ابن آثال ؓ گرفتار ہو کر آئے تھے لیکن جب آپ ﷺ نے ان کو بلا شرط و بلا معاوضہ رہا کر دیا تو انھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور ان کا دل اسلام داعی اسلام اور مدینۃ الاسلام کی محبت سے معمور ہو گیا۔[3]

مواعظ نبوی ﷺ کا اثر

ایک بار حضرت ضماد ؓ مکہ میں آئے تو کفار سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کو جنون ہو گیا ہے۔ حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ "میں جنون کا علاج کرتا ہوں" آپ ﷺ نے انکے سامنے ایک تقریر کی جس کا اثر ان پر یہ پڑا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔[4] حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر یعنی آپ ﷺ کے رضائی باپ جب مکہ میں تشریف لائے تو قریش نے کہا کہ کچھ سنا ہے تمہارا بیٹا کہتا ہے کہ "لوگوں کو مر کر پھر جینا ہوگا۔" انھوں نے آپ ﷺ سے کہا "بیٹا یہ کیا کہتے ہو؟" آپ ﷺ نے فرمایا "اگر وہ دن آیا تو میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر بتادوں گا کہ جو کچھ میں کہتا تھا سچ تھا"۔ وہ فوراً مسلمان ہو گئے اور ان فقروں کا اثر عمر بھر رہا کہا کرتے تھے کہ "میرا بیٹا ہاتھ پکڑے گا تو جنت میں پہنچا کر ہی چھوڑے گا"۔[5]

شمائل نبوی ﷺ کا اثر

بعض صحابہ ؓ نے صرف آپ ﷺ کی شکل و صورت ہی دیکھ کر آپ ﷺ کی

۱: مسلم کتاب الفضائل باب اسئل رسول اللہ ﷺ شیاقط فقال لاو کثرت عطائہ۔
۲: مشکوٰۃ کتاب الفتن فی اخلاقہ ﷺ۔
۳: صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب ربط الاسیر۔
۴: مسلم کتاب الجمعہ باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ۔
۵: اصابہ تذکرہ حضرت حارث بن عبد العزیٰ۔

نبوت کا اعتراف کر لیا۔ حضرت ابو رافع ؓ آپ ﷺ کی خدمت میں قریش کی طرف سے قاصد بن کر آئے لیکن آپ ﷺ پر نظر پڑتے ہی شیدائے اسلام ہو گئے اور بالآخر علانیہ اسلام قبول کر لیا[1] حضرت عبداللہ بن سلام کو آپ ﷺ کا چہرہ دیکھتے ہی یقین ہو گیا کہ
وجهه ليس بوجه كذاب۔[2] جھوٹے آدمی کا چہرہ ایسا نہیں ہو سکتا۔

دُعاۃ اسلام کا اثر

صحابہ ؓ میں بکثرت دعاۃ اسلام کے اخلاقی اثر سے اسلام لائے متعدد صحابہ ؓ نے حضرت ابو بکر ؓ کے اثر سے اسلام قبول کیا یمن کے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد و ہدایت سے اسلام لائے حضرت طفیل ؓ نے اپنے قبیلے کے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا قبیلہ ہمدان حضرت عامر بن شہر کے اثر سے اسلام لایا حضرت ابوذر غفاری ؓ کا آدھا قبیلہ ان کے اثر سے مسلمان ہوا غرض احادیث و سیر میں اس قسم کے بکثرت واقعات مذکور ہیں اور اشاعت اسلام کے عنوان میں ان کی تفصیل آئے گی۔

معجزات کا اثر

ایک سفر میں صحابہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی آپ ﷺ نے دو آدمیوں کو پانی کی تلاش میں بھیجا۔ یہ لوگ جستجو میں نکلے تو ایک ناقہ سوار عورت ملی جس کے ساتھ پانی کی دو مشکیں تھیں ان دونوں بزرگوں نے اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے ایک برتن منگوایا اور اس میں دونوں مشکوں سے پانی ڈھال کر مشکوں کے دہانے بند کر دیے اور عام اعلان کے ذریعہ سے تمام صحابہ ؓ آئے اور پانی پی کر سیراب ہوئے لیکن مشکوں کے پانی میں کوئی کمی نہیں ہوئی عورت نے یہ معجزہ دیکھا تو اپنے قبیلہ میں آکر بیان کیا کہ خدا کی قسم آسمان و زمین کے درمیان یہ شخص عجوبہ روزگار اور خدا کا سچا پیغمبر ہے۔[3]

رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن سلام ؓ حاضر خدمت ہوئے اور چند غیبی امور کے متعلق سوالات کیے آپ ﷺ نے ان کے جوابات دیے تو انھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔[4]

۱: ابوداؤد کتاب الجہاد باب یستجن بالامام فی العہود۔
۲: ترمذی ابواب الزہد ص ۴۰۹۔
۳: بخاری کتاب التیمم باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیہ من الماء۔
۴: بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینہ مع فتح الباری۔

فتح مکہ کا اثر

اگر چہ صحابہ کرام ﷺ کی ایک بہت بڑی تعداد جن میں تمام اکابر صحابہ ﷺ داخل ہیں متذکرہ بالا اسباب سے اسلام قبول کیا۔ تاہم ایک جماعت اسلام کے عام غلبہ کا انتظار کر رہی تھی۔ اس لئے جب مکہ فتح ہوا تو عام اہل عرب نے بطوع و رضا خود بخود اسلام قبول کر لیا صحیح بخاری میں ہے۔

و کانت العرب تلوم باسلامھم الفتح فتقولون اترکوہ و قومہ فانہ ان ظھر علیھم فھو نبی صادق فلما کانت وقعتہ اھل الفتح بادر کل قوم باسلامھم۔[1]

تمام عرب اپنے اسلام کیلئے فتح مکہ کا منتظر تھا وہ کہتے تھے کہ محمد کو اپنی قوم سے نبٹ لینے دو اگر وہ ان پر غالب آ گئے تو وہ سچے پیغمبر ہیں چنانچہ فتح مکہ کا واقعہ ہوا تو ہر قبیلہ کے لوگ نہایت سرعت کے ساتھ اسلام کی طرف دوڑے۔

۱: بخاری کتاب المغازی ذکر فتح مکہ۔

قوت ایمان

طمع و ترغیب سے برگشتہ از اسلام نہ ہونا

ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام ﷺ اس قدر مفلوک الحال تھے کہ افلاس کی وجہ سے بعض مسلمان خاندانوں کے مرتد ہو جانے کا خطرہ تھا۔[1] لیکن مخالفین اسلام یعنی یہود و کفار دولت و ثروت سے مالا مال تھے بالخصوص یہود کے پاس یہ ایک ایسا زریں آلہ تھا کہ جس کے ذریعہ سے وہ صحابہ ﷺ کی روحانی طاقت پر زد لگا سکتے تھے اس افلاس پر صحابہ کرام ﷺ کو صدقہ و زکوٰۃ بھی ادا کرنا پڑتا تھا اور بظاہر یہ ایک ایسا بار تھا جس کے سبکدوش ہونے کیلئے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام سے برگشتہ ہونے کی ترغیب دی جا سکتی تھی چنانچہ جب محمد ابن مسلمہ ﷺ نے کعب بن اشرف سے حیلۃً گرانباری صدقہ کی شکایت کی اور اس غرض کیلئے اس سے قرض لینا چاہا تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس نے کہا تم محمد سے گھبرا اٹھو گے۔[2] اس کے ساتھ صحابہ ﷺ کو اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہونا پڑتا تھا اور اس حالت میں ان سے نجات دلانے کا وعدہ ایک ضعیف الایمان دل کو ڈانواں ڈول کر سکتا تھا لیکن صحابہ کرام ﷺ نے ان میں سے کسی چیز کے اثر کو قبول نہیں کیا بلکہ ان کی قوت ایمان نے یہودیوں کی مالی ترغیبات کو اس قدر بے اثر کر دیا کہ حضرت محیصہ ﷺ جس یہودی تاجر سے مالی فائدہ اٹھاتے تھے جوش اسلام میں خود اسی کو قتل کر دیا جس پر ان کے بڑے بھائی نے جو اب تک کافر تھے ان کو یہ طعنہ دیا کہ "او خدا کے دشمن تیرے پیٹ کی کل چربی اسی کے مال سے پیدا[3] ہوئی ہے۔"

مصیبتوں سے نجات دلانے کی توقعات کو صحابہ کرام ﷺ نے اس بے پروائی کے ساتھ ٹھکرا دیا کہ جب غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ حضرت کعب بن مالک ﷺ سے ناراض ہو گئے اور آپ ﷺ کے حکم سے تمام صحابہ ﷺ نے ان سے معاشرتی تعلقات منقطع کر لئے تو شاہ غسان نے ان کو لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر ظلم کیا ہے لیکن خدا تم کو ذلت اور کسمپرسی کی زمین میں نہ رہنے دے گا آؤ اور ہم سے مل جاؤ ہم اپنے مال کے ذریعہ تمہاری غم خواری کریں گے لیکن انھوں نے اس خط کو خود

1: سنن ابن ماجہ کتاب البیوع باب السلف فی کیل معلوم و وزن معلوم الی اجل معلوم۔
2: بخاری کتاب المغازی باب قتل کعب بن اشرف۔
3: ابوداؤد کتاب الخراج باب کیف کان اخراج الیہود من المدینۃ۔

تنور میں ڈال دیا اور حسرت سے کہا انا للہ اب کفار مجھ کو حریصانہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔[1]

انسان دوسروں کے مال و دولت سے بے نیاز ہو سکتا ہے لیکن خود اپنے ذاتی مال و جائیداد کو نہیں چھوڑ سکتا لیکن صحابہ کرام ؓ نے اپنے مال و جائیداد کو بھی اسلام پر قربان کر دیا اور ان میں کسی چیز کی محبت ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکی عاص بن وائل پر حضرت خباب ؓ کی اجرت باقی تھی لیکن جب انھوں نے اس کا تقاضا کیا تو ملعون نے کہا کہ جب تک محمد ﷺ کی نبوت سے انکار نہ کرو گے نہ دوں گا۔ لیکن انھوں نے کہا کہ یہ تو قیامت تک بھی نہ ہوگا۔[2]

صحابہ کرام ؓ نے ہجرت کی تو اپنے تمام مال و متاع کو خیر باد کہا اور وراثت سے جو مال ملتا اس سے اسلئے محروم ہو گئے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا لیکن ان چیزوں میں ایک چیز بھی ان کے رشتہ ایمان کو ڈھیلا نہ کر سکی ہجرت کرنے کے بعد بھی ابتلا و امتحان کے مختلف مواقع پیش آئے لیکن صحابہ کرام ؓ نے عارضی فوائد کیلئے اپنے عقائد کے اظہار میں کسی قسم کی مداہنت نہیں کی چنانچہ جب صحابہ کرام ؓ ہجرت کر کے حبش کو گئے تو نجاشی کے ظل عاطفت میں نہایت امن و سکون کی زندگی بسر کرنے لگے لیکن قریش کو یہ گوارا نہ ہوا اور انھوں نے دو ممتاز آدمیوں کو مکہ کے بہترین تحف و ہدایا کے ساتھ روانہ کیا۔ کہ وہ نجاشی کو اس پر آمادہ کریں کہ وہ صحابہ ؓ کو مکہ میں واپس بھیج دے۔ قریش کی بڑی خواہش یہ تھی کہ نجاشی اور صحابہ ؓ کے درمیان کسی قسم کی گفتگو نہ ہونے پائے لیکن نجاشی نے اس کو منظور نہیں کیا اور کہا کہ جب تک میں اس معاملہ کے متعلق ان سے گفتگو نہ کرلوں گا ان کو واپس نہیں کر سکتا۔ اس غرض سے اس نے صحابہ ؓ کو طلب کیا اور صحابہ ؓ نے باہمی مشورہ سے یک زبان ہو کر کہا کہ نتیجہ جو کچھ بھی ہو لیکن ہم وہی بات کہیں گے جس کا ہم کو یقین ہے اور جس کا ہم کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے چنانچہ اس قرار داد کے بموجب حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ نے اسلام کی پاک تعلیمات کو نجاشی کے سامنے بیان کیا تو اس پر نہایت عمدہ اثر پڑا اور کفار کی تمام کوششیں ناکام رہیں اب انھوں نے نجاشی کو اشتعال دلانے کیلئے دوسری تدبیر اختیار کی اور کہا کہ اے بادشاہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک بڑی بات کہتے ہیں یعنی ان کو خدا کا بندہ سمجھتے ہیں خود ان کو بلا کر پوچھ لے صحابہ ؓ نے مشورہ کیا کہ اس سوال کا کیا جواب دیا جائے گا۔ سب نے کہا کہ "جو کچھ بھی ہو ہم حضرت عیسیٰ کے بارے میں وہی کہیں گے جو خدا نے کہا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیم دی ہے نجاشی ایک عیسائی بادشاہ تھا اور اسی وجہ سے ان دونوں آدمیوں نے اس سوال پر اس کو آمادہ کیا

1: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک مع فتح الباری۔

2: بخاری کتاب التفسیر تفسیر کہیعص۔

تھا لیکن جب اس نے سوال کیا تو صحابہ ؓ نے صاف صاف کہا کہ وہ خدا کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں اس کی روح ہیں اور اس کے کلمہ ہیں اب نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ اس کے سوا عیسیٰ بن مریم اس تنکے سے بھی زیادہ نہیں۔[1]

تحمل شدائد

ضعیف القلب انسان مصائب کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہے لیکن صحابہ کرام ؓ نے اسلام کیلئے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر تزلزل واقع نہیں ہوا حضرت بلال ؓ کو کفار نے لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا لڑکے ان کو مکہ کی پہاڑیوں میں گھسیٹتے پھرتے لیکن ان کی قوت ایمان میں کسی قسم کا ضعف[2] نہیں پایا۔ حضرت خباب ؓ ام انمار کے غلام تھے وہ اسلام لائے تو ام انمار نے لوہا گرم کر کے ان کے سر پر رکھا ایک دن حضرت عمر ؓ نے ان کی پیٹھ دیکھی تو کہا کہ آج تک ایسی پیٹھ میری نظر سے نہیں گزری حضرت خباب ؓ نے جواب دیا کہ کفار نے انگاروں پر لٹا کر مجھ کو گھسیٹا تھا۔[3]

حضرت صہیب ؓ اور حضرت عمار ؓ کو کفار لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں چھوڑ دیتے تھے لیکن دھوپ کی شدت سے ان کی حرارت اسلام میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی تھی۔[4]

کفار حضرت ابو فکیہ ؓ کے پاؤں میں بیڑی ڈال کر دھوپ میں لٹا دیتے پھر پشت پر پتھر کی چٹان رکھ دیتے یہاں تک کہ وہ مختل الحواس ہو جاتے ایک دن امیہ نے انکے پاؤں میں رسی باندھی اور آدمیوں کو انکے گھسیٹنے کا حکم دیا اس کے بعد ان کو تپتی ہوئی زمین پر لٹا دیا۔ اتفاق سے راہ میں ایک گبریلا جارہا تھا امیہ نے استہزا کہا تیرا پروردگار یہی تو نہیں۔ بولے میرا اور تیرا پروردگار اللہ تعالی ہے اس پر اس نے زور سے ان کا گلا گھونٹا لیکن اسکے بے درد بھائی کو جو اس وقت اس کے ساتھ تھا اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور اس نے کہا کہ اس کو اور اذیت دو۔[5]

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا حضرت عمار ؓ کی والدہ تھیں ایک دن کفار نے ان کو دھوپ میں لٹا دیا تھا۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا "صبر کرو صبر تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے۔" لیکن ابو جہل کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور اس نے برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا۔[6]

حضرت عمر ؓ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمر ؓ کو معلوم ہوا تو اس قدر

۱: مسند ابن حنبل جلد ا ص ۲۰۲۔ ۲: سنن ابن ماجہ ص ۱۴ فصل سلمان وابی ذر والمقداد۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ خباب بن ارت ؓ ۔ ۴: اسد الغابہ تذکرہ صہیب ؓ ۔
۵: اسد الغابہ تذکرہ ابو فکیہ ؓ ۔ ۶: ایضاً تذکرہ سمیہ رضی اللہ عنہا ۔

مارا کہ تمام بدن لہولہان ہو گیا۔ لیکن انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو کچھ کرنا ہو کر و میں تو اسلام لا چکی۔[۱]

حضرت ابوذر غفاری ﷺ نے جب خانہ کعبہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا تو ان پر کفار ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے زمین پر لٹا دیا۔[۲]

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے جب اول اول خانہ کعبہ میں قرآن مجید کی چند آیتیں باآواز بلند پڑھیں تو کفار نے ان کو اس قدر مارا چہرے پر نشان پڑ گئے لیکن انھوں نے صحابہ ﷺ سے کہا کہ "اگر کہو تو کل پھر اسی طرح باآواز بلند قرآن کی تلاوت کر آؤں"۔[۳]

ان اذیتوں کے علاوہ کفار ان غریبوں کو اور بھی مختلف طریقوں سے ستاتے تھے پانی میں غوطے دیتے تھے مارتے تھے بھوکا پیاسا رکھتے تھے یہاں تک کہ ضعف سے بے چارے بیٹھ نہیں سکتے تھے۔[۴]

یہ وہ لوگ تھے جن میں اکثر یا تو لونڈی غلام تھے یا غریب الوطن لیکن ان کے علاوہ بہت سے دولت منداور معزز لوگ بھی کفار کے دست تطاول سے محفوظ نہ رہ سکے۔

حضرت عثمان ﷺ نہایت معزز شخص تھے لیکن جب اسلام لائے تو خود ان کے چچا نے ان کو رسی میں باندھ دیا۔[۵]

حضرت زبیر بن عوام ﷺ جب اسلام لائے تو ان کا چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر لٹکا دیتا تھا پھر نیچے سے ان کی ناک میں دھواں دیتا تھا۔[۶]

حضرت عمر ﷺ کے چچازاد بھائی سعید بن زید ﷺ اسلام لائے تو حضرت عمر ﷺ نے ان کو رسیوں میں باندھ دیا۔[۷]

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ ﷺ اور حضرت سلمہ بن ہشام ﷺ اسلام لائے تو کفار نے دونوں کے پاؤں کو ایک ساتھ باندھ دیا۔[۸]

حضرت ابو بکر ﷺ اسلام لائے تو ایک تقریر کے ذریعہ سے دعوت اسلام دی کفار نے یہ نامانوس آواز سنی تو ان پر دفعتہً ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ حضرت ابو بکر ﷺ کے قبیلہ

۱: ایضاً تذکرہ عمر ﷺ۔
۲: مسلم کتاب مناقب فضائل حضرت ابوذر غفاری ﷺ۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعود ﷺ۔
۴: ایضاً تذکرہ عمارؓ۔ ۵: طبقات ابن سعد ترجمہ عثمان بن عفان۔
۶: ریاض النضرہ المحب الطبری تذکرہ حضرت زبیر بن عوامؓ۔
۷: بخاری کتاب الاکراہ باب من اختار الضرب والقتل والهوان علی الکفر۔
۸: طبقات ابن سعد تذکرہ ولید بن ولید۔

بنو تیم کو ان کی موت کا یقین آ گیا اور وہ ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر گھر لے گئے شام کے وقت ان کی زبان کھلی تو بجائے اس کے کہ اپنی تکلیف بیان کرتے رسول اللہ ﷺ کا حال پوچھا۔ اب خاندان کے لوگ بھی ان سے الگ ہو گئے لیکن ان کو اسی محبوب کے نام کی رٹ لگی رہی بالاخر لوگوں نے ان کو آپ ﷺ تک پہنچا دیا آپ ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو ان کے اوپر گر پڑے ان کا بوسہ لیا اور سخت رقت طبع کا اظہار فرمایا۔[۱]

صبر و استقامت کی یہ بہترین مثالیں تھیں اور صحابہ کرام ﷺ کے زمانہ میں خود اہل کتاب تک ان کے معترف تھے چنانچہ استیعاب میں ہے کہ جب صحابہ کرام ﷺ شام میں گئے تو ایک اہل کتاب نے ان کو دیکھ کر کہا کہ عیسیٰ ابن مریم کے وہ اصحاب جو آروں سے چیرے اور سولی پر لٹکائے گئے ان سے زیادہ تکلیف برداشت کرنے والے نہ تھے۔[۲]

قطع علائق

انسان مال و دولت سے بے نیاز ہو سکتا ہے اگر عزم و استقلال سے کام لے تو ابتلاء و امتحان پر بھی صبر کر سکتا ہے لیکن ماں باپ بھائی بہن اعزہ و اقارب اور اہل و عیال کے تعلقات کو منقطع نہیں کر سکتا یہی لوگ غربت و افلاس کی حالت میں اس کی دستگیری کرتے ہیں تکلیف و مصیبت میں تسکین دیتے ہیں عیش و عشرت میں لطف زندگی بڑھاتے ہیں غرض کسی حالت میں ان کے تعلقات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن جو لوگ اپنا رشتہ صرف خدا سے جوڑتے ہیں ان کو کبھی کبھی یہ رشتہ بھی توڑنا پڑتا ہے۔

صحابہ کرام ﷺ اسلام لائے تو حالات نے ان کو اس رشتے کے توڑنے پر مجبور کیا اور ایمان و اسلام کیلئے انھوں نے آسانی کے ساتھ اس کو گوارا کر لیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ اسلام لائے تو ان کی ماں نے قسم کھائی کہ جب تک وہ اسلام کو نہ چھوڑیں گے وہ ان سے نہ بات چیت کریں گی نہ کھانا کھائیں گی نہ پانی پئیں گی چنانچہ انھوں نے یہ قسم پوری کی یہاں تک کہ تیسرے دن کے فاقہ میں بے ہوش ہو گئیں۔[۳] لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ پر اس کا کچھ اثر نہ پڑا اور انھوں نے اپنی ماں سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر تمہارے قالب میں ہزار جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے ہر جان نکل جائے تب بھی میں اپنے اس دین کو نہ چھوڑوں گا۔[۴]

۱: اسد الغابہ تذکرہ ام الخیر۔ ۲: استیعاب جلد ا ص ۶۔
۳: مسلم کتاب المناقب سعد بن ابی وقاص ﷺ
۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ ۔

حضرت خالد بن سعید ﷛ اسلام لائے تو ان کے باپ نے ان کو سخت سرزنش کی، کوڑے مارے، قید کیا، کھانا پینا بند کر دیا اور اپنے دوسرے لڑکوں کو ان سے بات چیت کرنے کی ممانعت کر دی۔ لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت نہ چھوڑی اور آخر کار حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ اب ان کے باپ کو اور بھی رنج ہوا اور کہا کہ مجھے ان صابیوں سے الگ ہو جانا پسند ہے لیکن یہ گوارا نہیں کہ اپنے باپ دادا اور معبودوں کے معائب سنوں، چنانچہ وہ طائف کے ایک مقام میں جہاں ان کی کچھ جائیداد تھی چلے گئے۔[1]

دین و ایمان کے معاملہ میں صحابہ کرام ﷛ نے صرف معاشرتی بے تعلقی کو گوارا نہیں کیا بلکہ ان کو اعزہ و اقارب کے رشتہ حیات کے منقطع کر دینے میں بھی تامل نہ ہوا ایک غزوہ میں عبداللہ بن سلول نے انصار کو مہاجرین کے خلاف اشتعال دلایا تو اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو میں اس کو قتل کر ڈالوں۔[2]

عتبہ غزوہ بدر میں شمشیر بکف میدان میں آیا تو مقابلے کیلئے انکے لخت جگر حضرت ابو حذیفہ ﷛ نکلے چنانچہ عتبہ کی بیٹی ہند نے اس پر ان کی ہجو میں یہ اشعار لکھے:

فما شکرت ابا رباك من صغر
حتی شیبت شبابا غیر محجون

تو نے اس باپ کا شکر ادا نہیں کیا
جس نے تجھے لڑکپن میں پالا یہاں تک کہ تو جوان ہوا

الاحول الاثعل المشئوم طائرہ
ابو حذیفہ شر الناس فی الدین

اور احوال کج دندان بدبخت
ابو حذیفہ ﷛ جو مذہبی حیثیت سے بدترین شخص ہے۔[3]

اسی غزوہ میں حضرت عبدالرحمٰن ﷛ (اس وقت وہ کافر تھے) صف جنگ سے نکلے تو ان کے والد بزرگوار حضرت ابو بکر ﷛ نے ان کا مقابلہ کیا۔[4]

اسیران بدر گرفتار ہو کر آئے اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر ﷛ سے ان کے متعلق مشورہ کیا تو حضرت عمر ﷛ نے کہا کہ آپ ﷺ علی کو ان کے بھائی

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ عمرو بن سعید و خالد بن سعید ﷛۔
۲: استیاب تذکرہ عبداللہ بن ابی سلول۔
۳: استیعاب تذکرہ ابو حذیفہ ﷛۔
۴: ایضاً تذکرہ عبدالرحمٰن۔

عقیل کی گردن مارنے کا حکم دیجئے اور مجھ کو میرے ایک عزیز کو حوالہ کیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔[۱] یہود بنو قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے[۲] اور عرب میں حلیفوں میں بالکل برادرانہ تعلقات پیدا ہو جاتے تھے لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ان کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذ ؓ پر رکھ دیا جو قبیلہ اوس کے سردار تھے تو انھوں نے اس تعلق کی کچھ پروا نہ کی اور بے لاگ فیصلہ کر دیا کہ لڑنے والے قتل کر دیئے جائیں عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے اور ان کا مال واسباب مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے۔[۳]

صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی:

ولا تمسکو ابعصم الکوافر

کافرہ عورتوں کو نکاح میں نہ رکھو

اور اس کے ذریعہ سے صحابہ ؓ کو حکم دیا گیا کہ مکہ میں ان کی جو کافرہ عورتیں ہیں ان کو چھوڑ دیں۔[۴] تو حضرت عمر ؓ نے اسی وقت اپنی دو کافرہ بیویوں کو طلاق دے دی بہت سی صحابیات رضی اللہ عنھن اپنے اپنے شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے دین سے برگشتہ نہ ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مانعلم ان احدامن المھا جرات ارتدت بعد ایمانھا[۵]

ہم کو کسی ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم نہیں جو ایمان لا کر پھر مرتد ہوئی ہو۔

اعزہ واقارب کے علاوہ قبائل کی یکجہتی بھی عرب کی سب سے بڑی طاقت تھی لیکن بعض صحابہ ؓ نے اسلام کیلئے قبیلہ کے تعلق کو بھی منقطع کر دیا حضرت سعد بن معاذ ؓ اسلام لائے تو اپنے قبیلہ سے تمام تعلقات منقطع کر لئے اور کہا کہ مجھ پر تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات چیت کرنا حرام ہے۔[۶] لیکن ان تمام واقعات سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اسلام نے صحابہ کرام ؓ میں قساوت اور سنگ دلی پیدا کر دی تھی اور اسی سنگ دلی کی وجہ سے انھوں نے تمام اعزہ واقارب سے تعلقات منقطع کر لئے تھے بلکہ اس کے برعکس اسلام نے صحابہ کرام ؓ کے جذبہ محبت کو اور بھی زیادہ مشتعل کر دیا تھا اسلئے جب وہ اپنے اعزہ و

۱: مسلم کتاب الجہاد باب الامداد فی الملٰئکہ فی غزوہ بدر اباحۃ الغنائم۔
۲: اسد الغابہ تذکرہ سعد بن معاذ و طبقات ابن سعد ذکر غزوہ بنو قریظہ۔
۳: بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ بنو قریظہ۔
۴: بخاری کتاب التفسیر سورہ ممتحنہ۔
۵: بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ۔
۶: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن معاذ ؓ

اقارب بالخصوص اپنی اولاد اور اپنی شریک زندگی بی بی کو دیکھتے تھے کہ وہ کفر کی بدولت جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں تو فطری محبت کی بنا پر ان کا دل جلتا تھا اور وہ سخت اضطراب کی حالت میں خدا سے دعا کرتے تھے کہ:

ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرہ اعین و جعلنا للمتقین اماما۔

اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما اور ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنا۔

یعنی ہماری ہی طرح ہماری بیویوں اور بچوں کو بھی ایمان و اسلام کی دولت عطا کر اور وہ اس معاملہ میں ہماری پیروی کریں تاکہ ان کو دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہم پرہیز گاروں کے پیشوا بن سکیں۔[1]

ہجرت

صحابہ کرام ؓ نے اسلام کیلئے جو مصائب برداشت کئے ان میں ہجرت کی داستان نہایت دردانگیز ہے خود حدیث شریف میں آیا ہے۔

ان الھجرہ شانھا شدید۔[2] ہجرت کا معاملہ نہایت سخت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ہمیشہ مصائب برداشت کرنے کے خوگر تھے وہ بھی اس مصیبت کو برداشت نہ کر سکے چنانچہ ایک بدو مدینہ میں ہجرت کر کے آیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی سوءِ اتفاق سے اسلام لانے کے بعد اس کو بخار آ گیا اس لئے اس نے اصرار کے ساتھ بیعت فسخ کرالی اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

انما المدینۃ کالکیر تنفی خبثھا و تنضع طیبھا۔[3]

مدینہ سنار کی بھٹی کے مثل ہے جو میل کچیل کو باہر پھینک دیتی ہے اور خالص سونے کو الگ کر دیتی ہے۔

یہ زر خالص صحابہ کرام ؓ ہی تھے ، جو مدتوں مدینہ میں بغل در آتش رہے لیکن اسلام کیلئے ان تمام سختیوں کو گوارا کر لیا۔ چنانچہ صحابہ کرام ؓ ہجرت کر کے آئے تو مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی اور متعدد بزرگ بخار میں مبتلا ہو گئے اس حالت میں حضرت ابو بکر ؓ یہ شعر پڑھتے تھے:

کل امری مصبح فی اھلہ والموت ادنی من شراک نعلہ

1: تفسیر ابن کثیر جلد ۷ ص ۱۵۹۔
2: بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینۃ۔
3: بخاری کتاب الاحکام باب من بایع ثم استقال البیعۃ مع فتح الباری۔

حضرت بلال ﷺ مکہ کی وادیوں چشموں اور پہاڑیوں کو یاد کر کے چیخ اٹھتے تھے اور اپنے رنج و غم کا اظہار ان حسرت ناک اشعار میں کرتے تھے:

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ	بواد و حولی اذخر و جلیل
کاش میں ایک رات اس میدان میں بسر کرتا	جس میں میرے گرد اذخر و جلیل ہوتے
مکہ کی دو قسم کی گھاسوں کا نام ہے۔	
و ھل اردن یوما میاہ مجنۃ	و ھل یبدون لی شامۃ وطفیل[1]
کیا میں پھر کسی دن کوہ مجنہ کے چشموں سے سیراب ہوں گا۔	کیا میرے سامنے پھر شامہ و طفیل (دو پہاڑیاں) ہوں گی۔

حضرت عامر ﷺ کی زبان پر یہ شعر تھا:

انی وجدت الموت قبل ذوقہ	ان الجبان حتفہ من فوقہ[2]
مجھے موت سے پہلے ہی موت آگئی	نامردوں کی موت اوپر سے آتی ہے

ایک صحابی ہجرت کر کے آئے تو بیمار ہو گئے حالت مرض میں رسول اللہ ﷺ نے حال پوچھا بولے بیمار ہوں اگر بطحان کا پانی پی لیتا تو اچھا ہو جاتا فرمایا تو کون روکتا ہے۔ بولے ہجرت ارشاد ہوا جاؤ تم ہر جگہ مہاجر ہی رہو گے۔[3]

سخت سے سخت رکاوٹیں بھی صحابہ کرام ﷺ کو ہجرت سے باز نہیں رکھ سکتی تھیں کفار نے حضرت ابو جندل ﷺ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں لیکن حدیبیہ کا معاہدہ صلح ہو رہا تھا کہ وہ بیڑیاں پہنے ہوئے پہنچے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا اگرچہ معاہدہ میں یہ شرط تھی کہ جو مسلمان مدینہ جائے گا وہ واپس کر دیا جائے گا تاہم چونکہ معاہدہ اب تک مکمل نہیں ہوا تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ کو بھی ان کی حالت پر رحم آیا اور فرمایا کہ اب تک ہم نے مصالحت نہیں کی ہے لیکن ابو جہل نے کہا کہ سب سے پہلے ان ہی کو واپس کرنا ہو گا مصلحتاً آپ ﷺ نے ان کو واپس کرنا چاہا تو انھوں نے کہا "مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف پھر واپس کر دیا جاؤں گا۔ حالانکہ مسلمان ہو کر آیا ہوں کیا تم میری مصیبتوں کو نہیں دیکھتے" اس وقت اگرچہ وہ واپس کر دیے گئے تاہم دوبارہ بھاگ کر آئے اور حضرت ابو بصیر ﷺ نے سمندر کے ساحل پر اس قسم کے مہاجرین کی جو جماعت قائم کر لی تھی اس میں شامل ہو گئے۔[4]

حضرت صہیب ﷺ نے ہجرت کرنا چاہی تو کفار نے سخت مزاحمت کی اور کہا کہ تم مکہ میں محتاج آئے تھے لیکن یہاں آکر دولت مند ہو گئے اب یہ مال لے کر کہاں جاتے ہو۔

۱: بخاری کتاب الحج فضائل مدینہ۔ ۲: مسند جلد ۶ ص ۵۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ سداد بن اسید ﷺ۔ ۴: بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ۔

انھوں نے کہا اگر میں سب مال تم کو دے دوں تو مجھے جانے دو گے۔ کفار راضی ہو گئے اور انھوں نے تمام مال ان کو دے دیا۔[1]

ان تمام تکلیفوں اور مزاحمتوں میں صحابہ ﷺ کیلئے صرف یہ خیال مسرت خیز تھا کہ انھوں نے کفر کے گہوارہ سے باہر قدم نکالا اور اسلام کے دائرہ میں آگئے حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے ہجرت کی تو گو طول سفر سے اکتا گئے۔ تاہم یہ شعر زبان پر تھا۔

یا لیلة من طولها و عنائها — علی انها من داره الکفر نجت[2]

کتنی لمبی اور تکلیف دہ یہ رات ہے — تاہم یہ بات تسکین بخش ہے کہ اس نے دارالکفر سے نجات دلائی

فتح مکہ کے بعد اگرچہ تمام عرب میں امن وامان قائم ہو گیا تھا اور ہر شخص آزادی سے فرائض اسلام بجالا سکتا تھا تاہم بعض مسلمانوں کے دلوں میں اب بھی ہجرت کا شوق باقی تھا چنانچہ چند لوگ یمن سے ہجرت کر کے مدینہ کو چلے جوفہ تک پہنچے تو راستہ میں معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا۔[3]

لوگ سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرام ﷺ نے صرف جان ومال کی حفاظت کیلئے ہجرت کی تھی لیکن درحقیقت یہ خیال صحیح نہیں بلکہ ہجرت کا اصلی مقصد یہ تھا کہ دین کی حفاظت ہو اور ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے خدا کی عبادت کر سکے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہر مسلمان اپنے دین کو لے کر خدا اور خدا کے رسول ﷺ کی طرف بھاگ آتا تھا تاکہ دینی فتنہ میں نہ مبتلا ہو۔[4] لیکن یہ ذوق اس قدر ترقی کر گیا کہ جس سرزمین میں برائی نظر آتی تھی صحابہ کرام ﷺ اس کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے دامن میں پناہ لیتے تھے تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو چنانچہ ایک بار حضرت لبابہ بن المنذر ﷺ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا اور ان پر اس قدر اثر پڑا کہ جب ان کی توبہ مقبول ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ جس سرزمین میں میں نے گناہ کیا ہے چھوڑ دوں اور آپ ﷺ کے پاس آرہوں اور اپنا کل مال اللہ ورسول ﷺ کو صدقہ میں دے دوں۔[5]

اسلامی اوج حکومت کے زمانہ شباب میں بھی جب کہیں صحابہ کرام ﷺ کو بدی کا

1: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت صہیب ﷺ۔
2: بخاری کتاب العتاق۔
3: بخاری کتاب المغازی ذکر وفات النبی ﷺ وبعث اسامہ۔ف ابو جہل بدر مقتول بلکہ سہل ہو سکتے ہیں۔
4: بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینۃ۔
5: موطا امام مالک کتاب الایمان والنذور باب جامع الایمان۔

احساس ہوتا تو فوراً اس مقام کو چھوڑ کر مدینہ کا رخ کرتے تھے۔

ایک بار غزوہ روم میں حضرت عبادہ بن صامت انصاری ﷛ نے دیکھا کہ لوگ سونے کے ٹکڑے اشرفیوں سے اور چاندی کے ٹکڑے درہموں سے بیچ رہے ہیں فرمایا لوگو تم سود کھارہے ہو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سونے کو سونے کے برابر خریدو اس پر نہ زیادتی ہے نہ ادھار اس پر حضرت معاویہ ﷛ نے کہا میرے نزدیک صرف ادھار کی صورت میں سود ہے بولے میں حدیث بیان کرتا ہوں اور تم اپنی رائے ظاہر کرتے ہو اگر خدا نے توفیق دی تو جس سرزمین میں مجھ پر تمہاری حکومت ہے اس میں قیام نہ کروں گا چنانچہ پلٹے تو سیدھے مدینہ چلے آئے۔[1]

ثواب آخرت کی تمنا نے دارالہجرت یعنی مدینہ کو صحابہ کرام ﷡ کی نگاہوں میں اس قدر محبوب بنادیا تھا کہ حضرت عثمان ﷛ محصور ہوئے تو بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ شام کو نکل چلیں وہاں امیر معاویہ ﷛ کی حمایت حاصل ہوگی، بولے میں دارالہجرت اور مجاورت رسول کا فراق ہرگز گوارا نہ کروں گا۔[2]

جب حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛ مکہ میں سخت بیمار ہو کر اپنی زندگی سے مایوس ہوگئے تو انکو صرف یہ افسوس ہوا کہ وہ دارالہجرت سے دور ایسی سرزمین میں مر رہے ہیں جس سے انھوں نے ہجرت کرلی ہے۔[3] حضرت عبداللہ بن عمر ﷛ یہ دعا کرتے تھے کہ خداوند مکہ میں مجھے موت نہ آئے مکہ میں انکا انتقال ہونے لگا تو اپنے بیٹے سالم کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد میری لاش حدود حرم سے باہر دفن کی جائے کیونکہ مجھے یہ پسند نہیں کہ وہیں سے ہجرت کی اور وہیں دفن ہوں۔[4] حضرت عبدالرحمن بن عوف ﷛ مکہ میں آتے تھے تو اپنے زمانہ جاہلیت کے قدیم مکان میں جس سے وہ ہجرت کرچکے تھے اترنا نہیں پسند کرتے تھے۔[5]

۱: سنن ابن ماجہ باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ والتغلیظ علی من عارضہ۔
۲: مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۶۷ مسند عثمان ابن عفان ﷛۔
۳: مسلم کتاب الوصایا باب الوصیۃ بالثلث لا تجاوز
۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر ﷛
۵: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمن بن عوف ﷛۔

عقائد

توحید

صحابہ کرام ؓ نے اگرچہ اپنی زندگی میں بہت سے نیک کام کئے تھے، لیکن ان سب میں کلمہ توحید کو راس الاعمال سمجھتے تھے ،حضرت عمرو بن العاص ؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو رونے لگے۔ان کے بیٹے حضرت عبداللہ ؓ نے پوچھا کہ آپ ؓ کیوں روتے ہیں۔ کیا موت کے ڈر سے۔ بولے خدا کی قسم نہیں ،صرف واقعات مابعد الممات کا خوف ہے ،انہوں نے تسکین دی اور کہا ،آپ ؓ عمر بھر نیک کام کرتے رہے ،آپ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کا فیض صحبت پایا ،اور آپ ؓ نے مصر وشام میں فتوحات کیں" بولے "تم نے ان سب سے بہتر چیز یعنی شہادت لاالہ الا اللہ کو تو چھوڑ ہی دیا۔[1]

کفار حضرت بلال ؓ کو کس قدر اذیت دیتے تھے ،لیکن ان کی زبان سے صرف احد احد نکلتا تھا۔[2] حضرت ابو فکیہ ؓ بھی اسی مصیبت میں مبتلا تھے، لیکن اس حالت میں بھی جب ان کے امیہ نے ایک گبریلے کی طرف اشارہ کر کے حقارت آمیز لہجہ میں کہا کہ "تمہارا پروردگار یہی تو نہیں" تو بولے کہ "میرا اور تیرا دونوں کا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے"۔

حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا ایمان لائیں تو ان کے اعزہ واقارب نے ان کو دھوپ میں کھڑا کر دیا اور اس حالت میں روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے تھے اور پانی تک نہیں پلاتے تھے ،جب اس طرح تین دن گزر گئے تو ظالموں نے کہا کہ "جس مذہب پر تم ہو اس کو چھوڑ دو" وہ اس قدر بدحواس ہو گئی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب ہی نہ سمجھ سکیں،اب ان لوگوں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید کا انکار مقصود ہے،بولیں "خدا کی قسم میں تو اسی عقیدہ پر قائم ہوں"۔[3]

تنزہ عن الشرک

لیکن توحید کی تکمیل کیلئے صرف اسی قدر کافی نہ تھا بلکہ اہل عرب میں جو مشرکانہ خیالات

1: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرو بن العاص ؓ۔

2: سنن ابن ماجہ ص ۱۴ فضل سلمان وابی ذر والمقداد ؓ۔

3: طبقات ابن سعد تذکرہ ام شریک رضی اللہ عنہا اصابہ میں یہ واقعہ کسی قدر اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔

پھیلے ہوئے تھے ان کا انکار بھی توحید کا ایک جزو تھا، اس لئے صحابہ کرام ﷢ اسلام لانے کے ساتھ ہی اس گورکھ دھندے سے بھی گئے، مثلاً عرب کا خیال تھا کہ جو بتوں کی برائیاں بیان کرتے ہیں انکو برص یا جذام یا جنون ہو جاتا ہے، لیکن حضرت ضمام ابن ثعلبہ ﷛ جب رسول اللہ ﷺ خدمت بابرکت سے اسلام کے نشہ میں چور ہو کر واپس گئے اور اپنی قوم کے سامنے لات و عزیٰ کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو اس خیال کی بناء پر سب نے کہا کہ ضمام برص، جذام اور جنون سے ڈرو "بولے" خدا کی قسم یہ دونوں بت کچھ بھی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔[1]

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا اسلام لانے کے بعد اندھی ہو گئیں ، تو کفار نے کہنا شروع کیا کہ لات و عزیٰ نے ان کو اندھا کر دیا ہے ، بولیں کہ "لات و عزیٰ کو پوجنے والوں کو کیا خبر۔ یہ مصیبت تو آسمان سے آئی ہے"۔[2]

زمانہ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کا عام رواج تھا ، لیکن چونکہ اس میں عموماً شرک کی آمیزش پائی جاتی تھی، اس لئے وہ ایک مشتبہ چیز تھی ، لیکن ایک سفر میں اتفاق سے چند صحابہ ﷢ عرب کے ایک قبیلے کے یہاں اترے اور ان لوگوں نے ان کے مذہبی تقدس کی بنا پر درخواست کی کہ ہمارے رئیس کو بچھو نے ڈنک مار دیا ہے کیا آپ لوگ اس کو کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ ان میں ایک بزرگ رئیس کے پاس آئے اور سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا، تو وہ بھلا چنگا ہو گیا، ان لوگوں نے صحابہ ﷢ کو اس کا معاوضہ دیا، جس کو ان لوگوں نے تقسیم کرنا چاہا، لیکن جن بزرگ نے سورہ فاتحہ کا دم کیا تھا اس سے اختلاف کیا ، اور کہا کہ اس کے متعلق چل کر رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کر لینا چاہیے ، چنانچہ آپ ﷺ کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "تم کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ یہ جھاڑ پھونک ہے۔ معاوضہ تقسیم کر لو ، اور میرا بھی ایک حصہ لگاؤ"۔[3]

زمانہ جاہلیت میں تعویذ گنڈے کا عام رواج تھا لیکن ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر ﷛ نے دیکھا کہ بی بی نے گلے میں گنڈا ڈال رکھا ہے ، توڑ کے پھینک دیا ، اور کہا آل عبداللہ شرک سے بے نیاز ہیں، رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ تعویذ گنڈا شرک ہے،[4]

عرب کے لوگ بچوں کے بچھونے کے نیچے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح بچے آسیب سے محفوظ رہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار کسی بچے

۱: مسند دارمی کتاب الصلوۃ باب فرض الوضوء والصلوۃ۔
۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا ۔
۳: ابوداود کتاب الطب باب کیف الرقی۔
۴: سنن ابن ماجہ کتاب الطب باب تعلیق التمائم۔

کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا ،اور کہا کہ "رسول اللہ ﷺ ٹوٹکے کو سخت ناپسند فرماتے تھے"۔[1]

بت شکنی

عرب میں شرک کا اصلی مظہر بت تھے ،اس لئے صحابہ کرام ؓ اسلام لائے تو سب سے پہلے راہ توحید سے اسی سنگ گراں کو دور کیا ،عرب میں دستور تھا،کہ سرداران قبائل خاص طور پر اپنے لئے بت بناتے تھے،اور ان کو گھروں میں رکھتے تھے اس طریقہ کے مطابق قبیلہ بنو سلمہ کے سردار عمرو بن الجموح نے ایک لکڑی کا بت بنوا کر گھر میں رکھا تھا ،نوجوانان بنو سلمہ یعنی حضرت معاذ بن جبل ؓ اور حضرت معاذ بن عمر ؓ وغیرہ اسلام لائے تو،رات کو خفیہ طور پر آتے تھے اور اس بت کو اٹھا کر ایک گڑھے میں جس کے اندر کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا،پھینک آتے تھے،عمرو بن الجموح صبح کو اٹھتا تو بت کو وہاں سے ڈھونڈ کے اٹھالاتا اور پاک صاف کر کے گھر میں رکھ دیتا اور کہتا کہ "اے بت جس نے تیرے ساتھ یہ بدسلوکی کی ہے،اگر میں اس کو پاجاتا تو اس کی بڑی فضیحت کرتا" دوسرے دن یہ پرجوش نوجوان بت کے ساتھ پھر یہی سلوک کرتے،اسی طرح جب یہ واقعہ پے در پے ہوا تو عمرو بن الجموح نے بت کے گلے میں ایک تلوار لٹکادی اور کہا کہ "اگر تجھ میں کچھ بھلائی ہے تو خود اپنی حفاظت کر" رات کو یہ نوجوان حسب معمول پھر آئے اور بت کو مردہ کتے کے ساتھ رسی میں باندھ کر گڑھے میں ڈال دیا ،عمرو بن الجموح نے بت کو اس حالت میں پایا تو خود بخود مسلمان ہو گیا۔[2]

قبیلہ سعد کا ایک بت تھا جس کا نام فراض تھا،حضرت ذباب بن حارث اسلام لائے تو اس کو چکنا چور کر دیا ،اور اس کے متعلق یہ اشعار کہے۔

تبعت رسول اللّٰہ اذ جاء بالھدی و خلفت فراضا بدار ھوان

جب رسول اللہ ﷺ ہدایت لائے تو میں نے آپ ﷺ کا اتباع کیا،اور فراض کو ذلیل ترین مقام میں چھوڑ دیا۔

شددت علیہ شدۃ فکسرتہ کان لم یکن والد ھرذو حد ثان [3]

میں نے اس پر حملہ کیا،اور اس کو اس طرح چور چور کر دیا،کہ گویا اس کا وجود ہی نہ تھا۔

حضرت ہند بن عتبہ رضی اللہ عنہا جب ایمان لائیں تو گھر میں جو بت نصب تھا اس کو

۱: ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن ص ۸۰۔

۲: یہ تفصیل ابن ہشام جلد ا ص ۲۴۸ میں ہے،اسد الغابہ تذکرہ معاذ بن جبل ؓ میں اجمالاً صرف اس قدر مذکور ہے۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ ذباب رضی اللہ عنہا ۔

توڑ پھوڑ ڈالا اور کہا کہ "ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے"۔[1]

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش کی، تو انہوں نے کہا "ابو طلحہ کیا یہ خبر نہیں کہ جس خدا کو تم پوجتے ہو وہ زمین سے اگا ہے" بولے "مجھے معلوم ہے" بولیں تو کیا تمہیں ایک درخت کی عبادت سے شرم نہیں آتی۔ چنانچہ جب تک انہوں نے بت پرستی سے توبہ کر کے کلمہ توحید نہیں پڑھا ،انہوں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا۔[2]

ایمان بالرسالۃ

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اعتقاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لوح دل پر کالنقش فی الحجر ہو گیا تھا،اس لئے وہ کسی حالت میں اس کو مٹنے نہیں دیتے تھے ،غزوہ حدیبیہ میں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مصالحت نامہ لکھا تو کفار نے اصرار کیا اس پر رسول اللہ ،کا لفظ نہ لکھا جائے،رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط منظور کر لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس فقرے کو مٹا دیں،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ کبھی آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کرتے تھے، تاہم اس موقع پر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ "میں اس کو نہیں مٹا سکتا" بالآخر آپ ﷺ نے خود دست مبارک سے اس کو مٹا دیا۔[3]

ایمان کا درجہ کمال یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کے اقوال پر اس وثوق کے ساتھ ایمان لایا جائے کہ محال ممکن، مستقبل حال اور غائب حاضر بن جائے ،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی ہر بات پر اسی شدت کے ساتھ ایمان لائے تھے اور اسی درجہ کمال نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو "صدیق رضی اللہ عنہ" کا خطاب دیا تھا،ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ بکری کے ایک گلے پر بھیڑیے نے حملہ کیا اور ایک بکری اٹھا لے چلا چرواہے نے اس کو بلایا ،تو بھیڑیے نے جواب دیا کہ یوم السبع میں بکری کا نگران کون ہو گا ،جب کہ میرے سوا ان کا کوئی چرواہا نہ ہو گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص بیل پر بوجھ لادے ہوئے جا رہا تھا ،بیل نے مڑ کر کہا میں اس کیلئے نہیں بنایا گیا میں صرف کھیتی باڑی کیلئے پیدا ہوا ہوں،بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو استعجاب سے سنا اور کہا "سبحان اللہ" لیکن آپ ﷺ نے فرمایا "ہم،ابو بکر،اور عمر بن الخطاب اس پر ایمان لائے ہیں"۔[4]

1: اصابہ تذکرہ ہند بن عتبہ رضی اللہ عنہا ۔
2: اصابہ تذکرہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ۔
3: مسلم کتاب الجہاد باب صلح الحدیبیہ فی الحدیبیہ۔
4: بخاری کتاب المناقب فضائل ابو بکر رضی اللہ عنہ ۔

ایک بار حضرت عمران بن حصین ﷺ نے یہ حدیث بیان کی ، کہ "اہل و عیال کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے" اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ "اگر ایک آدمی خراساں میں مر جائے اور اہل و عیال یہاں پر ماتم کریں تو کیا آپ ﷺ کے خیال میں اس پر خراسان میں عذاب ہوگا۔ بولے "رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا وہ سچ ہے اور تو جھوٹ بکتا ہے"۔[1]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "آیندہ زمانے میں تمہاری مختلف جماعتیں قائم ہو جائیں گی کوئی جماعت شام میں رہے گی ، کوئی یمن میں اقامت پذیر ہوگی ، اور کوئی عراق میں سکونت اختیار کرے گی ، اس پیشین گوئی پر حضرت ابن حوالہ ﷺ اس وثوق کے ساتھ ایمان لائے کہ آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ، مبادا میں بھی اس زمانہ تک زندہ رہوں، اس لئے آپ ﷺ خود میری اقامت گاہ متعین فرما دیجئے۔[2]

ایک بار آپ ﷺ نے کسی بدو سے گھوڑا خریدا، اور قیمت ادا کرنے کیلئے اس کو ساتھ لے چلے لیکن آپ ﷺ تیزی سے آگے بڑھ گئے ، اور بدو پیچھے رہ گیا ، لیکن جن لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس کو خرید لیا ہے، وہ بدو سے بھاؤ تاؤ کرنے لگے، خریداروں کو دیکھ کر بدو نے آپ ﷺ کو پکار کر کہا، لینا ہو تو لیجئے، ورنہ میں گھوڑے کو فروخت کر ڈالتا ہوں" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم نے تو اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دیا ہے، بولا نہیں، اگر گواہ ہو تو لایے" حضرت خزیمہ ابن ثابت ﷺ اگرچہ بیع کے موقع پر موجود نہ تھے تاہم کہا کہ "میں شہادت دیتا ہوں کہ تم نے آپ ﷺ کے ہاتھ گھوڑا فروخت کر دیا ہے"۔ ارشاد ہوا "تم نے کیوں کر شہادت دی"۔ بولے "آپ ﷺ کی تصدیق کی بنا پر"۔ اس موقع پر ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ ﷺ نے ان کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا۔[3]

صحابہ کرام ﷺ کے عہد میں بچہ بچہ یہ راسخ عقیدہ رکھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے جو لفظ نکل جائے گا، اس کے خلاف نہ ہوگا، ایک بار آپ ﷺ نے ایک لڑکی کو بددعا دے دی کہ "تیرا سن زیادہ نہ ہو" وہ روتی ہوئی حضرت ام سلیم ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ "آپ ﷺ نے مجھ کو یہ بددعا دی ہے، اب میرا سن ترقی نہ کرے گا"۔ وہ فوراً حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ "آپ ﷺ نے میری یتیمہ کو بددعا دے دی" آپ ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا، "میں بھی آدمی ہوں اور آدمیوں کی طرح خوش اور رنجیدہ ہوتا ہوں پس جس کو میں ایسی

1: نسائی کتاب الجنائز باب النیاحۃ علی المیت۔

2: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سکنی الشام۔

3: ابو داود و کتاب الاقضیہ باب اذا علم الحاکم صدق الشاھد الواحد یجوز لہ الحکم۔

بد دعا دوں، جس کا وہ مستحق نہیں، تو یہ اس کیلئے پاکی، تزکیہ اور نیکی ہو گی"۔[1]

جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی معجزہ صادر ہوتا تھا تو صحابہ کرام ؓ کی قوت ایمانیہ میں اور اضافہ ہو جاتا تھا، حضرت جابر ؓ کو اپنے باپ کی جانب سے بہت سے لوگوں کا قرض ادا کرنا تھا اور کھجوروں کے باغ کے سوا ادا کرنے کا کوئی سامان نہ تھا، لیکن قرضدار باغ کے پھل لینے پر آمادہ نہ تھے۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ خود باغ میں آئے اور اس کی کھجوروں کیلئے دعائے برکت فرمائی نتیجہ یہ ہوا کہ جب کھجوریں توڑی گئیں تو سب کا قرض بھی ادا ہو گیا، اور بہت کچھ کھجوریں بچ بھی رہیں، حضرت جابر ؓ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے حضرت عمر ؓ سے فرمایا سنتے ہو۔ بولے "ہم کو یقین ہی تھا کہ آپ ﷺ خدا کے پیغمبر ہیں، خدا کے پیغمبر ہیں"۔[2]

غزوہ خیبر میں ایک شخص نہایت بے جگری سے لڑ رہا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ دوزخی ہے" اس پر تمام صحابہ ؓ کو سخت تعجب ہوا اور ایک صحابی اس کی تصدیق کیلئے اس کے ساتھ ہو لئے، سوءِ اتفاق سے وہ زخمی ہو کر زندگی سے تنگ آگیا، اور خودکشی کر لی، اس حالت کو دیکھ کر وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ خدا کے رسول ہیں۔[3]

یہ قوت ایمانیہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں قائم تھی، اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی قائم رہی، رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو تمام صحابہ ؓ نے رو کر کہا کہ کاش ہم آپ ﷺ سے پہلے ہی مر جاتے، ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ کے بعد ہمارے دین میں کوئی خلل آئے، لیکن حضرت معن بن عدی ؓ نے کہا کہ "میں آپ ﷺ سے پہلے مرنا پسند نہیں کرتا تاکہ جس طرح میں نے آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی تصدیق کی اسی طرح بعد وصال بھی آپ ﷺ کی تصدیق کروں"۔[4]

ایمان بالغیب

شریعت میں صرف ایمان بالغیب معتبر ہے اور صحابہ کرام ؓ کو غیب کی تمام چیزوں پر اس شدت کے ساتھ یقین تھا کہ گویا ان کو یہ چیزیں علانیہ نظر آتی تھیں۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارث ؓ سے پوچھا کیا حال ہے۔ بولے "یا

1: مسلم کتاب البر و الصلۃ و الآداب من لعنہ النبی ﷺ و سبہ و دعا علیہ۔
2: بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ خیبر۔
3: بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ خیبر۔
4: اسد الغابہ تذکرہ معن بن عدی۔

رسول اللہ ﷺ ! خدا پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوں"۔ فرمایا "ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے"۔ بولے "دنیا سے میرا دل پھر گیا ہے، اس لئے رات کو جاگتا ہوں، دن کو بھوکا پیاسا رہتا ہوں گویا مجھ کو خدا کا عرش اعلانیہ نظر آتا ہے، گویا میں اہل جنت کو باہم ملتے جلتے دیکھ رہا ہوں اور گویا اہل دوزخ مجھے چیختے ہوئے نظر آرہے ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تم نے جان لیا، اب اس پر قائم رہو"۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت سے یہ ایمان اور بھی تازہ رہتا تھا، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں ہوتے تھے اور آپ ﷺ جنت اور دوزخ کا ذکر فرماتے تھے تو گویا ہمارے سامنے ان کی تصویر پھر جاتی تھی۔[2]

ایمان بالقدر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسئلہ تقدیر پر شدت کے ساتھ یقین رکھتے تھے، طاوس یمانی کا بیان ہے کہ میں نے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی، سب کے سب کہتے تھے کہ کل چیزیں تقدیر سے وجود میں آئی ہیں،[3] ابن دیلمی کہتے ہیں کہ میرے دل میں مسئلہ تقدیر کے متعلق خدشہ پیدا ہوا، انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ خدا کی راہ میں کوہ احد کے برابر بھی سونا صرف کرو گے تو خدا اس وقت تک قبول نہ کرے گا، جب تک تقدیر پر ایمان نہ لاؤ گے، اور اگر اس عقیدہ کے خلاف تم کو موت آئی تو جہنم میں داخل ہو گے، اس کے بعد وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو سب نے یہی کہا، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ابو حفصہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کی کہ بیٹے تم کو اس وقت تک حقیقت ایمان کی لذت نہ ملے گی جب تک تم کو یقین نہ ہو، کہ جو کچھ ہوا اس کا ہونا لازمی تھا، اور جو کچھ نہیں ہوا اس کا نہ ہونا ضروری تھا،[4] اس بنا پر جب کوئی شخص مسئلہ تقدیر کا انکار کرتا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شدت کے ساتھ اس سے تحاشی کرتے تھے۔

بصرہ میں جب معبد جہنی نے مسئلہ تقدیر کا انکار کیا تو یحییٰ بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمٰن نے اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کرنا چاہا، حسن اتفاق سے ایک سفر حج میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی، دونوں نے ان کو دائیں بائیں سے گھیر لیا، اور کہا کہ "کچھ مسلمان ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو تقدیر کے منکر ہیں" فرمایا "ان سے ملنا تو کہہ دینا

1: اسد الغابہ تذکرہ حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ۔ 2: ترمذی ابواب الزہد ص ۳۱۴۔
3: مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۱۱۰۔ 4: ابوداود کتاب السنہ باب فی القدر۔

کہ میں ان سے الگ ہوں، اور وہ مجھ سے الگ ہیں، خدا کی قسم جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ لائیں گے، اگر کوہ احد کے برابر بھی سونا خیرات کریں گے تو خدا اس کو قبول نہ کرے گا"۔[1] ان کا ایک دوست شام میں رہتا تھا اور باہم اس قدر تعلقات تھے کہ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ لیکن ایک بار انہوں نے اسکو لکھ بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے مسئلہ تقدیر کے متعلق کچھ قیل و قال شروع کی ہے، اسلئے اب خط و کتابت کا سلسلہ بند کردو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ پیدا ہو جائیں گے جو تقدیر کا انکار کریں گے۔[2]

یہ صرف اعتقاد ہی اعتقاد نہ تھا، بلکہ بعض صحابہ ﷺ سخت سے سخت مصیبت میں اسی پر عمل بھی کرتے تھے، طاعون عمواس کے زمانے میں حضرت عمر ﷺ نے سرغ تک پہنچ کر واپس آنا چاہا تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح ﷺ نے فرمایا:

افرار من قدر اللّٰہ کیا آپ تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہیں؟

بولے "کاش تمہارے سوا کوئی دوسرا اختلاف کرتا ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہیں، مگر تقدیر الٰہی ہی کی طرف ہے"۔[3]

بصرہ میں طاعون آیا تو کسی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ سے کہا کہ "ہم کو مقام وابق میں لے کر نکل چلئے" بولے:

الی اللّٰہ آبق لا الی وابق[4] خدا کی طرف بھاگوں گا نہ کہ وابق کی طرف۔

1: مسلم کتاب الایمان باب ما جاء فی الایمان والاسلام وذکر القدر و غیرہ۔
2: مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۹۰۔
3: مسلم کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ والکہانۃ و نحوہا۔
4: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ۔

عبادات

—— ابواب الطہارۃ ——

پنجوقتہ نیاوضو کرنا

ہر نماز کیلئے نیاوضو کرنا بڑی پاکی اور بڑے ثواب کا کام ہے اس لئے اللہ تعالی نے اول اول رسول اللہ ﷺ پر پنجوقتہ نماز کے ساتھ پنجوقتہ وضو بھی فرض کر دیا تھا بعد کو اگرچہ اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم عملاً اس کے پابند رہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہر نماز نئے وضو کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔[1]

ہمیشہ باوضو رہنا

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ہمیشہ باوضو رہتے تھے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

مااقیمت الصلوہ منذا سلمت الاو اناعلی وضو[2]

جب سے میں اسلام لایا ہر نماز کے وقت باوضو رہتا تھا

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کل تم مجھ سے پہلے کیونکر جنت میں داخل ہو گئے۔ بولے "یارسول اللہ ﷺ! میرا معمول یہ ہے کہ جب اذان کہتا ہوں تو دو رکعت نماز لازمی طور پر پڑھ لیتا ہوں اور جس وقت وضو ٹوٹ جاتا ہے اسی وقت فوراً وضو کر لیتا ہوں۔[3]

پنج وقتہ مسواک کرنا

رسول اللہ ﷺ کمال طہارت و نظافت کی وجہ سے پنج وقتہ مسواک کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر امت پر شاق نہ ہوتا تو میں پنج وقتہ نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا بھی حکم دیتا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جوش عمل کے سامنے کون سا کام شاق تھا حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس شدت کے ساتھ اسکا التزام کیا کہ ہمیشہ قلم کی طرح کان پر مسواک رکھے رہتے تھے۔[4]

1: ابوداؤد کتاب الطہارہ باب المسواک ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۲۵۔

2: اصابہ تذکرہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ۔

3: مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۵ تذکرہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔

4: ابوداؤد کتاب الطہارت باب المسواک۔

ابواب الصلوٰۃ

نماز پنج گانہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس مستعدی و سرگرمی کے ساتھ نماز پنج گانہ ادا فرماتے تھے اس کے متعلق احادیث میں نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں ، بخاری میں ہے کہ جب جماعت کھڑی ہوتی تھی تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس تیزی کے ساتھ دوڑتے تھے کہ شور ہو جاتا تھا[1] سخت سے سخت مصروفیت کی حالت میں بھی جب نماز کا وقت آتا تھا تو تمام کاروبار چھوڑ کر سیدھے مسجد کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔

حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے:

كانو ايتبا يعون ولا يدعون الصلوت المكتوبات في الجماعة

صحابہ رضی اللہ عنہم بیع و شرا کرتے تھے نماز مفروضہ کو جماعت کے ساتھ کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ایک بار میں بازار میں تھا کہ نماز کا وقت آگیا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم دکانیں بند کر کے مسجد چلے گئے، چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت

رجال لا تلهيهم تجاره ولا بيع عن ذكر الله

صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت کے کاروبار خدا کی یاد سے نہیں روکتے

ان لوگوں کی شان میں نازل ہوئی۔[2]

سخت سے سخت تکلیف میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز قضا نہیں ہو سکتی تھی جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخم لگا اسی رات کی صبح کو لوگوں نے نماز فجر کیلئے جگایا تو بولے ہاں جو شخص نماز چھوڑ دے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں چنانچہ اسی حالت میں کہ زخم سے متصل خون جاری تھا نماز پڑھی۔[3]

اگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے نماز قضا ہو جاتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت برہمی پیدا ہوتی غزوہ خندق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز عصر قضا ہو گئی تو کفار کو برا بھلا کہتے ہوئے آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ سورج غروب ہو رہا ہے اور میں نے اب تک نماز عصر نہیں پڑھی۔[4]

۱: بخاری کتاب الاذان باب قول الرجل فاتتنا الصلوۃ۔
۲: فتح الباری جلد ۴ ص ۲۵۳۔
۳: موطا امام مالک کتاب الصلوۃ باب العمل فیمن غلبہ الدم من جرح اور عاف۔
۴: بخاری کتاب الصلوۃ ابواب صلوۃ الخوف باب الصلوۃ عند مناہضۃ والقاء العدو۔

نماز جمعہ

صحابہ کرام ؓ نماز جمعہ کو نہایت اہم سمجھتے تھے اور اس اہمیت کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے تھے اسلام کی تاریخ میں اسعد بن زرارہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مدینہ میں جمعہ کو قائم کیا تھا ان کے انتقال کے بعد جب جمعہ کی اذان ہوتی تھی تو حضرت کعب بن مالک ؓ ان پر رحمت کی دعا کرتے تھے ان کے بیٹے نے ایک روز اس کی وجہ پوچھی تو بولے کہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ہم کو جمعہ کیلئے جمع کیا اس وقت ہماری تعداد صرف چالیس تھی۔[1]

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو اپنے کھیتوں میں چقندر بو دیا کرتی تھیں جب جمعہ کا دن آتا تھا تو اس کو پکاتی تھیں اور جمعہ کے بعد تمام صحابہ ؓ کو کھلاتی تھیں۔[2]

تمام صحابہ ؓ غسل جمعہ کا نہایت اہتمام کرتے تھے حضرت ابوہریرہ ؓ کا قول ہے کہ غسل جنابت کی طرح غسل جمعہ بھی فرض ہے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بغیر غسل کیے ہوئے اور بغیر خوشبو لگائے ہوئے کبھی شریک جمعہ نہیں ہوتے تھے۔[3]

ایک بار حضرت عمر ؓ خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں حضرت عثمان ؓ آ گئے بولے "بھلا یہ کون سا وقت ہے۔" فرمایا بازار سے پلٹا تو اذان سنی اور صرف وضو کر کے چلا آیا فرمایا یہ بھی قابل اعتراض بات ہے کہ صرف وضو کیا حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ غسل کا حکم دیتے تھے۔[4]

اگرچہ صحابہ کرام ؓ عموماً پابندی اوقات نماز کا لحاظ رکھتے تھے لیکن جمعہ کے دن خاص طور پر یہ اہتمام کیا جاتا تھا کہ مسجد کی مغربی دیوار پر ایک چادر تان دی جاتی تھی اور جب دیوار کا سایہ اس کو پورے طور پر ڈھک لیتا تھا تو حضرت عمر ؓ فوراً نماز کیلئے گھر سے نکل کھڑے ہوتے تھے۔[5]

عہد نبوت ﷺ میں اگرچہ جہاد افضل الاعمال سمجھا جاتا تھا لیکن جمعہ کا شوق اس پر بھی غالب آتا تھا، ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ کو ایک سریہ میں

۱: ابوداؤد و کتاب الصلوۃ باب الجمعہ فی القری۔
۲: بخاری کتاب الجمعہ باب فی قول اللہ عزوجل "فاذا قضيتم الصلوة فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ"۔
۳: موطائے امام محمد باب الاغتسال یوم الجمعہ وباب وقت الجمعہ ومایستحب من الطیب والدھان للرجل۔
۴: ایضاً باب الاغتسال یوم الجمعہ۔
۵: موطائے امام محمد باب وقت الجمعہ ومایستحب من الطیب والدہان۔

جانے کا حکم دیا لیکن اور لوگ تو روانہ ہو گئے وہ ٹھہر گئے جمعہ کا دن تھا آپ ﷺ نے جماعت میں دیکھا تو فرمایا کیوں رک گئے۔ میں نے چاہا کہ آپ ﷺ کے ساتھ جمعہ پڑھ لوں تو جاؤں"۔[1]

نوافل اشراق اور صلٰوۃ کسوف

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس شوق و مستعدی کے ساتھ نماز مفروضہ ادا فرماتے تھے اسی طرح نوافل ،اشراق اور صلوہ کسوف وغیرہ بھی پڑھتے تھے بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

لقد ادركت كبار اصحاب النبى ﷺ يبتدرون السورى عند المغرب[2]
میں نے کبار صحابہ کو دیکھا کہ مغرب کے وقت مسجد کے ستونوں کی طرف نماز کیلئے دوڑتے تھے۔

اور شرح حدیث نے تصریح کی ہے کہ یہ نفل کی نماز ہوتی تھی جس کو مغرب کی نماز شروع ہونے سے پہلے صحابہ کرام ادا فرماتے تھے خود اس حدیث میں ہے۔

حتی یخرللنبی ﷺ
یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نفل اس وقت تک پڑھتے تھے جب تک رسول ﷺ امامت کیلئے نکل نہ آئیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سفر میں ہوتے تھے تو سواری کے اوپر ہی بیٹھے بیٹھے نفل کی نمازیں پڑھ لیتے تھے، اور اس کو رسول ﷺ کی سنت سمجھتے تھے۔[3]

نماز اشراق اگرچہ رسول ﷺ نے بہت کم پڑھی ہے، لیکن بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا التزام کر لیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں نے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی نماز اشراق پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، لیکن میں خود پڑھتی ہوں، کیونکہ آپ ﷺ بہت سی چیزوں کو پسند فرماتے تھے، لیکن اس پر اس لئے عمل نہیں کرتے تھے کہ مبادا امت پر فرض نہ ہو جائے" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے نماز اشراق کی وصیت فرمائی تھی، اس لئے یہ دونوں بزرگ اس کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔[4]

۱: ترمذی ابواب الجمعہ باب ما جاء فی السفر یوم الجمعہ۔
۲: بخاری کتاب الصلوۃ الی الاستوانۃ۔
۳: مسلم کتاب الصلوۃ باب جواز الصلوۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر حیث توجہت۔
۴: ایضاً باب استحباب صلوۃ الضحی۔

چاند اور سورج میں جب گہن لگتا تھا تو تمام صحابہ ﷺ صلوٰۃ الکسوف ادا فرماتے تھے، ایک بار مدینہ میں گہن لگا تو حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی۔[1] ایک بار اور گہن لگا تو حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ نے صفۂ زمزم میں لوگوں کو جمع کیا اور باجماعت نماز ادا فرمائی۔[2]

تہجد و نماز شب

رات جس میں ہم نیند کا لطف اٹھاتے ہیں اس میں صحابہ کرام ﷺ عبادت الٰہی اور تہجد گزاری میں مصروف رہتے تھے ایک صحابی نے رات کو نماز میں نہایت بلند آہنگی سے قرات کی صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا اس پر رحم کرے مجھے بہت سی آیتیں یاد دلا دیں جن کو میں بھول گیا تھا۔

ایک بار آپ ﷺ مسجد میں معتکف تھے اور صحابہ کرام ﷺ بھی مصروف نماز تھے اور اس قدر بلند آہنگی کیساتھ قرات کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے پردہ اٹھا کر فرمایا تم میں ہر شخص خدا کیساتھ سرگوشی کر رہا ہے اتنا نہ چلاؤ کہ ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچے۔[3] حضرت ابوالدرداء ﷺ رات کے اکثر حصے میں نماز پڑھا کرتے تھے چنانچہ حضرت سلمان فارسی ﷺ نے ان کی بی بی کی شکایت پر اس سے ان کو باصرار روکا۔[4]

صحابہ کرام ﷺ راتوں کو نہ صرف خود نمازیں پڑھتے تھے بلکہ غیروں بالخصوص اپنے اہل و عیال کو بھی بیدار کر کے شریک نماز کرتے تھے ایک روز آپ ﷺ رات کو گھر سے نکلے تو دیکھا کہ حضرت ابوبکر ﷺ پست آواز کے ساتھ نماز میں قرات کر رہے ہیں آگے بڑھے تو حضرت عمر ﷺ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ نماز میں قرات کرتے ہوئے نظر آئے دونوں بزرگ آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ابوبکر نماز میں تمہاری آواز پست تھی" بولے کہ "میں جس سے (خدا سے) سرگوشی کر رہا تھا اس کے کان میں میری آواز پہنچ گئی حضرت عمر ﷺ سے ارشاد ہوا کہ تمہاری آواز نہایت بلند تھی۔" بولے کہ "یا رسول اللہ ﷺ میں سونے والوں کو جگاتا اور شیطان کو دھتکارتا ہوں۔[5] موطائے امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر ﷺ رات کو نماز پڑھتے تھے تو اخیر شب میں اپنے اہل و عیال کو بھی

1: بخاری ابواب صلوٰۃ الکسوف باب خطبۃ الامام فی الکسوف۔
2: بخاری باب صلوٰۃ الکسوف جماعۃ۔
3: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب رفع الصوت بالقراۃ۔
4: بخاری کتاب الصوم اقسم علی اخیہ لیفطر فی التطوع۔
5: داؤد کتاب الصلوٰۃ باب رفع الصوت بالقراۃ فی صلوۃ اللیل۔

نماز کیلئے جگاتے تھے،اور یہ آیت پڑھتے تھے۔ وامر اهلك بالصلوه واصطبر عليها لانسئلك رزقا نحن نرزقك والعاقبته للتقوىٰ[1] (طٰہٰ ۳۲)

حضرت ابوہریرہ ؓ اور ان کی بی بی اور خادم نے نماز کیلئے رات کے تین حصے کر لئے تھے اور ان میں جب ایک نماز سے فارغ ہو چکتا تھا تو دوسرے کو نماز کیلئے جگا دیتا تھا۔[2]

یہ ذوق نماز صرف چند صحابہ ؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ عموماً تمام صحابہ ؓ میں پایا جاتا تھا حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ مغرب سے عشاء تک بیدار رہ کر نمازیں پڑھتے تھے چنانچہ خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

كَانُوا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۔[3]

یہ لوگ (عبادت میں مشغول رہنے کے سبب سے) راتوں کو بہت ہی کم سوتے تھے۔

اس میں صحابہ کرام ؓ کو سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی تھیں اول اول سورہ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو صحابہ کرام ؓ تراویح کی طرح راتوں کو نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ پاؤں پھول جاتے تھے۔[4]

قرآن مجید نے صحابہ کرام ؓ کی فضیلت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

تتجافى جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفا وطمعا ومما رزقنهم ينفقون۔

ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں وہ لوگ خوف ورجا سے خدا کو پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے صرف کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تہجد اور نوافل میں شرکت

رسول اللہ ﷺ رات کی نمازوں میں لمبی لمبی سورتیں مثلاً سورہ بقرہ، آل عمران، مائدہ اور انعام پڑھتے تھے اور جس قدر وقت قیام میں صرف ہوتا تھا اتنا ہی وقت رکوع و سجود میں بھی صرف فرماتے تھے اس لئے اس قدر طویل اور پر سکون نماز میں وہی شخص شریک ہو سکتا تھا جس کا دل شوق عبادت اور شوق اقتدائے رسول ﷺ سے لبریز ہو، صحابہ کرام ؓ اسی قسم کا شوق عبادت اور شوق اقتدائے رسول رکھتے تھے اس لئے آپ ﷺ کے ساتھ شریک نماز ہو کر اس دولت سے بہرہ اندوز ہوتے تھے چنانچہ حضرت عوف بن مالک ؓ ایک بار

۱: موطا کتاب الصلوۃ باب فی صلوۃ اللیل۔

۲: بخاری کتاب الاطعمہ باب۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوہ باب وقت قیام النبی ﷺ من اللیل۔

۴: ابوداؤد کتاب الصلوہ باب نسخ قیام اللیل و باب فی صلوۃ اللیل۔

آپ ﷺ کے ساتھ تہجد میں شریک ہوئے آپ ﷺ نے پہلی رکعت میں سورہ بقرہ اور دوسری میں آل عمران پڑھی اور وہ ذوق عبادت میں کھڑے رہے۔

ایک بار حضرت حذیفہ ؓ کو بھی یہ شرف حاصل ہوا[1]

آپ ﷺ نماز شب میں بقرہ، آل عمران اور نساء کی سورتیں پوری پوری پڑھتے اگر کوئی خوف کی آیت آجاتی تو خدا سے دعا کرتے اور اس سے پناہ مانگتے اسی طرح اگر کوئی بشارت آمیز آیت آتی تو دعا کرتے اور اس کی خواہش فرماتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کے ساتھ اس نماز میں شریک رہتیں۔[2]

یہ شوق صرف چند صحابہ ؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ عموماً تمام صحابہ ؓ میں پایا جاتا تھا۔

ایک بار چند صحابہ ؓ نے آپ ﷺ کو شب میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور شریک ہو گئے صبح کو اور لوگوں سے ذکر کیا تو وہ بھی شریک ہوئے اور متصل دو تین شب برابر شریک ہوتے رہے آپ ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو ایک شب گھر سے نہ نکلے لیکن صحابہ کرام ؓ نے مختلف طریقوں سے اپنے شوق کا اظہار کیا کھانسے ، کھنکارے ، چلائے اور دروازے پر کنکریاں ماریں آپ ﷺ اندر سے غصہ میں نکلے اور فرمایا کہ تمہاری ان حرکتوں سے مجھے خیال پیدا ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے۔[3]

آپ ﷺ شب میں چٹائی کو گھیر کر حجرے کی صورت پیدا کر لیتے تھے اور اس میں نماز ادا فرماتے تھے صحابہ کرام ؓ کو خبر ہوئی تو وہ بھی شریک نماز ہونے لگے لیکن آپ ﷺ نے ان کو اس سے روک دیا۔[4]

یہ شوق اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کا دل بھی اس سے خالی نہ تھا حضرت عبداللہ بن عباس ؓ عہد نبوت میں نہایت صغیر السن تھے لیکن اس شوق میں ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس سوئے آدھی رات ہوئی تو آپ ﷺ نے اٹھ کر پہلے آل عمران کی چند آیتیں تلاوت فرمائی ، پھر وضو کر کے نماز شروع کی حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے بھی ان اعمال کی تقلید کی اور آپ کے پہلو میں کھڑے

1: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب مایقوم الرجل فی رکوعہ (سجودہ)۔
2: مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۹۲۔
3: بخاری کتاب الصلوۃ باب اذا کان بین الامام وبین القوم حائط او سترہ وابوداؤد باب تفریع ابواب شہر رمضان باب فی فضل التطوع فی البیت۔
4: بخاری کتاب الصلوۃ باب صلوۃ اللیل۔

ہو کر نماز ادا کی۔[1]

قیام رمضان

صبح سے شام تک کی بھوک پیاس کے بعد ہم لوگ بمشکل تراویح پڑھنے کیلئے آمادہ ہوتے ہیں لیکن صحابہ کرام ؓ اسکے بھوکے تھے اسلئے ان کو کبھی اس سے سیری نہیں ہوتی تھی۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے تراویح ادا فرمائی تو چند صحابہ ؓ شریک ہوئے دوسرے روز اس تعداد میں اور اضافہ ہوا لیکن تیسرے روز اس مقصد سے جمع ہوئے تو آپ گھر سے نہ نکلے اور فرمایا کہ "مجھے خوف ہے کہ وہ تم پر کہیں فرض نہ ہو جائے۔"

آپ ﷺ نے ایک بار اخیر رمضان میں تراویح شروع کی اور پہلے دن ثلث شب تک پڑھی۔ دوسرے دن ناغہ فرمایا تیسرے دن آدھی رات تک پڑھی لیکن ابوذر غفاری ؓ کو اس سے تسکین نہیں ہوئی اور آپ ﷺ کی خدمت میں گزارش کی کہ کاش آپ ﷺ اس کو رات بھر ادا فرماتے۔[2]

حضرت انیس جہنی ؓ صحرا میں رہتے تھے اس لئے متصل مسجد نبوی ﷺ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کے حکم سے رمضان کی تیکسویں شب کو صحرا سے آکر نماز عصر پڑھ کر مسجد میں داخل ہوتے صبح تک مصروف نماز رہتے اور نماز فجر ادا کر کے صحرا کو روانہ ہو جاتے۔[3]

صحابہ کرام ؓ کو تراویح کے ادا کرنے میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی تھیں لیکن ان کے شوق میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی حضرت عمر ؓ نے جب تراویح کو باجماعت کر دیا تو امام ایک ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھتا تھا اس لئے صحابہ کرام ؓ کھڑے کھڑے اس قدر تھک جاتے تھے کہ لکڑی کے سہارے کی ضرورت ہوتی تھی اور سحر کے وقت فارغ ہو کر واپس آتے تھے۔[4]

پابندی اوقات نماز

نماز اکثر مسلمان پڑھتے ہیں لیکن ان میں کتنے ہیں جو اوقات نماز کی ٹھیک طور پر پابندی کرتے ہیں لیکن سخت سے سخت خطرہ اور مستعدی کی حالت میں بھی صحابہ کرام ؓ کی نماز

۱: ابواب صلوٰۃ الوتر۔
۲: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی قیام شہر رمضان۔
۳: ایضاً باب تفریع ابواب شہر رمضان باب فی لیلۃ القدر۔
۴: موطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی قیام رمضان مع زرقانی شرح موطا۔

کا وقت فوت نہیں ہو سکتا تھا ایک صحابی کو رسول اللہ ﷺ نے ایک پر خطر کام کیلئے ایک جگہ روانہ فرمایا جب وہ منزل مقصود کے قریب پہنچے تو عصر کا وقت ہو چکا تھا انھوں نے دل میں کہا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں نماز میں دیر ہو جائے، اس لئے منزل مقصود کی طرف بڑھے اشاروں ہی میں نماز پڑھتے ہوئے بڑھے۔[1] غزوہ احزاب سے واپسی کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ ؓ کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ عصر کی نماز جا کر وہیں پڑھیں لیکن راستے میں عصر کا وقت آ گیا تو بہت سے صحابہ ؓ نے فوراً نماز پڑھائی۔[2]

ایک دن ظہر کے بعد کچھ لوگ حضرت انس بن مالک ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اٹھ کر عصر کی نماز پڑھنے لگے، تو ان لوگوں نے کہا آپ ؓ نے بڑی عجلت کی بولے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ منافقین کی نماز ہے، منافقین کی نماز ہے کہ گھر میں بیٹھے رہتے ہیں، اور جب سورج زرد ہونے لگتا ہے تو چار رکعت پڑھ لیتے ہیں، خدا کو اس میں بہت کم یاد کرتے ہیں۔[3]

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ مکہ میں حجاج کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن جب اس نے تاخیر کرنا شروع کی، تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور مکہ سے نکل گئے۔[4]

پابندی جماعت

صحابہ کرام ؓ نماز باجماعت کو نہ صرف ذریعہ ازدیاد ثواب خیال کرتے تھے بلکہ اس کو اسلام و نفاق اور ایمان و کفر کے درمیان حد فاصل سمجھتے تھے، حضرت معاذ ؓ اپنی قوم کے امام تھے، لیکن ان کا معمول یہ تھا کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کر لیتے تھے، پھر اپنی مسجد میں جا کر نماز پڑھاتے تھے، لیکن ایک روز دیر میں واپس آئے اور نماز میں سورہ بقرہ کی تلاوت شروع کی، ایک کاروباری آدمی تھک کر جماعت سے علیحدہ ہو گیا، اور الگ نماز پڑھ لی، تو ایک صحابی نے فوراً کہا کہ تم منافق ہو گئے۔[5]

ایک صحابی کہتے ہیں کہ نماز باجماعت سے صرف مشہور منافق ہی الگ رہتا تھا، ورنہ بعض لوگوں کی حالت یہ تھی کہ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں آ کر شریک جماعت ہوتے تھے۔[6]

۱: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الطالب۔
۲: بخاری باب صلوۃ الخوف ابواب صلوۃ الطالب والمطلوب راکباً وایماء۔
۳: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب وقت صلوۃ العصر۔
۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ ۔
۵: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب تخفیف الصلوۃ للامر یحدث۔
۶: نسائی کتاب الامامۃ والجماعۃ باب المحافظۃ علی الصلوۃ حیث ینادی بھن۔

اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے عام حکم دے دیا تھا کہ بارش اور اندھیری میں لوگ اپنے اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لیا کریں، لیکن صحابہ کرام ﷺ کو آپ کے ساتھ نماز ادا کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ ایک دن پانی برس رہا تھا اور سخت اندھیری چھائی ہوئی تھی، کہ اس حالت میں چند صحابہ ﷺ اس غرض سے نکلے کہ چل کے آپ کے ساتھ نماز ادا کریں۔[1]

ایک صحابی کا گھر مدینہ کے انتہائی کنارے پر تھا، لیکن ہر وقت کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھتے تھے، ایک صحابی کو ان کی حالت پر رحم آگیا اور کہنے لگے کہ "کاش تم ایک گدھا خرید لیتے جو زمین کی تمازت، ٹھوکر اور سانپ بچھو سے تم کو محفوظ رکھتا"۔ بولے "میں رسول اللہ ﷺ کے گھر کے قریب رہنا نہیں چاہتا، کیونکہ مجھ کو اپنے ہر نقش قدم کے ثواب کی توقع ہے"۔

مدینہ میں قبیلہ بنو سلمہ کا محلّہ مسجد سے بہت دور تھا، لیکن وہ لوگ نماز باجماعت کو اس قدر ضروری سمجھتے تھے کہ اپنا محلّہ چھوڑ کر مسجد نبوی ﷺ کے آس پاس آباد ہو جانا چاہا، لیکن چونکہ اس سے ایک محلّہ ویران ہوا جاتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو ہر اس قدم کا ثواب ملے گا جو مسجد کی جانب اٹھے گا۔[2]

جماعت کے انتظار میں صحابہ کرام ﷺ سخت تکلیفیں برداشت کرتے تھے لیکن اس کی پابندی میں کوئی فرق نہیں آتا تھا ایک رات رسول اللہ ﷺ کو کوئی کام پیش آگیا۔ اس لئے عشاء کی نماز میں بہت تاخیر ہوگئی یہاں تک کہ صحابہ کرام ﷺ سو گئے لیکن نماز کا روحانی خواب کیوں کر بھلایا جا سکتا تھا پھر جاگے، پھر سوئے، پھر اٹھے پھر نیند آگئی۔ آپ کاشانہ نبوت سے برآمد ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ آج دنیا میں تمہارے سوا کوئی دوسرا نماز کا انتظار نہیں کرتا۔

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ﷺ عشاء کا انتظار اتنی دیر تک کرتے تھے کہ نیند کے مارے ان کی گردنیں جھک جھک جاتی تھیں۔[3]

حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک شب نماز عشاء کیلئے رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے ایک تہائی رات گزر گئی تو آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ اگر امت پر شاق نہ گزرتا تو میں اسی وقت نماز عشا ادا کرتا۔"

ایک دن نماز عشا کے وقت رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں اس قدر دیر ہوئی کہ بعض صحابہ ﷺ نے خیال کیا کہ آپ نماز ادا کر چکے اور اب گھر سے نہ نکلیں گے، آپ تشریف

۱: ابوداود کتاب الادب، باب ما یقول اذا اصبح۔
۲: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب الابعد فالابعد من المسجد اعظم اجر۔
۳: ابوداود کتاب الطہارۃ باب الوضوء من النوم۔

لائے اور لوگوں نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تو فرمایا کیا تو فرمایا کہ "اس نماز کو اسی وقت پڑھو، تم کو تمام امتوں پر اسی کی وجہ سے فضیلت ہے تمہارے پہلے کسی امت نے اس نماز کو ادا نہیں کیا۔"

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے نماز عشاء کیلئے آدھی رات تک آپ ﷺ کا انتظار کیا آپ ﷺ گھر سے نکلے تو فرمایا کہ "اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ" ہم لوگ بیٹھ گئے تو ارشاد ہوا کہ "اور لوگ تو نماز پڑھ کر سوگئے، لیکن تمہارے انتظار کی گھڑیاں بھی نماز میں داخل تھیں۔[1]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقائے سفر جب مدینہ آئے تو بقیع بطحان میں قیام کیا وہاں سے اگرچہ تمام لوگ نماز عشا میں شریک نہیں ہو سکتے تھے تاہم باری باندھ لی تھی اور اپنی اپنی باری پر لوگ آکر آپ کے ساتھ عشا پڑھتے تھے۔[2]

نماز میں خشوع و خضوع

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نمازوں میں نہایت محویت، استغراق، خشوع، خضوع اور تضرع و زاری پائی جاتی تھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس خشوع و خضوع کے ساتھ نماز اور قرآن پڑھتے کہ ان پر شدت سے گریہ طاری ہو جاتا اور کفار کی عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر پڑتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں اس شدت سے روتے کہ پچھلی صف کے لوگ رونے کی آواز سنتے، حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ "میں باوجودیکہ پچھلی صف میں رہتا تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سنتا تھا۔[3]

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ایک رات تہجد کیلئے کھڑے ہوئے تو صرف ایک آیت یعنی ام حسب الذین اجترحوا السیئات الخ کی قرات میں صبح کر دی اسی کو بار بار پڑھتے تھے رکوع کرتے تھے سجدے میں جاتے تھے اور روتے تھے۔[4]

سخت سے سخت تکلیف کی حالت میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ محویت قائم رہتی تھی، دو بہادر صحابی ایک پہاڑ کے درے میں رسول اللہ ﷺ کی حراست پر مامور تھے، ان میں ایک بزرگ مصروف نماز ہوئے تو اسی حالت میں ایک انتقام کیش مشرک آیا اور ان کے جسم میں تین تیر لگائے، لیکن انھوں نے نماز کو برابر قائم رکھا ان کے دوسرے رفیق سو گئے تھے۔ بیدار ہوئے اور ان کے خون آلود زخم دیکھے تو کہا "مجھے پہلے ہی کیوں نہیں جگایا۔" بولے کہ میں نماز

1: ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب فی وقت العشاء الآخرۃ۔
2: بخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب فضل العشاء۔
3: بخاری کتاب الصلوۃ باب۔ صلوۃ الجماعۃ والامامۃ باب اذا بکی الامام فی الصلوۃ۔
4: اسد الغابہ۔ تذکرہ حضرت تمیم داری۔

میں ایک سورہ پڑھ رہا تھا جس کو ناتمام چھوڑنا مجھ کو پسند نہ آیا۔[1]

محبوب سے محبوب چیز بھی اگر صحابہ ﷡ کی حضوری نماز میں خلل انداز ہوتی تو وہ ان کی نگاہیں مبغوض ہو جاتی ایک دن حضرت ابو طلحہ انصاری ﷜ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے ایک چڑیا اڑتی ہوئی آئی اور چونکہ باغ بہت گھنا تھا اور کھجوروں کی شاخیں باہم ملی ہوئی تھیں پھنس گئی اور نکلنے کی راہیں ڈھونڈھنے لگی، ان کو باغ کی شادابی اور اس کی اچھل کود کا یہ منظر بہت پسند آیا اور اس کو تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے، پھر نماز کی طرف توجہ کی تو یہ یاد نہ آیا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں دل میں کہا کہ اس باغ نے یہ فتنہ پیدا کیا فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں۔"

ایک اور صحابی اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے فصل کا زمانہ تھا دیکھا تو کھجوریں پھل سے لدی ہوئی ہیں اس قدر فریفتہ ہوئے کہ نماز کی رکعتیں یاد نہ رہیں نماز سے فارغ ہو گیا اس کو اموال صدقہ میں داخل کر لیجئے۔" چنانچہ انھوں نے اس کو ۵۰ ہزار پر فروخت کیا اس مناسبت سے اس کا نام خمسین پڑ گیا۔[2]

اسی خشوع و خضوع کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام ﷡ نہایت سکون واطمینان کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے حضرت انس ﷜ رکوع کے بعد قیام میں دونوں سجدوں کے درمیان اس قدر دیر لگاتے کہ لوگ سمجھتے کہ کچھ بھول گئے ہیں۔[3] حضرت عبداللہ بن زبیر ﷜ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ستون کھڑا ہے ایک دن رکوع میں اس قدر جھکے رہے کہ ایک شخص نے بقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ جیسی طویل سورتوں کی تلاوت کر ڈالی لیکن انھوں نے اس درمیان میں سر نہ اٹھایا۔[4]

۱: ابوداؤد کتاب الطہارہ باب الوضوء من الدم۔
۲: موطا امام مالک کتاب الصلوۃ النظر فی الصلوۃ الی یشغلک عنہا۔
۳: بخاری کتاب الصلوۃ ابواب صفۃ الصلوۃ باب المکث بین السجدتین۔
۴: اسد الغابہ واصابہ تذکرہ عبداللہ بن زبیرؓ۔

ابواب الزکوٰۃ

زکوٰۃ مفروضہ

صحابہ کرام ؓ اگرچہ سخت مفلس اور نادار تھے تاہم خدا کی راہ میں اپنا مال سینکڑوں طریقے سے صرف کرتے تھے جہاد کے سامان اور نو مسلموں کی کفالت کے علاوہ صدقہ و خیرات سے کوئی دن خالی نہیں جاتا تھا زکوٰۃ سب سے مقدم اور حاوی چیز تھی یعنی غلہ پر الگ سامان تجارت پر الگ گھوڑوں پر الگ اونٹوں پر الگ باغوں پر الگ غرض کوئی چیز ایسی نہ تھی جس میں خدا کا حق نہ ہوتا تاہم وہ نہ اس سے گھبراتے تھے نہ تنگدل ہوتے تھے بلکہ نہایت فیاضی کے ساتھ خدا کے اس حق کو ادا کرتے تھے۔

جب کھجوروں کی فصل تیار ہوتی تو تمام صحابہ ؓ زکوٰۃ کی کھجوریں لے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ ﷺ کے گرد کھجوروں کا ڈھیر لگا دیتے۔[1]

حضرت عدی بن حاتم ؓ اپنے قبیلہ طے کا صدقہ لے کر حاضر ہوئے تو چونکہ اسلام میں یہ پہلا صدقہ تھا اس لئے اس کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کے چہرے فرط مسرت سے چمک اٹھے۔[2]

جو لوگ اپنے قبیلہ کی زکوٰۃ لے کر آتے رسول اللہ ﷺ ان کیلئے دعائے خیر فرماتے حضرت ابو اوفیٰ ؓ اپنی قوم کی زکوٰۃ لے کر آئے تو آپ ﷺ نے دعا دی۔[3]

اللّٰھم صلی علی آل ابی اوفی "خداوند آل ابی اوفی پر رحمت نازل فرما"

جو لوگ زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجے جاتے صحابہ کرام ؓ ہمیشہ ان کو رضامند رکھتے ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چند بدوؤں نے محصلین زکوٰۃ کے ظلم کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ان کو راضی رکھو، حضرت جریر بن عبداللہ ؓ کا بیان ہے کہ جب سے میں نے یہ سنا میرے پاس سے محصل زکوٰۃ ہمیشہ خوش گیا۔[4]

زیور عورتوں کو سب سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن کو خدا کی

۱: بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اخذ صدقۃ التمر عند صرام النخل۔
۲: مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل غفار واسلم وغیرہا۔
۳: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الصدق لاہل الصدقہ۔
۴: مسلم کتاب الزکوٰۃ ارضاء السعاۃ۔

مرضی ان سے بھی زیادہ عزیز تھی ایک بار آپ ﷺ کی خدمت میں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا اپنی لڑکی کے ساتھ حاضر ہوئیں جس کے ہاتھ میں سونے کے موٹے موٹے کنگن تھے آپ ﷺ نے کنگن دیکھ کر فرمایا "کیا تم اس کی زکوۃ دیتی ہو" بولیں نہیں "فرمایا کیا تمھیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا قیامت کے دن ان کے بدلے تمہارے ہاتھ میں آگ کے کنگن پہنائے؟" انھوں نے فوراً کنگن آپ ﷺ کے سامنے ڈال دیے کہ یہ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے ہیں۔"[1]

صدقہ فطر ادا کرنا

صدقہ فطر واجب ہے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر چھوٹے بڑے غلام آزاد کی طرف سے نہایت التزام کے ساتھ صدقہ فطر ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے غلام نافع کے بچوں بلکہ کافر و غلاموں کی جانب سے بھی صدقہ فطر دیتے تھے[2]۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دیا جائے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس شدت کے ساتھ اس حکم کی پابندی کرتے تھے کہ دو ایک دن پیشتر ہی صدقہ فطر دیتے تھے۔[3] ان ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ایسا کرتے تھے۔[4] عہد رسالت میں ایک صاع جو یا کھجور یا منقے صدقہ فطر میں دیا جاتا تھا لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں گیہوں کی پیداوار میں اضافہ ہوا تو انھوں نے ان چیزوں کے بجائے نصف صاع گیہوں کر دیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے لوگوں نے دو مد شامی گیہوں کے دینے کا التزام کر لیا۔[5]

زکوۃ کی طرح صدقہ فطر وصول کرنے کیلئے بھی اشخاص مقرر ہوئے تھے جو اس کو وصول کر کے ایک جگہ جمع کرتے تھے۔[6] بخاری کتاب الوکالہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو یہ مروی ہے۔

وکلنی رسول اللہ ﷺ بحفظ زکوۃ رمضان
رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ رمضان کا مجھ کو وکیل بنایا۔

۱: ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الکنز ماھو و زکوۃ الحلی۔
۲: بخاری مع فتح الباری ابواب صدقۃ الفطر باب صدقۃ الفطر علی الحر والمملوک۔
۳: ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب متی تودی صدقۃ الفطر۔
۴: بخاری ابواب صدقۃ الفطر باب صدقۃ الفطر علی الحر والمملوک۔
۵: ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب کم یودی فی صدقۃ الفطر۔
۶: بخاری مع فتح الباری ابواب صدقۃ الفطر باب صدقۃ الفطر علی الحر والمملوک۔

اس میں زکوٰۃ رمضان سے صدقہ فطر ہی مراد ہے جو ادا کرنے کیلئے ایک جگہ جمع کیا گیا تھا اور اس کی حفاظت کیلئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا۔[1]

صدقہ و خیرات

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت تنگدست تھے، تاہم ان کو تھوڑا بہت جو کچھ ملتا تھا اس کو صدقہ و خیرات کر دیتے تھے۔ حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ انصاری سے روایت ہے کہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بازاروں میں جاتے اور حمالی کرتے محنت و مزدوری میں جو کچھ ملتا اس کو صدقہ کر دیتے۔[2]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی فروخت کی اور اس کی قیمت گود میں لئے بیٹھی تھیں کہ ان کے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آئے اور قیمت دیکھ کر کہا "مجھے دیدو" بولیں "میں نے تو اس کو صدقہ کر دیا۔"[3]

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت ہی میں نیک کاموں کے کرنے میں مشہور تھے، اسلام لائے تو زمانہ جاہلیت میں جو جو نیک کام کیے تھے، اسلام میں بھی اسی قسم کے نیک کام کیے دار الندوہ جو قریش کا ایک قابل فخر یادگار تھا، ان ہی کے قبضہ میں تھا انھوں نے اس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم پر فروخت کیا اور اس کی کل قیمت خیرات کر دی۔[4]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن کے گورنر تھے اور پانچ ہزار وظیفہ پاتے تھے لیکن جب بیت المال سے وظیفہ کی رقم ملتی تھی تو کل کی کل خیرات کر دیتے تھے اور خود اپنے کسب سے روزی پیدا کرتے تھے۔[5]

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہزار غلام تھے وہ کما لاتے تھے تو کل رقم صدقہ کر دیتے تھے گھر میں ایک حبہ بھی آنے نہیں پاتا تھا۔[6]

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سرے سے مال کا جمع کرنا ہی ناجائز سمجھتے تھے۔[7]

۱: ایضاً کتاب الوکالۃ باب اذا وکل رجلا فترک الوکیل شیئا فاجازہ الموکل فھو جائز۔
۲: بخاری کتاب الزکوۃ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ ۷۵۔
۳: مسلم کتاب آداب باب جواز۔
۴: اسد الغابہ تذکرہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ۔
۵: استیعاب حضرت سلیمان فارسیؓ۔
۶: اصابہ تذکرہ حضرت زبیر بن عوامؓ۔
۷: بخاری کتاب الزکوۃ باب ما ادی زکوۃ فلیس بکنز۔

بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو چیز صدقہ میں دیدے اس کو دوبارہ نہ خریدے اس لئے حضرت ابن عمر ﷺ اگرچہ صدقہ کا مال دے کر پھر خریدتے تو اس کو اپنی ملک میں نہ رکھتے بلکہ صدقہ کردیتے۔[۱]

رسول اللہ ﷺ کی ترغیب و تحریض سے صحابہ کرام ﷺ اور بھی زیادہ صدقہ و خیرات کی طرف مائل ہو جاتے تھے، ایک بار آپ نے خطبہ عید میں صدقہ کی ترغیب دی، عورتوں کا مجمع تھا حضرت بلال ﷺ دامن پھیلائے ہوئے تھے، اور عورتیں اپنے کان کی بالیاں اور ہاتھ کی انگوٹھیاں پھینکتی جاتی تھیں۔[۲] ایک بار قبیلہ مضر کے بہت سے فاقہ زدہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے ان کی حالت دیکھی تو چہرے کا رنگ بدل گیا اور نماز کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی ایک صحابی کے پاس درہم و دینار کی ایک تھیلی اس قدر وزنی تھی کہ اس کو بمشکل اٹھا سکتے تھے لیکن انھوں نے اس کو آپ ﷺ کے سامنے ڈال دیا، اس کے بعد اور تمام صحابہ ﷺ نے کپڑے اور غلہ کا ڈھیر لگا دیا۔[۳]

ایک بار آپ ﷺ نے دیکھا کہ انصار نے اپنے باغوں کے گرد چار دیواریاں قائم کردی ہیں، حالانکہ پہلے ایسا نہیں کرتے تھے فرمایا کہ "نماز جمعہ کے بعد چلے نہ جانا میں کچھ کہوں گا، جب نماز ہو چکی تو تمام انصار منبر کے گرد جمع ہوگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پہلے قوم کا تاوان دیتے تھے، یتیموں کی پرورش کرتے تھے اور دوسری نیکیاں کرتے تھے لیکن جب اسلام آیا تو مال کی اس قدر حفاظت کرتے ہو۔ انسان جو کچھ کھالیتا ہے اس کا ثواب ملتا ہے اور چڑیاں جو کچھ کھالیتی ہیں اس کا ثواب ملتا ہے۔" انصار پر اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ پلٹے تو سب نے اپنے اپنے باغ کی دیواروں میں ایک ایک دو دو شگاف کردیے[۴] کہ ان کا فائدہ سب کو پہنچے۔

ایک بار مسجد نبوی ﷺ میں ایک سائل آیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ ﷺ کو حکم دیا کہ اپنے اپنے کپڑے زمین پر ڈال دیں۔ سب نے اپنے اپنے کپڑے ڈال دیئے اور ان میں سے آپ ﷺ نے سائل کو دو کپڑے دے دیے پھر آپ ﷺ نے صدقہ کی ترغیب دی اب خود سائل نے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا پھینک دیا۔[۵]

ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ "آج تم میں کسی نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے"۔

۱: ایضاً باب ہل یشتری صدقہ۔
۲: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الخطبہ فی یوم العید۔
۳: نسائی کتاب الزکوۃ باب التحریض علی الصدقہ۔
۴: اسد الغابہ تذکرہ خالد بن صخر ﷺ۔
۵: ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الرجل یخرج من مالہ۔

حضرت ابو بکر ؓ مسجد میں آئے جہاں ان کو ایک سائل ملا ان کے بیٹے حضرت عبد الرحمٰن ؓ کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا ان سے لے کر سائل کو دے دیا۔[1]

صحابہ کرام ؓ جو ہر قسم کی چھوٹی بڑی چیز خالصتہ لوجہ اللہ صدقہ میں دیتے اس کو دیکھ کر منافقین طعنہ دیتے بدگمانی کرتے لیکن ان پر اس کا کچھ اثر نہ پڑتا ایک بار حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف نے آٹھ ہزار صدقہ میں دیے تو منافقین نے کہا کہ "یہ ریاکار آدمی ہیں" لیکن ایک صحابی نے ڈول کھینچنے کی اجرت میں ایک صاع پایا اور اس کو صدقہ میں دیا تو منافقین نے کہا "خدا اس حقیر خیرات سے بے نیاز ہے"۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

والذین یلمزون المطوعین من المومنین فی الصدقات والذین لایجدون الا جهدهم فیسخرون منهم سخر اللّٰه منهم ولهم عذاب الیم۔[2]

یہ (منافق) ہی تو ہیں کہ مسلمانوں میں جو لوگ (بامقدور ہیں اور) خوش دلی سے خیرات کرتے ہیں ان پر (ریاکاری) کا عیب لگاتے ہیں، اور جو لوگ اپنی محنت (کی کمائی) کے سوا (زیادہ) کا مقدور نہیں رکھتے (اور اس پر بھی جو میسر آجاتا ہے خدا کی راہ میں دینے کو موجود ہو جاتے ہیں) ان پر (ناحق کی شیخی کا) عیب لگاتے ہیں، غرض ان (سب) پر ہنستے ہیں جو اللہ ان منافقوں پر ہنستا ہے، اور ان کیلئے عذاب دردناک (تیار) ہے۔

مردوں کی جانب سے صدقہ کرنا

صحابہ کرام ؓ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مردوں کی جانب سے بھی صدقہ کرتے تھے اور ان کو اس کا ثواب پہنچاتے تھے، حضرت سعد بن عبادہ ؓ کی والدہ نے انتقال کیا تو انہوں نے ان کی جانب سے بطور صدقہ جاریہ کے ایک کنواں کھدوایا[3]۔ ایک صحابی کی والدہ نے انتقال کیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ "یارسول اللہ میری ماں دفعتہ مرگئی اور کوئی وصیت نہیں کی، لیکن اگر اس کو بات چیت کرنے کا موقع ملتا تو صدقہ کرتی، اب اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کروں تو اس کو ثواب ملے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں ملے گا"۔[4]

اعزہ و اقارب پر صدقہ کرنا

عام خیال ہے کہ صدقہ و خیرات صرف فقراء و مساکین کے ساتھ مخصوص ہیں، لیکن

۱: ایضا باب المسالۃ فی المساجد۔
۲: بخاری کتاب الزکوۃ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ مع فتح الباری جلد ۳ ص ۲۲۴۔
۳: ابوداود کتاب الزکوۃ باب فی فضل سقی الماء۔
۴: مسلم کتاب الزکوۃ باب وصول ثواب الصدقۃ عن المیت الیہ۔

در حقیقت اعزہ و اقارب کی اعانت کرنا سب سے بڑا صدقہ ہے، اور سب سے پہلے اسلام نے اس دقیق نکتہ کو بتایا اور صحابہ کرام ﷺ نے اس پر عمل کیا۔

حضرت ابو طلحہ ؓ نے اپنا کنواں بیر حاء خدا کی راہ میں وقف کرنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اپنے اعزہ و اقارب پر تقسیم کر دیا ،ایک بار رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی تو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی بی بی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ "تم نادار آدمی ہو، رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اگر آپ اجازت دیں تو میں جو صدقہ کرنا چاہتی ہوں تمہیں پر کروں" لیکن حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ نے کہا" تم ہی جاؤ" وہ آئیں تو آستان مبارک پر اسی غرض سے ایک دوسری بی بی بھی موجود تھیں ،دونوں بیبیوں نے حضرت بلال ؓ کے ذریعہ سے دریافت کرایا کہ " دو عورتیں اپنے شوہروں اور چند یتیموں پر جوان کی کفالت میں ہیں صدقہ کرنا چاہتی ہیں، کیا یہ جائز ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا، ان کو دوہرا ثواب ملے گا۔ایک قرابت کا دوسرا صدقہ کا ایک بار حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ :"یا رسول اللہ ﷺ میں ابو سلمہ ؓ کے لڑکوں کے مصارف برداشت کرتی ہوں کیا مجھ کو اس کا ثواب ملے گا، میں ان کو چھوڑ نہیں سکتی، کیونکہ وہ میرے لڑکے ہیں، فرمایا ہاں تم کو ثواب ملے گا"۔[1]

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقۃ دی تھی، ماں کا انتقال ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت دریافت کیا، فرمایا" صدقہ کا ثواب تمہیں مل چکا، اور وہ لونڈی تمہاری وراثت میں داخل ہو گئی۔[2]

صدقہ دینے پر اصرار

صرف یہی نہیں کہ صحابہ کرام ﷺ صدقہ دیتے تھے، بلکہ صدقہ دینے پر اصرار کرتے تھے، ایک بار ایک صحابی انڈے کے برابر سونا لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "یا رسول اللہ میں نے اسکو ایک کان میں پایا ہے، قبول فرمائیے، یہ صدقہ ہے، اس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں" آپ ﷺ نے اعراض فرمایا، پھر داہنے جناب سے لے آئے، اور یہی درخواست کی، آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا، پھر بائیں جانب سے آئے، آپ ﷺ نے پھر روگردانی کی، پھر پیچھے سے آئے، اب کی بار آپ ﷺ نے اس کو لے کر ان کی طرف اس زور سے پھینکا کہ اگر ان پر پڑا ہوتا، تو چوٹ آتی اور فرمایا کہ "تم لوگ اپنا تمام سرمایہ

۱: مسلم کتاب الزکوٰۃ باب النفقہ علی الاقربین والزوج والاولاد والوالدین ولو کانو امشرکین۔

۲: ابوداود کتاب الزکوٰۃ باب من تصدق بصدقتہ ثم ورثھا ۔

صدقہ میں دے دیتے ہو پھر بھیک مانگنے لگتے ہو، بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد بھی انسان کے پاس کچھ مال رہ جائے"۔[1]

آپ ﷺ نے ایک بار صدقہ دینے کا حکم دیا تو ایک صحابی نے کہا "میرے پاس ایک دینار ہے"۔ فرمایا "اسکو اپنے اوپر صدقہ کرو"۔ بولے "ایک دینار اور بھی ہے۔ فرمایا "اپنے لڑکے پر صدقہ کرو"۔ بولے "ایک اور بھی ہے"۔ فرمایا "اپنی بی بی پر صدقہ کرو"۔ بولے "ایک اور بھی ہے"۔ فرمایا "اپنے خادم پر صدقہ کرو"۔ بولے "ایک اور بھی ہے"۔ فرمایا "اب تمہیں سمجھو"۔[2]

صدقہ دینے میں مسابقت

اسلام نے اگرچہ قمار بازی کو حرام کر دیا تاہم صحابہ کرام ﷺ بازی لگانے سے باز نہیں آتے تھے، لیکن اس بازی میں جو شخص کامیاب ہو جاتا تھا، اس کے ہاتھ ناجائز مال نہیں آتا تھا، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ آتے تھے۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا، حسن اتفاق سے اس وقت حضرت عمر ﷺ کے پاس مال تھا، انہوں نے دل میں کہا "آج میں ابوبکر ﷺ سے بازی لے جاؤں گا۔ نصف مال لے کر حاضر خدمت ہوئے، آپ نے فرمایا "کچھ اہل و عیال کیلئے بھی رکھا ہے" بولے "اسی قدر"۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکر ﷺ اپنا کل سرمایہ لے کر حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا: "اہل و عیال کیلئے کیا چھوڑا"۔ بولے "اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ "۔ اب حضرت عمر ﷺ نے کہا "میں تم سے کبھی بازی نہ لے جاسکوں گا"۔[3]

اخفائے صدقہ

صدقہ، خیرات اگرچہ ہر حال میں نیکی کا کام ہے، لیکن چھپا کر صدقہ دینا اور بھی افضل ہے، اس لیے قرآن مجید میں آیا ہے:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

اگر علانیہ صدقہ دو تو یہ بھی بہتر ہے لیکن اگر چھپا کر دو تو یہ اور بھی اچھا ہے۔

اسلئے بعض صحابہ ﷺ مخفی طور پر صدقہ دینا زیادہ پسند کرتے تھے، چنانچہ جب یہ آیت:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

تم نیکی کو اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک اپنے محبوب ترین مال کو خیرات نہ کرو۔

۱: ایضاً باب الرجل یخرج من مالہ۔
۲: ایضاً باب فی صلۃ الرحم۔
۳: ابوداؤد کتاب الزکاۃ باب الرخصۃ فی ذالک۔

یا یہ آیت

مَنْ ذَالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا

وہ کون ہے جو خدا کو اچھا قرض دے۔

نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہ ؓ انصاری نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ "اگر ممکن ہو تا تو میں اپنے فلاں باغ کو صدقہ میں دیتا اور اس کو بالکل مخفی رکھتا اس کا اعلان نہ کرتا۔[1]

اپنے بہترین مال کا انفاق

ہم ہیں کہ صدقہ و خیرات اور زکوٰۃ میں ادنیٰ درجہ کی چیز بھی نہیں دے سکتے لیکن صحابہ کرام ؓ ان میں ہمیشہ اپنا بہترین مال صرف کرتے تھے، جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

تم لوگ جب تک اپنا بہترین مال نہ خیرات کرو نیکی کو نہیں پا سکتے۔

تو حضرت ابو طلحہ ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا "یا رسول اللہ ﷺ خدا کہتا ہے کہ جب تک تم لوگ اپنا بہترین مال خیرات نہ کرو گے، نیکی کو نہ پاؤ گے، میرا محبوب ترین مال بیر حاء ہے جس کو میں خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور خدا سے اس کے ثواب کی امید کرتا ہوں۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا معمول تھا کہ ان کو اپنی چیز جو پسند آتی، اس کو خدا کی راہ میں دے دیتے، ایک بار سفر حج میں تھے، اونٹنی کی چال پسند آئی، تو اس سے اتر گئے اور اپنے غلام نافع سے کہا کہ اس کو قربانی کے جانوروں میں داخل کر لو۔[3]

اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے مصدقین زکوٰۃ کو حکم دیا تھا کہ زکوٰۃ میں مال کا بہترین حصہ نہ لیں، لیکن صحابہ کرام ؓ بخوشی اپنے مال کا بہترین حصہ دیتے تھے، ایک صحابی نے ایک محصل زکوٰۃ کو اپنی بہترین اونٹنی دی، لیکن اسنے لینے سے انکار کیا، تو کہا کہ "میری خواہش ہے کہ آپ میرا بہترین اونٹ لیں" پھر اس سے کم درجہ کی اونٹنی دی، لیکن اس نے اب بھی انکار کیا، بالآخر اس سے بھی کم درجہ کی اونٹنی لینے پر راضی ہوا۔

ایک دن ایک صحابی پہاڑ کے درے میں بکریاں چرا رہے تھے، دو مصدق زکوٰۃ آئے اور کہا "ہم کو رسول اللہ ﷺ نے تمہاری بکریوں کی زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا ہے" بولے "مجھ کو کیا دینا پڑے گا۔" انہوں نے کہا "ایک بکری" انہوں نے ایک نہایت فربہ گابھن بکری

1: مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۱۷۴۔
2: بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ علی الاقارب۔
3: طبقات ابن سعد و اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

دی تو بولے کہ "ہم اس کو نہیں لے سکتے، آپ نے ہم کو اس سے منع فرمایا ہے"۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب ؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا، وہ ایک صحابی کے پاس آئے اور انہوں نے اپنے تمام اونٹ حاضر کر دیے ،وہ سب کا جائزہ لے کر بولے کہ "تم کو صرف ایک بچہ دینا ہوگا"۔ بولے "نہ تو وہ سواری کے قابل ہے، نہ دودھ دیتا ہے، یہ جوان فربہ اونٹنی حاضر ہے"۔ بولے "جب تک مجھ کو حکم نہ دیا جائے میں اس کو قبول نہیں کر سکتا، رسول اللہ ﷺ تم سے قریب ہی ہیں، اگر تم چاہو تو خود آپ کی خدمت میں اس اونٹنی کو پیش کر سکتے ہو، اگر آپ ﷺ نے قبول فرمایا تو میں بھی قبول کر لوں گا۔ وہ اونٹنی لے کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی کہ "یا نبی اللہ ﷺ میرے پاس صدقہ وصول کرنے کیلئے آپ کا محصل آیا اور آج سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا کوئی محصل میرے پاس صدقہ وصول کرنے کیلئے نہیں آیا تھا ،میں نے اپنے تمام اونٹ اس کے سامنے حاضر کر دیئے، تو اس نے کہا کہ تم پر صرف ایک بچہ فرض ہے لیکن وہ نہ تو دودھ دیتا تھا، نہ سواری کے قابل تھا، اس لئے میں نے اس کو جوان اور فربہ اونٹنی دی، لیکن اس سے انکار کر دیا، اب میں اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "فرض تو تم پر وہی ہے، اس سے زیادہ دو تو صدقہ ہوگا، اور ہم اس کو قبول کر لیں گے"۔ انہوں نے کہا "تو یہ حاضر ہے" آپ ﷺ نے اس کے قبول کرنے کی اجازت دی اور ان کے مال میں برکت کی دعا فرمائی۔[1]

ابواب الصیام

صوم رمضان

رمضان کے روزے فرض ہوئے تو ابتداءً میں عشاء کے بعد کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا، اس پابندی کی وجہ سے اگرچہ بعض اوقات صحابہ ؓ کو سخت زحمتیں برداشت کرنی پڑیں لیکن بااین ہمہ انہوں نے روزہ رکھنے میں کبھی سہل انکاری سے کام نہیں لیا، ایک دن رمضان کے مہینے میں حضرت صرمہ بن قیس انصاری ؓ نے بی بی سے کھانا مانگا، سو اتفاق سے گھر میں کچھ نہ تھا، وہ باہر گئیں کہ کھانے پینے کی کوئی چیز تلاش کر کے لائیں ، لیکن اس اثناء میں ان کی آنکھ لگ گئی اور کھانا نہ کھا سکے ، صبح کو پھر روزہ رکھے ہوئے کام دھندے کیلئے نکل گئے دو دن کا متصل فاقہ، اس پر کام کی محنت ،دوپہر ہوئی تو بھوک کی شدت سے بیہوش ہو گئے۔[2]

1: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی زکوٰۃ السائمہ۔ 2: ابوداؤد کتاب الصیام باب مبدا فرض الصیام۔

اگر کسی غلطی سے صحابہ کرام ؓ کا روزہ ٹوٹ جاتا تو ان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا۔ ایک صحابی ؓ نے رمضان میں دن کو اپنی بی بی سے مباشرت کرلی، بعد کو اس قدر بدحواس ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بال نوچتے ہوئے، سینہ کوبی کرتے ہوئے آئے اور کہا کہ "میں ہلاک ہو گیا"۔[1]

سفر میں روزہ رکھنا

حالت سفر میں اگرچہ روزہ رکھنا فرض نہیں ہے، تاہم صحابہ کرام ؓ اس حالت میں بھی سخت سے سخت تکلیف برداشت کرتے، لیکن افطار کرنا پسند نہ کرتے، ایک صحابی ؓ نے سفر میں روزہ رکھا تو دھوپ کی شدت سے محفوظ رکھنے کیلئے لوگوں نے ان کے سر پر چادر تان دی، رسول اللہ ﷺ نے ان کے گرد لوگوں کا ہجوم دیکھا تو فرمایا "سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں"۔[2]

رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے دھوپ اس قدر تیز تھی کہ لوگ اسکی شدت سے سروں پر ہاتھ رکھتے تھے لیکن اس حال میں بھی حضرت عبداللہ بن رواحہ روزے سے تھے۔[3]

ایک بار صحابہ کرام ؓ ایک نہایت گرم دن میں سفر کر رہے تھے ان میں جو لوگ روزے سے تھے منزل پر پہنچ کر ضعف سے گر پڑے اور بے روزہ داروں نے خیمے وغیرہ کھڑے کئے۔[4]

رسول اللہ ﷺ نے مکہ کا سفر کیا تو تمام صحابہ ؓ روزہ سے تھے منزل پر پہنچ کر فرمایا کہ تم لوگ دشمن کے قریب پہنچ گئے اور افطار تمہارے لئے ازدیاد قوت کا سبب ہوگا اس پر بھی بہت سے صحابہ ؓ نے روزہ افطار نہیں کیا دوسری منزل آئی تو آپ ﷺ نے اور بھی تاکید کے ساتھ افطار کی ترغیب دی اب تمام صحابہ ؓ نے روزہ توڑ دیا۔[5]

صوم عاشوراء

رمضان کے روزوں کے علاوہ صحابہ کرام ؓ اور بھی مختلف قسم کے روزے رکھتے تھے اول اول عاشورا کا روزہ فرض تھا اس لئے عاشورے کی صبح کو رسول اللہ ﷺ منادی کرا دیتے کہ جن لوگوں نے روزہ رکھا ہے وہ اپنے روزے پورے کرلیں اور جو لوگ کھا پی چکے

۱ موطا امام مالک کتاب الصیام باب من افطر فی رمضان۔
۲ ابوداؤد کتاب الصیام باب اختیار الفطر۔
۳: بخاری کتاب الصوم باب اذا صام ایاما من رمضان ثم سافر۔
۴: مسلم کتاب الصوم باب جواز الصوم والفطر فی شہر رمضان المسافر۔
۵: ایضا باب اجر المفطر فی السفر اذا تولی العمل۔

ہیں وہ بقیہ دن کا روزہ رکھیں اس اعلان کے بعد صحابہ کرام ﷺ نے اس شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی کہ نہ صرف خود روزے رکھتے بلکہ اپنے چھوٹے بچوں سے بھی روزے رکھواتے اور جب وہ کھانے کیلئے روتے تو بہلانے کیلئے ان کو رنگین اون کی گڑیاں دے دیتے۔[۱] فرضیت صوم رمضان کے بعد اگرچہ یہ روزہ فرض نہیں رہا تاہم بعض صحابہ ﷺ نے اس کو قائم رکھا ایک بار حضرت معاویہ ﷺ نے مدینہ میں خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ اس دن کا روزہ اگرچہ فرض نہیں ہے تاہم میں روزے سے ہوں جس کا جی چاہے روزہ رکھے جس کا جی چاہے افطار کرے۔[۲]

صوم داؤدی

حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ وصائم الدہر رہا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا اور کہا کہ ہر مہینہ میں صرف تین دن رکھا کرو لیکن ان کے شوق کو اس سے کیا تسکین ہو سکتی تھی؟ بولے مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے ارشاد ہوا تو صوم داؤدی کا التزام کر لو یعنی ایک دن کا ناغہ دے کر دوسرے دن کا روزہ رکھو۔[۳]

صوم وصال

رسول اللہ ﷺ متصل کئی کئی دن کے روزے رکھتے تھے آپ ﷺ کو دیکھ کر صحابہ کرام ﷺ نے بھی متصل روزے رکھنے شروع کیے لیکن آپ ﷺ نے صحابہ ﷺ کو روک دیا اور فرمایا میری حالت تم سے مختلف ہے مجھ کو خدا کھلاتا پلاتا ہے۔[۴] تاہم بعض صحابہ ﷺ صوم وصال کے پابند تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ متصل ایک ایک ہفتہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔[۵]

دوشنبہ اور پنج شنبہ کے روزے

رسول اللہ ﷺ ان دونوں دنوں کے روزے رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان دونوں دنوں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں بعض صحابہ ﷺ نے بھی اس کا التزام کر لیا تھا چنانچہ ایک دن حضرت اسامہ ﷺ وادی قریٰ کو گئے اور ان دنوں

۱: ایضاً باب، من اکل فی عاشوراء فلکیف بقیۃ یومہ۔
۲: ایضاً باب صوم یوم عاشوراء۔
۳: مسلم کتاب الصیام باب استحباب صیام ثلاثۃ ایم من کل شہر۔
۴: ایضاً باب النہی عن الوصال فی الصوم۔
۵: اسد الغابہ تذکرہ ابن زبیر۔

کے روزے رکھے غلام نے کہا "آپ تو بڈھے ہیں ان دنوں میں کیوں روزہ رکھتے ہیں؟" بولے رسول اللہ ﷺ ان دنوں کے روزے رکھا کرتے تھے۔[1]

ایام بیض کے روزے

رسول اللہ ﷺ ایام بیض ہر مہینے کی تیرھویں چودھویں اور پندرھویں کے روزے رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ روزے صوم دہر کے مثل ہیں صحابہ کرام ؓ کو بھی یہی حکم تھا۔[2]

صائم الدہر رہنا

ایک صحابی ایک سال آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس چلے گئے دوسرے سال پھر حاضر خدمت ہوئے تو صورت اس قدر بدل گئی تھی کہ آپ ﷺ نے ان کو نہیں پہچانا اس بنا پر انھوں نے خود اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ میں وہی شخص ہوں جو پہلے سال آیا تھا۔ فرمایا "تمہارا کیا حال ہو گیا؟ تمہاری صورت تو اچھی خاصی تھی"۔ بولے "جب سے آپ ﷺ سے جدا ہوا ہوں رات کے سوا دن کو کبھی کھانا نہیں کھایا"۔ لیکن آپ ﷺ نے ان کو اس سے منع فرمایا۔[3]

بایں ہمہ بہت سے صحابہ ؓ ہمیشہ روزے سے رہتے تھے حضرت ابوامامہ ؓ نے متعدد غزوات میں رسول اللہ ﷺ سے بار بار دعائے شہادت کی درخواست کی لیکن آپ ﷺ نے سلامتی کی دعا فرمائی۔ اخیر میں عرض کی کہ "اچھا یہ نہ سہی تو کسی ایسے عمل کی ہدایت فرمایئے کہ خدا مجھے اس سے نفع دے آپ ﷺ نے روزے کا حکم دیا اور انھوں نے متصل روزے رکھنے کا التزام کر لیا۔ خادم اور بی بی نے بھی اس عمل صالح میں شرکت کی اور روزہ ان کے گھر کی امتیازی علامت ہو گئی اگر کسی دن ان کے گھر میں دھواں اٹھتا یا آگ جلائی جاتی تو لوگ سمجھتے کہ آج ان کے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے[4] ورنہ اس گھر میں دن کا کھانا کیونکر پک سکتا تھا۔

حضرت زید بن سہل ؓ عہد رسالت میں غزوات کی شرکت کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکتے تھے۔ اسلئے رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو اسکی تلافی کرنا شروع کی اور ۴۰ برس تک متصل روزے رکھے اور عید کے سوا کہ اس دن روزہ رکھنا حرام ہے کبھی بے روزہ نہ رہے۔[5]

حضرت حمزہ بن عمرو ؓ الاسلمی بھی ہمیشہ روزے سے رہتے تھے۔[6]

۱: ابوداؤد کتاب الصوم باب فی صول اثنین والخمیس۔
۲: ایضاً باب فی صوم الثلاث من کل شہر۔
۳: ابوداؤد کتاب الصیام باب فی صوم اشہر الحرام۔ ۴: مسند جلد ۵ ص ۲۵۵۔
۵: اسد الغابہ تذکرۂ حضرت زید بن سہلؓ۔
۶: مسلم کتاب الصوم باب التخییر فی الصوم والفطر فی السفر۔

نفل کے روزے رکھنا

حضرت ابوالدرداء کو نفل کے روزہ کا اس قدر شوق تھا کہ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ آج گھر میں کچھ کھانے کو نہیں ہے تو کہتے کہ میں آج روزے سے ہوں حضرت ابو طلحہ ؓ حضرت ابو ہریرہ ؓ حضرت حذیفہ ؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا بھی یہی حال تھا۔[۱]

بعض صحابیہ رضی اللہ عنہا نفل کے روزے رکھتی تھیں جس سے ان کے شوہر کو تکلیف ہوتی تھی انھوں نے روکا تو ان کو سخت ناگوار ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر شکایت کی لیکن آپ نے حکم دیا کہ کوئی عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفل کا روزہ نہیں رکھ سکتی۔[۲]

مُردوں کی جانب سے روزہ رکھنا

صحابہ کرام ؓ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مردوں کی جانب سے بھی روزے رکھتے تھے ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا اور اس پر پورے مہینے کے روزے فرض تھے کیا میں ان کو پورا کر دوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔[۳]

بچوں سے روزہ رکھوانا

صحابہ کرام ؓ نہ صرف خود روزہ رکھتے تھے بلکہ اپنے بچوں سے بھی روزہ رکھواتے تھے اوپر گزر چکا ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے صوم عاشوراء کی منادی کروائی تو صحابہ کرام ؓ نے خود روزہ رکھا اور بچوں سے بھی روزے رکھوائے ایک بار حضرت عمر ؓ نے رمضان میں ایک بدمست کو یہ کہہ کر سزا دی کہ "ہمارے بچے روزے رکھتے ہیں اور تمہارا یہ حال ہے افسوس"۔[۴]

اعتکاف

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا تو تمام صحابہ ؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ معتکف ہوئے۔[۵]

۱: بخاری کتاب الصوم باب اذا نوی بالنہار صوماً۔
۲: ابوداؤد کتاب الصیام باب المراۃ تصوم بغیر اذن زوجہا۔
۳: بخاری کتاب الصوم باب من مات وعلیہ صوم۔
۴: ایضاً باب صوم الصبیان۔
۵: مسلم کتاب الصوم باب فضل لیلۃ القدر۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اعتکاف کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کیلئے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو اپنا خیمہ الگ نصب کروایا۔ ان کی دیکھا دیکھی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے خیمے نصب کرائے۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو اپنے ساتھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے خیمے بھی گروادیئے[1] کہ اس سے آپ ﷺ کے سکون وجمعیت خاطر میں فرق آتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں اعتکاف کی نذر مانی تھی اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اس کے پورا کرنے کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے اجازت دی تو انھوں نے اس نذر کو پورا کیا۔[2]

ابواب الحج

حج

فرائض اسلام میں اگرچہ حج تمام عمر میں صرف ایک بار فرض ہے لیکن بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تقریباً ہر سال فریضہ حج ادا فرماتے تھے ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد کی اجازت چاہی تو فرمایا بہترین جہاد حج مبرور ہے اس کے بعد سے وہ کبھی حج کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں۔[3] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ میں فرمایا جب تم جہاد سے فارغ ہو تو حج کیلئے کجاوے کسو کیونکہ حج بھی ایک جہاد ہے۔[4]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سخت سے سخت خطرے کی حالت میں بھی حج کو قضا نہیں فرماتے تھے حجاج اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ شروع ہوئی اور خود مکہ محاصرہ میں آگیا تو انھوں نے اس حالت میں بھی سفر حج کرنا چاہا صاحبزادے نے روکا تو بولے کہ ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کا نمونہ موجود ہے آپ حج کیلئے چلے تو کفار نے روک دیا۔ اگر مجھے بھی روکا جائے گا تو میں بھی وہی کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا۔[5]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس ذوق وشوق سے حج کرتے تھے اس کا موثر منظر حجۃ الوداع میں دنیا

۱: ابوداؤد کتاب الصیام باب فی الاعتکاف۔
۲: ایضاً باب المعتکف یعود المریض۔
۳: بخاری کتاب الحج باب حج النساء۔
۴: بخاری مع فتح الباری کتاب الحج باب الحج علی الرجل۔
۵: بخاری کتاب الحج باب طواف القارن۔

کو نظر آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلان حج کیا تو مدینہ میں بکثرت صحابہ ؓ جمع ہوئے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اگرچہ حاملہ تھیں اور اسی سفر میں بمقام ذوالحلیفہ ان کو وضع حمل بھی ہو گیا۔ تاہم وہ بھی شریک سفر ہوئیں آپ مقام بیداء میں پہنچے تو صحابہ ؓ کا اس قدر ازدحام ہوا کہ دائیں بائیں آگے پیچھے آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔[1]

تمام خلفاء اپنے زمانہ خلافت میں بالالتزام حج کرتے تھے اور خود امیر الحاج ہوتے تھے حضرت عثمان ؓ کی مدت خلافت دس برس ہے اور اس مدت میں انھوں نے متصل دس سال حج کیے اخیر سال جب لوگوں نے ان کا محاصرہ کر لیا تو خود نہ جاسکے لیکن حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کو امیر الحاج بنا کر بھیجا۔[2]

اسلام نے اگرچہ رہبانیت کو باطل کر دیا تھا تاہم بعض صحابہ ؓ فریضہ حج کے ادا کرنے میں طرح طرح کا التزام مالایلزم کرتے تھے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے خانہ کعبہ تک پاپیادہ جانے کی نذر مانی اور رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر وایا تو آپ ﷺ نے کہا پاپیادہ بھی چلیں اور سوار بھی ہو لیں۔" آپ ﷺ نے ایک بوڑھے صحابی ؓ کو دیکھا کہ اپنے دو بیٹوں کے سہارے پاپیادہ چل رہے ہیں۔ فرمایا کیا معاملہ ہے۔ معلوم ہوا کہ پاپیادہ حج کرنے کی منت مانی ہے آپ ﷺ نے سوار ہونے کا حکم دیا اور فرمایا کہ خدا اس کی جان کو عذاب میں ڈالنے سے بے نیاز ہے۔[3]

اگر کسی معذوری سے حج کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو جاتا تھا تو صحابہ کرام ؓ کو سخت صدمہ ہوتا تھا، حجۃ الوداع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ضرورت نسوانی سے معذوری ہو گئی رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا تو دیکھا کہ رو رہی ہیں، فرمایا کیا ماجرا ہے۔ بولیں کہ کاش میں اس سال حج نہ کرتی، فرمایا "سبحان اللہ، یہ تو فطری چیز ہے، تمام مسلک ادا کرو، صرف خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو۔[4]

باپ ماں کی طرف سے حج کرنا

صحابہ کرام ؓ نہ صرف خود بلکہ اپنے ماں باپ کی جانب سے بھی حج ادا کرتے تھے، حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں

1: مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی صلعم۔
2: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمانؓ۔
3: بخاری کتاب الحج باب من نذر المشی الی الکعبۃ۔
4: ابوداؤد کتاب المناسک باب فی افراد الحج۔

اور کہا کہ "میرے باپ پر حج فرض ہو گیا ہے، لیکن وہ بڑھاپے کی وجہ سے سواری پر بیٹھ نہیں سکتے کیا میں ان کی جانب سے حج ادا کر دوں"۔ آپ ﷺ نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔[1]

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا، وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ "میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا کیا میں ان کی جانب سے اس فرض کو ادا کر دوں؟" آپ ﷺ نے ان کو بھی اجازت دے دی۔[2]

عمرہ

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم عمرہ کو فرض سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ حج کی طرح عمرہ بھی ہر شخص پر فرض ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اسکی فرضیت پر یہ استدلال کرتے تھے کہ قرآن مجید میں حج اور عمرہ دونوں کا حکم ایک ساتھ آیا ہے۔

اتموا الحج و العمرة لله ۔[3]

خدا کیلئے حج اور عمرہ کو پورا کرو۔

بہر حال عمرہ کا فرض ہو یا نہ ہو، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو نہایت پابندی کے ساتھ ادا کرتے تھے اور جب وہ فوت ہو جاتا تھا، تو ان کو سخت قلق ہوتا تھا، حجۃ الوداع کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رو رہی ہیں، وجہ پوچھی تو بولیں کہ میں ضرورت نسوانی سے معذور ہوں لوگ، دو دو فرض (حج اور عمرہ) کا ثواب لے کر جاتے ہیں، اور میں صرف ایک کا"۔ فرمایا "کوئی حرج نہیں خدا تم کو عمرہ کا ثواب بھی عطا فرمائے گا"۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ کر دیا، اور مقام تنعیم میں جا کر انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا، اور آدھی رات کو فارغ ہو کر آئیں۔[4]

قربانی کرنا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت پابندی اور نہایت شوق کے ساتھ قربانی کرتے تھے، ایک بار حضرت ابو کباش رضی اللہ عنہ تجارت کی غرض سے کچھ بکریوں کے بچے لائے لیکن کسی نے نہیں پوچھا وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملے اور اس کے جواز و عدم جواز کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے

---

1. بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج و فضلہ۔
2. مسلم کتاب الصوم باب قضاء الصیام عن المیت۔
3. بخاری کتاب العمرۃ باب وجوب العمرۃ و فضلہا۔
4. بخاری ابواب العمرۃ کتاب الحج۔

و نعمت الا ضحیتہ الجذ ع۔

بکری کا بچہ قربانی کیلئے کس قدر موزوں ہے۔

یہ سننا تھا کہ صحابہ ؓ نے ہاتھوں ہاتھ گلے کو خرید لیا۔[1]

ایک بار حضرت اسود بن بلال ؓ مدینہ میں بہت سے اونٹ لے کر آئے، مسجد میں گئے تو دیکھا کہ حضرت عمر ؓ تقریر کر رہے ہیں اور لوگوں کو حج کرنے اور ہدی لے جانے کی ترغیب دے رہے ہیں، وہ مسجد سے نکلے تو ہر شخص نے ایک ایک اونٹ خرید لیا اور وہ مالا مال ہو گئے۔[2] (ابواب الجہاد)

شوق جہاد

اسلام کے فرائض و اعمال میں جہاد سب سے زیادہ سخت ہے، لیکن صحابہ کرام ؓ کو جہاد کا اس قدر شوق تھا کہ حضرت زبیر ؓ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے حضرت عثمان ؓ کے عہد تک برابر جہاد ہی میں مشغول رہے۔[3]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے شرکت جہاد کیلئے عام منادی کرائی، ایک صحابی نہایت بوڑھے تھے اور خدمت کیلئے ان کے پاس کوئی خادم بھی نہ تھا تاہم اس قدر شوق جہاد رکھتے تھے کہ شریک جہاد ہوئے، اور خدمت کیلئے تین دینار کی اجرت پر ایک شخص کو ساتھ لیتے گئے۔[4]

بی بی اور جائداد سب کو عزیز ہوتے ہیں ، لیکن شوق جہاد میں بعض صحابہ ؓ نے ان کو بھی الگ کر دیا تھا، حضرت سعد بن ہشام ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دے دی اور اور مدینہ آیا کہ وہاں کی جائداد کو بیچ کر ہتھیار خریدوں اور جہاد کروں، لیکن چند صحابہ ؓ ملے اور انہوں نے کہا کہ "ہم میں بھی چھ شخصوں نے یہی ارادہ کیا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے منع فرمادیا"۔[5]

شوق شہادت

عہد نبوت ﷺ میں شہادت ایک ابدی زندگی خیال کی جاتی تھی، اس لیئے ہر شخص اس آب حیات کا پیاسا رہتا تھا ، حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں، جب بدر کا معرکہ پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی

۱: ترمذی کتاب الاضاحی باب فی الجذع من الضان فی الاضاحی۔

۲: طبقات ابن سعد تذکرہ اسود بن بلال ؓ۔

۳: بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ حیاً و میتاً۔

۴: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الرجل یغزو باجیر لیخدم۔

۵: ابوداود کتاب الصلوۃ اللیل۔

کہ "مجھ کو شریک جہاد ہونے کی اجازت عطا فرمایئے، میں مریضوں کی تیمارداری کروں گی، شاید مجھے وہ درجہ شہادت حاصل ہو جائے ، لیکن آپ نے فرمایا "گھر ہی میں رہو، خدا تمہیں وہیں شہادت دے گا" یہ معجزہ پیشین گوئی کیونکر غلط ہو سکتی تھی۔ انہوں نے ایک لونڈی اور ایک غلام مدبر[1] کئے تھے، جنہوں نے ان کو شہید کر دیا[2] کہ جلد آزاد ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ پر ایک بدو ایمان لایا اور آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے پر آمادگی ظاہر کی، لیکن آپ ﷺ نے اس کو بعض صحابہ ؓ کے سپرد کر دیا جن کے اونٹ وہ چرایا کرتا تھا، لیکن جب ایک غزوہ میں مال غنیمت ہاتھ آیا اور آپ ﷺ نے اس کا بھی حصہ لگایا تو اس نے کہا میں اس لئے ایمان نہیں لایا میں اس لئے حلقہ اسلام میں داخل ہوا ہوں کہ میرے حلق میں تیر لگے اور میں شہید ہو کر جنت میں داخل ہوں "تھوڑی دیر کے بعد معرکہ کارزار گرم ہو تو وہ ٹھیک حلق پر تیر کھا کر شہید ہوا، صحابہ کرام ؓ لاش کو آپ ﷺ کے سامنے لائے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس نے خدا کی تصدیق کی تو خدا نے بھی اس کی تصدیق کی" یہ کہ کر خود اپنا جبہ کفن کیلئے عنایت فرمایا۔[3]

غزوہ احد میں ایک صحابی نے آپ ﷺ سے پوچھا "اگر میں شہید ہو جاوں تو میرا ٹھکانا کہاں ہو گا؟" ارشاد ہوا کہ "جنت میں" ۔ کھجوریں ہاتھ میں تھیں، ان کو پھینکا اور لڑ کر شہید ہوئے۔

غزوہ بدر میں جب مشرکین مکہ قریب آگئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا "اٹھو اور وہ جنت لو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے"۔ حضرت عمیر بن الحمام انصاری ؓ نے کہا "یا رسول اللہ ﷺ، آسمان و زمین کے برابر" ارشاد ہوا "ہاں" بولے، "واہ واہ"۔ فرمایا "واہ واہ کیوں کہتے ہو"۔ بولے "صرف اس امید میں کہ شاید میں بھی اس میں داخل ہو سکوں"۔ ارشاد ہوا کہ "تم داخل ہو گئے"۔ اس سوال و جواب کے بعد انہوں نے جھولی سے کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر شوق شہادت نے جوش مارا ، اور بولے کہ "اتنا وقفہ بھی جس میں یہ کھجوریں کھا سکوں میرے لئے بہت ہے" یہ کہہ کر کھجوروں کو پھینکا میدان میں گئے، لڑے اور شہید ہوئے۔

حضرت انس ؓ کے چچا غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، اس لئے ہمیشہ یہ کانٹا ان کے دل میں کھٹکا کرتا تھا، غزوہ احد پیش آیا تو اس میں اس جانبازی کے ساتھ لڑ کر شہید ہوئے کہ ان کی بہن کا بیان ہے کہ تیر، نیزے اور تلوار کے اسی زخم سے زیادہ جسم پر تھے میں نے

۱: مدبر ان غلاموں کو کہتے ہیں جن سے آقا یہ کہہ دے کہ اس کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گے۔

۲: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء۔

۳: نسائی کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہداء۔

صرف انگلیوں سے ان کو پہچانا۔

ایک بار ایک صحابی نے معرکہ جنگ میں یہ روایت کی کہ "جنت کے دروازے تلوار کے سایہ کے نیچے ہیں" ایک صحابی اٹھے اور کہا" تم نے اسکو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے" بولے "ہاں" وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے رفقاء کے پاس آئے، اور سلام کر کے ان سے رخصت ہوئے، تلوار کا میان توڑ کر پھینک دیا اور دشمن کی صف میں گھس کر لڑے اور شہید ہوئے۔[1]

حضرت عبداللہ بن ثابت ؓ کو طاعون ہوا، رسول اللہ ﷺ عیادت کیلئے تشریف لائے تو آثار موت طاری ہو چکے تھے، عورتیں رونے پیٹنے لگیں، ان کی صاحبزادی روتی تھیں اور کہتی تھیں کہ "مجھے توقع یہ تھی کہ آپ ؓ شہید ہوں گے، آپ ؓ نے جہاد کا سامان مکمل بھی کر لیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا ان کو نیت کا ثواب مل چکا"۔[2]

حضرت عمرو بن الجموح ؓ ایک بوڑھے اور لنگڑے صحابی تھے، غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے لنگڑاپن کی وجہ سے ان کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیا تھا ، لیکن غزوہ احد میں انہوں نے بیٹوں سے کہا کہ "مجھے میدان جہاد میں جانے دو" سب نے کہا" آپ ؓ کو تو رسول اللہ ﷺ نے معاف کر دیا ہے"۔ بولے "افسوس تم نے مجھے بدر میں جنت سے محروم رکھا اور اب احد میں بھی محروم رکھنا چاہتے ہو؟" یہ کہہ کر روانہ ہوئے جب لڑائی کا وقت آیا تو" بولے یا رسول اللہ ﷺ !اگر میں شہید ہو جاوں تو اسی طرح لنگڑاتا ہوا جنت میں پہنچ جاوں گا؟" ارشاد ہوا" ہاں"۔ یہ سن کر آگے بڑھے، لڑے اور شہید ہوئے۔[3]

خلوص فی الجہاد

صحابہ کرام ؓ کے فضائل و مناقب میں خلوص سب سے زیادہ نمایاں چیز ہے، حضرت ولید بن ولید ؓ غزوہ بدر میں گرفتار ہوئے اور فدیہ دے کر رہائی پائی ، فدیہ ادا کرنے کے بعد مکہ کو روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ تک پہنچ کر واپس گئے اور اسلام لائے ، اس پر ان کے بھائی خالد نے کہا کہ "اگر اسلام ہی لانا تھا تو فدیہ دینے سے پہلے ہی اسلام لاتے کہ فدیہ سے بچ جاتے" بولے "میں اس لئے فدیہ دینے کے بعد اسلام لایا کہ قریش یہ نہ کہیں کہ فدیہ سے بچنے کیلئے اسلام قبول کیا ہے"۔[4]

جہاد میں اس خلوص کا اظہار اور بھی شدت سے ہوتا تھا، حضرت عمرو بن اقیش ؓ

۱: مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوۃ الجنۃ للشہید۔
۲: ابوداؤد کتاب الجنائز باب فضل من مات فی الطاعون۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ سلیمؓ مولی عمرو بن الجموح۔
۴: طبقات ابن سعد تذکرہ ولید بن ولیدؓ۔

غزوہ احد کے زمانہ تک کافر تھے ،احد کا معرکہ پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی ہدایت دی اور گھر میں آکر کہا کہ "میرے چچازاد بھائی کہاں ہیں؟ فلاں کہاں ہیں؟ فلاں کہاں ہے؟ لوگوں نے احد کا نام لیا تو زرہ پہن کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور احد کا راستہ لیا۔ صحابہ کرام ﷺ نے دیکھا تو کہا کہ "ہم سے الگ رہو" بولے کہ "میں تو ایمان لا چکا"۔ یہ کہہ کر کفار پر حملہ شروع کر دیا اور زخمی ہو کر گھر واپس آئے، حضرت سعد بن معاذ ﷺ نے ان کی بہن سے پچھوا لیا کہ جہاد کی شرکت حمیت قومی کیلئے تھی یا خدا کی راہ میں بولے "صرف خدا اور رسول ﷺ کی حمایت کیلئے"۔[1]

جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کی شرکت کیلئے منادی کرائی تو حضرت واثلہ بن اسقع ﷺ تمام مدینہ میں پکارتے پھرے کہ کون اس شخص کو سواری دیتا ہے، جو اپنی غنیمت کا حصہ اس کے صلے میں دینے کیلئے تیار ہے۔ ایک بڈھے انصاری نے جواب دیا کہ "میں دیتا ہوں" وہ راضی ہو گئے اور ان کے ساتھ چل کھڑے ہوئے، مال غنیمت تقسیم ہوا تو ان کے حصہ میں چند نوجوان اونٹنیاں آئیں اور انہوں نے اونٹنیوں کو لا کر انصاری بزرگ کے سامنے کھڑا کر دیا، بولے ذرا ادھر ادھر پھرا کے تو دکھاؤ" انہوں نے ان کو آگے بڑھایا، پھر پیچھے ہٹایا، دیکھ بھال کے بولے "نہایت عمدہ ہیں" انہوں نے کہا "شرط کے موافق تو یہ آپ ہی کی ہیں"۔ بولے "اپنی اونٹنیاں لیجاؤ، ہمارا مقصود تمہارا یہ حصہ نہ تھا، بلکہ اور کچھ تھا"۔[2] یعنی ثواب جہاد میں شرکت۔

۱: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی من یسلم و یقتل مکانه فی سبیل اللّٰه تعالیٰ۔
۲: ایضاً باب الرجل بکری و ابته علی النصف و السهم۔

عمل بالقرآن

آج ہر مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے عقائد احکام، اخلاق، معاش اور معاد کے متعلق تمام آیتیں اس کی نگاہ سے گزرتی ہیں لیکن چونکہ دل سے اثر پذیری کا مادہ مفقود ہو چکا ہے اس لئے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگتی لیکن صحابہ کرام ﷺ کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی ان پر قرآن مجید کی ایک ایک آیت کا اثر پڑتا تھا اور اس شدت کے ساتھ پڑتا تھا کہ اس کے خوف سے ہمیشہ کانپتے رہتے تھے۔

ایک سفر میں حضرت عمر ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے بار بار ایک سوال کیا جواب نہ ملا تو آگے نکل گئے اور دل میں خوف پیدا ہوا کہ کہیں ان کے بارے میں کوئی آیت نہ نازل ہو جائے تھوڑی دیر کے بعد دربار نبوت سے پکار ہوئی وہ گھبرا گئے کہ آیت نازل ہو گئی حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے یہ آیت سنائی۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا۔[1]

ہم نے تم کو کھلی ہوئی فتح دی۔

رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو تمام صحابہ ﷺ سخت اضطراب میں مبتلا تھے حضرت عمر ﷺ کو آپ ﷺ کے وصال کا یقین ہی نہیں آتا تھا لیکن جب حضرت ابو بکر ﷺ نے خطبہ دیا اور اس میں یہ آیت پڑھی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الخ۔

محمد (ﷺ) صرف پیغمبر ہیں اور ان کے پیشتر بہت پیغمبر گزر چکے ہیں۔

تو صحابہ ﷺ پر یہ اثر ہوا کہ گویا یہ آیت اس سے پیشتر نازل ہی نہیں ہوئی تھی تمام صحابہ ﷺ نے اس کو ازبر کر لیا اور سب کے سب اس کو پڑھنے لگے حضرت عمر ﷺ کا بیان ہے کہ جب میں نے ابو بکر ﷺ سے اس آیت کو سنا تو زمین میرے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی اور میں زمین پر گر پڑا۔"[2]

حضرت سعد ﷺ غزوہ بدر میں ایک تلوار لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آج دشمن کے خون سے خدا نے میرے کلیجہ کو ٹھنڈا کیا ہے اس لئے یہ تلوار

۱: بخاری کتاب المغازی غزوۃ الحدیبیہ۔
۲: بخاری جلد ۲ باب مرض النبی صلعم ووفاتہ۔

مجھے عطا فرمایئے ارشاد ہوا کہ یہ نہ تمہاری ہے نہ میری وہ دل میں یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ یہ اس کو دی جائے گی جس نے مجھ جیسا مردانہ کام نہیں کیا ہے تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ کا قاصد آیا وہ گھبرائے کہ میری اس گفتگو پر کہیں کوئی آیت تو نہیں نازل ہوئی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے یہ آیت سنائی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔

لوگ تم سے مال غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دو مال غنیمت تو خدا اور رسول ﷺ کا ہے۔

اور فرمایا کہ خدا نے یہ تلوار مجھ کو دی ہے مگر میں تم کو دیتا ہوں۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا بیان ہے کہ عہد نبوت میں ہم لوگ اس خوف کے مارے عورتوں سے ہنسی خوشی کی باتیں نہیں کرتے تھے کہ مبادا اس بارے میں کوئی آیت نازل نہ ہو جائے لیکن آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ مہر خموشی ٹوٹ گئی۔[2]

ایک دن رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کی دیوار کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے حضرت ابوذر غفاری ؓ آگئے تو آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا هُمُ الْخَاسِرُوْنَ یعنی وہ لوگ گھاٹے میں ہیں وہ گھبرا گئے کہ میرے بارے میں کوئی آیت تو نازل نہیں ہوئی۔[3]

ایک بار آپ ﷺ نے نماز صبح کے بعد فرمایا کہ "فلاں قبیلے کا کوئی شخص موجود ہے؟" کسی نے جواب نہیں دیا دوسری بار اسی فقرہ کا اعادہ کیا تو ایک شخص اٹھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی بار کیوں نہیں اٹھے۔" بولا مجھے خوف پیدا ہوا کہ اس قبیلے کے متعلق کوئی آیت تو نہیں نازل ہوئی۔"[4]

بالخصوص جن آیتوں میں کسی فعل پر عذاب کی دھمکی دی جاتی تھی صحابہ کرام ؓ ان سے اور بھی خوف زدہ ہوتے تھے چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔

جو لوگ چاندی اور سونا جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو سخت عذاب کی بشارت دو۔

1: ابو داؤد کتاب الجہاد، باب فی النفل۔
2: سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ و بخاری کتاب النکاح۔
3: نسائی کتاب الزکوٰۃ باب التغلیظ فی حبس الزکوٰۃ۔
4: اسد الغابہ تذکرہ وہب والد عثمان بن وہب۔

تو تمام صحابہ ﷺ پر گویا ایک مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ حضرت عمر ﷺ نے صحابہ ﷺ کی بد حواسی کا یہ عالم دیکھ کر کہا "میں تمہاری مشکل کو حل کرتا ہوں" چنانچہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ آپ ﷺ کے اصحاب ﷺ پر یہ آیت نہایت گراں گزری ہے آپ ﷺ نے فرمایا خدا نے زکوٰۃ صرف اس لئے فرض کی ہے کہ تمہارے بقیہ مال کو اس کے ذریعہ سے پاک کرے اور میراث اس لئے مقرر کی ہے کہ بعد کی نسل کے ہاتھ آئے" اس پر حضرت عمر ﷺ نے نعرہ مارا[1]

عہد رسالت میں حضرت مالک بن ثعلبہ ﷺ ایک دولتمند صحابی تھے ایک دن رسول اللہ ﷺ اس آیت کی تلاوت فرمارہے تھے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ـ الخ

جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں ان پر یہ عذاب ہوگا۔

اتفاق سے حضرت مالک ﷺ کا گزر ہوا تو آیت سن کر ان پر غشی طاری ہو گئی ہوش میں آئے تو خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض کی کہ "یارسول اللہ (ﷺ)! میرے باپ ماں آپ ﷺ پر قربان کیا یہ آیت ان لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں۔" ارشاد ہوا "ہاں"۔ بولے "شام ہونے تک مالک ﷺ کے پاس ایک درہم اور ایک دینار نہ ہوگا۔" چنانچہ شام تک انھوں نے اپنی کل دولت خیرات کردی۔[2]

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت نہایت سخت ہے۔

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءً يُّجْزَ بِهٖ۔

جو شخص ذرا بھی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلا دیا جائے گا۔

ارشاد ہوا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا تم کو یہ خبر نہیں کہ مسلمان کے پاؤں میں اگر ایک کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو وہ اس کے اعمال بد کا بدلہ ہوتا ہے۔[3]

جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ۔

اپنے دل کی باتوں کو ظاہر کر دیا چھپاؤ خدا تم سے ان کا حساب لے گا۔

تو تمام صحابہ ﷺ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر

1: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی حقوق المال، روایت میں پوری آیت نہیں ہے۔
2: اسد الغابہ تذکرہ مالک بن ثعلبہؓ۔
3: کتاب الجنائز باب امراض المکفر للذنوب۔

عرض کی کہ یارسول اللہ نماز روزہ جہاد اور صدقہ کی تو ہم طاقت رکھتے ہیں لیکن اس آیت کے متحمل نہیں ہو سکتے چنانچہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[1]

خدا ہر شخص کو بقدر استطاعت تکلیف دیتا ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی۔

الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون۔

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہیں کیا ان ہی کیلئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

تو تمام صحابہ ؓ پریشان ہو گئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ ہم میں کون ہے جو اپنی جان پر ظلم نہیں کرتا؟ فرمایا "ظلم سے شرک[2] مراد ہے۔"

اس اثر پذیری کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام ؓ احکام قرآنیہ پر عمل کرنے کیلئے شدت کے ساتھ تیار ہو جاتے تھے جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔

تم لوگ جب تک اپنی محبوب ترین چیزوں کو نہ صرف کرو گے نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے۔

تو حضرت ابو طلحہ ؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "خدا ہمارا مال مانگتا ہے آپ ﷺ گواہ رہیے کہ اریحا میں میری جو زمین ہے میں اس کے نام پر وقف کرتا ہوں۔" لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس کو اپنے رشتہ داروں پر تقسیم کر دو۔"[3]

حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ ؓ نے حضرت سالم ؓ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا اور زمانہ جاہلیت کی رسم کے مطابق ان کو حقیقی بیٹوں کے حقوق حاصل ہو گئے تھے لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ الخ تو ان کی بی بی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ ہم سالم کو اپنا لڑکا سمجھتے تھے اور وہ ہمارے ساتھ گھر میں رہتے تھے اور ان سے کوئی پردہ نہ تھا لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اب آپ ﷺ کا کیا حکم ہے فرمایا کہ "ان کو دودھ پلا دو" چنانچہ دودھ پلانے سے وہ ان کے رضاعی بیٹے کے مثل ہو گئے۔[4]

سحر کے متعلق جب یہ آیت نازل ہوئی۔

۱: صحیح مسلم کتاب الایمان باب فی قولہ ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ ہم نے روایت کی پوری آیتوں کو نقل نہیں کیا ہے۔

۲: ترمذی ابواب تفسیر القرآن، تفسیر سورۂ انعام۔

۳: ابو داؤد کتاب الزکوۃ باب فی صلۃ الرحم۔

۴: ابو داؤد کتاب النکاح باب فی من حرم بہ۔

کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود۔
اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ رات کی کالی دھاری سے صبح کی سفید دھاری تم کو صاف دکھائی دینے لگے۔

تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ ایک سیاہ اور سفید دھاگا سرہانے رکھ کو سوئے اور دیکھا کہ دونوں ممتاز ہوئے ہیں یا نہیں؟ کچھ پتہ نہ چلا تو رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا عجیب سادہ لوح ہو اس سے رات دن یعنی رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی مراد ہے"۔[1]

جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔
اپنے مال باہم ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تم میں رضامندی کے ساتھ تجارت ہو۔

تو یہ حالت ہوگئی کہ دولت مند لوگ اپنے اعزہ کو شریک طعام کرنا چاہتے تھے مگر وہ لوگ انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ "غرباہم سے زیادہ مستحق ہیں۔" چنانچہ سورہ نور کی ایک دوسری آیت نے اس کو منسوخ کر دیا۔[2]

زمانہ جاہلیت میں عرب کی عورتیں دوپٹہ اوڑھتی تھیں تو سینہ اور سر وغیرہ کھلا رہتا تھا لیکن خداوند تعالیٰ نے اس کے مخالف مسلمان عورتوں کو یہ ہدایت کی۔[3]

ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن۔
عورتوں کو چاہیے کہ اپنے دوپٹوں کو سینے پر ڈالے رہیں۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ عورتوں نے اپنے تہ بندوں اور چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے اور ان سے اپنے سروں کو اس طرح چھپالیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوئے ہیں۔[4]

رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ ناپ جوکھ میں سخت خیانت کرتے تھے اس پر سورہ ویل للمطففین نازل ہوئی اور اب لوگ دیانت سے کام لینے لگے۔[5]

اصحاب صفہ کی معاش کا زیادہ تر دارومدار صحابہ رضی اللہ عنہم کی فیاضی پر تھا چنانچہ انصار حسب مقدم کھجور کے خوشے لا کر مسجد میں لٹکا دیتے تھے یہ لوگ آتے تھے تو چھڑی سے ان کو ہلاتے

۱: ابوداؤد کتاب الصیام باب وقت السحور روایت میں کلوا واشربو نہیں ہے بلکہ ہم نے اضافہ کر دیا ہے۔
۲: ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب نسخ الضیف یاکل من مال غیرہ۔
۳: تفسیر ابن کثیر تفسیر سورہ نور، ج، ص ۱۸۱۔
۴: ابوداؤد کتاب اللباس باب فی قولہ تعالیٰ یدنین علیھن من جلابیبھن و فی قولہ تعالیٰ ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن۔
۵: سنن ابن ماجہ کتاب البیوع باب التوقی فی الکیل والوزن۔

تھے جو کھجوریں ٹپک پڑتی تھیں ان کو کھا لیتے تھے لیکن ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو سڑے گلے روکھے پھیکے خوشے لا کر لٹکا دیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یاایھا الذین امنوا انفقوا من طیبات ماکسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ ۔

مسلمانو! اپنی بہترین کمائی اور بہترین پیداوار سے صدقہ دو بُرے مال کو خیرات نہ کرو حالانکہ وہی چیز کوئی تم کو دے تو تم اس کو کبھی نہ لو مگر چشم پوشی کے ساتھ۔

اور اس کے بعد اس حالت میں انقلاب پیدا ہو گیا اور تمام لوگ بہترین کھجوریں لانے لگے[1] جب یہ آیت نازل ہوئی:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اصواتکم فَوْقَ صوت النَّبِی۔

مسلمانو! پیغمبر کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو

تو حضرت عمر ؓ آپ ﷺ کے سامنے اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ ان کی بات سننے میں نہیں آتی۔[2]

حضرت ثابت بن قیس ؓ پر اس آیت کا اور بھی زیادہ سخت اثر ہوا جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ بالکل خانہ نشین ہو گئے ایک روز آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ ؓ سے فرمایا کہ وہ کہیں بیمار تو نہیں ہیں۔ "بولے میں انکا پڑوسی ہوں مجھے کوئی شکایت معلوم نہیں ہوئی۔ واپس آکر ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو بولے کہ "یہ آیت نازل ہوئی اور تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں آپ ﷺ کے سامنے نہایت بلند آہنگی سے گفتگو کرتا تھا پس میں دوزخی ہو گیا۔" آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا نہیں وہ جنتی ہیں۔[3]

حضرت مسطح ؓ حضرت ابو بکر ؓ کے رشتہ دار تھے اس لئے وہ ان کی کفالت کرتے تھے لیکن جب انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو انھوں نے ان کی کفالت سے ہاتھ کھینچ لیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یوتوا اولی القربی والمساکین والمھاجرین فی سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم ۔

تم میں دولتمند لوگ قرابتداروں مسکینوں اور مجاہدوں کو دینے سے دریغ نہ کریں اور عفوو درگزر کریں کیا تم لوگ یہ پسند نہیں کرتے کہ خدا تمہاری مغفرت کرے اور خدا

1: ترمذی ابواب تفسیر القرآن، تفسیر سورہ بقرہ۔
2: ترمذی ابواب القرآن تفسیر سورۂ حجرات و بخاری کتاب التفسیر۔
3: مسلم کتاب الایمان باب مخافۃ المومن ان یحبط عملہ و بخاری کتاب التفسیر۔

مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔
اور اب حضرت ابو بکر ﷺ پھر ان کے مصارف کے کفیل ہو گئے اور کہا ہاں مجھے یہی پسند ہے کہ خدا میری مغفرت کرے۔"[۱]

اسلام کے فرائض واعمال میں جہاد سب سے زیادہ خطرناک ہے لیکن صحابہ کرام ﷺ کو قرآن مجید ہی کے اثر نے جہاد پر آمادہ کیا تھا اور اسی اثر کی بدولت وہ سخت جنگی خطرات میں ثابت قدم رہتے تھے۔

ایک بار قسطنطنیہ میں رومیوں سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوا، رومی بالکل قسطنطنیہ کی دیوار کے متصل صف زن تھے ایک مسلمان نے جرات کر کے حملہ شروع کیا تو لوگ پکارے "ہاں ہاں! اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتے ہو۔" حضرت ابو ایوب انصاری ﷺ جو ساتھ تھے بولے یہ آیت تو ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب اسلام نے قوت حاصل کر لی تو ہم لوگ اپنی معاش کے کام دھندے میں مصروف ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وانفقوا فی سبیل اللّٰہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ۔
اور خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اس لئے اصلی ہلاکت یہ ہے کہ ہم معاش کے کاروبار میں مصروف ہو جائیں اور جہاد کو چھوڑ دیں راوی کا بیان ہے کہ "جب سے یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابو ایوب انصاری ﷺ ہمیشہ مصروف جہاد رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں شہید ہو کر مدفون ہوئے۔[۲]

ایک بار جب رومیوں نے مسلمانوں کے مقابل میں ایک لشکر گراں جمع کیا اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح ﷺ نے حضرت عمر ﷺ کو اس خطرہ کی اطلاع کی تو انھوں نے ان کو لکھا کہ مسلمان بندے پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اس کے بعد خدا اس کو دور کر دیتا ہے۔ ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی خداوند تعالیٰ اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اصبروا و صابروا و رابطوا واتقوا اللّٰہ لعلکم تفلحون۔[۳]
مسلمانو! مصیبتوں پر صبر کرو اور صبر کرو اور صبر میں کفار کا مقابلہ کرو اور استقلال کے ساتھ جہاد کرو اور خدا سے ڈرو، یقین ہے کہ تم کامیاب ہو۔

جنگ یمامہ میں جب حضرت سالم ﷺ کو علم عطا کیا جانے لگا تو دوسروں نے کہا کہ "ہم کو آپ ﷺ کے ثابت قدم رہنے کا یقین نہیں اس لئے جھنڈا دوسرے کے ہاتھ میں دینا

۱: بخاری کتاب الشھادات باب تعدیل النساء بعضھن بعضا۔
۲: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی قولہ تعالیٰ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ۔
۳: موطائے امام مالک کتاب الجہاد باب الترغیب فی الجہاد۔

چاہتے ہیں" بولے تو میں اس حالت میں قرآن مجید کا بدترین حامل ہوں گا۔" چنانچہ انھوں نے علم کو داہنے ہاتھ میں لیا لیکن جب وہ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ میں لیا وہ بھی کٹ گیا تو علم کو آغوش میں لے لیا اور یہ آیت پڑھنے لگے۔

و ما محمد الا رسول و کاین من بنی قتل معه ربیون کثیر۔[1]

محمد ﷺ صرف ایک پیغمبر ہیں اور بہت سے پیغمبر گذرے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے علماء نے جہاد کیا۔

ترغیب جہاد کے متعلق جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو جو لوگ کسی معذوری سے اس میں شریک نہیں ہو سکتے تھے ان کو اس پر سخت افسوس ہوتا تھا ایک بار حضرت زید بن ثابت ؓ آپ ﷺ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ پر آثار وحی طاری ہوئے افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو اسی آیت کے لکھ لینے کا حکم دیا۔

لایستوی القاعدون من المومنین و المجاهدون فی سبیل اللّٰه الخ۔

خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے اور گھر میں بیٹھ رہنے والے مسلمان برابر نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابن ام مکتوم ؓ آنکھوں سے معذور تھے اس لئے شریک جہاد نہیں ہو سکتے تھے جب انھوں نے مجاہدین کی فضیلت سنی تو بولے کہ "یا رسول اللہ جو لوگ جہاد کی قدرت نہیں رکھتے ان کا کیا مآل ہوگا؟" اب آپ ﷺ پر دوبارہ آثار وحی طاری ہوئے افاقہ ہوا تو دوبارہ وحی آسمانی نے غَیرُ اُولِی الضّرر بجز معذور لوگوں کا اضافہ کر کے معذور لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا۔[2]

ایک طرف تو قرآن مجید کا یہ اثر تھا کہ جس طرف چاہتا تھا، صحابہ کرام ؓ کو جھونک دیتا تھا دوسری طرف جس چیز سے چاہتا تھا، روک بھی دیتا تھا۔ ایک بار عیینہ بن حصین اپنے بھتیجے حر بن قیس کے ساتھ حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "آپ ؓ ہم کو خوب عطیہ نہیں دیتے ہمارے درمیان انصاف نہیں کرتے، اس پر حضرت عمر ؓ سخت برہم ہوئے ان کو سزا دینی چاہی لیکن حضرت حر بن قیس ؓ نے کہا یا امیر المومنین خدا نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا تھا۔

خُذِ العَفو وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوف وَاعرِضْ عنِ الجَاهِلِین۔

درگزر کا شیوہ اختیار کرے اور نیکی کا حکم دے جاہلوں سے کنارہ کش رہ۔

۱: اسد الغابہ تذکرہ سالم مولی ابی حذیفہ، اسد الغابہ میں پوری آیتیں نقل نہیں کی ہیں، بیچ کی آیتیں چھوڑ دی ہیں اور ہم نے اسی کا اتباع کیا ہے۔

۲: ابوداؤد و کتاب الجہاد باب فی الرخصة فی القعود من العذر۔

اور یہ بھی ایک جاہل ہے" یہ آیت سن کر حضرت عمر ؓ فوراً رک گئے کیونکہ وہ عموماً

كَانَ وقافاعند كتاب اللّٰه۔[1]

خدا کی کتاب کے سامنے اسی طرح رک جاتے تھے۔

---

[1]: بخاری کتاب التفسیر باب قولہ خذ العفو وامر بالمعروف۔

اتباع سنت

قرآن مجید کے بعد صحابہ کرام ﷺ کا محور عمل صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات تھی اس لئے وہ تمام اعمال میں آپ ﷺ کی سنت کا اتباع کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ جب غسل جنابت فرماتے تو دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات بار پانی ڈالتے پھر شرمگاہ کو دھوتے اور ان تمام مراتب کے بعد وضو کر کے تمام جسم پر پانی ڈال کر کہتے کہ "رسول اللہ ﷺ اسی طرح غسل فرماتے تھے"۔[1]

عہد نبوت میں معمول تھا کہ لوگ صدقہ فطر میں ایک صاع گیہوں، یا پنیر یا جو یا کھجور دیتے تھے لیکن اخیر زمانہ میں حضرت امیر معاویہ ؓ شام سے حج یا عمرہ ادا کرنے کیلئے آئے تو ایک خطبہ میں فرمایا کہ "میرے خیال میں دو مد شامی گیہوں کھجور کے ایک صاع کے برابر ہے، اسکے بعد تمام لوگوں نے اس طریقہ کو عملاً اختیار کر لیا لیکن حضرت ابو سعید خدری ؓ نے عہد نبوت کی سنت کو بدلنا پسند نہیں کیا اور برابر ایک صاع صدقہ فطر نکالتے رہے۔[2]

حالت سفر میں اگرچہ آپ ﷺ نے روزہ بھی رکھا ہے اور افطار بھی کیا ہے تاہم آپ ﷺ نے زیادہ تر افطار کی ترغیب دی ہے اس لئے اکثر صحابہ ؓ شدت سے اس پر عمل کرتے تھے ایک بار حضرت ابو بصرہ غفاری رمضان میں مصر سے کشتی میں سوار ہوئے ابھی مصر کے در و دیوار آنکھ سے اوجھل بھی نہ ہوئے تھے کہ کھانا طلب کیا دستر خوان سامنے آیا تو بعض ہمراہیوں نے کہا کہ آپ ﷺ مصر کے در و دیوار کو بھی نہیں دیکھتے۔ "بولے تم سنت نبوی سے اعراض کرتے ہو۔[3]

ایک بار حضرت دحیہ ابن خلیفہ ؓ رمضان میں دمشق کے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کی طرف روانہ ہوئے دونوں گاؤں میں صرف تین میل کا فاصلہ تھا لیکن انھوں نے روزہ توڑ ڈالا اور ان کے بہت سے ہمراہیوں نے بھی روزے توڑ ڈالے لیکن اور لوگوں نے اس کو پسند نہ کیا، وہ پلٹے تو فرمایا کہ آج میں نے وہ کچھ دیکھا ہے جس کی نسبت میرا خیال تھا کہ کبھی نہ دیکھوں گا ایک قوم نے سنت نبوی سے اعراض کیا (یعنی روزہ دار لوگ) خداوند مجھے اب دنیا

1: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ۔

2: ایضاً کتاب الزکوۃ باب کم یؤدی فی صدقۃ الفطر۔

3: ابوداؤد کتاب الصیام باب متی یفطر المسافر اذا خرج۔

سے اٹھا لے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی سنت کے اتباع میں تمام صحابہ ﷺ سے حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ خاص طور پر ممتاز تھے رسول اللہ ﷺ جب سفر حج سے واپس آئے تو مسجد کے دروازہ پر ناقہ کو بٹھا کر پہلے دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر گھر کے اندر تشریف لے گئے اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نے بھی یہی معمول کر لیا۔[2] وہ کعبہ کے صرف دونوں یمانی رکنوں کو چھوتے تھے سبتی جوتے پہنتے تھے زرد رنگ کا خضاب لگاتے تھے[3] اور لوگ چاند دیکھنے کے ساتھ ہی احرام باندھ لیتے تھے لیکن وہ یوم الترویہ کو احرام باندھتے تھے ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ صرف آپ ہی کیوں ایسا کرتے ہیں؟ آپ ﷺ کے اور اصحاب ﷺ نہیں کرتے بولے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے اس لئے میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں۔"[4] حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نماز عشاء کے بعد تھوڑی دیر تک مقام بطحا میں سو کر مکہ میں داخل ہوتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ ابھی ہمیشہ اس مقام پر کسی قدر سوتے تھے پھر مکہ میں داخل ہوتے تھے۔[5] اسی طرح آپ ﷺ اس سفر میں جہاں جہاں اترے تھے یا نماز پڑھی تھی وہ بھی وہاں ضرور اترتے اور نماز پڑھتے تھے۔

ایک بار وہ سفر میں تھے دیکھا کہ کچھ لوگ نفل پڑھ رہے ہیں رفیق سفر سے بولے کہ اگر مجھے نفل پڑھنا ہوتا تو میں نماز ہی نہ پوری پڑھتا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کیا ہے، آپ ﷺ نے دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی، حضرت ابو بکر ﷺ کے ساتھ سفر کیا ہے انھوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی حضرت عمر ﷺ کے ساتھ سفر کیا ہے انھوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوہ حسنۃ۔[6]

تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک میں تقلید کیلئے بہترین مثال ہے۔

ایک بار حضرت سعید بن یسار ﷺ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے ایک موقع پر اونٹ سے اتر کر پیچھے ٹھہر گئے فرمایا تم پیچھے کیوں رہ گئے؟ بولے وتر پڑھتا تھا فرمایا تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں اسوہ حسنہ نہیں ہے؟ آپ ﷺ اونٹ ہی پر

۱: ابو داؤد کتاب الصیام باب مسیرۃ ما یفطر فیہ۔
۲: ایضاً کتاب الجہاد باب فی الصلوۃ عند القدوم من السفر۔
۳: ایضاً کتاب اللباس فی باب المصبوغ۔
۴: ایضاً کتاب المناسک باب وقت الاحرام۔
۵: ایضاً کتاب المناسک باب التحصیب۔
۶: ایضاً کتاب الصلوۃ السفر التطوع السفر۔

وتر ادا فرماتے تھے۔[1]

وہ صدقہ فطر اسی پیمانہ کے مطابق ادا فرماتے تھے جس کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا۔[2]

سنن عادیہ واتفاقیہ کا اتباع اگرچہ ضروری نہیں لیکن بعض صحابہ ؓ اس کا اتباع بھی کرتے تھے حضرت ابوالدرداء، جب کوئی بات کہتے تھے تو مسکرادیتے تھے ام الدرداء نے کہا کہ "اس عادت کو ترک کر دیجئے ورنہ لوگ آپ کو احمق بنائیں گے بولے میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب کوئی بات کہتے تھے تو مسکرا دیتے تھے۔[3]

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ سوار ہونے لگے تو رکاب میں بسم اللہ کہہ کر پاؤں رکھا پشت پر پہنچے تو الحمد للہ کہا، پھر یہ آیت پڑھی سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ o وَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ پھر تین بار الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر کہا اس کے بعد یہ دعا پڑھی سُبْحَانَكَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ انه لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ پھر ہنس پڑے لوگوں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی بولے ایک بار رسول اللہ ﷺ ان ہی پابندیوں کے ساتھ سوار ہوئے اور اخیر میں ہنس پڑے میں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جب بندہ علم و یقین کے ساتھ یہ دعا کرتا ہے تو خدا اس سے خوش ہوتا ہے۔[4]

ایک صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں بیعت کیلئے حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ ﷺ کی قمیص کا تکمہ کھلا ہوا ہے آپ ﷺ کی تقلید میں انھوں نے بھی عمر بھر قمیص کا تکمہ کھلا رکھا اور اس میں سردی اور گرمی کی کچھ پروانہ کی۔[5]

۱: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الوتر علی الراحلہ۔
۲: بخاری کتاب الایمان والنذور باب صاع المدینہ ومد النبی صلعم وبرکتہ۔
۳: مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۱۹۸۔
۴: ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایقول الرجل اذا رکب۔
۵: مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۳۵۔

محرماتِ شرعیہ سے اجتناب

اکل حرام سے اجتناب

صحابہ کرام ؓ اگرچہ تنگ دست اور فاقہ مست تھے لیکن حلال مسطیب کے سوا اکل حرام سے ان کے کام ودہن کبھی آلودہ نہیں ہوئے حضرت ابو بکر ؓ کے غلام نے زمانہ جاہلیت میں فریب آمیز طریقہ پر کہانت کی اور اس کے معاوضہ میں کچھ مال پایا اور حضرت ابو بکر ؓ کو دے دیا انھوں نے اس کو وجہ معاش میں صرف کر دیا لیکن بعد کو جب معلوم ہوا کہ یہ ناجائز مال تھا تو منہ میں ہاتھ ڈالا اور پیٹ میں جو کچھ تھا قے کر ڈالا۔[1]

ایک بار وہ حالت سفر میں بدوؤں کے ایک خیمہ میں اترے اتفاق سے ان بندوؤں میں کسی کی بی بی حاملہ تھی اور اس سفر میں ایک اور بدو ساتھ تھا جس نے اس سے کہا کہ "کیا تم اولاد نرینہ چاہتی ہو اگر تم مجھے ایک بکری دو تو تمہارے اولاد نرینہ پیدا ہوں گی اس نے بکری دے دی اور اس نے کاہنوں کی طرح کچھ مسجع فقرے پڑے پھر بکری ذبح کی اور حضرت ابو بکر ؓ نے بھی گوشت کھایا بعد کو جب معلوم ہوا کہ یہ کسب حرام تھا تو فوراً اٹھے اس فعل سے برات ظاہر کی اور جو کچھ کھایا تھا قے کر دیا۔[2]

اکل حرام کی سب سے بدترین قسم یہ ہے کہ مذہب فروشی کی جائے یہودیوں کے مذہب کو اس نے برباد کر دیا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالی فرماتا ہے۔

اشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۔

یعنی یہودیوں نے اس کے عوض میں تھوڑے سے دام یعنی دنیوی فائدے حاصل کئے۔

لیکن صحابہ کرام ؓ کے نزدیک مذہب سب سے زیادہ گراں قیمت چیز تھی اسلئے ان کے نزدیک دنیا کی کوئی چیز اس کی قیمت نہیں ہو سکتی تھی، مسلمانوں کو بیت المال سے سالانہ وظیفہ ملا کرتا تھا ایک شخص نے حضرت ابوذر غفاری ؓ سے پوچھا کہ اس کی نسبت آپ ﷺ کا کیا حکم ہے۔

فرمایا "اس وقت تو لیتے رہو لیکن جب وہ تمہارے دین کی قیمت بن جائے تو چھوڑ دو۔"[3]

1: بخاری باب ایام الجاہلیۃ۔
2: مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۵۱۔
3: مسلم کتاب الزکوۃ باب فی الکانزین الاموال والتغلیظ علیہم۔

حضرت امیر معاویہ ﷜ نے حضرت عبداللہ بن عمر ﷜ کو بہت کچھ مال و جائیداد دے کر یزید کی بیعت پر آمادہ کرنا چاہا اور اس غرض سے ان کی خدمت میں حضرت عمرو بن العاص ﷜ کو بھیجا لیکن انھوں نے کہا کہ میرے پاس سے چلے جاؤ اور پھر کبھی نہ آؤ میرا دین تمہارے دینار و درہم کے معاوضہ میں بک نہیں سکتا میری صرف یہ خواہش ہے کہ دنیا سے جاؤں تو میرا ہاتھ پاک و صاف ہو۔[1]

یہ صرف مخصوص صحابہ ﷢ کا حال نہ تھا بلکہ تمام صحابہ ﷢ میں یہ فضیلت مشترک طور پر پائی جاتی تھی۔ چنانچہ بہت سے صحابہ ﷢ کی تولیت میں بہت سے یتیم بچے تھے جن کے کھانے پینے کی چیزیں ان کے کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ مخلوط تھیں لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔[2]

ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا۔

جو لوگ ظلماً یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔

ان صحابہ ﷢ نے ان چیزوں کو اپنے کھانے پینے کی چیزوں سے الگ کر دیا یہاں تک کہ ان یتیموں کی چیزیں بعض اوقات فاضل بچ کر خراب ہو جاتی تھیں لیکن صحابہ کرام ﷢ ان کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔[3]

زکوٰۃ و صدقہ سے اجتناب

اہل استطاعت پر صدقہ و زکوٰۃ کا مال حرام ہے اس لئے صحابہ کرام ﷢ اس سے شدت کے ساتھ اجتناب کرتے تھے ایک بار حضرت عمر ﷜ کو ایک شخص نے دودھ پلایا جو ان کو نہایت لذیذ معلوم ہوا دریافت کیا کہ یہ دودھ کہاں سے لائے ہو؟ بولا کہ میں ایک گھاٹ پر گیا لوگ صدقے کے اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے سب نے پانی پلا کر میرے لئے دودھ دوہا جس کو میں نے اپنے مشکیزے میں بھر لیا اور یہ وہی دودھ ہے حضرت عمر ﷜ نے فوراً منہ میں ہاتھ ڈالا اور قے کر دی۔[4]

ایک بار حضرت عبداللہ بن ارقم ﷜ نے حضرت اسلم عدوی سے کہا کہ مجھے سواری کا ایک اونٹ بتاؤ میں اس کو امیر المومنین سے مانگوں گا بولے "ہاں صدقہ کا اونٹ ہے۔"
انہوں نے کہا "کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ ایک موٹا تازہ آدمی گرمی کے دنوں میں اپنی

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔
۲: روایت میں یہ آیت بھی ہے لا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن۔
۳: ابوداؤد کتاب الوصایا باب مخالطۃ الیتیم فی الطعام۔
۴: موطا کتاب الزکوٰۃ باب ما جاء فی الصدقات والتشدید فیھما۔

شرمگاہ کو دھو کر دھوں تمہیں پینے کو دے"۔ وہ برہم ہوئے اور کہا "استغفر اللہ آپ ایسا کہتے ہیں"۔ بولے تو صدقہ بھی آدمیوں کا میل ہے جس کو وہ دھو کر اپنے جسم سے الگ کر دیتے ہیں"۔[1]

ایک بار حضرت سلمان فارسی ﷺ نے غلام نے کہا کہ "مجھے مکاتب بنا دیجئے" بولے، تمہارے پاس کچھ مال ہے" اس نے کہا "نہیں، لوگوں سے مانگ بدل کتابت ادا کر دوں گا، بولے تم مجھے لوگوں کا دھوون کھلانا چاہتے ہو"۔[2]

حضرت عبداللہ عمر ﷺ نے اپنا ایک غلام اپنی ماں پر صدقہ کر دیا تھا ایک دن وہ بازار سے گذرے تو ایک شیر دار بکری نظر آئی جو فروخت ہو رہی تھی، چونکہ وہ دودھ سے افطار کرنا پسند کرتے تھے۔ اسلئے اس غلام سے کہا کہ "اپنی اجرت کی رقم سے بکری کو خرید لو" لیکن افطار کے وقت اس بکری کا دودھ سامنے آیا تو بولے کہ "دودھ بکری کا ہے اور بکری غلام کی کمائی کی ہے اور غلام کو میں نے اپنی ماں پر صدقہ کر دیا ہے، اس کو لے جاؤ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں"۔[3]

حدیث شریف میں آیا ہے کہ میزبان اگر تین دن سے زیادہ مہمان کی ضیافت کرے تو وہ داخل صدقہ ہوگی، اس بنا پر حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ مکہ میں آتے تھے تو تین دن تک ان کا کھانا حضرت خالد بن اسید ﷺ کے یہاں سے جو ان کے رشتہ دار تھے آتا تھا، لیکن تین دن کے بعد کہہ دیتے تھے کہ اب اپنا صدقہ بند کرو" اور اپنے غلام نافع کو حکم دیتے تھے کہ اب تم اپنے پاس سے اکل و شرب کا انتظام کرو۔[4]

قتل مسلم سے اجتناب

مسلمانوں کا قتل حرام ہے، قرآن مجید میں ہے۔

و من یقتل مومنا متعمد افجزاؤہ جھنم خالد افیھا۔

اور جو کسی مسلمان کو قصداً مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

اس بنا پر صحابہ کرام ﷺ مسلمانوں کی خونریزی سے سخت اعتراض کرتے تھے فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد ﷺ کو قبیلہ بنو حذیمہ کے پاس دعوت اسلام دینے کیلئے بھیجا، انھوں نے ان کو دعوت اسلام دی، تو انہوں نے کہا صبانا، صبانا، یعنی ہم صابی ہوئے چونکہ کفار مسلمانوں کو صابی کہتے تھے اس لئے انہوں نے اسی لفظ سے اسلام قبول کرنے کا

۱: موطا امام مالک کتاب الجامع باب ما یکرہ من الصدقہ۔
۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔
۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔
۴: زرقانی شرح موطا جلد ۴ ص ۱۳۶۔

اعلان کیا لیکن حضرت خالد بن ولید کو اس پر تسکین نہیں ہوئی اور انھوں نے ان کو قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ایک دن عام حکم دے دیا کہ ہر شخص اپنے اپنے قیدیوں کو قتل کرڈالے لیکن تمام صحابہ ﷺ نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور جب آنحضرت ﷺ سے آکر واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے بھی ان کی تائید کی اور دوبارہ فرمایا کہ "خداوندا! میں خالد کے اس فعل سے بری ہوتا ہوں"۔[1]

حضرت ابو بکر ﷺ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنا چاہا، تو حضرت عمر ﷺ نے اول اول اختلاف کیا اور کہا کہ کلمہ گویوں سے کیونکر جہاد کیا جاسکتا ہے۔[2] ان پر ایک عجمی غلام نے حملہ کیا تو انھوں نے حضرت عباس سے شکایت کی کہ "تم ہی لوگوں نے ان غلاموں سے مدینہ کو بھر دیا"۔ بولے "اگر حکم ہو تو سب کو قتل کردیں"۔ فرمایا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ وہ تمہاری زبان بولتے ہیں، تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں، تمہارا حج ادا کرتے ہیں۔[3]

حضرت عبداللہ بن زبیر اور خوارج کے زمانہ میں جنگ ہوئی تو ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر سے کہا کہ "آپ ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں! حالانکہ یہ لوگ باہم ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں" بولے "جو حی علی الصلوۃ کہے گا میں اس کی دعوت قبول کرلوں گا جو شخص حی علی الفلاح کہے گا میں اس کی دعوت قبول کرلوں گا لیکن جو شخص یہ کہے گا "آؤ اپنے بھائی مسلمانوں کو قتل کرو ،ان کا مال لوٹو تو میں انکار کر دوں گا"۔[4]

سود خواری سے اجتناب

اسلام نے سود خواری کی ممانعت ایسے سخت قیود کی پابندی کے ساتھ کی ہے کہ اگر ذرا سی غفلت یا بے پروائی کی جائے تو معمولی معاملات داد و ستد و بیع و شراء بھی سود کی صورت میں داخل ہو جائیں، صحابہ کرام ﷺ ان تمام قیود کا لحاظ رکھتے تھے، اور ان سے نہایت احتیاط کے ساتھ بچتے تھے، ایک بار حضرت مالک بن اوس ﷺ نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ ﷺ سے بیع صرف کرنی چاہی (یعنی اشرفی کے بدلہ میں درہم لینا چاہا) اور سو اشرفیاں ان کے سامنے رکھ دیں انہوں نے ان کو اٹھالیا اور کہا کہ جنگل سے خزانچی آئے تو درہم ولادیں حضرت عمر سن رہے تھے، بولے "بغیر لئے ہوئے ہر گز نہ جانا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سونے کے بدلے میں چاندی اگر دست بدست نہ لی جائے تو سود ہے"۔[5]

۱: بخاری کتاب المغازی بعث خالد الی بنی حذیمہ مع فتح الباری۔ ۲: بخاری کتاب الزکوٰۃ۔
۳: بخاری کتاب المناقب باب قصته البیعة و الاتفاق علی عثمان۔
۴: طبقات ابن سعد تذکرہ عبداللہ بن عمرؓ۔
۵: بخاری کتاب البیوع باب بیع الشعیر بالشعیر۔

ایک بار حضرت معمر بن عبداللہ نے اپنے غلام کو ایک صاع گیہوں دیا کہ اس کو بیچ کر بازار سے جو لائے۔ اس نے بازار میں جاکر جو لیا تو ایک صاع سے کچھ زیادہ پایا، حضرت معمر ؓ کو اس کی خبر ہوئی تو بولے اس کو فوراً جاکر واپس کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ غلہ کو مثل بمثل خریدنا چاہیے، لوگوں نے کہا بازار میں صرف جو کا رواج ہے گیہوں نہیں مل سکتا بولے کہ "مجھے خوف ہے کہ یہ سود کے مشابہ نہ ہو جائے۔[1]

صحابہ کرام ؓ سود خواری سے نہ صرف خود بچتے تھے، بلکہ اور لوگوں کو بھی بچنے کی، نصیحت کرتے تھے، ایک شخص حضرت عبداللہ بن سلام ؓ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کیلئے آئے تو انہوں نے ان کے ساتھ نہایت مہربانی کا برتاؤ کیا اور کہا کہ "آپ ایک کاروباری ملک میں رہتے ہیں، اسی لئے اگر آپ پر کسی کا قرض آتا ہو، اور وہ آپ کے یہاں بھس کی ایک گٹھڑی بھی ہدیۃً بھیجے تو اس کو قبول نہ کیجئے گا کیونکہ یہ سود ہے۔[2]

شراب خواری سے اجتناب

شراب عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی لیکن متعدد صحابہ ؓ مثلاً حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان وغیرہ اپنی فطرت سلیمہ کی ہدایت سے زمانہ جاہلیت ہی میں اس سے محترز رہے لیکن جو صحابہ ؓ اس کے عادی تھے انھوں نے بھی شراب کی حرمت کے ساتھ ہی اس دیرینہ عادت کو اس طرح ترک کر دیا کہ گویا انھوں نے جام و ساغر کو منہ ہی نہیں لگایا تھا شراب کی حرمت کا حکم بتدریج نازل ہوا لیکن حرمت خمر کے متعلق سب سے آخری آیت:۔

انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوہ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللّٰہ وعن الصلوہ فھل انتم منتھون۔

شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو یاد الٰہی سے اور نماز سے باز رکھے تو تم باز نہیں آؤ گے۔

نازل ہوئی تو حضرت عمر ؓ بے ساختہ پکار اٹھے۔

انتھینا[3]

ہم باز آئے۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں ابو عبیدہ، ابو طلحہ اور ابی بن کعب کو شراب پلا رہا تھا اسی حالت میں ایک شخص نے آکر خبر دی کہ شراب حرام ہو گئی ابو طلحہ نے فوراً کہا کہ انس

1: مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۰۰۔

۲: طبقات ابن سعد تذکرہ ابو بردہ بن ابی موسیٰ۔

۳: ابوداؤد کتاب الاشربہ باب فی تحریم الخمر، روایت میں پوری آیت نہیں ہے، ہم نے اس کو بڑھا دیا ہے۔

اٹھو اور شراب کو گرا دو۔ [۱] دوسری روایت میں ہے کہ "میں ابو طلحہ کے مکان میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا کہ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ نے حرمت شراب کی منادی کروائی ابو طلحہ نے مجھ سے کہا کہ نکل کے دیکھو یہ کیسی آواز ہے۔" "میں گھر سے نکلا اور پلٹ کر کہا کہ ایک منادی اعلان کر رہا ہے کہ شراب حرام ہو گئی ابو طلحہ نے مجھ سے کہا کہ تو شراب گرا دو اور لوگوں نے اس کثرت سے شراب گرائی کہ مدینہ کی گلیوں میں بہنے لگی۔ [۲]

بدکاری سے اجتناب

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب سخت بدکاری میں مبتلا تھے لیکن اسلام نے ان میں عفت و عصمت کا ایسا احساس پیدا کر دیا کہ سخت سے سخت نازک موقعوں پر بھی ان کا دامن اس معصیت سے آلودہ نہیں ہونے پاتا تھا۔

ہجرت کے بعد مکہ میں جو گرفتار بلا مسلمان رہ گئے تھے مکہ سے مدینہ تک ان کا پہنچانا مرثد بن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ کے متعلق تھا وہ ایک رات اسی غرض سے مکہ آئے وہاں ان کی آشنا ایک طوائف تھی جس کا نام عناق تھا وہ نکلی تو ان کی پرچھائیں دیکھ کر پہچان لیا اور نہایت تپاک سے ملی اور کہا کہ آج میرے گھر میں شب باشی کرو لیکن انھوں نے معذرت کی کہ زنا اب حرام ہو گیا اب اس نے شور و غل کیا یہ بھاگ کر ایک پہاڑ کے غار میں جا چھپے کفار نے وہاں تک تعاقب کیا لیکن خدا نے ان کو بچا لیا۔ [۳]

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کو جن کی اخلاقی حالت زمانہ جاہلیت میں اچھی نہ تھی ایک شخص نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو بولیں ہٹو اب جاہلیت کا وہ زمانہ گیا اور اسلام آیا۔ [۴]

اسلام کی پاک بازانہ تعلیم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسی پاک بازانہ زندگی کا یہ اثر تھا کہ اس زمانہ میں لونڈیاں تک بدکاری سے اباء کرنے لگیں چنانچہ عبداللہ بن ابی بن سلول جو راس المنافقین تھا اپنی لونڈیوں کو اسی ناجائز طریقہ سے روپیہ پیدا کرنے پر آمادہ کرتا تھا لیکن اس کی دو لونڈیوں نے اس ننگ و عار کو گوارا نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر شکایت کی کہ ہمارا آقا ہم کو زنا کرنے پر مجبور کرتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء۔ الخ [۵]

۱: بخاری کتاب الاشربہ باب نزول تحریم الخمر وھی من البسر والتمر۔
۲: بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ مائدہ باب لیس علی الذین امنوا و عملوا الصالحات جناح فیما طعموا۔ ۳: نسائی کتاب النکاح باب تزویج الزانیہ۔
۴: مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۸۷۔
۵: ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزنا و مسلم کتاب التفسیر تفسیر ھذہ الآیہ۔

اپنی لونڈیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرو۔

اس جرم کا ارتکاب تو صحابہ کرام ؓ سے بہت بعید تھا وہ لوگ کسی عورت پر نگاہ ڈالنا بھی پسند نہیں کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک حسین صحابیہ رضی اللہ عنہا شریک نماز ہوتی تھیں اسلئے بعض صحابہ ؓ آگے کی صف میں جاکر کھڑے ہوتے تھے کہ ان پر آنکھ نہ پڑنے پائے۔[1]

اگر کسی صحابی نے ناجائز طریقہ سے بھی اس کی جرات کی تو تمام صحابہ ؓ نے اس کو سخت قابل اعتراض خیال کیا۔ ایک بار حضرت محمد بن سلمہ ؓ نے ایک عورت سے نکاح کرنا چاہا اور نکاح سے پہلے چوری چھپے اس کو دیکھنا چاہا یہاں تک کہ اس کے نخلستان میں اس کو دیکھ بھی لیا لیکن لوگوں نے ٹوکا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہو کر ایسا کرتے ہیں! بولے آپ ﷺ ہی نے اس کی اجازت دی ہے۔

ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ نے نکاح کرنا چاہا اور رسول اللہ ﷺ سے مشورہ طلب کیا آپ نے فرمایا کہ پہلے عورت کو جاکر دیکھ لو وہ اس غرض سے اس کے گھر گئے تو عورت نے پردہ سے کہا اگر رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے تو خیر ورنہ تمہیں خدا کی قسم ایسا نہ کرنا۔[2]

کسی عورت پر قصداً نگاہ ڈالنا تو بڑی بات ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ تو یہاں تک فرماتے تھے کہ "مجھے یہ پسند ہے کہ میری ناک مردار کی بدبو سے بھر جائے لیکن یہ پسند نہیں کہ اس میں کسی عورت کی خوشبو آئے"۔[3]

راگ باجے سے اجتناب

صحابہ کرام ؓ کے کانوں کو صرف تلاوت قرآن پاک کی آواز خوش آیند معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے وہ عود و بربط اور چنگ و رباب کی آواز پر کان نہیں دھرتے تھے ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے آواز طبل سنی تو کان بند کر لئے اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔[4]

ایک بار اونٹ پر سوار جارہے تھے چرواہے کی بانسری کی آواز کان میں آئی تو فوراً کانوں میں انگلیاں دے لیں اور پہلا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیا اور بار بار اپنے غلام نافع سے پوچھتے جاتے تھے کہ آواز آتی ہے یا نہیں۔"۔ جب انھوں نے کہا کہ "نہیں تو کانوں سے

۱: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب الخشوع فی الصلوۃ۔
۲: سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب النظر الی المراۃ اذا اراد ان تیزوجہا۔
۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت موسیٰ اشعریؓ۔
۴: سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب الغناء والدف۔

انگلیاں نکالیں اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے موقع پر ایسا ہی کیا تھا"۔[۱]

ایک بار بازار میں گزرے تو دیکھا کہ ایک چھوکری گا رہی ہے فرمایا اگر شیطان کسی کے بہکانے سے باز رہتا تو اس کو نہ بہکاتا۔"[۲]

ایک بار عید کے دن چند لڑکیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جنگ بعاث کے متعلق اشعار گا رہی تھیں، حضرت ابو بکر ؓ آئے اور کہا کہ "رسول اللہ ﷺ کا گھر اور مز امیر شیطان آپ ﷺ نے فرمایا ابو بکر ؓ یہ ہماری عید کا دن ہے۔[۳]

ایک بار ایک گھر میں تقریب تھی اور ایک شخص گا رہا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ وہ گردن ہلا ہلا کے گا رہا ہے، تو کہا "اف یہ شیطان ہے اس کو نکالو اس کو نکالو"۔[۴]

راگ باجا تو پھر بھی بڑی چیز ہے حضرت عائشہ کا یہ حال تھا کہ گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہیں کرتی تھیں اگر سامنے سے گھنٹی کی آواز آتی تو ساربان سے کہتیں کہ "ٹھہر جاؤ تاکہ یہ آواز سننے میں نہ آئے۔" اور اگر سن لیتیں تو کہتیں کہ تیزی کے ساتھ لے چلو تاکہ میں اس آواز کو نہ سن سکوں۔[۵]

مشتبہات سے اجتناب

حلال و حرام دونوں بدیہی ہیں لیکن بہت سی چیزیں ہیں جن کی حلت و حرمت دونوں مشتبہ ہے زہد و تورع تقویٰ و طہارت اور حزم و احتیاط کا اصلی محل یہی چیزیں ہیں اس بنا پر حدیث شریف میں ان چیزوں سے بچنے کی تاکید آئی ہے۔

الحلال بین والحرام بین وما بینهما امور مشتبهة فمن ترك ماشبه علیه من الاثم كان لما استبان له اترك و من اجتراء علی مایشك فیه من الاثم اوشك ان یواقع مااستبان والمعاصی حمی الله من یرتع حول الحمی یوشك ان یواقع۔

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی اور ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں پس جو شخص مشتبہ گناہوں کو چھوڑے گا وہ کھلے ہوئے گناہوں کا سب سے زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کا مرتکب ہوگا بہت ممکن ہے کہ کھلے ہوئے گناہوں کا مرتکب ہو جائے گا گناہ خدا کی چراگاہ ہیں اور جو شخص چراگاہ کے گرد چرائے گا ممکن ہے کہ اس کے

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔
۲: ادب المفرد باب الغناء واللہو۔
۳: بخاری کتاب العیدین لاہل الاسلام۔
۴: ادب المفرد باب الملہو فی ختان۔
۵: مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۵۲۔

اندر داخل ہو جائے۔

اس لئے صحابہ کرام ﷺ ہمیشہ ان مشتبہ چیزوں سے احتراز فرماتے تھے۔

حالت احرام میں شکار کرنا جائز نہیں، ایک بار صحابہ ﷺ سفر حج میں تھے سب نے احرام باندھ لیا تھا صرف ابو قتادہ انصاری ﷺ غیر محرم تھے ایک جنگلی گدھا نظر آیا انھوں نے گھوڑے کو اس کے پیچھے ڈال دیا صحابہ ﷺ سے کوڑا اور نیزہ مانگا یہ ایک مشتبہ فعل تھا اس لئے سب نے انکار کر دیا بالآخر ان کو خود نیزہ اٹھانا پڑا گدھے کا شکار ہو چکا تو بعض صحابہ ﷺ نے گوشت کھانے سے بھی انکار کر دیا۔[1]

ایک بار حضرت ابو طلحہ ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ ان کے نیچے سے ایک چادر نکال لے حضرت سہیل بن حنیف ﷺ پاس بیٹھے ہوئے تھے بولے کیوں۔ فرمایا اس میں تصویر بنی ہوئی ہے اور تصویروں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے وہ تم کو معلوم ہے۔ بولے لیکن آپ ﷺ نے کپڑے میں بنی ہوئی تصویر کی ممانعت نہیں فرمائی، بولے ہاں لیکن میرے دل کا اطمینان اسی طرح ہوگا۔[2]

ایک بار حضرت مسور بن مخرمہ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کی عیادت کو آئے حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ استبرق کی چادر اوڑھے ہوئے تھے حضرت مسور بن مخرمہ ﷺ نے اس پر ٹوکا تو بولے رسول اللہ ﷺ نے صرف غرور و تکبر کی بنا پر اس کی ممانعت کی تھی اور الحمد للہ کہ ہم مغرور نہیں ہیں انھوں نے کہا تو پھر چولہے میں یہ تصویریں کیسی بنی ہوئی ہیں۔" بولے " دیکھتے نہیں کہ ہم نے ان کو جلا ڈالا ہے" لیکن یہ چیزیں مشتبہات میں داخل تھیں ،اس لئے جب وہ چلے گئے تو فرمایا کہ میرے بدن سے یہ چادر اتار لو اور ان تصویروں کا سر کاٹ ڈالو کسی نے کہا کہ اگر ان کو صحیح و سلامت بازار میں فروخت کر ڈالتے تو فائدہ ہوتا، بولے نہیں۔[3]

نو مسلم لوگ صحابہ ﷺ کے پاس گوشت لے کے آتے تھے صحابہ ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یہ ابھی دور جاہلیت سے نکلے ہیں ہم کو معلوم نہیں کہ خدا کا نام لے کر ذبح کیا ہے یا نہیں کیا ہم اس گوشت کو کھا سکتے ہیں۔" فرمایا" بسم اللہ کہہ کر کھا سکتے ہو"۔[4]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی ماں کافرہ تھیں اور حضرت ابو بکر ﷺ نے زمانہ جاہلیت

1: ابو داؤد کتاب المناسک باب لحم الصید المحرم۔
2: ترمذی کتاب اللباس باب ماجاء فی الصورۃ۔
3: مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۳۲۰۔
4: ابو داؤد کتاب الاضاحی باب ماجاء فی اکل، اللحم لا یدری اذکر اسم اللہ علیہ ام لا۔

ہی میں ان کو طلاق دے دی تھی ایک بار وہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس متعدد چیزیں ہدیہ لے کر آئیں چونکہ ایک کافرہ عورت کا ہدیہ مشتبہ تھا اس لئے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرایا۔ تو آپ ﷺ نے اس ہدیہ کو قبول کرنے کی اجازت دی۔[1]

عمال سلطنت کی آمدنی بعض حیثیتوں سے مشتبہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ زہد پیشہ لوگ سلاطین و امراء کے دربار سے ہمیشہ اپنا دامن بچاتے رہتے ہیں صحابہ کرام ؓ کے زمانہ تک اگرچہ اعمال و امراء کی مذہبی اور اخلاقی حالت اس زمانہ سے بہت بہتر تھی تاہم جو صحابہ ؓ نہایت محتاط تھے وہ اس قسم کی آمدنی سے فائدہ اٹھانا پسند نہیں کرتے تھے حضرت ابوذر غفاری نے دنیا سے الگ ہو کر بادیہ نشینی اختیار کر لی تھی اس لئے انھوں نے تمام عمر اسی زہد و تورع کے ساتھ بسر کی مرنے لگے تو بی بی نے رو کر کہا کہ "میرے پاس تو تمہارے کفن کیلئے بھی کپڑا نہیں ہے۔" بولے روؤمت میں ایک دن چند لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک آدمی جنگل میں مرے گا اور اس کے جنازے میں مسلمانوں کا ایک گروہ شریک ہوگا اور لوگ جو اس جماعت میں شریک تھے وہ تو مسلمانوں کے درمیان مر چکے صرف میں رہ گیا تھا اور اب جنگل میں مر رہا ہوں تم راہ دیکھو اور انتظار کرو، بی بی نے کہا اب تو حاجیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا بولے خیر راستہ دیکھو حسن اتفاق سے دفعتاً ایک قافلہ آگیا اس نے ان کی بی بی سے پوچھا "کیا حال ہے بولیں ایک مسلمان کو کفناؤ اور ثواب لو" انھوں نے حضرت ابوذر غفاری کا نام سنا تو تیزی کے ساتھ دوڑے اور کہا ہمارے ماں باپ ان پر قربان پاس آئے تو حضرت ابوذر نے کہا "تم ہی وہ لوگ ہو جن کی رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو خبر دی تھی ، اگر میرے کپڑے کافی ہوتے تو ان ہی میں سے میرا کفن ہوتا لیکن اگر تم میں کوئی شخص امیر، عریف یا برید ہو تو وہ مجھے کفن نہ دے لیکن ان میں ہر شخص ان خدمات کو انجام دے چکا تھا صرف ایک انصاری نوجوان تھا جس نے کہا میرے پاس دو کپڑے ہیں جن کو میری ماں نے بنا ہے بولے بس تمہی میرے رفیق ہو تمہی مجھے کفن پہناؤ۔[2]

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اسماءؓ۔

۲: مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۶۶۔

جامع الابواب

تلاوت قرآن

صحابہ کرام ﷺ ہمیشہ تلاوت قرآن میں مصروف رہتے تھے اور تلاوت کا طریقہ یہ تھا کہ قرآن مجید کے متعدد ٹکڑے کر لئے تھے اور بلاناغہ اسکی تلاوت فرماتے تھے، ایک نووارد صحابی نے صحابہ کرام ﷺ سے پوچھا کہ "ایک ٹکڑے میں کتنی سورتیں شامل تھیں" بولے "تین، پانچ سات، نو، گیارہ، تیرہ اور اخیر کی تمام چھوٹی چھوٹی سورتیں ایک ٹکڑے میں داخل تھیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام ﷺ کے اس شوق و شغف کو دیکھتے تو خوش ہوتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے ایک بار صحابہ کرام ﷺ جن میں عجمی اور بدوی سبھی شامل تھے تلاوت کر رہے تھے آپ ﷺ کاشانہ نبوت ﷺ سے برآمد ہوئے تو فرمایا پڑھے جاؤ سب کا طرز اچھا ہے اس کے بعد ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن کو تیر کی طرح سیدھا کر لے گی لیکن اس کا مقصد ثواب آخرت نہ ہوگا بلکہ دنیا ہوگی۔"

اسی طرح ایک روز صحابہ کرام ﷺ تلاوت کر رہے تھے آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا خدا کا شکر ہے خدا کی کتاب ایک ہے اور تم میں سرخ سیاہ سپید ہر قسم کے لوگ ہیں۔[2]

رمضان میں یہ شوق اور بھی ترقی کر جاتا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کے اس شوق کو دیکھا تو فرمایا کہ "پورے ایک مہینے میں قرآن ختم کیا کرو" بولے کہ "مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے" حکم ہوا بیس دن میں "گزارش کی کہ "میں اس سے بھی زیادہ طاقت پاتا ہوں" فرمایا پندرہ دن میں" بولے کہ مجھ میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہے ارشاد ہوا کہ "دس دن میں "عرض کی کہ مجھ میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہے فرمایا" کے سات دن میں اور اب اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔[3]

سخت سے سخت مصیبت میں بھی صحابہ کرام ﷺ کے اس شوق میں کوئی فرق نہیں آتا تھا بلکہ اس حالت میں قرآن مجید ہی ان کیلئے مایہ تسکین ہوتا تھا جس وقت حضرت عثمان ﷺ کی شہادت واقع ہوئی وہ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے چنانچہ ان کے خون کے قطرے

---

1. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب شہر رمضان باب تحزیب القرآن۔
2. ایضاً ابواب التفریع استفتاح الصلوٰۃ باب ما یجزئ الامی والا عجمی من القرآۃ۔
3. ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب شہر رمضان باب فی کم یقراء القرآن۔

قرآن مجید کی اس آیت پر گرے

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔ [۱]

قرآن مجید کی تلاوت ہم بھی کرتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سر کا بوجھ اتار رہے ہیں، لیکن بعض صحابہ ؓ اس خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے تھے کہ سننے والوں پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ ایک رات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گھر میں دیر کو آئیں رسول اللہ ﷺ نے وجہ پوچھی تو بولیں آپ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص قرآن پڑھ رہے تھے میں نے ایسی قرات کبھی نہیں سنی تھی، آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ ہو لئے اور کہا "یہ سالم مولی بن ابی حذیفہ ہیں خدا کا شکر ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ موجود ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن قیس ؓ نہایت خوش الحان تھے ایک روز وہ قرآن پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ نے سنا تو پوچھا کون ہے! لوگوں نے نام بتایا تو فرمایا ان کو نغمہ داؤدی عطا کیا گیا ہے۔ [۲]

حضرت ابو عثمان ؓ نہدی کا بیان ہے کہ "میں نے جاہلیت کا زمانہ بھی پایا ہے لیکن میں نے چنگ و بربط کی آواز کو بھی ابو موسیٰ اشعری ؓ کی خوش الحانی سے بہتر نہیں پایا وہ ہم کو نماز فجر پڑھاتے تھے تو جی چاہتا تھا کہ پوری سورہ بقرہ پڑھ ڈالتے۔ [۳]

وہ حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو فرماتے کہ "ہم کو خدا کا شوق دلاؤ وہ قرات شروع کرتے اور حضرت عمر ؓ نہایت محویت سے سنتے ایک بار اسی حالت میں کسی نے کہا کہ "نماز کا وقت آگیا۔" بولے کیا یہ نماز نہیں ہے۔ وہ قرآن پڑھتے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نہایت شوق سے سنتیں ایک دن ان کو معلوم ہوا تو بولے کہ، اگر مجھے خبر ہوتی تو تم لوگوں کو اور بھی شوق دلاتا۔ [۴]

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ خوش الحانی ان کے تمام قبیلہ کا وصف امتیازی تھا رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ رات کو جب قبیلہ اشعری کے لوگ آتے ہیں تو میں ان کی قرآن خوانی ہی سے ان کے جائے قیام کو پہچان لیتا ہوں۔ [۵]

حضرت عبدالرحمٰن بن سائب ؓ بھی نہایت خوش الحان تھے خود ان کا بیان یہ کہ ایک دن میرے پاس حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ آئے اور کہا کہ "میں نے سنا ہے کہ تم

۱: استیعاب تذکرہ عثمان بن عفان۔
۲: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب فی حسن الصوت بالقرآن۔
۳: استیعاب تذکرہ عبدالرحمٰن بن مل۔
۴: طبقات ابن سعد ذکرہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ۔
۵: مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل الاشعریین۔

قرآن نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے ہو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قرآن غم کیلئے نازل ہوا ہے، اس لئے جب پڑھو تو روؤ اگر نہیں روتے تو رونی صورت بناؤ اور اس کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھو۔[1]

صحابہ کرام ؓ تلاوت کی حالت میں قرآن مجید کے ادب و احترام کا نہایت لحاظ رکھتے تھے، حضرت مصعب بن سعد بن ابی وقاص ؓ کا بیان ہے کہ "میں ہاتھ میں قرآن مجید لئے ہوئے تھا اور حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ تلاوت فرما رہے تھے میں نے بدن کھجلایا تو حضرت سعد ؓ نے فرمایا شاید تم نے اپنے شرمگاہ کا مس کیا میں نے کہا ہاں بولے جاؤ وضو کر کے آؤ۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمر تلاوت فرماتے تھے تو جب تک فارغ نہ ہو جائیں کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے۔[3]

حفظ قرآن

قرآن مجید کی متفرق سورتیں اگرچہ تقریباً تمام صحابہ ؓ کو یاد تھیں لیکن ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ، حضرت ابو ایوب ؓ، حضرت عبادہ بن الصامت ؓ، حضرت ابی بن کعب ؓ، حضرت معاذ ابن جبل ؓ، حضرت زید بن ثابت ؓ، حضرت ابوزید ؓ، حضرت سالم ؓ، حضرت ابوالدرداء ؓ نے خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو خود بھی اس پر نہایت فخر تھا ایک بار انھوں نے ایک خطبے میں فخریہ لہجے میں فرمایا کہ "میں نے خود رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے کچھ اوپر ستر آیتیں یاد کی ہیں تمام اصحاب رسول اللہ ﷺ جانتے ہیں کہ میں ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم ہوں۔[4] لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس سے لازم نہیں آتا کہ اس زمانے میں اور صحابہ ؓ حافظ قرآن نہ تھے بلکہ اور حفاظ کی تعداد ان سے بہت زیادہ تھی چنانچہ غزوہ بیر معونہ میں جو ستر صحابہ ؓ شہید ہوئے سب کے سب قراء کہے جاتے تھے۔[5]

حضرت ابی بن کعب ؓ کی نسبت حضرت عمر ؓ فرمایا کرتے تھے ابی اقرانا ہم

۱: ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب فی حسن الصوت بالقرآن۔
۲: موطائے امام مالک کتاب الصلوۃ باب الوضوء من الفرج۔
۳: بخاری کتاب التفسیر باب قولہ نساکم حرث لکم۔
۴: بخاری کتاب ابواب فضائل باب القراء من اصحاب رسول اللہ صلعم مع فتح الباری۔
۵: فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۴۲۔

میں قرآن کے سب سے زیادہ قاری ابی ہیں۔[۱] اسی بنا پر جب نماز تراویح باجماعت قائم کی تو حضرت ابی ابن کعب ﷺ کو امام بنایا[۲] اور اسی فضیلت کی بنا پر حضرت ابی بن کعب ﷺ حضرت معاذ بن جبل ﷺ ، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوزید ﷺ پر ان کے قبیلہ خزرج کو بڑا ناز تھا۔ ایک بار قبیلہ اوس و خزرج میں مفاخرت ہوئی تو اوس نے کہا کہ "ہم میں حنظلہ بن عامر ﷺ ہیں جن کو فرشتوں نے غسل دیا تھا ہم میں عاصم بن ثابت ﷺ ہیں جن کے جسم کو بھڑوں نے کفار کی دست برد سے محفوظ رکھا تھا، ہم میں سعد بن معاذ ﷺ ہیں جن کی موت پر عرش الٰہی ہل گیا تھا، ہم میں خزیمہ بن ثابت ہیں جن کی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے دو شہادتوں کے برابر قرار دیا، خزرج بولے ہم میں چار شخص ہیں جنھوں نے خود عہد نبوت میں قرآن یاد کر لیا تھا پھر ان بزرگوں کے نام لئے۔[۳]

ان بزرگوں کے علاوہ اور بہت سے صحابہ ﷺ تھے جن کو قرآن مجید از بریاد تھا ان میں حضرت مجمع بن جاریہ[۴] ﷺ ، حضرت علی ﷺ ، حضرت عثمان ﷺ ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ کے نام ہم کو معلوم ہیں[۵] لیکن جن کے نام معلوم نہیں ان کی تعداد ان سے بھی زیادہ ہے جنگ یمامہ میں بکثرت حفاظ شریک ہوئے تھے چنانچہ ان ہی لوگوں کے شہید ہونے پر حضرت عمر ﷺ کو جمع قرآن کا خیال پیدا ہوا اور انھوں نے حضرت ابو بکر ﷺ کو اس پر آمادہ کیا۔[۶]

ان لوگوں کی نسبت حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

ان کثیرا ممن قتل فی وقعة الیمامة کان قدحفظ القرأن۔

جو لوگ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے ان میں اکثروں نے قرآن کو حفظ کر لیا تھا۔

تسبیح و تہلیل

تسبیح و تہلیل پاک مذہبی زندگی کی مخصوص علامت ہے اس لئے صحابہ کرام ﷺ اکثر تسبیح و تہلیل کیا کرتے تھے، جب جہاد میں روانہ ہوتے تو تمام پہاڑیاں ان کے غلغلہ تسبیح و تہلیل سے گونج اٹھتی تھیں اس وقت اگرچہ عقیق و کہربا کی تسبیح موجود نہ تھی تاہم سنگریزے اور کھجور

---

۱ بخاری کتاب ابواب فضائل القرآن باب القرآن اصحاب رسول اللہ صلعم۔
۲ بخاری باب فضل من قام رمضان۔
۳ اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوزیدؓ۔
۴ اسد الغابہ تذکرہ حضرت مجمع بن جاریہؓ۔
۵ اسد الغابہ تذکرہ حضرت قیس بن سکنؓ۔
۶ بخاری کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن۔

کی گٹھلیوں کی کمی نہ تھی جن صحابہ ؓ نے خاص طور پر تسبیح و تہلیل کا التزام کرلیا تھا ان ہی سے تسبیح کا کام لیتے تھے ایک بار آپ ﷺ نے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ سامنے کنکری یا گٹھلی رکھ کر تسبیح پڑھ رہی ہیں فرمایا میں اس سے آسان تدبیر بتادیتا ہوں" اس کے بعد ایک دعا بتادی۔[1]

حضرت ابوہریرہ ؓ ہمیشہ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے اس غرض سے ایک تھیلی بنا رکھی تھی جس میں کنکریاں یا گٹھلیاں بھری رہتی تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھتے تھے جب تھیلی خالی ہو جاتی تو وہ لونڈی کو حکم دیتے وہ پھر بھر دیتی۔[2]

ذکر الٰہی

ذکر الٰہی صحابہ کرام ؓ کا محبوب ترین مشغلہ تھا خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صحابہ کرام ؓ کے اس وصف کو نمایاں کیا ہے والذاکرین اللہ کثیرا و الذاکرات ایک دن حضرت امیر معاویہ ؓ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ لوگوں کا حلقہ ذکر قائم ہے بولے کیوں بیٹھے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا کہ "ذکر الٰہی کرتے ہیں" پھر فرمایا صرف اسی لئے بیٹھے ہو جواب ملا ہاں صرف اس لئے فرمایا ایک بار اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے صحابہ ؓ کا حلقہ ذکر دیکھا تو اسی طرح سوال کیا" اور جواب ملنے پر فرمایا کہ میرے پاس جبرائیل آئے اور خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ فرشتوں پر فخر کرتا ہے۔[3]

صحابہ کرام ؓ جب نماز سے فارغ ہوتے تو نہایت بلند آہنگی سے ذکر الٰہی کرتے حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ جب میں یہ غلغلہ سنتا تو سمجھ جاتا کہ صحابہ ؓ نماز پڑھ کر واپس آتے ہیں۔[4]

خوف قیامت

صحابہ کرام ؓ کے دلوں میں قیامت کا خوف اس قدر سما گیا تھا کہ اس کے ڈر سے ہر وقت کانپتے رہتے تھے ایک بار دفعتاً اندھیرا ہو گیا ایک صاحب نے حضرت انس بن مالک ؓ سے پوچھا کہ کیا عہد نبوت میں بھی ایسا ہوتا تھا۔" بولے معاذ اللہ اگر ہوا بھی تیز ہو جاتی تھی تو

۱: ابوداؤد ابواب تفریع شہر رمضان باب التسبیح بالحصی۔

۲: ابوداؤد کتاب النکاح باب مایکرہ الرجل ما یکون من اصابۃ اہلہ۔

۳: ترمذی ابواب الدعوات باب ما جاء فی القوم یجلسون فیذکرون اللہ مالھم من الفضل و مسلم کتاب الذکر والدعا والتوبہ والاستغفار باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن و علی الذکر۔

۴: مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔

ہم سب قیامت کے ڈر سے مسجد کی طرف بھاگ دوڑتے تھے۔[1]

یہ خوف قیامت ہی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام ﷺ پر وقائع اخروی کے ذکر سے رقت طاری ہو جاتی تھی بے ہوش ہو ہو جاتے تھے گر گر پڑتے تھے ایک بار دو صحابیوں میں وراثت کے متعلق نزاع پیدا ہوئی۔ گواہ کسی کے پاس نہ تھا دونوں صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا میں ایک آدمی ہوں ممکن ہے کہ تم میں کوئی نہایت چرب زبان اور طرار ہو اور میں اس کے موافق فیصلہ کر دوں لیکن اگر یہ اس کا حق نہیں ہے تو اس کو یقین کرنا چاہئے کہ میں نے اس کے گلے میں آگ کا ایک طوق لٹکا دیا ہے دونوں بزرگ آخرت کے خوف سے رونے لگے اور ہر ایک نے اپنا حق دوسرے کو دینا چاہا"۔[2]

جب یہ آیت نازل ہوئی۔

یا ایھا الناس اتقوا ربکم ان زلزلة الساعة شئی عظیم۔

لوگو اپنے خدا سے ڈرو کیونکہ قیامت کا زلزلہ ایک بڑی مصیبت ہوگی۔

تو آپ ﷺ نے صحابہ ﷺ کی طرف خطاب کر کے فرمایا جانتے ہو یہ کون سا دن ہے یہ وہ دن ہے جب خدا آدم سے کہے گا کہ آگ کی فوج بھیجو وہ کہیں گے خداوند آگ کی فوج کون ہے؟ خدا کہے گا ہزار میں نو سو ننانوے جہنم میں جھونکے جائیں گے اور جنت میں صرف ایک "تمام صحابہ ﷺ یہ سن کر بے اختیار رو پڑے"۔[3]

ایک بار شفیا الاصبحی مدینہ میں آئے دیکھا کہ ایک بزرگ کے سامنے بھیڑ لگی ہوئی ہے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا ابوہریرہ ﷺ پاس آئے اور جب لوگ ہٹ گئے تو کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان فرمایئے۔" فرمایا بیان کرتا ہوں یہ کہہ کر چیخے اور بے ہوش ہو گئے! افاقہ ہوا تو کہا ایک حدیث بیان کرتا ہوں جو اس گھر میں آپ ﷺ نے مجھی سے بیان فرمائی تھی پھر چلائے اور غشی طاری ہو گئی ہوش آیا تو منہ پوچھا اور پھر یہی الفاظ فرمائے پھر چلائے اور زمین پر گرنے لگے شفیا نے فوراً تھام لیا ہوش آیا تو فرمایا کہ "قیامت کے دن خدا بندوں کے فیصلے کیلئے اترے گا تو پہلے تین شخص طلب کئے جائیں گے ایک قاری ایک دولتمند ایک مجاہد خدا قاری سے پوچھے گا کیا ہم نے تجھ کو قرآن کی تعلیم نہیں دی؟ اس پر تو نے کیا عمل کیا۔ وہ کہے گا کہ میں نے رات دن اس کی تلاوت کی خدا کہے گا جھوٹ بکتے ہو تم نے یہ سب اس لئے کیا ہے کہ لوگ تم کو قاری کا خطاب دیں۔" دولت مند سے سوال ہوگا تو وہ کہے گا

۱: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ عند الظلمہ۔

۲: ابو داؤد کتاب القضیہ باب فی قضاء القاضی اذا اخطا۔

۳: ترمذی ابواب التفسیر القرآن، تفسیر سورۂ حج۔

کہ میں نے صلہ رحمی کی اور صدقہ دیا اور خدا کہے گا یہ جھوٹ ہے تم نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ لوگ تم کو فیاض کہیں مجاہد سے پوچھا جائے گا تو وہ کہے گا تو نے مجھ کو جہاد کا حکم دیا میں لڑا اور شہید ہوا خدا فرمائے گا یہ تو غلط ہے تمہارا صرف یہ مقصد تھا کہ لوگ تم کو بہادر کہیں ، یہ بیان کر کے رسول اللہ ﷺ نے میرے زانو پر ہاتھ مارا اور کہا کہ سب سے پہلے ان ہی پر جہنم کی آگ بھڑ کے گی شفیا نے مدینہ سے آکر حضرت امیر معاویہ ؓ سے یہ حدیث بیان کی تو وہ روتے روتے قریب بہلاکت ہو گئے۔[1]

صحابہ کرام ؓ کو ہر قسم کی دنیوی تکلیفیں قبول تھیں دنیوی مال و متاع کا قربان کر دینا منظور تھا لیکن عذاب اخروی گوارانہ تھا ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کی عیادت کی دیکھا کہ سوکھ کے قاق ہو گئے ہیں فرمایا کیا تم صحت کی دعا نہیں کرتے تھے "بولے میں یہ دعا کرتا تھا کہ اے خدا اگر تو مجھے عذاب اخروی دینا چاہتا ہے تو دنیا ہی میں دے دے۔"[2]

جب حضرت عمر ؓ زخمی ہوئے تو حضرت ابن عباس ؓ نے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں آپ ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کی حسن رفاقت کا حق ادا کیا اور وہ آپ ؓ سے راضی ہو گئے، پھر ابو بکر ؓ کی حسن رفاقت کا حق ادا کیا، اور وہ آپ ؓ سے راضی گئے، پھر ان کے اصحاب کی حسن رفاقت کا حق ادا کیا اور اگر آپ ؓ ان کو داغ جدائی دے کر گئے تو وہ آپ ؓ سے راضی رہیں گے، بولے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر ؓ کی حسن رفاقت اور ان کی رضامندی تو ایک احسان الٰہی تھا، یہ گھبراہٹ صرف تمہارے اور تمہارے اصحاب کیلئے ہے، خدا کی قسم اگر زمین کی سطح پر سونا بکھیر دیا جائے تو میں اس کو دے کر عذاب الٰہی سے بچنے کو ترجیح دوں گا،،[3] شدت خوف قیامت سے ان کو یہی غنیمت معلوم ہوتا تھا کہ وہ اگر جنت میں داخل نہیں ہو سکتے تو کم از کم عذاب دوزخ سے تو بچ جائیں، ایک بار انھوں نے ایک صحابی سے کہا کہ تمہیں یہ پسند ہے کہ ہم جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسلام لائے، ہجرت کی، جہاد کیا اور بہت سے نیک کام کئے ان سب کا ثواب تو ہم کو مل جائے لیکن آپ ﷺ کے بعد ہم نے جو نیک کام کئے تو اس کے بدلے میں صرف دوزخ سے بچ جائیں اور عذاب و ثواب برابر برابر ہو جائیں۔ بولے خدا کی قسم نہیں، ہم نے آپ ﷺ کے بعد بھی جہاد کیا، روزہ رکھا، نماز پڑھی بہت سے نیک کام کئے اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے، ہم کو ان اعمال سے بڑی بڑی توقعات ہیں ، حضرت عمر ؓ نے فرمایا"اس ذات کی

۱: ترمذی ابواب الزہد باب ما جاء فی الریاء والسمعۃ۔
۲: ترمذی ابواب الدعوات باب ما جاء فی عقد التسبیح بالید۔
۳: بخاری کتاب المناقب فضائل عمرؓ۔

قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے تو یہی غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کے بدلے عذاب سے بچ جائیں اور نیکی و بدی برابر سرابر ہو جائے"۔[۱]

خوف عذاب قبر

قبر سفر آخرت کی پہلی منزل ہے، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس منزل کو نہایت کٹھن سمجھتے تھے اور اسکے دشوار گذار اور پر خطر راستوں سے ہمیشہ لرزتے رہتے تھے، ایک بار رسول اللہ ﷺ نے قبر کی آزمائش اور امتحان پر خطبہ دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چیخ اٹھے۔[۲] حضرت عمرو ابن العاص کا انتقال ہونے لگا، تو وصیت کی کہ "مجھ کو دفن کرنا تو تھوڑی سی خاک ڈالنا، پھر قبر کے پاس اتنی دیر تک کھڑے رہنا کہ اونٹ ذبح کر دیے جائیں، اور ان کا گوشت تقسیم کر دیا جائے تاکہ تمہارے ساتھ انس قائم رہے اور اتنی دیر میں خدا کے قاصدوں (منکر نکیر) کا جواب سوچ لوں"۔[۳]

گریہ وبکا

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو موم کی طرح نرم و گذار کر دیا تھا، اس لیے جب، رسول اللہ ﷺ کے خطبات و مواعظ سنتے، قرآن مجید پڑھتے یا خشیت الٰہی کا موقع آتا تو ان پر رقت طاری ہو جاتی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑتے۔

ایک بار آپ ﷺ نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ "جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے بہت" تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بے اختیار منہ ڈھانک کر رونے لگے۔[۴]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی کے دل میں رائی برابر بھی غرور ہوگا تو وہ مرنے کے بعد دوزخ میں داخل ہوگا" حضرت عبداللہ بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے، آپ ﷺ نے فرمایا "کیوں روتے ہو؟" بولے "آپ ﷺ کا ارشاد سن کر" فرمایا تمہیں خوش خبری ہو کہ تم جنتی ہو"۔[۵]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید کی یہ آیت:

الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ،

"کیا ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ خدا کے ذکر پر ان کے دل

۱: بخاری باب ایام الجاہلیۃ۔
۲: نسائی کتاب الجنائز باب التعوذ من عذاب القبر۔
۳: مسلم کتاب الایمان باب کون الاسلام یہدم ما قبلہ وکذا لحج والہجرۃ۔
۴: بخاری کتاب التفسیر باب لا تسالوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤ کم۔
۵: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ ابن قیس انصاری۔

گداز ہوں"۔

پڑھتے تھے تو بے اختیار رو پڑتے تھے اور دیر تک روتے رہتے تھے۔[۱]

ایک بار انہوں نے حضرت عمیر ﷺ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا،

فکیف اذا جئن من کل امتہ بشھید۔

اس دن ان لوگوں کا کیا خیال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے۔

تو اس قدر روئے کہ داڑھی اور گریبان دونوں تر ہوگئے۔[۲]

حضرت سہیل بن عمرو ﷺ جب قرآن پڑھتے تھے تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔[۳]

تمام صحابہ ﷺ میں حضرت ابو بکر ﷺ نہایت رقیق القلب تھے ،وہ قرآن مجید پڑھتے تھے تو ان پر اس قدر اثر پڑتا تھا کہ بے اختیار رونے لگتے تھے۔[۴]

ایک بار حضرت عکرمہ ﷺ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ صحابہ ﷺ پر خوف الٰہی سے کبھی غشی بھی طاری ہوتی تھی، بولیں نہیں وہ صرف روتے تھے۔[۵]

الحب فی اللہ

اسلام ایک رشتہ اتحاد تھا جو صحابہ کرام ﷺ کو دور دور سے کھینچ کر لاتا تھا اور ایک دائمی محبت کے سلسلہ میں منسلک کر دیتا تھا مہاجرین وانصار دونوں کا خاندان الگ تھا، سلسلہ نسب الگ تھا طرز معاشرت الگ تھا لیکن یہ صرف اسلام کا تعلق تھا جس نے دونوں کو اس قدر متحد کر دیا کہ دونوں بھائی بھائی ہو گئے اور مال میں جائیداد میں وراثت میں ایک دوسرے کے شریک ہو گئے اسی کا نام حب فی اللہ ہے اور صحابہ کرام ﷺ کا ہر فرد اسی محبت کے نشہ میں چور تھا، ایک صحابی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میرے دو بھائی تھے اور میں ایک سے صرف خدا اور رسول کیلئے محبت اور دوسرے سے صرف خدا اور خدا کے رسول کیلئے بغض رکھتا تھا۔[۶]

حضرت مجاہد کا بیان ہے کہ ایک صحابی نے پیچھے سے میرا شانہ پکڑ کر کہا کہ "میں تم سے محبت رکھتا ہوں انھوں نے کہا کہ جس ذات خدا کیلئے تم مجھ سے محبت رکھتے ہو میں بھی اسی ذات کیلئے تم سے محبت رکھتا ہوں"۔[۷]

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ ۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمروؓ۔
۴: بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المسجد یکون فی الطریق من غیر ضرر بالناس۔
۵: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اسماءؓ۔
۶: اسد الغابہ تذکرہ حضرت خالد الاحدب حارثیؓ۔
۷: ادب المفرد باب اذا احب الرجل اخاہ فلیعلمہ۔

یہ حب فی اللہ ہی کا نتیجہ تھا کہ جو لوگ کوئی نیک کام کرتے تھے صحابہ کرام ﷺ کو ان سے محبت ہو جاتی تھی ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کا ذکر ہوا تو بولے تم نے ایسے شخص کا ذکر کیا کہ جب سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو اور ان میں سب سے پہلے عبداللہ بن مسعود ﷺ کا نام لیا اسی دن سے میں برابر ان کو محبوب رکھتا ہوں۔[1]

ایک بار قبیلہ بنو تمیم کا صدقہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میری قوم کا صدقہ ہے اور یہ لوگ دجال کے مقابلہ میں سب سے قوی تر ہیں، حضرت ابو ہریرہ ﷺ کا بیان ہے کہ عرب کے قبائل میں کوئی قبیلہ مجھے اس قبیلہ سے زیادہ مبغوض نہ تھا لیکن جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت یہ کلمات سنے وہ مجھے محبوب ہو گیا۔[2]

البغض فی اللہ

صحابہ کرام ﷺ ہمہ تن محبت تھے، اس لئے ان کے نزدیک بغض سے زیادہ کوئی چیز مبغوض نہ تھی تاہم خدا کے عشق میں انھوں نے دوسروں کی محبت کو بھلا دیا تھا وہ اگر محبت کرتے تھے تو خدا ہی کیلئے اور بغض رکھتے تھے تو خدا ہی کیلئے۔

بیٹا ہر شخص کو محبوب ہوتا ہے لیکن اگر وہ خدا سے محبت نہیں رکھتا تو اس سے کوئی عاشق خدا محبت نہیں رکھ سکتا، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ﷺ اسلام نہیں لاتے تھے اس لئے حضرت ابو بکر ﷺ نے قسم کھالی تھی کہ ان کو وراثت نہ دوں گا۔[3]

بی بی سب کو محبوب ہے لیکن خدا اور رسول کی محبت نے صحابہ ﷺ کیلئے ایسی محبوب چیز کو بھی مبغوض بنا دیا تھا، ایک صحابی کی بی بی (ام ولد) رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا کرتی تھی وہ اس کو بار بار سختی کے ساتھ منع کرتے تھے، لیکن وہ اس حرکت سے باز نہیں آتی تھی اسکے ساتھ ان کے تعلقات جس قسم کے تھے ان کو خود انھوں نے اس طرح بیان کیا ہے۔

لی منها ابنان معثل اللؤلؤتين و كانت بی رفيقته۔

اس سے میرے دو بچے موتی کی طرح تھے اور وہ میری ہمدم تھی۔

لیکن ایک بار رات کو وہ رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہہ رہی تھی انھوں نے سن لیا اور دفعتاً تمام تعلقات کو بھول گئے کلہاڑی اٹھائی اور اس کا پیٹ چاک کر دیا۔[4]

۱: مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۹۱۔
۲: ایضاً صفحہ ۳۹۰۔
۳: ابوداؤد کتاب الفرائض باب نسخ میراث العقد میراث الرحم۔
۴: ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی۔

حضرت ابن مکتوم ایک یہودیہ کے مہمان ہوئے وہ اگرچہ ان کی خاطر مدارات کرتی تھی لیکن خدا اور خدا کے رسول کو برا بھلا کہتی تھی اس لئے انھوں نے اس کو قتل کر ڈالا[1]

اعزہ احباب سے کس کو محبت نہیں ہوتی لیکن صحابہ کرام ؓ نے خدا کیلئے ان سب کی محبت کو خیر باد کہہ دیا تھا، اسیران بدر گرفتار ہو کر آئے اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ سے مشورہ لیا تو حضرت ابو بکر ؓ نے فدیہ لے کر رہا کرنے کا مشورہ دیا لیکن حضرت عمر ؓ نے کہا کہ ہم کو ان سب کی گردن مارنے کا اختیار عطا فرمایئے علی عقیل کی اور میں اپنے ایک عزیز کی گردن اڑادوں کیونکہ یہ لوگ ایمۃ الکفر ہیں۔[2]

مقامات مقدسہ کی زیارت

خانہ کعبہ کی طرح صحابہ کرام ؓ اور دوسرے مقامات مقدسہ کی زیارت سے بھی شرف اندوز ہوتے تھے۔

ایک بار ایک خاتون بیمار ہوئیں اور نذر مانی کہ اگر خدا شفادے گا تو بیت المقدس میں جاکر نماز پڑھوں گی صحت یاب ہوئیں تو سامان سفر تیار کیا رخصت ہونے کیلئے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں انھوں نے کہا مسجد نبوی ہی میں نماز پڑھ لو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری مسجد کی ایک نماز خانہ کعبہ کی مسجد کے سوا دوسری مساجد کی ہزاروں نمازوں سے بہتر ہے۔[3]

حضرت ابو جمعۃ انصاری ؓ بیت المقدس میں نماز ادا کرنے کیلئے آئے نماز ادا کر کے چلنے لگے تو لوگ پہنچانے آئے بولے مجھ پر تمہارا حق ہے اس کے بدلے میں ایک حدیث بیان کرتا ہوں۔[4]

کوہ طور تجلی گاہ نور الٰہی تھا اس لئے حضرت ابوہریرہ ؓ وہاں گئے اور اس پر نماز پڑھی، پلٹے تو حضرت ابو بصرہ ؓ سے ملاقات ہوگئی، انھوں نے کہا کہ اگر میں پہلے ملا ہوتا تو تم وہاں نہ جانے پاتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسجد نبوی، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے سوا قصد رحال نہیں کیا جاسکتا۔[5]

رسول اللہ ﷺ ہر سنیچر کو معمولاً قبا میں تشریف لے جایا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن

1: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابن مکتوم۔
2: مسلم کتاب الجہاد باب الامداد الملائکۃ فی غزوہ بدر واباحۃ الغنائم۔
3: مسلم کتاب الحج باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد المدینہ ومکہ۔
4: اصابہ تذکرہ حضرت ابو جمعہ انصاریؓ۔
5: مسند ابوداؤد وطیالسی صفحہ ۹۲ مسند ابو بصرہ غفاریؓ

عمر ﷺ نے بھی یہ التزام کر لیا تھا۔[1] ایک دن حضرت عبداللہ بن قیس بن مخرمہ ﷺ مسجد قبا کے پاس سے خچر پر سوار ہو کر نکلے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ پاپیادہ جا رہے ہیں خچر سے اتر کر کہا کہ چچا جان اس پر سوار ہو لیجئے بولے اگر سواری درکار ہوتی تو مل سکتی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ اس مسجد میں پاپیادہ آکر نماز پڑھا کرتے تھے اس لئے میں بھی پاپیادہ آنا پسند کرتا ہوں۔[2]

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے مسجد قبا تک پاپیادہ جانے کی نذر مانی تھی ابھی نذر پوری کرنے بھی نہ پائی تھیں کہ انتقال ہو گیا، حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ نے فتویٰ دیا کہ ان کی صاحبزادی نذر پوری کریں۔[3]

فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں جسمانی تکلیفیں اٹھانا

ہم ہر قسم کی آسانیاں حاصل ہیں تاہم مذہبی فرائض اعمال ادا نہیں کرتے لیکن صحابہ کرام ﷺ ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتے تھے اور فرائض اسلام کو بخوشی ادا کرتے تھے حضرت علی ﷺ کو اکثر مذی کے قطرے آجایا کرتے تھے اس لئے وہ عموماً نہاتے رہتے تھے جب بار بار کے نہانے سے ان کی پیٹھ پھٹ پھٹ گئی تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا اس کیلئے وضو کافی ہے۔[4]

رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز پڑھتے تھے تو دھوپ کی شدت سے زمین اس قدر گرم رہتی تھی کہ بعض صحابہ ﷺ مٹھی میں کنکریاں اٹھا کر اس کو ٹھنڈا کرتے تھے پھر سامنے رکھ کر اس پر سجدہ کرتے تھے حضرت زید بن ثابت ﷺ فرماتے ہیں کہ

كان رسول الله ﷺ يصلى الظهر بالهاجرة ولم يكن يصلى صلوة اشد على اصحاب رسول الله ﷺ منها۔[5]

رسول اللہ ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت ظہر پڑھتے تھے اور آپ ﷺ کی کوئی نماز صحابہ ﷺ پر ظہر سے زیادہ شاق اور سخت نہ تھی۔

ایک بار سورج گہن لگا تو رسول اللہ ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی اور قیام و قعود اور رکوع و سجود میں اس قدر دیر لگائی کہ بہت سے صحابہ ﷺ بے ہوش ہو گئے ان پر پانی کی

۱: مسلم کتاب الحج باب فضل مسجد قبا۔
۲: مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۱۹۔
۳: موطا امام محمد کتاب الایمان والنذور باب الرجل یحلف بالمشی الی بیت اللہ۔
۴: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی المذی۔
۵: ایضاً کتاب الصلوۃ باب فی وقت صلوۃ الظہر۔
۶: ایضاً کتاب الصلوۃ باب فی وقت العصر۔

مشکیں ڈالی گئیں۔[۱]

اسلام نے اگرچہ رہبانیت کو مٹادیا تاہم ذوق عبادت میں حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا برابر مصروف نماز رہتی تھیں اور جب تھک جاتی تھیں تو مسجد کے دونوں ستونوں میں ایک رسی باندھ رکھی تھی، اس سے لٹک جاتی تھیں تاکہ نیند نہ آنے پائے رسول اللہ ﷺ نے اسی رسی کو دیکھا تو فرمایا ان کو صرف اسی قدر نماز پڑھنی چاہئے جو ان کی طاقت میں ہو اگر تھک جائیں تو بیٹھ جانا چاہئے چنانچہ وہ رسی کھلوا کر پھنکوادی۔[۲]

شوق حصول ثواب

صحابہ کرام ﷺ کے تمام اعمال کا محور صرف ثواب آخرت تھا اسی کیلئے وہ طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے تھے اور اسی پر انھوں نے اپنے تمام عیش و آرام کو قربان کردیا تھا ایک صحابی کا گھر مسجد سے بہت دور تھا لیکن ان کی کوئی جماعت قضا نہیں ہوتی تھی ایک صحابی نے ان سے کہا کہ کاش آپ ایک گدھا خرید لیتے جس پر دن کی دھوپ اور رات کی اندھیری میں سوار ہو کر شریک نماز ہوتے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں سرے سے یہی نہیں پسند کرتا کہ میرا گھر مسجد کے پہلو میں ہو رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ آیا تو آپ ﷺ نے وجہ پوچھی بولے کہ میرا مقصد یہ ہے کہ میری طویل آمدورفت داخل حسنات ہو آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا خدا نے تم کو یہ سب دے دیا ہے۔[۳]

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مسجد کی طرف جو قدم اٹھتا ہے اس پر ثواب ملتا ہے اس لئے صحابہ کرام ﷺ نماز کو آتے تھے تو قدم قریب قریب رکھتے تھے کہ نقش قدم کی تعداد بڑھ جائے اور اس پر ثواب ملے۔[۴]

حضرت مالک بن عبداللہ ﷺ نے حضرت حبیب بن مسلمہ ﷺ کو دیکھا کہ گھوڑا ساتھ ہے اور خود پاپیادہ جارہے ہیں۔ بولے جب خدا نے سواری دی ہے تو سوار کیوں نہیں ہو لیتے۔" بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا کی راہ میں جس شخص کے پاؤں غبار آلود ہو جائیں خدا اس کو آگ پر حرام کردیتا ہے۔[۵] یعنی پیدل اس لئے چلتا ہوں کہ پاؤں میں مٹی لگ جائے تاکہ اس بشارت سے مجھ کو بھی حصہ ملے۔"

۱: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ للکسوف۔
۲: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التطوع و رکعات السنۃ باب النعاس فی الصلوٰۃ۔
۳: ابوداؤد باب ماجاء فی فضل المشی الی الصلوٰۃ۔
۴: نسائی کتاب الامام باب المحافظۃ علی الصلوٰۃ حیث ینادی بہن۔
۵: مسند دارمی فی فضل اغبار فی سبیل اللہ۔

ایک روز حضرت جابر ؓ سخت دھوپ میں پاپیادہ اپنے خچر کو ہانکتے ہوئے جا رہے تھے راستہ میں فوج سے ملاقات ہو گئی تو اس کے سپہ سالار نے کہا خدا نے آپ کو سواری دی ہے پھر سوار کیوں نہیں ہو لیتے۔" بولے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس شخص کے پاؤں خدا کی راہ میں غبار آلود ہو جائیں اللہ تعالیٰ اس کو آگ پر حرام کر دیتا ہے یہ سن کر تمام فوج گھوڑے سے اتر گئی۔[1]

پابندی نذر و قسم

ہم لوگ ہر وقت قسمیں کھایا کرتے ہیں اور ہم کو محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کس قدر ذمہ داری کا کام ہے لیکن صحابہ کرام ؓ بہت کم قسم کھاتے تھے اور جس بات پر قسم کھا لیتے تھے اس کو پورا کرتے تھے ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سے ناراض ہو گئیں اور قسم کھالی کہ اب ان سے کبھی بات چیت نہ کریں گی لیکن جب حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے دوسرے صحابہ ؓ کی سفارش پہنچائی تو رو کر کہنے لگیں۔

انی نذرت و النذر شدید۔

میں نے نذر مان لی ہے اور نذر کا معاملہ نہایت سخت ہے۔

بالآخر اصرار و سفارش سے معاف کر دیا اور کفارہ قسم میں ۴۰ غلام آزاد کئے۔[2]

حضرت عمر ؓ خلافت کے کاروبار میں مشغول رہتے تھے اس لئے اپنے دربان کو حکم دیا تھا کہ اگر وہ کوئی قسم کھالیں اور معروفیت کی وجہ سے اس کو پورا نہ کر سکیں تو وہ ان کی طرف سے کفارے میں دس فقیر کو پانچ صاع گیہوں دے دے۔[3] یعنی ہر فقیر کو نصف صاع۔

حضرت کردم ؓ نے کوہ بوانہ پر پچاس بکریوں کے ذبح کرنے کی نذر مانی تھی رسول اللہ ﷺ سے اس کے ایفاء کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہاں کوئی بت تو نصب نہیں ہے بولے نہیں اب آپ ﷺ نے نذر پوری کرنے کی اجازت دے دی انھوں نے بکریاں جمع کیں اور ان کو ذبح کرنے لگے سوءِ اتفاق سے ایک بکری بھاگ گئی وہ اس کی جستجو میں نکلے تو یہ کہتے جاتے تھے کہ خداوندا میری نذر پوری کر چنانچہ جب اس بکری کو پکڑ کر ذبح کر لیا تو ان کو تسکین ہوئی۔[4]

اسلام نے اگرچہ رہبانیت کو ناجائز قرار دیا تھا تاہم بعض صحابہ ؓ ناواقفیت کی وجہ سے

۱: مسند ابوداؤد طیالسی صفحہ ۲۴۳ ۱۷۷۲ افراد عن جابر۔
۲: بخاری کتاب الادب باب الحجرۃ۔
۳: مؤطائے امام محمد کتاب الایمان والنذور وادنی ما یجزی فی کفارۃ الیمین۔
۴: طبقات ابن سعد ذکرہ حضرت میمونہ بنت کردم۔

نہایت تکلیف دہ نذریں مانتے تھے اور ان کو پورا کرتے تھے ایک بوڑھے صحابی نے پاپیادہ حج کرنے کی نذر مانی اور اس کو پورا کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا ایک اور صحابیہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی قسم کی نذر مانی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی۔[1]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ کھڑے ہوئے ہیں دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ انھوں نے یہ نذر مانی ہے کہ نہ بیٹھیں گے نہ سائے میں کھڑے ہوں گے نہ کسی سے بولیں گے اور روزہ رکھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ یہ سب چھوڑ دیں اور صرف روزے کو پورا کریں۔[2]

۱: بخاری کتاب الحج باب من نذر المشی الی الکعبۃ۔

۲: بخاری کتاب النذور باب النذر فیما لا یملک و فی معصیۃ۔

تبجیل الرسول

برکت اندوزی

صحابہ کرام ﷢ مختلف طریقوں سے رسول اللہ ﷺ کی ذات سے برکت اندوز ہوتے رہتے، مثلاً بچے بیمار پڑتے یا پیدا ہوتے تو ان کو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کرتے آپ ﷺ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس کے منہ میں ڈالتے اور اس کیلئے برکت کی دعا فرماتے۔ حضرت سائب بن یزید ﷜ کہتے ہیں کہ میں بیمار پڑا تو میری خالہ مجھ کو آپ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں۔ آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائے برکت کی اس کے بعد آپ ﷺ نے وضو کیا تو میں نے آپ ﷺ کے وضو کا پانی پیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷜ کے لڑکا پیدا ہوا تو آپ ﷺ کی خدمت میں لائے آپ ﷺ نے اس کا نام رکھا اپنے منہ میں کھجور ڈال کے اس کے منہ میں ڈالی اور اس کو برکت کی دعا دی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ﷜ پیدا ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ان کو لے کر آئیں اور آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا ، آپ ﷺ نے کھجور منگا کر چبائی اور اس کو ان کے منہ میں ڈال دیا پھر برکت کی دعا کی آپ ﷺ بعض بچوں کے منہ میں کلی کر دیتے بعض کے منہ میں لعاب دہن ڈال دیتے اور بعض کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے۔[1]

حضرت زہرہ ابن معبد ﷜ ایک صحابی تھے بچپن ہی میں ان کی والدہ ان کو آپ ﷺ کی خدمت میں لائیں اور کہا کہ "اس سے بیعت لیجئے آپ ﷺ نے فرمایا ابھی بچہ ہے یہ کہہ کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی چنانچہ جب ان کو لے کر ان کے دادا غلہ خریدنے کیلئے بازار جاتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر ﷜ اور حضرت ابن زبیر ﷜ سے ملاقات ہوتی تھی تو کہتے تھے کہ ہم کو بھی شریک کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تم کو برکت کی دعا دی ہے[2] حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

و نو فردداعی الصحابة علی احضار او لادھم ان النبی ﷺ لالتماس برکته۔
یعنی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے برکت حاصل کرنے کیلئے

1: بخاری کتاب الدعوات باب الدعاء للصبیان بالبرکة و مسح رؤسھم و کتاب العقیقه باب تسمیته المولود غداة یولد لمن لم یعق عنه و تحنیکه۔

2: بخاری کتاب الشرکة باالشرکة فی الطعام۔

صحابہ کرام ؓ کو آپ ﷺ کی خدمت میں اپنی اولاد کے حاضر کرنے کا بڑا شوق تھا۔
نماز فجر کے بعد صحابہ کرام ؓ کے ملازم برتنوں میں پانی لے کر حاضر ہوتے آپ ﷺ ان میں دست مبارک ڈال دیتے وہ متبرک ہو جاتا۔[۱]
جب پھل پختہ ہوتے تو پہلا پھل آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے آپ ﷺ برکت کی دعا فرماتے اور سب سے چھوٹا بچہ جو موجود ہوتا اس کو دے دیتے[۲] آپ ﷺ کے وضو کا بچا کھچا پانی صحابہ ؓ کیلئے آب حیات تھا جس پر وہ جان دیتے تھے ایک بار حضرت بلال ؓ نے آپ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی نکالا تو تمام صحابہ ؓ نے اس کو جھپٹ لیا۔[۳]
ایک دن آپ ﷺ نے وضو کیا پانی بچ گیا تو تمام صحابہ ؓ نے اس کو لے کر جسم پر مل لیا[۴] ایک بار آپ ﷺ سر منڈوار ہے تھے صحابہ کرام ؓ نے آپ ﷺ کو گھیر لیا۔ حجام سر مونڈتا جاتا تھا اور صحابہ ؓ اوپر ہی اوپر سے بالوں کو اچک لینا چاہتے تھے۔[۵]
ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو محذورہ ؓ کی پیشانی پر ہاتھ پھیر دیا اس کے بعد انھوں نے عمر بھر نہ سر کے آگے کے بال کٹوائے نہ مانگ نکالی۔[۶] بلکہ اس کو بطور متبرک یادگار کے قائم رکھا۔
آپ ﷺ جب صحابہ کرام ؓ کے مکان پر تشریف لاتے تو وہ آپ ﷺ سے برکت حاصل کرنے کی درخواست کرتے ایک بار آپ ﷺ ایک صحابی کے گھر پر تشریف لائے انھوں نے دعوت کی جب چلنے لگے تو گھوڑے کی باگ پکڑ کر عرض کی کہ "میرے لئے دعا فرمایئے آپ ﷺ نے دعا برکت و دعائے مغفرت فرمائی۔"[۷]
ایک بار آپ ﷺ حضرت سعد ؓ کے گھر تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا انھوں نے آہستہ سے جواب دیا ان کے صاحبزادے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو اذن نہیں دیتے۔" بولے چپ رہو مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ ہم پر بار بار سلام کریں آپ ﷺ نے دوبارہ سلام کیا پھر اسی قسم کا جواب ملا تیسری بار سلام کر کے آپ ﷺ واپس چلے تو

۱: مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبی من الناس و تبرکہم بہ۔
۲: سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب اذا اتی باول الثمرۃ، و ترمذی کتاب الدعوات باب ما یقول اذا رای الباکورۃ من الثمر۔
۳: نسائی کتاب الطہارۃ باب الانتفاع بفضل الوضو۔
۴: بخاری کتاب الوضو، باب استعمال فضل وضوء الناس۔
۵: مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبی علیہ السلام و تبرکہم بہ۔
۶: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب کیف الاذان۔
۷: ایضاً کتاب الاشربہ باب فی النفخ فی الشراب۔

حضرت سعد ﷜ پیچھے پیچھے دوڑے ہوئے آئے اور کہا کہ میں آپ ﷺ کا سلام سنتا تھا لیکن جواب اس لئے آہستہ سے دیتا تھا کہ آپ ﷺ ہم پر متعدد بار سلام کریں۔[1]

محافظت یادگار رسول ﷺ

صحابہ کرام ﷢ کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کی اکثر یادگاریں محفوظ تھیں جن کو وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور ان سے برکت حاصل کرتے تھے حضرت علی بن حسین ﷜ کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ حضرت امام حسین ﷜ کی شہادت کے زمانے میں یزید کے دربار سے پلٹ کر مدینہ میں آئے تو حضرت مسور بن مخرمہ ﷜ ملے اور مجھ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار مجھے دے دو ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ اس کو چھین لیں خدا کی قسم اگر تم نے مجھے یہ تلوار دی تو جب تک جسم میں جان باقی ہے کوئی شخص اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکتا۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ ﷺ کا ایک جبہ محفوظ تھا جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کو لے لیا اور محفوظ رکھا چنانچہ جب ان کے خاندان میں کوئی شخص بیمار ہوتا تھا تو شفاء حاصل کرنے کیلئے دھو کر اس کا پانی پلاتی تھیں۔[3]

بہت سے صحابہ ﷢ ان یادگاروں کو زاد آخرت سمجھتے تھے اور ان کو بعد مرگ بھی اپنے پاس سے جدا کرنا پسند نہیں کرتے تھے جب آپ ﷺ حضرت انس ﷜ کے گھر تشریف لاتے تھے تو ان کی والدہ آپ ﷺ کے پسینہ کو ایک شیشی میں بھر کر اپنی خوشبو میں ملا دیتی تھیں چنانچہ جب حضرت انس ﷜ نے انتقال کیا تو وصیت کی کہ یہ خوشبو ان کے حنوط میں شامل کی جائے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ آپ ﷺ کے بال کو بھی شیشی میں بھر لیتی تھیں لیکن حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں پہلے تو ایک بے جوڑ چیز سمجھا ہے لیکن اس کے بعد لکھا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک اس سے وہ بال مراد ہیں جو کنگھی کرنے میں آپ ﷺ کے سر سے جھڑ جاتے تھے پھر حضرت انس ﷜ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب منیٰ میں اپنے بال مونڈوائے تو حضرت ابو طلحہ ﷜ نے آپ ﷺ کے بال لے لئے اور ان کو حضرت انس ﷜ کی والدہ کے حوالے کیا جن کو انھوں نے اپنی خوشبو میں شامل کر لیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس خوشبو میں یہ بال شامل تھے اسی میں وہ

۱: ایضاً کتاب الادب باب کم دۃ یسلم الرجل فی الاستیذان۔
۲: ابوداؤد کتاب النکاح باب مایکرہ ان تجمع بینھن من النساء۔
۳: مسند ابن حنبل ج۶ ص ۳۴۸۔

پسینے کو بھی شامل کر لیتی تھیں۔[۱]

غزوہ خیبر میں آپ ﷺ نے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کو خود دست مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا وہ اس کی اس قدر قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے۔[۲]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آپ ﷺ کی ایک قمیص ایک تہبند ایک چادر اور چند موئے مبارک تھے انھوں نے وفات کے وقت وصیت کی کہ یہ کپڑے کفن میں لگائے جائیں اور موئے مبارک منہ اور ناک میں بھر دیے جائیں۔[۳]

رسول اللہ ﷺ نے جن کپڑوں میں انتقال فرمایا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو محفوظ رکھا تھا چنانچہ ایک دن انھوں نے ایک صحابی کو ایک یمنی تہ بند اور ایک کمبل دکھا کر کہا کہ خدا کی قسم آپ ﷺ نے ان ہی کپڑوں میں انتقال فرمایا تھا۔[۴]

ایک صحابی کو آپ ﷺ نے سیاہ ریشم کا ایک عمامہ عطا فرمایا تھا انھوں نے اس کو محفوظ رکھا تھا اور اس پر فخر کیا کرتے تھے چنانچہ ایک بار بخارا میں خچر پر سوار ہو کر نکلے تو عمامہ دکھا کر کہا کہ اس کو رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو عنایت فرمایا تھا۔[۵]

آپ ﷺ کے چند بال حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بطور یادگار کے محفوظ رکھے تھے اور جب کوئی شخص بیمار ہوتا تھا تو ایک برتن میں پانی بھر کر بھیج دیتا تھا اور وہ اس میں بالوں کو دھو کر واپس کر دیتی تھیں جس کو وہ شفا حاصل کرنے کیلئے پی جاتا تھا یا اس سے غسل کر لیتا تھا۔[۶]

خلفاء ان یادگاروں کی نہایت عزت کرتے تھے اور ان سے برکت اندوز ہوتے تھے ایک بار آپ ﷺ نے کسی عجمی بادشاہ کے نام خط لکھنا چاہا تو لوگوں نے کہا کہ جب تک خط پر مہر نہ ہو اہل عجم اس کو نہیں پڑھتے، اس لئے آپ ﷺ نے ایک چاندی کی انگوٹھی تیار کروائی جس کے نگینہ پر محمد رسول اللہ کندہ تھا اس انگوٹھی کو خلفائے ثلاثہ نے محفوظ رکھا تھا اخیر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کنویں میں گر پڑی انھوں نے تمام کنویں کا پانی انچوا ڈالا لیکن

۱: بخاری کتاب الاستیذان باب من زار قوما فقال عندہم۔
۲: مسند احمد ابن حنبل ج ۶ ص ۳۸۰۔
۳: زہبۃ الابرار تذکرہ حضرت معاویہؓ۔
۴: ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر۔
۵: ایضاً باب ماجاء فی الخز۔
۶: بخاری کتاب اللباس باب ما یذکر فی الشیب مع فتح الباری۔

یہ گوہر نایاب نہ مل سکا۔[۱]

حضرت کعب بن زبیر ﷛ کے قصیدے کے صلے میں رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی چادر عنایت فرمائی تھی یہ چادر امیر معاویہ ﷛ نے ان کے صاحبزادے سے خرید لی، اور ان کے بعد تمام خلفا، عیدین میں وہی چادر اوڑھ کر نکلتے تھے۔[۲]

آپ ﷺ جس پیالے میں پانی پیتے تھے وہ حضرت انس بن مالک ﷛ کے پاس محفوظ تھا، ایک بار وہ ٹوٹ گیا تو انھوں نے اس کو چاندی کے تار سے جڑوایا۔ اس میں ایک لوہے کا حلقہ بھی لگا ہوا تھا لیکن بعد کو حضرت انس ﷛ نے اس میں سونے یا چاندی کا حلقہ لگوانا چاہا لیکن حضرت طلحہ نے منع کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کام کیا ہے اس تغیر نہیں کرنا چاہئے آپ ﷺ کے دو اور پیالے حضرت سہل ﷛ اور حضرت عبداللہ بن سلام ﷛ کے پاس محفوظ تھے۔[۳]

ایک دن آپ ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لائے گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا آپ ﷺ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے مشکیزے کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار کے رکھ لیا۔[۴]

آپ ﷺ حضرت شفاء بنت عبداللہ کے یہاں کبھی کبھی قیلولہ فرماتے تھے اس غرض سے انھوں نے آپ ﷺ کیلئے ایک خاص بستر اور ایک خاص تہبند بنوالیا تھا جس کو پہن کر آپ ﷺ استراحت فرماتے تھے یہ یادگاریں ایک مدت تک ان کے پاس محفوظ رہیں اخیر میں مروان نے ان سے لے لیا۔[۵]

ان یادگاروں کے علاوہ صحابہ کرام ﷡ آپ ﷺ کی ہر چیز کو یادگار سمجھتے تھے اور لوگوں کو اس کی زیارت کرواتے تھے حضرت نافع کا بیان ہے کہ مجھ کو حضرت عبداللہ بن عمر ﷛ نے مسجد میں وہ جگہ دکھائی جہاں آپ ﷺ معتکف ہوتے تھے۔[۶]

ادب رسول ﷺ

صحابہ کرام ﷡ جس طرح رسول اللہ ﷺ ادب و احترام کرتے تھے اس کا اظہار سینکڑوں طریقہ سے ہوتا تھا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو دربار نبوت کے ادب و

۱: ابوداؤد اول کتاب الخاتم۔
۲: اصابہ تذکرہ حضرت کعب بن زبیر۔
۳: بخاری کتاب الاشربہ باب الشرب من قدح النبیؐ۔
۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیمؓ۔
۵: اسد الغابہ تذکرہ حضرت شفاء بنت عبداللہ۔
۶: ابوداؤد کتاب الصیام باب این یکون الاعتکاف۔

عظمت کے لحاظ سے خاص طور پر کپڑے زیب تن کر لیتے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ،

جمعت علی ثیابی حین امسیت فاتیت رسول اللہ ﷺ ۔[1]

شام ہوئی تو میں نے تمام کپڑے پہن لئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔

بغیر طہارت کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور آپ ﷺ سے مصافحہ کرنا گوارانہ کرتے مدینہ کے کسی راستے میں آپ ﷺ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا سامنا ہو گیا ان کو نہانے کی ضرورت تھی گوارانہ کیا کہ اس حالت میں آپ ﷺ کے سامنے آئیں اس لئے آپ ﷺ کو دیکھا تو کترا گئے اور غسل کر کے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ "ابوہریرہ کہاں تھے؟" بولے "میں پاک نہ تھا اس لئے آپ ﷺ کے پاس بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا۔"[2]

آپ ﷺ کے سامنے بیٹھتے تو فرط ادب سے تصویر بن جاتے احادیث میں اسی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے

کانما علی رؤسهم الطیر

یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے سامنے اس طرح بیٹھتے تھے گویا ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہے۔[3]

گھر میں بچے پیدا ہوتے تو ادب سے ان کا نام محمد نہ رکھتے ایک دفعہ ایک صحابی کے گھر میں بچہ پیدا ہوا تو انھوں نے محمد نام رکھا لیکن ان کی قوم نے کہا ہم نہ یہ نام رکھنے دیں گے نہ اس کنیت سے تم کو پکاریں گے تم اس کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کر لو وہ بچے کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا کہ میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت نہ اختیار کرو۔[4]

اگر راستے میں کبھی ساتھ ہو جاتا تو ادب سے آپ ﷺ کے سواری پر سوار ہونا پسند نہ کرتے ایک بار حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا خچر ہانک رہے تھے آپ ﷺ نے کہا سوار کیوں نہیں ہو لیتے لیکن انھوں نے اس کو بڑی بات سمجھا کہ آپ ﷺ کے خچر پر سوار ہوں تاہم امتثالاً للامر تھوڑی دور تک سوار ہو لئے۔[5]

۱: ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی عدۃ الحامل۔
۲: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الجنب یصافح۔
۳: ابوداؤد اول کتاب الطب باب الرجل یتداوی۔
۴: مسلم کتاب الآداب باب النهی عن الکنی بابی القاسم وبیان ما یستحب من الاسماء۔
۵: نسائی کتاب الاستعاذۃ صفحہ ۸۰۳۔

فرط ادب سے کسی بات میں آپ ﷺ سے تقدم یا مسابقت گوارا نہ کرتے آپ ﷺ غزوہ تبوک کے سفر میں قضائے حاجت کیلئے صحابہ ؓ سے الگ ہوگئے نماز فجر کا وقت آگیا تو صحابہ ؓ نے آپ ﷺ کے آنے سے پیشتر ہی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کی امامت میں نماز شروع کردی آپ ﷺ پہنچے تو ایک رکعت نماز ہو چکی تھی اس لئے آپ ﷺ دوسری رکعت میں شریک ہوئے نماز ہو چکی تھی تو تمام صحابہ ؓ نے اس کو بے ادبی بلکہ گناہ خیال کیا اور سب کے سب (بطور استغفار) کے سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم نے اچھا کیا۔[1]

ایک بار آپ ﷺ کسی نزاع چکانے کیلئے قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں گئے نماز کا وقت آگیا تو موذن حضرت ابو بکر ؓ کی خدمت میں آیا کہ نماز پڑھا دیجئے وہ نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ ﷺ آکر شریک جماعت ہوگئے لوگوں نے تالیاں بجانا شروع کیں حضرت ابو بکر ؓ اگر چہ نماز میں کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے تاہم جب لوگوں نے مسلسل تالیاں بجائیں تو مڑ کر دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں آپ ﷺ نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر قائم رہو انھوں نے پہلے تو خدا کا شکر کیا کہ آپ ﷺ نے ان کی امامت کو پسند فرمایا۔ پھر پیچھے ہٹ آئے اور آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ جب میں نے حکم دیا تو تم کیوں اپنی جگہ سے ہٹ آئے۔ بولے کہ ابن قحافہ ؓ کا یہ منہ نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے آگے نماز پڑھائے۔[2]

ایک بار آپ ﷺ پیدل جا رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک صحابی گدھے پر سوار آئے، آپ ﷺ کو پیدل دیکھا تو خود فرط ادب سے پیچھے ہٹ گئے اور آپ ﷺ کو آگے سوار کرنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا تم آگے بیٹھنے کے زیادہ مستحق ہو البتہ اگر تمہاری اجازت ہو تو میں آگے بیٹھ سکتا ہوں۔[3]

اگر کبھی آپ ﷺ کے ساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہوتا تو جب تک آپ ﷺ کھانا شروع نہ کرتے تمام صحابہ ؓ فرط ادب سے کھانے میں ہاتھ نہ ڈالتے۔[4]

ادب کے مارے آپ ﷺ سے آگے چلنا پسند نہیں کرتے ایک سفر میں حضرت ابن عمر ؓ ایک سرکش اونٹ پر سوار تھے جو رسول اللہ سے آگے نکل نکل جاتا تھا حضرت عمر ؓ

۱: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب مسح علی الخفین۔
۲: ایضاً کتاب الصلوٰۃ باب التصفیق فی الصلوٰۃ۔
۳: ابوداؤد کتاب الجہاد باب رب الدابۃ احق بصدر رھا۔
۴: ایضاً کتاب الاطعمہ باب التسمیۃ علی الطعام۔

نے ان کو ڈانٹا کہ کوئی آپ ﷺ سے آگے نہ بڑھنے پائے۔[1]

کسی چیز میں آپ ﷺ کے مقابلہ کی جرات نہ کرتے ایک بار چند صحابہ رضی اللہ عنہم جو قبیلہ اسلم سے تعلق رکھتے تھے باہم تیر اندازی میں مقابلہ کر رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا اے بنو اسمٰعیل تیر پھینکو، کیونکہ تمہارا باپ تیر انداز تھا اور میں فلاں قبیلہ کے ساتھ ہوں دوسرے گروہ کے لوگ فوراً رک گئے آپ ﷺ نے پوچھا کہ تیر کیوں نہیں پھینکتے بولے اب کیونکر مقابلہ کریں جب کہ آپ ﷺ ان کے ساتھ ہیں فرمایا تیر پھینکو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔[2] حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ اس لئے رک گئے کہ اگر وہ اپنے فریق پر غالب آگئے درانحالیکہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ ہیں تو آپ ﷺ بھی مغلوب ہو جائیں گے اس لئے انھوں نے ادب سے مقابلہ ہی کرنا چھوڑ دیا۔

اس ادب و احترام کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ ﷺ کی نسبت کسی قسم کی سوءادبی گوارا نہ کرتے آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوایوب انصاری کے مکان میں قیام فرمایا اور آپ ﷺ نیچے کے حصے میں اور ان کے اہل عیال اوپر کے حصے میں رہنے لگے۔ ایک رات حضرت ابوایوب انصاری بیدار ہوئے تو کہا کہ "ہم اور رسول اللہ ﷺ کے اوپر چلیں پھریں اس خیال سے تمام اہل و عیال کو ایک کونے میں کر دیا صبح کو آپ ﷺ کی خدمت میں گزارش کی کہ آپ ﷺ اوپر قیام فرمائیں ارشاد ہوا کہ نیچے کا حصہ ہمارے لئے زیادہ موزوں ہے بولے کہ جس چھت کے نیچے آپ ﷺ ہوں ہم اس پر نہیں چڑھ سکتے مجبوراً آپ ﷺ کو بالا خانہ پر قیام کرنا پڑا۔[3]

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے سن میں بڑے تھے لیکن ان کو فرط ادب سے یہ گوارا نہ تھا کہ ان کو آپ ﷺ سے بڑا کہا جائے ایک بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی سے پوچھا آپ ﷺ بڑے ہیں یا رسول اللہ بولے بڑے تو رسول اللہ ﷺ ہیں البتہ میں آپ ﷺ سے پہلے پیدا ہوا تھا۔[4]

اگر نادانستگی میں بھی آپ ﷺ کی شان میں کوئی گستاخانہ کلمہ نکل جاتا تو اس کی معافی چاہتے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کا بچہ مر گیا تھا اور وہ اس پر رو رہی تھیں آپ ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا "خدا سے ڈرو اور صبر کرو۔" بولیں "تمہیں میری مصیبت کی کیا پروا ہے"۔ آپ ﷺ

۱: بخاری کتاب الہبہ باب من اہدی لہ ہدیہ و عندہ جلسہ، فہو احق بہا۔
۲: ایضاً کتاب الجہاد باب التحریض علی الرمی۔
۳: مسلم کتاب الاشربہ باب اباحۃ اکل الثوم و انہ ینبغی لمن اراد خطاب الکبائر ترکہ و کذا فی معناہ۔
۴: ترمذی ابواب المناقب عن رسول اللہ صلعم باب ما جاء فی میلاد النبی۔

چلے گئے تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تھے دوڑی ہوئی آئیں اور عرض کی کہ "میں نے حضور ﷺ کو نہیں پہچانا تھا"۔[1]

اگر کسی دوسرے شخص کے متعلق آپ ﷺ کی نسبت گستاخی کا خیال ہوتا تو صحابہ کرام ﷺ سخت برہم ہوتے ایک بار حضرت ابو بکر ﷺ کاشانہ نبوت میں آئے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باآواز بلند بول رہی ہیں فوراً طمانچہ اٹھایا اور کہا کہ اب کبھی آپ ﷺ کے سامنے آواز بلند نہ ہونے پائے۔[2]

آپ ﷺ پر ایک شخص کا کچھ قرض آتا تھا اس نے گستاخانہ طریقے سے تقاضا کیا تو تمام صحابہ ﷺ اس پر ٹوٹ پڑے بالآخر خود آپ ﷺ نے بیچ بچاؤ کیا۔[3]

ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے ایک بدو آیا اور وحشیانہ لہجہ میں باآواز بلند پکارا یا محمد یا محمد صحابہ کرام ﷺ نے کہا "ہیں، ہیں یہ کیا؟ یہ منع ہے"۔[4]

ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ انصار کے خاندانوں میں سب سے افضل بنو نجار ہیں پھر بنو عبدالاشہل پھر بنو حرث بن خزرج، پھر بنو ساعدہ ان کے علاوہ انصار کے تمام خاندان اچھے ہیں حضرت سعد ﷺ بن عبادہ قبیلہ بنو ساعدہ سے تھے ان کو جب معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے ان کے قبیلہ کو چوتھے نمبر پر رکھا تو ان کو کسی قدر ناگوار ہوا بولے میرے گدھے پر زین کسو میں خود رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق گفتگو کروں گا لیکن ان کے بھتیجے حضرت سہل ﷺ نے کہا کیا آپ رسول اللہ ﷺ کی تردید کیلئے جاتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ وجوہ فضیلت کے سب سے زیادہ عالم ہیں یہ کیا کم ہے کہ آپ کا چوتھا نمبر ہے۔[5]

صلح حدیبیہ کے بعد کافروں اور مسلمانوں میں اختلاط ہو گیا حضرت سلمہ ﷺ آئے اور ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے چار مشرک بھی اس جگہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہنا شروع کیا ان کو گوارا نہ ہو سکا اٹھ گئے دوسری جگہ چلے گئے اور چاروں مشرک بھی ہتھیار کو لٹکا کر سو رہے ،اسی حالت میں شور ہوا کہ ابن زنیم قتل کر دیا گیا حضرت سلمہ ﷺ نے موقع پا کر تلوار میان سے کھینچ لی اور چاروں پر حالت خواب میں حملہ کر کے ان کے تمام ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا اور کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو عزت دی تم میں سے جو شخص سر اٹھائے

۱: ابوداؤد کتاب الجنائز باب الصبر عند الصدمہ۔
۲: ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح۔
۳: ابن ماجہ ابواب الصدقات بالصاحب الحق سلطان۔
۴: ترمذی کتاب الدعوات باب ماجاء فی فضل التوبہ الاستغفار وماذکر من رحمتہ اللہ العبادہ۔
۵: مسلم کتاب الافضائل باب فی خیر دور الانصار۔

گا اس کا دماغ پاش پاش کر دیا جائے گا۔[1]

ایک شخص کا نام محمد تھا، حضرت عمر ﷺ نے دیکھا کہ ایک آدمی ان کو گالیاں دے رہا ہے بلا کر کہا کہ دیکھو تمہاری وجہ سے محمد کو گالی دی جارہی ہیں اب تادم مرگ تم اس نام سے پکارے نہیں جا سکتے، چنانچہ اسی وقت ان کا نام عبدالرحمن رکھ دیا، پھر بنو طلحہ کے پاس پیغام بھیجا کہ جو لوگ اس نام کے ہوں سب کے نام بدل دیے جائیں اتفاق سے وہ لوگ سات آدمی تھے اور ان کے سردار کا نام محمد تھا لیکن انھوں نے کہا خود رسول اللہ ﷺ نے میرا نام محمد رکھا ہے بولے اب میرا اس پر کچھ زور نہیں چل سکتا۔[2]

چھوٹے چھوٹے بچے بھی اگر آپ ﷺ کے ساتھ کسی قسم کی گستاخی کرتے تو صحابہ کرام ﷺ ان کو ڈانٹ دیتے، حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا اپنے باپ کے ساتھ حاضر خدمت ہوئیں، اور بچپن کی وجہ سے خاتم النبوہ ﷺ سے کھیلنے لگیں ان کے والد نے ڈانٹا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کھیلنے دو۔[3]

جو چیزیں شان نبوت کے خلاف ہوتیں صحابہ کرام ﷺ آپ ﷺ کے سامنے ان کے ذکر تک کو سوء ادبی سمجھتے، آپ ﷺ نے جب عمرہ قضا ادا فرمایا تو حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ آپ ﷺ کے آگے آگے اشعار پڑھتے چلے تھے حضرت عمر ﷺ نے سنا تو فرمایا رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور حدود حرم کے اندر شعر پڑھتے ہو لیکن آپ ﷺ نے خود اس کو مستحسن خیال فرمایا۔[4]

ایک دفعہ کچھ لوگوں نے جمعہ کے دن آپ ﷺ کے منبر کے سامنے شور و غل کرنا شروع کیا حضرت عمر ﷺ نے ڈانٹا کہ آپ ﷺ کے منبر کے سامنے آواز اونچی نہ کرو۔[5]

یہ تعظیم یہ ادب یہ عزت آپ ﷺ کی زندگی ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرام ﷺ آپ ﷺ کا اسی طرح ادب کرتے تھے آپ ﷺ کے وصال کے بعد قبر کے متعلق اختلاف ہوا کہ لحد کھودی جائے یا صندوق اس پر لوگوں نے شور و غل کرنا شروع کیا حضرت عمر نے فرمایا آپ ﷺ کے سامنے موت و حیات دونوں حالتوں میں شور و شغب نہ کرو۔[6]

۱: مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذی قرد وغیرہا۔ ۲: مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۲۱۶۔

۳: بخاری کتاب الجہاد باب من تکلم بالفارسیۃ والرطانۃ۔

۴: نسائی کتاب المناسک انشاد الشعر فی الحرم والمشی بین یدی الامام ترمذی میں ہے کہ اشعار حضرت کعب بن مالک نے پڑھے تھے اور یہی صحیح بھی ہے۔

۵: مسلم کتاب الامارۃ فضل الشہادۃ فی سبیل اللہ تعالیٰ۔

۶: سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی الشق۔

صحابہ کرام ﷢ کے ادب واحترام کا منظر صلح حدیبیہ میں عروہ کو نظر آیا تو وہ سخت متاثر ہوا اس نے صلح کے متعلق آپ ﷺ سے گفتگو کی تو عرب کے طریقے کے مطابق ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن جب ہاتھ بڑھاتا تھا حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷜ تلوار کے ذریعہ سے روک دیتے تھے اس واقعہ سے عروہ کو اس طرف توجہ ہوگئی اور اس نے صحابہ ﷢ کے طرز عمل کو بغور دیکھنا شروع کیا تو اس پر یہ اثر پڑا کہ پلٹا تو کفار سے بیان کیا کہ میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن محمد ﷺ کے اصحاب جس قدر محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں اس قدر کسی بادشاہ کے رفقاء نہیں کرتے اگر وہ تھوکتے ہیں تو ان لوگوں کے ہاتھ میں ان کا تھوک گرتا ہے اور وہ اپنے جسم و چہرہ پر اس کو مل لیتے ہیں اگر وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص مسابقت کرنا چاہتا ہے اگر وہ وضو کرتے ہیں تو وہ لوگ بچے کھچے پانی کیلئے باہم لڑتے ہیں اگر ان کے سامنے بولتے ہیں تو ان کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں اور ان کی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے۔[1]

جان نثاری

صلح حدیبیہ میں جب عروہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں آپ ﷺ کے سامنے ایسے چہرے اور مخلوط آدمی دیکھتا ہوں جو آپ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے تو حضرت ابوبکر ﷜ کے دل پر اس طنز آمیز فقرہ نے نشتر کا کام دیا اور انھوں نے برہم ہوکے کہا "ہم اور آپ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ یہ ایک قول تھا جس کی تائید ہر موقع پر صحابہ کرام ﷢ نے اپنے عمل سے کی۔[2]

ابتدائے اسلام میں ایک بار آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط آیا اور آپ ﷺ کا گلا گھونٹنا چاہا حضرت ابوبکر ﷜ نے اس کو ڈھکیل دیا اور کہا کہ "ایک آدمی کو صرف اس لئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا خدا اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے خدا کی جانب سے دلائل لے کر آیا ہے۔[3]

ہجرت کے بعد آپ ﷺ اور بھی خطرات میں مبتلا ہوگئے تھے کفار کے علاوہ اب منافقین اور یہود نئے دشمن پیدا ہوگئے تھے جن کا رات دن ڈر لگا رہتا تھا اس لئے آپ ﷺ کو اکثر پاسبانی کی ضرورت ہوتی تھی اور صحابہ کرام ﷢ آپ ﷺ کی حفاظت کیلئے اپنے آپ کو ان تمام خطرات میں ڈال دیتے تھے، چنانچہ ابتدائے ہجرت میں آپ ﷺ ایک شب بیدار

1: بخاری الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل العرب۔
2: ایضاً۔
3: بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ۔

ہوئے تو فرمایا "کاش آج کی رات کوئی صالح بندہ میری حفاظت کرتا تھوڑی دیر کے بعد ہتھیار کی جھنجناہٹ کی آواز آئی آپ ﷺ نے آواز سن کر فرمایا کون جواب ملا میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرمایا کیوں آئے بولے میرے دل میں آپ ﷺ کی نسبت خوف پیدا ہوا اس لئے حفاظت کیلئے حاضر ہوا۔[1]

ان خطرات کی وجہ سے اگر آپ ﷺ تھوڑی دیر کیلئے بھی آنکھ سے اوجھل ہو جاتے تھے تو جان نثاروں کے دل دھڑکنے لگتے تھے آپ ﷺ ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حلقہ میں رونق افروز تھے کسی ضرورت سے اٹھے تو پلٹنے میں دیر ہوگئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا گئے کہ خدانخواستہ دشمنوں کی طرف سے کوئی چشم زخم تو نہیں پہنچا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسی پریشانی کی حالت میں گھبرا کر آپ ﷺ کی جستجو میں انصار کے ایک باغ میں پہنچے دروازہ ڈھونڈا تو نہیں ملا دیوار میں پانی کی ایک نالی نظر آئی اس میں گھس کر آپ ﷺ تک پہنچے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی پریشانیوں کی داستان سنائی۔[2]

غزوات میں یہ خطرات اور بھی بڑھ جاتے تھے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جان نثاری میں اور بھی ترقی ہو جاتی تھی۔

غزوہ غزوات الرقاع میں ایک صحابی نے ایک مشرک کی بی بی کو گرفتار کیا۔ اس نے انتقام لینے کیلئے قسم کھائی کہ جب تک اصحاب محمد ﷺ میں کسی صحابی کے خون سے زمین کو رنگین نہ کراوں گا چین نہ لوں گا اس لئے جب آپ ﷺ واپس ہوئے تو اس نے تعاقب کیا آپ ﷺ منزل پر فروکش ہوئے تو دریافت فرمایا کہ کون میری حراست کی ذمہ داری اپنے سر لے گا۔

مہاجرین وانصار دونوں میں سے ایک ایک بہادر اس شرف کے حاصل کرنے کیلئے اٹھے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ گھاٹی کے دہانے پر جا کر متمکن ہو جائیں کہ وہی کفار کا کمین گاہ ہو سکتا تھا دونوں بزرگ وہاں پہنچے تو مہاجر بزرگ سو گئے اور انصاری نے نماز پڑھنا شروع کر دی مشرک آیا اور فوراً تاڑ گیا کہ یہ محافظ اور نگہبان ہیں تین تیر مارے اور تینوں کے تینوں ان کے جسم میں ترازو ہو گئے لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔[3]

آپ ﷺ غزوہ حنین کیلئے نکلے تو ایک صحابی نے شام کے وقت خبر دی کہ میں نے آگے جا کر پہاڑ کے اوپر سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ قبیلہ ہوازن کے زن ومرد چارپایوں اور مویشیوں کو لے کر امنڈ آئے ہیں آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ آج میری پاسبانی کون کرے گا؟

1: ترمذی کتاب الفضائل مناقب سعد بن ابی وقاص۔
2: مسلم کتاب الایمان باب ما تقی اللہ من الایمان وھو غیر شاک فیہ دخل الجنۃ وحرم علی النار۔
3: ابوداؤد کتاب الطہارۃ، باب الوضوء من الدم۔

حضرت انس بن ابی مرثد غنوی ﷺ نے کہا "میں یارسول اللہ ﷺ !" ارشاد ہوا کہ سوار ہو جاؤ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تو فرمایا کہ اس گھاٹی کے اوپر چڑھ جاؤ، آپ ﷺ نماز فجر کیلئے اٹھے تو صحابہ ﷺ سے فرمایا کہ تمہیں اپنے شہ سوار کی بھی خبر ہے۔" صحابہ ﷺ نے عرض کیا ہمیں تو کچھ خبر نہیں جماعت قائم ہوئی تو آپ ﷺ نماز پڑھاتے جاتے تھے اور مڑ مڑ کے گھاٹی کی طرف دیکھتے جاتے تھے نماز ادا کر چکے تو فرمایا لو مبارک تمہارا شہ سوار آ گیا۔ صحابہ ﷺ نے گھاٹی کے درختوں کے درمیان سے دیکھا تو وہ آ پہنچے اور خدمت مبارک میں حاضر ہو کر سلام کیا اور کہا کہ میں گھاٹی کے بلند ترین حصے پر جہاں آپ ﷺ نے مامور فرمایا تھا چڑھ گیا صبح کو دونوں گھاٹیاں بھی دیکھیں تو ایک متنفس بھی نظر نہ آیا آپ ﷺ نے فرمایا کبھی نیچے بھی اترے تھے۔ بولے صرف نماز اور قضائے حاجت کیلئے ارشاد ہوا تم کو جنت مل چکی اس کے بعد اگر کوئی عمل نہ کرو تو کوئی حرج نہیں"۔[1]

ایک غزوہ میں صحابہ کرام ﷺ نے ایک ٹیلے پر قیام فرمایا اس شدت سے سردی پڑی کہ بعض لوگوں نے زمین میں گڑھا کھودا اور اس کے اندر گھس کر اوپر سے ڈھال ڈال لی۔ آپ ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ "آج کی شب میری حفاظت کون کرے گا؟ میں اس کو دعا دوں گا"۔ ایک انصاری نے کہا کہ "میں یارسول اللہ ﷺ !" آپ ﷺ نے قریب بلا کر ان کا نام پوچھا اور دیر تک دعا دیتے رہے حضرت ابوریحانہ ﷺ نے یہ دعا سنی تو کہا کہ میں دوسرا نگہبان بنوں گا۔ آپ ﷺ نے قریب بلا کر نام پوچھا اور ان کو بھی دعا دی۔[2]

غزوہ بدر میں جب آپ ﷺ نے کفار کے مقابلہ کیلئے صحابہ کرام ﷺ کو طلب کیا تو حضرت مقداد ﷺ بولے ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح کہہ دیں۔

فَاذْهَبْ أَنْتَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا

تم اور تمہارا خدا دونوں جاؤ اور لڑو

بلکہ ہم آپ ﷺ کے دائیں سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے لڑیں گے آپ ﷺ نے یہ جان نثارانہ فقرے سنے تو چہرہ مبارک فرط مسرت سے چمک اٹھا۔[3]

صحابہ کرام ﷺ کے جان نثارانہ جذبات کا ظہور سب سے زیادہ غزوہ احد میں ہوا چنانچہ اس غزوہ میں کسی مقام پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف نو صحابہ ﷺ جن میں سات انصاری اور دو قریشی تھے (یعنی حضرت طلحہ ﷺ اور حضرت سعد ﷺ) رہ گئے، اس حالت

۱: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی فضل الحرس فی سبیل اللہ عزوجل۔
۲: مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۳۴۔
۳: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ بدر۔

میں کفار آپ ﷺ پر دفعتہً ٹوٹ پڑے تو آپ ﷺ نے ان جان نثاروں کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ ان اشقیا کو کون میرے پاس سے ہٹا سکتا ہے ایک انصاری فوراً آگے بڑھے اور لڑ کر آپ ﷺ پر قربان ہو گئے اسی طرح کفار برابر آپ ﷺ پر حملہ کرتے جاتے اور آپ ﷺ بار بار پکارتے جاتے تھے اور ایک ایک انصاری بڑھ کر آپ ﷺ پر اپنی جان قربان کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ ساتوں بزرگ شہید ہو گئے۔[1]

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی جان نثاری کا وقت آیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سامنے آپ ﷺ نے خود اپنا ترکش بکھیر دیا اور فرمایا کہ تیر پھینکو میرے ماں باپ تم پر قربان حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سپر لے کر آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور تیر چلانے لگے اور اس شدت سے تیر اندازی کی کہ دو تین کمانیں ٹوٹ گئیں اگر آپ ﷺ گردن اٹھا کر کفار کی طرف دیکھتے تھے تو وہ کہتے تھے میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں گردن اٹھا کر نہ دیکھئے مبادا کوئی تیر نہ لگ جائے میرا سینہ آپ ﷺ کے سینہ کے سامنے ہے۔[2]

اس غزوہ میں حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ کی جان نثاری کا حال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ دائیں بائیں جس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے ان کی تلوار چمکتی ہوئی نظر آتی تھی آپ ﷺ پر غشی طاری ہوئی تو انھوں نے اپنے آپ کو آپ ﷺ کی سپر بنالیا یہاں تک کہ اسی حالت میں شہید ہوئے۔[3]

اس غزوہ میں آپ ﷺ نے ایک صحابی کو حضرت سعد بن ربیع انصاری کی تلاش میں روانہ فرمایا وہ لاشوں کے درمیان ان کو ڈھونڈنے لگے ، تو حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ خود بول اٹھے کیا کام ہے؟ جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمہارا ہی پتہ لگانے کیلئے بھیجا ہے بولے جاؤ آپ ﷺ کی خدمت میں میرا سلام عرض کردو اور کہو کہ مجھے نیزے کے بارہ زخم لگے ہیں اور اپنے قبیلہ میں اعلان کردو کہ اگر رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے اور ان میں ایک متنفس بھی زندہ رہا تو خدا کے نزدیک ان کا کوئی عذر قابل سماعت نہ ہوگا۔[4]

نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی آپ ﷺ کی جان نثاری کی آرزو رکھتی تھیں حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور اپنی ماں اروی بنت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ تم نے جس شخص کی مدد کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا اگر مردوں کی طرح ہم بھی استطاعت رکھتے تو آپ ﷺ کی حفاظت کرتے اور آپ کی طرف سے لڑتے۔[5]

۱: صحیح مسلم باب غزوۂ احد۔ ۲: بخاری باب غزوۂ احد۔
۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت شماسؓ بن عثمان۔ ۴: موطا امام مالک کتاب الجہاد باب الترغیب فی الجہاد۔
۵: استیعاب تذکرہ حضرت طلیب بن عمیرؓ۔

خدمت رسول ﷺ

صحابہ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا شرف خیال کرتے تھے اس لئے متعدد بزرگوں نے اپنے آپ کو آپ ﷺ کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا حضرت بلال ؓ نے ابتدائے بعثت ہی سے آپ ﷺ کی خانہ داری کے تمام کاروبار کا انتظام اپنے ذمے لے لیا تھا اور اس کیلئے طرح طرح کی ذلتیں اور تکلیفیں برداشت کرتے تھے لیکن آپ ﷺ کے شرف خدمت کا چھوڑنا کبھی گوارا نہیں کرتے تھے آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کوئی غریب مسلمان خدمت مبارک میں حاضر ہوتا اور اس کے بدن پر کپڑے نہ ہوتے تو آپ ﷺ حضرت بلال ؓ کو حکم دیتے اور قرض دام لے کر اس کی خوراک و لباس کا انتظام کرتے ایک بار کسی مشرک سے اس غرض کیلئے قرض لیا لیکن ایک دن اس نے دیکھا تو نہایت سخت لہجے میں کہا او حبشی تجھے معلوم ہے کہ اب مہینے میں کتنے دن رہ گئے ہیں۔ صرف چار دن اسی عرصہ میں قرض وصول کرلوں گا ورنہ جس طرح تو پہلے بکریاں چرایا کرتا تھا اسی طرح بکریاں چرواؤں گا حضرت بلال ؓ کو اس سے سخت رنج ہوا عشاء کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ مشرک نے مجھے یہ کچھ کہا ہے آپ ﷺ کے پاس اور نیز میرے پاس قرض کے ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں۔

اور وہ مجھے ذلیل کر رہا ہے فرمایئے تو جب تک قرض نہ ادا ہو جائے مسلمان قبائل میں بھاگ کر پناہ لوں گھر واپس آئے تو بھاگنے کا تمام سامان بھی کر لیا لیکن رزاق عالم نے صبح تک خود قرض کے ادا کرنے کا سامان کر دیا۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو یہ شرف حاصل تھا کہ جب آپ ﷺ کہیں جاتے تو وہ پہلے آپ ﷺ کو جوتیاں پہناتے پھر آگے آگے عصا لے کر چلتے۔ آپ ﷺ مجلس میں بیٹھنا چاہتے تو آپ ﷺ کے پاؤں سے جوتیاں نکالتے پھر آپ ﷺ کو عصا دیتے آپ ﷺ اٹھتے تو پھر اسی طرح جوتیاں پہناتے آگے آگے عصا لے کر چلتے اور حجرہ مبارک تک پہنچا جاتے آپ ﷺ نہاتے تو پردہ کرتے آپ ﷺ سوتے تو بیدار کرتے آپ ﷺ سفر میں جاتے تو آپ ﷺ کا بچھونا، مسواک، جوتا اور وضو کا پانی ان کے ساتھ ہوتا اس لئے وہ صاحب سواد رسول اللہ ﷺ یعنی آپ ﷺ کے میر سامان کہے جاتے تھے۔[2]

حضرت ربیعہ اسلمی ؓ بھی شب و روز آپ ﷺ کی خدمت میں مصروف رہتے جب

۱: ابوداؤد کتاب الخراج باب فی الامام تقبل هدايا المشركين۔
۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔

آپ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر کاشانہ نبوت میں تشریف لے جاتے تو وہ دروازہ پر بیٹھ جاتے کہ مبادہ آپ ﷺ کو کوئی ضرورت پیش آجائے ایک بار انھوں نے آپ ﷺ کو تاہل اختیار کرنے کا مشورہ دیا بولے یہ تعلق آپ ﷺ کی خدمت گزاری میں خلل انداز ہوگا جس کو میں پسند نہیں کرتا لیکن آپ ﷺ کے بار بار کے اصرار سے شادی کرنے پر مجبور ہو گئے۔[۳]

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے مستقل خدمت گزار تھے ان کا کام یہ تھا کہ سفر میں آپ ﷺ کی اونٹنی کو ہانکتے ہوئے چلتے تھے۔[۴]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بچپن ہی سے ان کی والدہ نے آپ ﷺ کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔

حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں جنہوں نے اس استقلال کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت کی کہ ان کو خادمہ رسول اللہ کا لقب حاصل ہوا۔[۵] حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا کی والدہ کے غلام تھے انھوں نے ان کو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا کہ وہ اپنی عمر آپ ﷺ کی خدمت گزاری میں صرف کر دیں انھوں نے کہا کہ اگر آپ یہ شرط نہ بھی کرتیں تب بھی میں تا نفس واپسیں آپ ﷺ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوتا۔[۱]

ان بزرگوں کے علاوہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم اکثر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ان کو بھی عموماً شرف خدمت حاصل ہوتا رہتا تھا ایک بار آپ ﷺ رفع حاجت کیلئے بیٹھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے پانی کا کوزہ لے کر کھڑے رہے آپ ﷺ نے پوچھا کہ "عمر کیا ہے؟" بولے کہ "وضو کا پانی"، فرمایا کہ "ہر وقت اس کی ضرورت نہیں"۔[۵]

حضرت ابوہریرہ کو جو ہمیشہ خدمت مبارک میں حاضر رہتے تھے اکثر یہ شرف حاصل ہوتا کہ جب آپ ﷺ رفع ضرورت کیلئے تشریف لے جاتے تو وہ کسی طشت یا کوزہ میں پانی لاتے اور آپ ﷺ وضو کرتے۔[۶]

ایک بار حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا حضرت لبابہ رضی اللہ عنہا

۳: مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۵۸، ۵۹۔
۴: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب شہر رمضان باب فی المعوذتین۔
۵: ابوداؤد کتاب الطب باب الحجامۃ۔
۱: ابوداؤد کتاب الاعتق باب العتق علی الشرط۔
۲: ایضاً کتاب الطہارۃ باب فی الاستبراء۔
۶: ایضاً کتاب الطہارۃ باب الرجل یدلک یدہ بالارض اذا استنجیٰ۔

نے کہا کہ آپ ﷺ دوسرا کپڑا پہن لیں اور اپنا تہ بند مجھے عنایت فرمائیں کہ میں دھولاؤں ارشاد ہوا کہ بچے کے پیشاب پر صرف پانی چھڑک دینا کافی ہے۔

حضرت ابوالسمح رضی اللہ عنہ ہمیشہ آپ ﷺ کی خدمت میں مصروف رہتے تھے چنانچہ جب آپ ﷺ غسل فرماتے تو وہ پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو جاتے اور آپ ﷺ ان کی آڑ میں نہا لیتے ایک بار امام حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے سینے پر پیشاب کر دیا انھوں نے سینہ مبارک کو دھونا چاہا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ لڑکے کے پیشاب پر صرف پانی چھڑک دینا چاہیے[1]

جب آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں رمی جمرہ کرنا چاہی تو خدام بارگاہ میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساتھ ساتھ تھے ایک کے ہاتھ میں ناقہ کی نکیل تھی اور دوسرے بزرگ آپ ﷺ کے سر پر اپنا کپڑا تانے ہوئے چلتے تھے کہ آفتاب کی شعاعیں چہرہ مبارک کو گرم نگاہوں سے نہ دیکھنے پائیں۔[2]

محبت رسول ﷺ

حدیث شریف میں ہے۔

لایومن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک میں تم کو تمہارے باپ لڑکے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں تم لوگ مومن نہیں کہے جا سکتے۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایمان کا یہی درجہ کمال حاصل تھا چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد جب غزوہ احد کی شرکت کیلئے روانہ ہونے لگے تو بیٹے سے کہا کہ میں ضرور شہید ہوں گا اور رسول اللہ ﷺ کے سوا مجھ کو تم سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے تم میرا قرض ادا کرنا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک کرنا۔[3] اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بھی مختلف طریقوں سے آپ ﷺ کی محبت کا اظہار کرتے تھے۔

ایک بار ایک صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جوش محبت میں آپ ﷺ کی قمیص الٹ دی اسکے اندر گھس گئے آپ ﷺ کو چوما اور آپ ﷺ سے لپٹ گئے۔[4]

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک شگفتہ مزاج صحابی تھے ایک روز وہ ہنسی مذاق کی باتیں

۱: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب بول الصبی یصیب الثوب۔
۲: ابوداؤد کتاب المناسک باب فی المحرم یظلل۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام۔
۴: ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب ما لا یجوز منعہ۔

کررہے تھے کہ آپ ﷺ نے ان کے پہلو میں ایک چھڑی سے کونچ دیا انھوں نے اس کا انتقام لینا چاہا آپ ﷺ اس پر راضی ہوگئے لیکن انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ کے بدن پر قمیص ہے حالانکہ میں برہنہ تھا آپ ﷺ نے قمیص بھی اٹھادی قمیص کا اٹھانا تھا کہ وہ آپ ﷺ سے لپٹ گئے پہلو چومے اور کہا یارسول اللہ ﷺ یہی مقصود تھا۔

جب آپ ﷺ کی خدمت میں وفد عبدالقیس حاضر ہوا تو سواری سے اترتے کیساتھ ہی سب کے سب دوڑے اور آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔[۱] حضرت کردم رضی اللہ عنہ نے حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کی زیارت کی تو آپ ﷺ کے قدم لئے اور آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا اور آپ ﷺ کی باتیں سنتے رہے۔[۲] حضرت زاہر رضی اللہ عنہ ایک بدوی صحابی تھے جو رسول اللہ ﷺ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ آپ ﷺ بھی ان سے محبت رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "زاہر ہمارے بدوی ہیں اور ہم انکے شہری ہیں"۔ ایک دن وہ اپنا سودا فروخت کررہے تھے آپ ﷺ نے پیچھے سے آکر انکو گود میں لے لیا، انھوں نے کہا کون ہے؟ چھوڑدو لیکن مڑ کر دیکھا اور معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ہیں تو اپنی پشت کو بار بار آپ ﷺ کے سینہ سے چمٹاتے تھے اور تسکین نہیں ہوتی تھی۔[۳]

عرب میں یہ خیال تھا کہ اگر کسی کے پاؤں سو جائیں اور وہ اپنے محبوب کو یاد کرے تو یہ کیفیت زائل ہو جاتی ہے ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں سوگئے تو کسی نے کہا اپنے محبوب کو یاد کرلو بولے یا محمد ﷺ۔[۴]

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں وہ جب آپ ﷺ کا ذکر کرتیں تو فرط مسرت سے کہتیں "بابا، یعنی میرے باپ آپ ﷺ پر قربان"۔[۵]

عزت اور محبت کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے آرام اور آسائش کا نہایت خیال رکھتے تھے اور آپ ﷺ کی کسی قسم کی تکلیف گوارا نہیں کرتے تھے۔

آپ ﷺ ایک سفر میں تھے جس میں ایک صحابی نہایت اہتمام کے ساتھ آپ ﷺ کیلئے پانی ٹھنڈا کرتے تھے۔[۶]

۱: ابوداؤد کتاب الادب باب فی اقبلہ الجد۔
۲: ایضاً کتاب النکاح باب فی تزوج لم یولد۔
۳: شمائل ترمذی باب ماجاء فی صفۃ مزاح رسول اللہ صلعم۔
۴: ادب المفرد باب مایقول الرجل اذا خدرت رجلہ۔
۵: نسائی کتاب الحیض باشہود الحیض العیدین و دعوۃ المسلمین۔
۶: کتاب الزہد باب حدیث جابر الطویل۔

ایک عورت تھی جو ہمیشہ مسجد نبوی ﷺ میں جھاڑو دیا کرتی تھی اس کا انتقال ہو گیا تو صحابہ کرام ﷺ نے اس کو دفن کر دیا اور آپ ﷺ کو اطلاع نہ دی آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی۔ بولے حضور ﷺ روزے سے تھے اور قیلولہ فرما رہے تھے، ہم نے تکلیف دینا گوارا نہ کیا۔ اسی طرح ایک اور صحابی کا انتقال ہو گیا تو صحابہ ﷺ نے آپ ﷺ کو خبر نہ کی اور کہا کہ اندھیری رات تھی حضور ﷺ کو زحمت ہوتی۔[1]

آپ ﷺ کو جو چیز محبوب ہوتی وہ آپ ﷺ کی محبت کی وجہ سے صحابہ کرام ﷺ کو بھی محبوب ہو جاتی کدو آپ ﷺ کو نہایت مرغوب تھا۔ اس لئے حضرت انس ﷺ بن مالک بھی اس کو نہایت پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک روز کدو کھا رہے تھے تو خود بخود بول اٹھے اے درخت اس بنا پر کہ رسول اللہ ﷺ کو تجھ سے محبت تھی تو مجھے کس قدر محبوب ہے۔[2]

آپ ﷺ کی محبت نے صحابہ کرام ﷺ کے نزدیک آپ ﷺ کی ہر چیز کو محبوب بنا دیا تھا آپ ﷺ کا معمول تھا کہ ہر کام کی ابتدا اپنے جانب سے فرماتے ایک بار حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ آپ ﷺ کے دائیں اور حضرت خالد بن ولید بائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے حضرت میمونہ دودھ لائیں تو آپ ﷺ نے پی کر حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے فرمایا کہ حق تو تمہارا ہے لیکن اگر ایثار کرو تو خالد کو دے سکتے ہو بولے کہ میں آپ ﷺ کا جھوٹا کسی کو نہیں دے سکتا۔[3]

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے پانی یا دودھ پی کر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کو عنایت فرمایا بولیں میں اگرچہ روزے سے ہوں لیکن آپ ﷺ کا جھوٹا واپس کرنا پسند نہیں کرتی۔[4]

ایک بار ایک صحابی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے آپ ﷺ کھانا کھا رہے تھے ان کو بھی شریک کرنا چاہا وہ روزے سے تھے اس لئے ان کو افسوس ہوا کہ ہائے رسول اللہ ﷺ کا کھانا نہ کھایا۔[5]

محبت کی وجہ سے آپ ﷺ کو رنج ہوتا تو تمام صحابہ ﷺ کو بھی رنج ہوتا آپ ﷺ کو خوشی ہوتی تو تمام صحابہ ﷺ بھی اس میں شریک ہوتے آپ ﷺ نے ایک مہینے کیلئے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے علیحدگی اختیار کر لی تو تمام صحابہ ﷺ نے مسجد میں آکر گریہ

۱: سنن ابن ماجہ باب کتاب الجنائز باب ما جاء فی الصلوٰۃ علی القبر۔
۲: ترمذی کتاب الطعمہ باب ما جاء فی اکل الدباء۔
۳: ترمذی ابواب الدعوات باب ما یقول اذا اکل طعاماً۔
۴: مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۴۳۔
۵: سنن ابن ماجہ کتاب الطعمہ باب [illegible] الطعام۔

وزاری شروع کر دی۔[۱]

آپ ﷺ نے جب مرض الموت میں حضرت ابو بکر ؓ کو امام بنانا چاہا تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ وہ رقیق القلب آدمی ہیں جب آپ ﷺ کو نہ دیکھیں گے تو خود روئیں گے اور تمام صحابہ ؓ بھی۔[۲] حضرت عمر بن الجموع ایک فیاض صحابی تھے ان کو آپ ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ جب آپ ﷺ نکاح کرتے تو وہ آپ ﷺ کی جانب سے دعوت ولیمہ کرتے۔[۳]

آپ ﷺ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو صحابیات رضی اللہ عنہن فرط محبت سے آپ ﷺ کی واپسی اور سلامتی کیلئے نذریں مانتی تھیں۔ ایک بار آپ ﷺ کسی غزوہ سے واپس آئے تو ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا (اجاریۃ سورہ) نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا آپ ﷺ کو صحیح و سالم واپس لائیگا تو آپ ﷺ کے سامنے دف بجا بجا کے گاؤں گی۔[۴]

آپ ﷺ عموماً فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے صحابہ کرام ؓ کے سامنے آپ ﷺ کی خانگی زندگی کا یہ منظر آجاتا تو فرط محبت سے آبدیدہ ہو جاتے ایک بار حضرت عمر ؓ کاشانہ نبوت میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی بستر نہیں ہے جسم مبارک پر تہبند کے سوا کچھ نہیں پہلو میں بدھیاں پڑ گئی ہیں توشہ خانہ میں مٹھی بھر جو کے سوا اور کچھ نہیں آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل آئے ارشاد ہوا کہ عمر ؓ کیوں روتے ہو؟ کیوں نہ روؤں؟ آپ ﷺ کی یہ حالت ہے اور قیصر و کسری دنیا کے مزے اڑا رہے ہیں فرمایا کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہمارے لئے آخرت اور ان کیلئے دنیا ہو۔[۵]

آپ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام ؓ کو جب آپ ﷺ کی یہ حالت یاد آتی تھی تو آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے تھے ایک بار حضرت ابو ہریرہ کے سامنے چپاتیاں آئیں تو دیکھ کر رو پڑے کہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے چپاتی نہیں دیکھی۔[۶]

ایک دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے دوستوں کو گوشت روٹی کھلایا تو رو پڑے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال بھی ہو گیا اور آپ ﷺ نے پیٹ بھر جو کی روٹی کبھی نہیں کھائی۔[۷]

اگر آپ ﷺ کسی چیز سے متمتع نہ ہو سکتے تو صحابہ کرام ؓ اس سے متمتع ہونا پسند نہ کرتے آپ ﷺ کا وصال ہوا تو آپ ﷺ کے کفن کیلئے ایک حلہ خریدا گیا لیکن بعد کو آپ

۱: مسلم کتاب الرضاع باب فی الایلا اور اعتزال النساء۔
۲: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی صلوٰۃ الرسول صلعم فی مرضہ۔
۳: اصابہ جلد ۴ ۲۹۶ تذکرہ حضرت عمروؓ بن الجموع۔
۴: ترمذی کتاب المناقب مناقب ابی الحفص عمر بن الخطاب۔
۵: مسلم کتاب الرضاع باب فی الایلا اور اعتزال النساء و تخییر ہیں۔
۶: سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب الرقاق۔ ۷: ترمذی باب ماجاء فی عیش النبی صلعم۔

ﷺ دوسرے کپڑوں میں کفنائے گئے اور یہ حلہ حضرت عبداللہ بن ابی بکر نے اس خیال سے لے لیا کہ اسکو اپنے کفن کیلئے محفوظ رکھیں گے لیکن پھر کہا کہ جب خدا کی مرضی نہ ہوئی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا کفن ہو تو میرا کیوں ہو یہ کہ کر اسکو فروخت کر کے اسکی قیمت صدقہ کر دی۔[1]

غزوہ تبوک سخت گرمیوں کے زمانہ میں واقع ہوا تھا حضرت ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔

جو اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے تھے ایک دن وہ گھر میں آئے تو دیکھا کہ بیویوں نے ان کی آسائش کیلئے نہایت سامان کیا ہے بالا خانے پر چھڑکاؤ کیا ہے پانی سرد کیا ہے عمدہ کھانا تیار کیا ہے لیکن وہ یہ تمام سامان عیش دیکھ کر بولے رسول اللہ ﷺ اس لو اور گرمی میں کھلے ہوئے میدان میں ہوں اور ابو خیثمہ سایہ سرد پانی عمدہ غذا اور خوبصورت عورتوں کے ساتھ لطف اٹھائے خدا کی قسم یہ انصاف نہیں ہے میں ہرگز بالا خانہ پر نہ آؤں گا چنانچہ اسی وقت زاد راہ لیا اور تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔[2]

وصال کے بعد آپ ﷺ یاد آتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم بے اختیار رو پڑتے ایک دن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جمعرات کا دن اور جمعرات کا دن کس قدر سخت تھا اس کے بعد اس قدر روئے کہ زمین کی کنکریاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا جمعرات کا دن کیا۔ بولے اسی دن آپ ﷺ کے مرض الموت میں اشتداد ہوا تھا۔[3]

آپ ﷺ کی مبارک صحبتوں کی یاد آتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے ایک بار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ انصار کی ایک مجلس میں گئے تو دیکھا کہ سب لوگ رو رہے ہیں سبب پوچھا تو بولے کہ ہم کو آپ ﷺ کی مجلس[4] یاد آگئی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ آپ ﷺ کی بیماری کے زمانہ کا ہے جس میں انصار کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر اس مرض میں آپ ﷺ کا وصال ہوا تو پھر آپ ﷺ کی مجلس میسر نہ ہو گی اس لئے وہ اس غم میں رو پڑے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ فرماتے تھے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔[5]

۱: مسلم کتاب الجنائز باب فی کفن المیت۔
۲: اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۱ تذکرہ مالک بن قیس۔
۳: مسلم کتاب الوصیۃ باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہ شیء یوصی فیہ۔
۴: بخاری کتاب المناقب باب قول النبی صلعم اقبلوا من محسنہم و تجاوزوا عن مسیئہم۔
۵: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

اہل بیت اور رسول اللہ ﷺ کے اعزہ واقارب کی عزت و محبت رسول اللہ ﷺ کے تعلق سے صحابہ کرام ﷺ اہل بیت کی بھی نہایت عزت و محبت کرتے تھے ایک بار امام باقر حضرت جابر بن عبداللہ کی خدمت میں حجۃ الوداع کی کیفیت پوچھنے کی غرض سے حاضر ہوئے۔ اس وقت اگرچہ وہ طالب العلمانہ اور نیاز مندانہ حیثیت سے آئے تھے تاہم حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ نے نہایت تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا پہلے ان کے سر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ان کے اوپر اور نیچے کے تکمے کھولئے سینے پر ہاتھ رکھا اور مرحبا کہا پھر اصل مسئلہ پر گفتگو کرنے کی اجازت دی۔[1]

ایک بار ایک عراقی نے حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے پوچھا کہ مچھر کا خون جو کپڑے پر لگ جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے بولے ان کو دیکھو رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو تو شہید کر ڈالا اور مچھر کے خون کا سوال کرتے ہیں۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے چند روز بعد ایک دن حضرت ابو بکر ﷺ ایک راستے سے گزرے دیکھا کہ حضرت حسن ﷺ کھیل رہے ہیں اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور یہ شعر پڑھا۔

و ابابی شبہ النبی
لیس شبیھا بالعلی

میرا باپ تم پر قربان کہ رسول اللہ ﷺ کے ہم شکل ہو علی ﷺ کے مشابہ نہیں
حضرت علی ﷺ بھی ساتھ تھے وہ ہنس پڑے۔[3]

ایک دن حضرت ابوہریرہ ﷺ امام حسن ﷺ سے ملے اور کہا کہ ذرا پیٹ کھولئے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بوسہ دیا تھا وہیں میں بھی بوسہ دوں گا چنانچہ انھوں نے پیٹ کھولا اور انھوں نے وہیں بوسہ دیا۔[4]

ایک بار بہت سے لوگ مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھے ہوئے تھے اتفاق سے حضرت امام حسین ﷺ آگئے اور سلام کیا سب نے سلام کا جواب دیا لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ خاموش رہے جب سب چپ ہوئے تو با آواز بلند کہا السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ یہ کہہ کر سب کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں تمہیں بتاؤں کہ زمین کے رہنے والوں

۱: ابوداؤد کتاب المناسک باب صفۃ حجۃ النبی صلعم۔
۲: ترمذی کتاب المناقب مناقب الحسن والحسینؓ۔
۳: مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۸۔
۴: مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۲۷۔

میں آسمان والوں کو سب سے محبوب شخص کون ہے یہی جو جارہا ہے جنگ صفین کے بعد سے انھوں نے مجھ سے بات چیت نہیں کی اگر وہ مجھ سے راضی ہو جائیں تو یہ مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے۔[1]

حضرت ابوالطفیل حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بہت بڑے حامی تھے حضرت علی کرم اللہ وجہ کے انتقال کے بعد ایک بار حضرت امیر معاویہ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے دوست ابوالحسن ؓ کے غم میں تمہارا کیا حال ہے بولے موسیٰ کے غم میں جو حال ان کی ماں کا تھا۔[2]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب حضرت ابوبکر ؓ سے رسول اللہ ﷺ کی وراثت کا مطالبہ کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہ نے رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے حقوق جتائے تو حضرت ابوبکر ؓ نے اس موقع پر جو تقریر کی اس میں خاص طور پر اہل بیت کی محبت کا اظہار فرمایا اور کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے حقوق کا لحاظ مجھے اپنی قرابت سے زیادہ ہے اور لوگوں کو بھی ان کے حقوق کے لحاظ رکھنے کا حکم دیا۔[3]

ایک بار حضرت عباس ؓ نے ایک معاملہ میں حضرت عمر ؓ سے اصرار کیا اور کہا کہ یا امیر المومنین اگر موسیٰ کے چچا آپ ﷺ کے پاس مسلمان ہو کر آتے تو آپ ﷺ کیا کرتے۔ بولے ان کے ساتھ سلوک کرتا حضرت عباس ؓ نے کہا تو پھر میں رسول اللہ ﷺ کا چچا ہوں بولے اے ابوالفضل آپ کی کیا رائے ہے خدا کی قسم آپ کے باپ مجھے اپنے باپ سے زیادہ محبوب ہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو میرے باپ سے زیادہ محبوب تھے اور میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اپنی محبت پر ترجیح دیتا ہوں۔"

حضرت عباس ؓ کا انتقال ہوا تو بنو ہاشم نے الگ اور حضرت عثمان ؓ نے الگ انصار کی تمام آبادیوں میں اس کا اعلان کر دیا لوگ اس کثرت سے جمع ہوئے کہ کوئی شخص تابوت کے پاس نہیں جاسکتا تھا خود بنو ہاشم کو لوگوں نے اس طرح گھیر لیا کہ حضرت عثمان ؓ نے پولیس کے ذریعہ سے ان کو ہٹایا۔[4] عرب میں جب قحط پڑتا تھا تو حضرت عمر ؓ ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ خداوندا ہم پہلے اپنے پیغمبر کو وسیلہ بناتے تھے اور تو پانی برساتا تھا اور اب پیغمبر کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں ہمارے لئے پانی برسا۔[5]

ایک بار حضرت عمر ؓ نے شفاء بنت عبداللہ العدویہ کو بلا بھیجا وہ آئیں تو دیکھا کہ

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔ ۲: استیعاب تذکرہ ابوالطفیل۔
۳: بخاری کتاب المناقب مناقب قرابۃ رسول اللہ صلعم۔
۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عباسؓ۔ ۵: بخاری کتاب المناقب ذکر عباس بن عبد المطلبؓ۔

عاتکہ بنت اسید رضی اللہ عنہا پہلے سے موجود ہیں کچھ دیر کے بعد حضرت عمر ﷺ نے دونوں کو ایک ایک چادر دی لیکن شفاء کی چادر کم درجہ کی تھی، اس لئے انھوں نے کہا کہ "میں عاتکہ سے زیادہ قدیم الاسلام اور آپ کی چچازاد بہن ہوں، آپ نے مجھے خاص اس غرض کیلئے بلایا تھا اور عاتکہ تو یوں آ گئی تھیں۔" بولے میں نے یہ چادر تمہارے ہی دینے کیلئے رکھی تھی لیکن جب عاتکہ آ گئیں تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی قرابت کا لحاظ کرنا پڑا۔[1]

حضرت ہند بن ابی ہالہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے صرف اتنے تعلق سے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی پرورش فرمائی تھی جب ان کے بیٹے کا بصرے میں بمرض طاعون انتقال ہوا تو پہلے ان کا جنازہ نہایت کسمپرسی کی حالت میں اٹھایا گیا لیکن اس حالت کو دیکھ کر ایک عورت نے پکارا واھند بن ھنداہ وابن ربیب رسول اللہ یہ سننا تھا کہ لوگ اپنے مردوں کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر ان کے جنازہ میں شریک ہو گئے۔[2]

قبیلہ بنو زہرہ میں چونکہ رسول اللہ ﷺ کی نانہال تھی اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قبیلہ کے پاس خاطر کا نہایت لحاظ کرتی تھیں چنانچہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ سے ناراض ہوئیں تو انھوں نے اسی قبیلہ کے چند بزرگوں کو شفیع بنایا۔[3]

رسول اللہ ﷺ کے دوستوں کی عزت اور محبت

رسول اللہ ﷺ جن لوگوں سے محبت رکھتے تھے صحابہ کرام ﷺ بھی ان کی نہایت توقیر و عزت کرتے تھے حضرت عمر ﷺ نے حضرت اسامہ ﷺ کا عطیہ ساڑھے تین ہزار اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کا تین ہزار مقرر فرمایا تو انھوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے اسامہ ﷺ کو مجھ پر کیوں ترجیح دی وہ تو کسی جنگ میں مجھ سے آگے نہیں ہے بولے زید تمہارے باپ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھے اور آپ ﷺ اسامہ ﷺ کی محبت تم سے زیادہ کرتے تھے اسلئے میں نے اپنے محبوب پر رسول اللہ ﷺ کے محبوب کو ترجیح دی۔[4]

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص مسجد کے گوشہ میں دامن گھسیٹتا پھر رہا ہے بولے یہ کون شخص ہے۔ ایک آدمی نے کہا آپ ان کو نہیں پہچانتے، یہ محمد بن اسامہ ﷺ ہیں حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نے یہ سن کر گردن نیچے جھکالی اور زمین پر ہاتھ مار کر کہا، اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے تو ان کی محبت کرتے۔[5]

1: اصابہ تذکرہ عاتکہ بنت اسید۔ 2: استیعاب تذکرہ ہند بن ابی ہالہ۔
3: بخاری شریف کتاب المناقب باب مناقب قریش۔
4: ترمذی کتاب المناقب مناقب زید بن حارثہؓ۔
5: بخاری کتاب المناقب ذکر اسامہ بن زیدؓ۔

صحابہ کرام ﷺ نہ صرف آپ ﷺ کے دوستوں کی عزت کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ نے جن غلاموں کو آزاد کر کے اپنا مولیٰ بنالیا تھا ان کے ساتھ بھی نہایت لطف و مدارات کے ساتھ پیش آتے تھے، ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ جن غلاموں کے ناک کان کاٹ لئے گئے ہیں یا ان کو جلادیا گیا ہے وہ آزاد ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مولی ہیں، لوگ یہ سن کر ایک خواجہ سرا کو لائے جس کا نام سندر تھا آپ نے اس کو آزاد کر دیا آپ کی وفات کے بعد وہ حضرت ابو بکر ﷺ اور حضرت عمر ﷺ کے زمانہ خلافت میں آتا تو دونوں بزرگ اس کے ساتھ عمدہ سلوک کرتے اس نے ایک بار مصر جانا چاہا تو حضرت عمر ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص ﷺ کو خط لکھ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے موافق اس کے ساتھ عمدہ سلوک کرنا۔[1]

شوق زیارت رسول ﷺ

صحابہ کرام ﷺ کے دل رسول اللہ ﷺ کے شوق زیارت سے لبریز تھے اس لئے جب زیارت کا وقت قریب آتا تو یہ جذبہ اور بھی ابھر جاتا اور اس کا اظہار مقدس نغمہ سنجیوں کی صورت میں ہوتا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ جب اپنے رفقاء کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچے تو سب کے سب ہم آہنگ ہو کر زبان شوق سے یہ رجز پڑھنے لگے۔

غـــدا نـلـقـي الاحـبـه
مـحـمـدا و حــزبـه

ہم کل اپنے دوستوں یعنی محمد ﷺ اور ان کے گروہ سے ملیں گے۔[2]

مصافحہ کی رسم سب سے پہلے ان ہی لوگوں نے ایجاد کی جو اظہار شوق و محبت کا ایک لطیف ذریعہ ہے۔

دربار نبوت ﷺ کی غیر حاضری صحابہ ﷺ کے نزدیک بڑا جرم تھا ایک دن حذیفہ ﷺ کی والدہ نے پوچھا کہ تم نے کب سے رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہیں کی، بولے اتنے دنوں سے اس پر انھوں نے ان کو برا بھلا کہا تو بولے کہ مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں جانے دو تاکہ

1: مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۲۵ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اس کی اور اس کے اہل و عیال کی بیت المال سے کفالت کرتے تھے اور حضرت عمرؓ نے گورنر مصر کو لکھا تھا کہ اس کو کچھ زمین دے دی جائے لیکن اس روایت میں اس کے نام کی تصریح نہیں ہے ممکن یہ ہے کہ یہ دوسرا غلام ہو۔ صفحہ ۸۲ جلد ۲۔

2: مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۲۳۔

آپ ﷺ کے ساتھ مغرب پڑھوں اور اپنے اور تمہارے لئے استغفار کی درخواست کروں۔[1]
آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہی شوق تھا جو صحابہ کرام ؓ کو آپ ﷺ کے مزار کی طرف کھینچ لاتا تھا ایک بار حضرت ابوایوب انصاری ؓ آئے اور مزار پاک پر اپنے رخسار رکھ دیے مروان نے دیکھا تو کہا کچھ خبر ہے یہ کیا کرتے ہو؟ بولے میں اینٹ پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔[2]

شوقِ دیدارِ رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کا دیدار ازدیاد ایمان کا باعث ہوتا تھا اس بنا پر صحابہ کرام ؓ اس کے نہایت مشتاق رہتے تھے جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تشنگان دیدار میں جن لوگوں نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا تھا وہ آپ ﷺ کو پہچان نہ سکے لیکن جب دھوپ آئی اور حضرت ابو بکر ؓ نے آپ کے اوپر اپنی چادر کا سایہ کیا تو سب نے اس سایہ میں آفتاب نبوت کے دیدار سے اپنا ایمان تازہ کیا۔[3]
حجتہ الوداع میں مشتاقان دیدار نے آفتاب نبوت کو ہالے کی طرح اپنے حلقے میں لے لیا۔ بدو آ آ کر شربت دیدار سے سیراب ہوتے تھے اور کہتے تھے یہ مبارک چہرہ ہے۔[4]
آپ ﷺ نے مرض الموت کے زمانہ میں جب پردہ اٹھا کر جھانکا اور صحابہ کرام کی نماز کی حالت ملاحظہ فرما کر مسکرائے تو اس آخری دیدار سے صحابہ کرام ؓ پر مسرت کی وہ کیفیت طاری ہوئی کہ خشوع نماز میں خلل پڑنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا حضرت انس ؓ فرماتے ہیں۔

کان وجهه ورقة مصحف مارأينا منظرا كان اعجب الينا من وجه النبي ﷺ حين وضح لنا۔[5]

آپ کا چہرہ قرآن کے ورق کی طرح صاف تھا ہم نے کوئی ایسا خوش گوار منظر نہیں دیکھا جیسا اس وقت نظر آیا جب آپ کا چہرہ مبارک نمایاں ہوا۔

بعض صحابہ ؓ کو آنکھیں صرف اسلئے عزیز تھیں کہ ان کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کا دیدار ہوتا تھا، لیکن جب خدا نے ان کو اس شرف سے محروم کر دیا تو وہ آنکھوں سے بھی بے نیاز ہو گئے۔

۱: ترمذی کتاب المناقب فضائل الحسن والحسینؓ۔
۲: مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۴۲۲۔
۳: بخاری باب ہجرۃ النبیؐ واصحابہ الی المدینہ۔
۴: ابوداؤد کتاب المناسک باب المواقیت۔
۵: بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اہل العلم والفضل (حق بالامامۃ)۔

ایک صحابی کی آنکھیں جاتی رہیں لوگ عیادت کو آئے تو انھوں نے کہا کہ ان سے مقصود تو صرف رسول اللہ ﷺ کا دیدار تھا، لیکن جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا تو اگر میرے عوض تبالہ کی ہرنیاں اندھی ہو جائیں اور میری بینائی لوٹ آئے تب بھی مجھے پسند نہیں۔[۱]

شوق صحبت رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کا فیض صحبت ایک ایسی دولت جاودانی تھا جس پر صحابہ کرام ؓ ہر قسم کے دنیوی مال و متاع کو قربان کر دیتے تھے ایک بار آپ نے حضرت عمرو بن العاص ؓ سے فرمایا کہ "میں تمہیں ایک مہم پر بھیجنا چاہتا ہوں خدا مال غنیمت دے گا تو تم کو متعدبہ حصہ دوں گا بولے میں مال کیلئے مسلمان نہیں ہوا، صرف اس لئے اسلام لایا ہوں کہ آپ کا فیض صحبت حاصل ہو"۔[۲]

جو صحابہ ؓ دنیوی تعلقات سے آزاد ہو جاتے تھے وہ صرف آستانہ نبوت سے وابستگی پیدا کر کے آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں تو بچوں کو انکے چچا نے لے لیا اب وہ تمام دنیوی جھگڑوں سے آزاد ہو کر ایک صحابی کیساتھ خدمت مبارک میں حاضر ہوئیں اور آپ کی تعلیمات و تلقینات سے عمر بھر فائدہ اٹھاتی رہیں۔[۳]

حضرت عمر ؓ مدینہ سے کسی قدر دور مقام عالیہ میں رہتے تھے اس لئے روزانہ آپ کے فیض صحبت سے متمتع نہیں ہو سکتے تھے تاہم یہ معمول کر لیا تھا کہ ایک روز خود آتے تھے اور دوسرے روز اپنے اسلامی بھائی حضرت عتبان بن مالک کو بھیجتے تھے کہ آپ کی تعلیمات ارشادات سے محروم نہ رہنے پائیں۔[۴]

دنیا میں آپ کے فیض صحبت سے سیری نہ ہوئی تو بعض صحابہ نے خواہش کی کہ آخرت میں بھی یہ دولت جاودانی نصیب ہو حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی ؓ آپ کے خادم تھے اور ہمیشہ سفر حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے ایک بار آپ نے ان سے کہا کہ کچھ مانگو بولے کہ جنت میں آپ کی رفاقت ارشاد ہوا کچھ اور بولے صرف یہی ایک چیز فرمایا خوب نماز پڑھو تو یہ دولت نصیب ہوگی۔[۵]

۱: ادب المفرد باب العیادۃ من الرمد۔ ۲: ایضاً باب المال الصالح للمرء الصالح۔
۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت قیلہؓ۔
۴: بخاری کتاب العلم باب التناوب فی العلم، لیکن روایت میں حضرت عتبانؓ بن مالک کا نام بتصریح مذکور نہیں۔
۵: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت قیام النبی صلعم من اللیل، صاحب استیعاب نے ان کے حال میں لکھا ہے کان یلزم رسول اللہ فی السفر والحضر۔

رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا اثر

صحابہ کرام چونکہ نہایت خلوص وصفائے قلب کے ساتھ آپ کے ارشاد وہدایت سے فیض یاب ہونے کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اس لئے ان پر آپ کی صحبت کا شدت کے ساتھ اثر پڑتا تھا ایک بار حضرت ابوہریرہ ؓ نے فرمایا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ کیا بات ہے کہ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہو جاتے ہیں زہد و آخرت کا خیال غالب ہو جاتا ہے پھر جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں اہل و عیال سے ملتے جلتے ہیں اور بچوں کو سونگھتے ہیں تو وہ بات باقی نہیں رہتی۔ ارشاد ہوا کہ اگر یہی حالت قائم رہتی تو فرشتے خود تمہارے گھروں میں تمہاری زیارت کو آتے۔[1]

ایک بار حضرت حنظلہ اسیدی ؓ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہا کہ حنظلہ منافق ہو گیا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تو ہمارے سامنے ان کی تصویر کھنچ جاتی ہے پھر گھر میں آکر اہل و عیال سے ملتے ہیں اور کھیتی باڑی کے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں تو اس حالت کو بھول جاتے ہیں انھوں نے کہا کہ ہمارا بھی یہی حال ہوتا ہے چلو خود آپ کے پاس چلیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا گر وہ حالت قائم رہتی تو فرشتے تمہاری مجلسوں میں تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں آکر تم سے مصافحہ کرتے اس حالت کا ہمیشہ قائم رہنا ضروری نہیں۔[2]

استقبال رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی تو آپ کے ساتھ طبل و علم لاؤلشکر خیمہ وخرگاہ کچھ نہ تھا صرف سواری کی دو اونٹنیاں تھیں اور ساتھ میں ایک جان نثار رفیق سفر تھا لیکن یہ بے سروسامان قافلہ جس دن مدینہ میں پہنچا مدینہ مسرت کدہ بن گیا عورتوں بچوں اور لونڈیوں کی زبان پر یہ فقرہ تھا رسول اللہ آئے رسول اللہ آئے، ہجرت کی خبر پہلے سے مدینہ میں پہنچ گئی تھی اس لئے تمام مسلمان صبح کے تڑکے گھر سے نکل کر مدینہ کے باہر استقبال کیلئے جمع ہوتے دوپہر تک انتظار کر کے واپس چلے جاتے ایک دن حسب معمول سب لوگ انتظار کر کے چلے گئے تو ایک یہودی قلعہ سے دیکھ کر باآواز بلند پکارا کہ اہل عرب لو تمہارا شاہد مقصود آپہنچا۔ تمام صحابہ ؓ دفعۃً اہل پڑے اور ہتھیار سج کر گھروں سے نکل آئے آپ قباء میں

1: ترمذی ابواب صفة الجنة باب ما جاء فی صفة الجنة و نتیمها، صفحة ۳۱۵۔

2: ترمذی ابواب الزہد ص ۳۱۳۔

تشریف لائے اور خاندان بنو عمرو بن عوف کے یہاں اترے تو تمام خاندان نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا انصار ہر طرف سے آتے اور جوش عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے[1] انصار میں جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو اب تک نہیں دیکھا تھا وہ شوق دیدار میں بے تاب تھے لیکن آپ کو پہچان نہیں سکتے تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دھوپ سے بچانے کیلئے آپ کے سر پر چادر تانی تو سب کو اس کے سایہ میں آفتاب نبوت نظر آیا۔

آپ قبا سے مدینہ کی خاص آبادی کی طرف چلے تو جان نثاروں کا جھرمٹ ساتھ تھا ایک مقام پر آپ ٹھہر گئے اور انصار کو طلب فرمایا سب لوگ حاضر ہوئے اسلام عرض کیا اور کہا کہ سوار ہو جائیے کوئی خطرہ نہیں ہم لوگ فرماں برداری کیلئے حاضر ہیں آپ انصار کی تلوار کے سایہ میں روانہ ہوئے۔

قبا سے مدینہ تک دورویہ جان نثاروں کی صفیں تھیں راہ میں انصار کے خاندان آتے تو ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا کہ حضور یہ گھر ہے یہ مال ہے یہ طاقت ہے کوکبۂ نبوت شہر کے متصل پہنچا تو ایک عام غل پڑ گیا لوگ بالا خانے سے جھانک جھانک کر دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ آئے رسول اللہ ﷺ آئے۔[2] پردہ نشین خاتونیں جوش مسرت میں یہ ترانہ گاتی تھیں۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع و جب الشکر علینا مادعی للّٰہ داعی۔

کوہ وداع کی گھاٹیوں کے برج سے بدر کامل طلوع ہوا ہے، جب تک دعا کرنے والے دعا کریں ہم پر شکر واجب ہے۔

جب آپ کی اونٹنی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر بیٹھ گئی تو قبیلہ بنو نجار کی چھوکریاں دف بجا بجا کر یہ شعر گانے لگیں۔

نحن جوار من بنی النجار یاحبذا محمد امن جار۔[3]

ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں محمد کیسے اچھے ہمسایہ ہیں

ضیافتِ رسول ﷺ

اگر خوش قسمتی سے کبھی صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ کی ضیافت و میزبانی کا شرف حاصل ہو جاتا تھا تو وہ نہایت عزت محبت اور ادب واحترام کے ساتھ اس فرض کو بجالاتے تھے یک بار ایک انصاری نے خدمت مبارک میں گزارش کی کہ میں نہایت لحیم وشیم آدمی ہوں

1: طبقات جلد سیرۃ النبی صفحہ ۱۵۸۔

2: بخاری باب ہجرۃ النبی وطبقت جلد سیرۃ نبوی ذکر ہجرت۔

3: وفاء الوفا جلد ا صفحہ ج ا صفحہ ۱۸۷۔

آپ ﷺ ساتھ نماز میں شریک نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ میرے مکان پر شریف لاکر نماز ادا فرمایے تاکہ میں اسی طرح نماز پڑھا کروں۔ انھوں نے پہلے سے کھانا بھی تیار کرار کھا تھا چنانچہ آپ ﷺ تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔[1]

ایک بار آپ ﷺ ام حرام رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے انھوں نے کھانا کھلایا اور بیٹھ کر آپ ﷺ کے سر سے جوئیں نکالیں۔[2]

ایک روز آپ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابوالہیثم بن التیہان الانصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے وہ باہر گئے ہوئے تھے آئے تو آپ ﷺ سے لپٹ گئے اور قربان ہونے لگے، پھر سب کو باغ میں لے گئے، فرش بچھایا اور کھجوریں توڑ کر آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیں کہ خود دست مبارک سے چن چن کر تناول فرمائیں اس کے بعد اٹھے اور ایک بکری ذبح کی اور سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔[3]

ایک روز آپ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے جانے کا وعدہ کیا، انھوں نے نہایت اہتمام کے ساتھ آپ ﷺ کی دعوت کا سامان کیا اور بی بی سے کہا دیکھو رسول اللہ ﷺ آنے والے ہیں تمہاری صورت نظر نہ آئے۔ آپ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ دینا آپ ﷺ سے بات چیت نہ کرنا۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو بستر بچھایا تکیہ لگایا آپ ﷺ مصروف خواب استراحت ہوئے تو غلام سے کہا آپ ﷺ کے جاگنے سے پیشتر بکری کے اس بچے کو ذبح کر کے پکاؤ، ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ منہ ہاتھ دھونے کیساتھ ہی روانہ ہو جائیں۔ آپ ﷺ بیدار ہو کر منہ ہاتھ دھونے سے فارغ ہوئے تو فوراً دستر خوان سامنے آیا، آپ ﷺ کھا رہے تھے اور قبیلہ بنو سلمہ کے تمام لوگ دور ہی دور سے آپ ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوتے تھے کہ قریب آتے تو شاید آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی۔ آپ ﷺ کھانے سے فارغ ہو کر روانہ ہوئے تو ان کی بی بی نے پردہ سے کہا "یا رسول اللہ ﷺ! مجھ پر اور میرے شوہر پر درود بھیجتے جایئے، آپ ﷺ نے فرمایا "خدا تم پر اور تمہارے شوہر پر رحمت نازل فرمائے"۔[4]

ایک بار آپ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے انھوں نے آپ کو غسل کرایا نہانے کے بعد زعفرانی رنگ کی چادر اڑھائی پھر کھانا کھلایا آپ ﷺ رخصت ہوئے تو سواری حاضر کی اور اپنے بیٹے کو ساتھ کر دیا کہ گھر تک پہنچا آئیں۔[5]

۱: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ علی الحصیر۔ ۲: ایضاً کتاب الجہاد باب فی رکوب البحر فی الغزو

۳: ترمذی ابواب الزہد صفحہ ۳۹۰۔

۴: مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۹۸۔

۵: ابوداؤد کتاب الادب باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستئذان۔

کبھی کبھی آپ ﷺ خود کسی چیز کی خواہش ظاہر فرماتے اور صحابہ کرام ؓ اس کو تیار کر کے پیش کرتے ایک بار آپ نے فرمایا کاش میرے پاس گیہوں کی سفید روٹی گھی اور دودھ میں چپڑی ہوئی ہوتی، ایک صحابی فوراً اٹھے اور تیار کرا کر لائے۔[1]

بعض صحابیات خود کوئی نئی چیز پکا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں ایک بار حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آٹا چھانا اور اس کی چپاتیاں تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ بولیں ہمارے ملک میں اسی کا رواج ہے میں نے چاہا کہ آپ ﷺ کیلئے بھی اسی قسم کی چپاتیاں تیار کروں، لیکن آپ ﷺ نے کمال زہد و تقشف سے فرمایا کہ آٹے میں چوکر ملا لو پھر گوندھو۔[2]

نعت رسول ﷺ

قرآن مجید کے مواعظ اور رسول اللہ ﷺ کے کلمات طیبہ نے اگرچہ عہد صحابہ میں شاعری کے دفتر پر پانی پھیر دیا تھا تاہم بلبلان باغ قدس آپ کی مدح میں کبھی کبھی زمزمہ خوان ہو جاتے تھے اور چونکہ یہ اشعار سچے دل سے نکلتے تھے اور سچی تعریف پر مشتمل ہوتے تھے اس لئے دلوں پر اثر ڈالتے تھے حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ حضرت کعب بن زہیر ؓ اور حضرت حسان بن ثابت ؓ کا یہ خاص مشغلہ تھا حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ کے چند مدحیہ اشعار بخاری میں مذکور ہیں۔

و فینا رسول اللّٰہ یتلو کتابہ
اذا انشق معروف من الفجر ساطع

ہم میں خدا کا پیغمبر ہے جب صبح نمودار ہوتی ہے تو خدا کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے۔

ارانا الھدی بعد العمی فقلوبنا
بہ موقنات ان ماقال واقع

گمراہی کے بعد اس نے ہم کو راہ راست دکھائی اس لئے ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ جو کچھ اس نے کہا وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ
اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع[3]

وہ راتوں کو شب بیداری کرتا ہے حالانکہ اس وقت مشرکین گہری نیند میں سوتے تھے۔

1: ایضاً کتاب الاطعمہ باب فی الجمع بین لونین من الطعام۔
2: سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب الحواری۔
3: بخاری ابواب الوتر باب فضل من تعار من اللیل فصلی۔

حضرت کعب بن زہیر ؓ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد آپ کے سامنے پڑھا تو آپ نے اس کو سن کر صحابہ ؓ سے فرمایا کہ اسکو سنو۔[۱]

ایک صحابیہ کی شادی میں چھوکریاں دف بجا بجا کر واقعات بدر کے متعلق اشعار گانے لگیں ان میں سے ایک نے یہ مصرع گایا۔

وفینا نبی یعلم مافی غد

ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے

تو آپ نے روک دیا اور کہا کہ "وہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں"[۲]

حضرت ابو حمامہ سلیم ؓ شاعر تھے انھوں نے ایک بار عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں نے آپ ﷺ کی اور خدا کی مدح و ثنا لکھی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی تعریف میں جو کچھ لکھا ہے سناؤ اور میری مدح کو چھوڑ دو۔[۳]

رضامندی رسول ﷺ

صحابہ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی سے سخت گھبراتے تھے اور اس سے پناہ مانگتے تھے ایک بار کسی نے حضرت عباس ؓ کے آباءواجداد میں سے کسی کو برا بھلا کہا، آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ عباس ؓ مجھ سے ہیں اور میں عباس ؓ سے ہوں ہمارے مردوں کو برا بھلا نہ کہو جس سے ہمارے زندوں کے دل دکھیں یہ سن کر صحابہ ؓ نے کہا کہ ہم آپ کی ناراضی سے پناہ مانگتے ہیں ہمارے لئے استغفار کیجئے۔[۴]

ایک بار کسی نے آپ ﷺ سے آپ ﷺ کے روزے کے متعلق سوال کیا جس پر آپ ﷺ کو غصہ آ گیا حضرت عمر ؓ نے یہ حالت دیکھی تو کہا

رضینا باللّٰہ ربا و بالاسلام دینا بمحمد نبینا نعوذ باللّٰہ من غضب اللّٰہ و غضب رسولہ۔

ہم نے خدا کو اپنا پروردگار، اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا پیغمبر بنایا ہے اور خدا اور خدا کے رسول کے غصہ سے پناہ مانگتے ہیں۔

اسی فقرے کو بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا غصہ اتر گیا۔[۵]

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت کعب بن زہیر۔
۲: بخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح والولیمہ۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابن ابی حمامہؓ سلمی۔
۴: نسائی کتاب الدیات باب القود من الالطمۃ۔
۵: ابوداؤد کتاب الصیام باب فی صوم الدہر تطوعا۔

اس لئے اگر آپ ﷺ کسی ناگوار واقعہ سے مکدر ہو جاتے تھے تو صحابہ کرام ؓ ہر ممکن تدبیر سے آپ ﷺ کو راضی کرنا چاہتے تھے آپ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ایلاء کیا تو تمام صحابہ ؓ پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا حضرت عمر ؓ نے آپ ﷺ کو راضی کرنا چاہا اور در دولت پر تشریف لے گئے دربان نے بے التفاتی کی تو سمجھے کہ شاید آپ ﷺ کو یہ خیال ہے کہ لڑکی حفصہ رضی اللہ عنہا کی خاطر آئے ہیں۔ اس لئے دربان سے کہا کہ اگر آپ ﷺ کا یہ خیال ہے تو کہہ دو کہ خدا کی قسم آپ ﷺ حکم دیں تو حفصہ رضی اللہ عنہا کی گردن اڑا دوں۔ حضرت ابو بکر ؓ کو پہلے سے بار مل چکا تھا۔ حضرت عمر ؓ آئے تو حضرت ابو بکر ؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ہنسانے کیلئے کہا کہ اگر بنت خارجہ (حضرت ابو بکر ؓ کی بی بی) مجھ سے نان و نفقہ طلب کرتیں تو میں اٹھ کے ان کی گردن توڑ دیتا۔ آپ ﷺ ہنس پڑے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ لوگ مجھ سے نفقہ ہی تو مانگ رہی ہیں۔ دونوں بزرگ اٹھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی گردن توڑنی چاہی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز مانگتی ہو جو آپ ﷺ کے پاس نہیں ہے۔[1]

حضرت کعب بن مالک ؓ سے جب آپ نے ناراض ہو کر قطع کلام کر لیا اور تمام صحابہ کو بھی یہ حکم دیا تو ان کو سب سے زیادہ آپ کی رضامندی کی فکر تھی آپ نماز کے بعد مسجد میں تھوڑی دیر تک بیٹھا کرتے تھے اس حالت میں وہ آتے اور سلام کرتے اور دل میں کہتے کہ لبہائے مبارک کو سلام کے جواب میں حرکت ہوئی یا نہیں۔ پھر آپ ﷺ ہی کے متصل نماز پڑھتے اور کنکھیوں سے آپ ﷺ کی طرف دیکھتے جاتے۔[2]

آپ ﷺ حجۃ الوداع کیلئے تشریف لے گئے تو تمام بیویاں ساتھ تھیں، سوءِ اتفاق سے راستہ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا وہ رونے لگیں آپ کو خبر ہوئی تو خود تشریف لائے اور دست مبارک سے ان کے آنسو پوچھے آپ جس قدر ان کو رونے سے منع فرماتے تھے اسی قدر وہ اور زیادہ روتی تھیں جب کسی طرح چپ نہ ہوئیں تو آپ نے ان کو سرزنش فرمائی اور تمام لوگوں کو منزل کرنے کا حکم دیا اور خود بھی اپنا خیمہ نصب کر دیا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خیال ہوا کہ آپ ﷺ ناراض ہو گئے۔ اس لئے آپ ﷺ کی رضامندی کی تدبیریں اختیار کیں۔ اس غرض سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

1: مسلم کتاب الرضاع باب بیان ان تخییرامرتہ لا یکون طلاقاً الا بالنیتہ و با فی الایلا واعتزال النساء و تخییر ھین و قولہ تعالیٰ وان تظاھرا علیہ۔

2: بخاری کتاب المغازی ذکر غزوۂ تبوک۔

پاس گئیں اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی باری کا دن کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی! لیکن اگر آپ رسول اللہ ﷺ کو مجھ سے راضی کر دیں تو میں اپنی باری آپ ﷺ کو دیتی ہوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آمادگی ظاہر کی اور ایک دوپٹہ اوڑھا جو زعفرانی رنگ میں رنگا ہوا تھا پھر اس پر پانی چھڑکا کہ خوشبو اور پھیلے اس کے بعد بن سنور کر آپ کے پاس گئیں اور خیمہ کا پردہ اٹھایا تو آپ نے فرمایا کہ عائشہ یہ تمہارا دن نہیں ہے بولیں۔

ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔[1]

یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

آپ ﷺ اکثر اپنی ناراضی کا اظہار اعلانیہ طور پر نہیں فرماتے تھے لیکن جب صحابہ ؓ کو آپ ﷺ کے چشم ابرو سے اسکا احساس ہو جاتا تھا تو فوراً آپ ﷺ کو راضی کرتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ ایک راستہ سے گزرے راہ میں ایک بلند خیمہ نظر سے گزرا تو فرمایا یہ کس کا ہے؟ لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا، آپ ﷺ کو یہ شان و شوکت ناگوار ہوئی مگر اس کا اظہار نہیں فرمایا، کچھ دیر کے بعد انصاری بزرگ آئے اور سلام کیا لیکن آپ ﷺ نے ناراضی سے منہ پھیر لیا۔ بار بار یہی واقعہ پیش آیا تو انھوں نے دوسرے صحابہ ؓ سے آپ ﷺ کی ناراضی کی شکایت کی ناراضی کا سبب معلوم ہوا تو انھوں نے خیمہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔[2]

ناراضی کے بعد اگر رسول اللہ ﷺ خوش ہو جاتے تو گویا صحابہ کرام ؓ کو دولت جاوید مل جاتی۔ ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے حضرت ابو رہم غفاری ؓ کی اونٹنی آپ ﷺ کے ناقہ کے پہلو بہ پہلو جا رہی تھی۔ حضرت ابو رہم ؓ کے پاؤں میں سخت چمڑے کے جوتے تھے، اونٹنیوں میں مزاحمت ہوئی تو ان کے جوتے کی نوک سے آپ ﷺ کی ساق مبارک میں خراش آ گئی اور آپ ﷺ نے ان کے پاؤں میں کوڑا مار کر کہا تم نے مجھے دکھ دیا پاؤں ہٹاؤ۔ وہ سخت گھبرائے کہ کہیں میرے بارے میں کوئی آیت نازل نہ ہو جائے، مقام جعرانہ میں پہنچے تو گو ان کی اونٹ چرانے کی باری نہ تھی۔ تاہم اس خوف سے کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کا قاصد میرے بلانے کیلئے نہ آ جائے صحرا میں اونٹ چرانے کیلئے نکل گئے۔ شام کو پلٹے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے طلب فرمایا تھا مضطربانہ حاضر خدمت ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا مجھے تم نے اذیت پہنچائی اور میں نے بھی تمہیں کوڑا مارا جس سے تمہیں اذیت پہنچی۔ اس کے عوض میں یہ بکریاں لو، ان کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی یہ رضامندی میرے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب تھی۔[3]

۱: مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۳۸۔ ۲: ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی البناء۔

۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابو رہم غفاری۔

ماتم رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کو جو محبت تھی اس کا اثر آپ کی زندگی میں جن طریقوں سے ظاہر ہوتا تھا اس کا حال اوپر گزر چکا لیکن آپ کی وفات کے بعد اس محبت کا اظہار صرف گریہ وبکا آہ و فریاد اور نالہ و شیون کے ذریعہ سے ہو سکتا تھا اور صحابہ کرام ؓ نے آپ ﷺ کے ماتم میں یہ درد انگیز صدائیں اس زور سے بلند کیں کہ مدینہ بلکہ کل عرب کے درو دیوار ہل گئے۔ آپ ﷺ پر موت کے آثار بتدریج طاری ہوئے جمعرات کے دن مرض میں اشتداء پیدا ہوا حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کو جب یہ دن یاد آتا تھا تو کہتے تھے کہ جمعرات کا دن جمعرات کا کون سا دن؟ وہ جس میں آپ ﷺ کے مرض میں ترقی ہوئی نزع کا وقت قریب آیا تو غشی طاری ہوئی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ حالت دیکھی تو بے اختیار چیخ اٹھیں داکرب اباہ، ہائے میرے باپ کی تکلیفیں آپ ﷺ کا وصال ہوا تو یہ الفاظ کہہ کر آپ ﷺ پر روئیں،

ویا ابتاہ اجارب ربادہ یا ابتاہ من جنتہ الفردوس ماواہ یلا تباہ الی جبرائیل تعاہ ۔

لوگ آپ ﷺ کو دفن کر کے آئے تو انھوں نے حضرت انس ؓ سے نہایت درد انگیز لہجے میں پوچھا کیوں انس ؓ کیا رسول اللہ ﷺ پر خاک ڈالنا تم کو گوارا تھا؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مجھے کسی کا مرض الموت نہیں کھلتا۔

یہ تو اہل بیت کی حالت تھی اہل بیت کے علاوہ اور تمام صحابہ کا حلقہ ماتم مسجد نبوی ﷺ میں قائم تھا اور حضرت عمر ؓ لوگوں کو یقین دلا رہے تھے کہ ابھی آپ ﷺ کا وصال ہی نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابو بکر ؓ نے آکر یہ حالت دیکھی تو کسی سے بات چیت نہیں کی۔ سیدھے آپ ﷺ کی لاش مبارک تک چلے گئے منہ کھول کر آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو بوسہ دیا اور روئے وہاں سے نکل کر لوگوں کو سمجھایا تو سب کو آپ ﷺ کی موت کا یقین آیا۔[۱]

ایک شخص صحابہ ؓ کے قلق و اضطراب کا یہ عالم دیکھ کر مدینہ سے عمان آیا تو لوگوں کو آپ ﷺ کے وصال کی خبر دی اور کہا کہ میں مدینہ کے لوگوں کو ایسے حال میں چھوڑ آیا ہوں کہ ان کے سینے دیگچی کی طرح ابال کھا رہے ہیں۔[۲] حضرت عبداللہ بن ابی لیلےٰ انصاری ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت میں بچہ تھا لوگ اپنے سروں اور کپڑوں پر

۱: بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ۔
۲: اصابہ تذکرہ خمیصہ۔

خاک ڈال رہے تھے اور میں کے گریہ وبکا کو دیکھ کر رو تا تھا۔[1]

مدینہ کے باہر جب یہ وحشت ناک خبر پہنچی تو قبیلہ باہلہ کے لوگوں نے اس ماتم میں اپنے خیمے گرا دیئے اور متصل سات دن تک ان کو کھڑا نہیں کیا۔[2]

تفویض الی الرسول ﷺ

صحابہ کرام ؓ نے اپنی ذاتی حیثیت بالکل فنا کر دی تھی اور اپنی ذات اور اپنی آل و اولاد کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا تھا حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں ان سے ایک طرف تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جو نہایت دولتمند صحابی تھے نکاح کرنا چاہتے تھے دوسری طرف آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید ؓ کے متعلق ان سے گفتگو کی تھی جن کی فضیلت یہ تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو مجھے دوست رکھتا ہے چاہئے کہ اسامہ کو بھی دوست رکھے لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو اپنی قسمت کا مالک بنا دیا اور کہا کہ میرا معاملہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہے۔
جس سے چاہیے نکاح کر دیجئے۔[3]

حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ ؓ انصاری اپنی تین لڑکیوں کے نکاح کے متعلق آپ کو وصیت کر گئے تھے جن میں آپؐ نے حضرت فریعہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبیط بن جابر سے کر دیا۔[4]

انصار کا یہ معمول تھا کہ آنحضرت ﷺ کی رضامندی جانے بغیر اپنی بیواؤں کی شادی نہیں کرتے تھے ایک دن آپؐ نے ایک انصاری سے فرمایا تم اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دو وہ تو منتظر ہی تھے باغ باغ ہو گئے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے لئے نہیں بلکہ جلیبیب کیلئے پیغام دیتا ہوں۔ جلیبیب ایک ظریف الطبع صحابی تھے جو عورتوں کے ساتھ ظرافت اور مذاق کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اس لئے صحابہ ؓ ان کو عموماً ناپسند کرتے تھے انھوں نے جلیبیب کا نام سنا تو بولے اس کی ماں سے مشورہ کر لوں ماں نے جلیبیب کا نام سنا تو انکار کیا لیکن لڑکی نے کہا رسول اللہ ﷺ کی بات نامنظور نہیں کی جاسکتی مجھے آپ ﷺ کے حوالہ کر دو آپ ﷺ مجھے ضائع نہ کریں گے۔[5]

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ابی لیلیٰؓ۔
۲: اصابہ تذکرہ جہم بن کلدہ باہلی۔
۳: نسائی کتاب النکاح الخطبہ فی النکاح۔
۴: اسد الغابہ تذکرہ فریعہ بنت ابی امامہ۔
۵: مسند جلد ۴ صفحہ ۴۲۲۔

ہیبت رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے وقار و عظمت کی بنا پر صحابہ کرام ﷺ آپ ﷺ کے سامنے اس قدر مرعوب ہو جاتے تھے کہ جسم میں رعشہ پڑ جاتا تھا ایک بار ایک صحابی نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی لیکن دو شخص جو مسجد کے ایک گوشہ میں تھے شریک نماز نہیں ہوئے آپ ﷺ نے ان کو باز پرس کیلئے طلب فرمایا تو وہ اس قدر مرعوب ہوئے کہ جسم میں لرزہ پڑ گیا۔[1]

ایک صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے بات چیت کی لیکن ان پر اس قدر جلال نبوت طاری ہوا کہ جسم میں رعشہ پڑ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں تو اس عورت کا لڑکا ہوں جو گوشت کے سوکھے ٹکڑے کھایا کرتی تھی۔[2]

ایک بار ایک صحابیہ نے آپ کو مسجد میں اکڑوں بیٹھے ہوئے دیکھا ان پر آپ کے اس خضوع و خشوع کی حالت کا یہ اثر پڑا کہ کانپ اٹھیں۔[3]

اس رعب وداب کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرام ﷺ آپ ﷺ کو کسی بات پر ٹوک نہیں سکتے تھے۔ ایک بار آپ پر عصر یا ظہر کی نماز میں نسیان طاری ہو گیا، اور صرف دو رکعتیں ادا فرمائیں بہت سے صحابہ ﷺ مسجد سے یہ کہتے ہوئے نکل آئے کہ رکعات نماز میں کمی کر دی گئی جماعت میں حضرت ابو بکر ﷺ، حضرت عمر ﷺ بھی شریک تھے لیکن آپ ﷺ کی ہیبت سے کچھ پوچھ نہیں سکتے تھے۔ بالآخر حضرت ذوالیدین ﷺ نے آپ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ آپ ﷺ بھول گئے یا نماز میں کمی ہو گئی، تمام صحابہ ﷺ نے اس کی تصدیق کی لیکن زبان نہ ہل سکی بلکہ اشاروں میں حضرت ذوالیدین ﷺ کی تائید کی۔[4]

حضرت عمرو بن العاص ﷺ فاتح مصر بڑے پایہ کے صحابی تھے، لیکن ان کا بیان ہے کہ میں آپ ﷺ کا حلیہ نہیں بیان کر سکتا، کیونکہ میں نے آپ ﷺ کو کبھی آنکھ بھر کر دیکھنے کی جرات نہیں کی۔[5]

آپ ﷺ حجۃ الوداع میں ناقہ پر سوار ہو کر نکلے تو آپ ﷺ کے ہاتھ میں درہ تھا، لوگوں پر اس قدر ہیبت طاری تھی کہ کہتے تھے، طبطبیہ طبطبیہ، یعنی اس کوڑے سے بچتے رہو۔[6]

۱: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فیمن صلی فی منزلہ ثم ادرک الجماعۃ یصلی معھم۔
۲: سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب القدیر۔
۳: شمائل ترمذی باب ماجاء فی جلسۃ رسول اللہ۔
۴: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب السھو فی السجدتین۔
۵: مسلم کتاب الایمان باب کون الاسلام یھدم ما قبلہ و کذا الحج والھجرۃ۔
۶: ابوداؤد کتاب النکاح باب تزویج من لم یولد۔

صحابہ کرام ﷺ کے بچوں تک کے رگ و ریشہ میں آپ ﷺ کا رعب و ادب سرایت کر گیا تھا، ایک بار حضرت لیاز ﷺ بچپن میں باپ کے ساتھ آپ کی خدمت میں گئے، آپ کا دیدار ہوا تو ان کے باپ نے پوچھا کہ جانتے ہو کہ کون ہیں؟ بولے نہیں، کہا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یہ سنتے کے ساتھ ہی ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے؟ ان کا خیال تھا کہ آپ کی شکل و صورت آدمیوں سے مختلف ہوگی، لیکن ان کو نظر آیا کہ آپ ﷺ بھی آدمی ہی ہیں، اور آپ ﷺ کے سر پر لمبے لمبے بال ہیں۔[1]

اطاعت رسول ﷺ

صحابہ کرام ﷺ جس طوع و رضاء کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے تھے اس کے متعلق احادیث میں نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں، ذیل کے چند واقعات سے ان کا اندازہ ہو سکے گا۔

ایک بار حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے کپڑے رنگوا رہی تھیں، آپ گھر میں آئے تو الٹے پاؤں واپس گئے۔ آپ ﷺ نے اگرچہ منہ سے کچھ نہیں فرمایا تھا، تاہم حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی نگاہ عتاب تاڑ گئیں اور تمام کپڑوں کے رنگ کو دھو ڈالا۔

آپ ﷺ نے ایک صحابی کو ایک رنگین چادر اوڑھے ہوئے دیکھا تو فرمایا، یہ کیا ہے؟ وہ سمجھ گئے کہ آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا، فوراً گھر میں آئے اور اس کو چولہے میں ڈال دیا۔[2]

حضرت خریم اسدی رضی اللہ عنہا ایک صحابی تھے جو نیچی تہ بند باندھتے تھے، اور لمبے بال رکھتے تھے، ایک روز آپ ﷺ نے فرمایا، خریم اسدی کتنا اچھا آدمی تھا، اگر لمبے بال نہ رکھتا اور نیچی تہبند نہ باندھتا، ان کو معلوم ہوا تو فوراً قینچی منگوائی، اس سے بال کترے اور تہبند اونچی کر لی۔[3]

بی بی سب کو عزیز ہے، لیکن جب آپ ﷺ تخلف غزوۂ تبوک کی بنا پر تمام مسلمانوں کو حضرت کعب بن مالک ﷺ سے قطع تعلق کر لینے کا حکم دیا اور اخیر میں ان کو بی بی سے علیحدگی اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی، تو بولے، طلاق دے دوں یا اور کچھ، لیکن آپ کے قاصد نے کہا صرف علیحدگی مقصود ہے، چنانچہ انہوں نے فوراً بی بی کو میکے میں بھیج دیا۔[4]

شادی بیاہ کا معاملہ نہایت نازک ہوتا ہے لیکن صحابہ کرام ﷺ کو اطاعت رسول نے ان معاملات میں غور و فکر کرنے سے بے نیاز کر دیا تھا، حضرت ربیعہ اسلمی ﷺ ایک نہایت

۱: مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۲۶۔
۲: ابو داؤد کتاب اللباس باب فی الحمرۃ۔
۳: ایضاً باب ماجاء فی اسبال الازار۔
۴: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک۔

مفلس صحابی تھے۔ایک بار آپ ﷺ نے ان کو نکاح کرنے کا مشورہ دیا،اور کہا کہ ،جاؤ انصار کے فلاں قبیلہ میں نکاح کرلو،وہ آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمہارے یہاں فلاں لڑکی سے نکاح کرنے کیلئے بھیجا ہے،سب نے ان کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا قاصد ،ناکامیاب نہیں جاسکتا،چنانچہ فوراً انہوں نے اس کی تعمیل کی"۔[1]

پابندی احکام رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے جو احکام وقتی ہوتے تھے،صحابہ کرام ؓ فوراً ان کی تعمیل کرتے تھے،اور جو دائمی ہوتے ہمیشہ ان کے پابند رہتے تھے،اور اس کے خلاف کبھی ان سے کوئی حرکت صادر نہیں ہوتی تھی۔

آپ ﷺ کے زمانہ میں عورتیں بھی شریک جماعت ہوتی تھیں،اس حالت میں اقتضائے کمال عفت وعصمت یہ تھا کہ ان کیلئے مسجد کا ایک دروازہ مخصوص کردیا جائے اس بناء پر آپ ﷺ نے ایک روز ارشاد فرمایا۔

لو ترکنا ھذا الباب للنساء۔

کاش ہم یہ دُروازہ صرف عورتوں کیلئے چھوڑدیتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے اس شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی کہ تادم مرگ اس دروازہ سے مسجد میں داخل نہیں ہوئے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا:

من زار قوما فلا یومھم ولیومھم رجل منھم۔

جو شخص کسی قوم کے یہاں جائے،وہ ان کی امامت نہ کرے بلکہ خود اسی قوم کا کوئی شخص ان کی امامت کرے۔

ایک بار حضرت مالک بن حویرث ؓ ایک قوم کی مسجد میں آئے،لوگوں نے امامت کی درخواست کی تو انہوں نے انکار کردیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے،[3]

ایک بار حضرت ابوسعید خدری ؓ نماز پڑھ رہے تھے،ایک قریشی نوجوان سامنے سے گزرا انہوں نے ایک کو ڈھکیل دیا وہ باز نہ آیا،پھر ڈھکیلا،وہ نہ رکا،تیسری بار پھر ڈھکیلا،نماز پڑھ چکے،تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نماز کو اگرچہ کوئی چیز توڑ نہیں سکتی،تاہم اگر کوئی چیز سامنے آجائے تو جہاں تک ممکن ہو اس کو دفع کرو،کیونکہ وہ شیطان ہے۔[4]

۱: مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۵۸۔ ۲: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب التشدید فی ذالک۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب لامۃ الزائر۔ ۴: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب من قال لا یقطع الصلوۃ شی۔

ایک بار آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے غسل جنابت میں ایک بال کو بھی خشک، چھوڑ دیا اس پر دوزخ میں یہ عذاب ہو گا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر جس شدت سے عمل کیا اس کو خود انہوں نے بیان کیا ہے:۔

فمن ثم عادیت راسی فمن ثم عادیت راسی۔[1]

یعنی اسی دن سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کر لی، دشمنی کر لی، (یعنی برابر بال ترشواتے رہے)۔

رسول اللہ ﷺ نے شوہر کے علاوہ اور اعزہ کے ماتم کیلئے صرف تین دن مقرر فرمائے تھے، صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس کی شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بھائی کا انتقال ہو گیا، تو (غالبًا چوتھے دن) انہوں نے خوشبو لگائی، اور کہا کہ مجھ کو خوشبو کی کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن میں نے آپ ﷺ سے منبر پر سنا ہے کہ کسی مسلمان عورت کو شوہر سے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا ماتم کرنا جائز نہیں اس لئے یہ اسی حکم کی تعمیل تھی۔

جب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد نے انتقال کیا تو انہوں نے تین روز کے بعد اپنے رخساروں پر خوشبو ملی اور کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی، صرف اس حکم کی تعمیل مقصود تھی۔[2]

پہلے یہ دستور تھا کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر جہاد میں منزل پر قیام فرماتے تھے، تو ادھر ادھر پھیل جاتے تھے، ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تفرق و تشتت شیطان کا کام ہے۔ اسکے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسکی اس شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب منزل پر اترتے تھے تو اس قدر سمٹ جاتے تھے کہ اگر ایک چادر تان لی جاتی تو سب کے سب اسکے نیچے آ جاتے۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے تجارت کے متعلق جو احکام جاری فرمائے تھے ان میں ایک یہ تھا۔

لا یبیع حاضر لباد۔

شہری آدمی بدوؤں کا مال نہ بکوائے (یعنی اس کا دلال نہ بنے)۔

ایک بار ایک بدو کچھ مال لے کر آیا تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے یہاں اترا لیکن انہوں نے کہا میں خود تو تمہارا سودا نہیں بکوا سکتا، البتہ بازار میں جاؤ، بائع کی تلاش کرو میں صرف مشورہ دے دوں گا۔[4]

۱: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی غسل من الجنابۃ حدیث میں ہے کہ یہ فقرہ انہوں نے تین مرتبہ فرمایا۔

۲: ابو داؤد کتاب الطلاق باب احد اد المتوفی عنها زوجها۔

۳: ایضاً کتاب الجهاد باب ما یومر من انضمام العسکر۔

۴: ایضاً کتاب البیوع باب فی النهی ان یبیع حاضر لباد۔

حضرت حذیفہ ؓ کے سامنے مداین کے ایک رئیس نے چاندی کے برتن میں پانی پیش کیا، انہوں نے اس کو اٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو منع تھا، یہ باز نہ آیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے پہلے یمن کی گورنری پر حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کو روانہ فرمایا ان کے بعد حضرت معاذ بن جبل ؓ کو بھیجا حضرت معاذ بن جبل ؓ آئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے سامنے ایک مجرم کو دیکھا حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے سواری سے اترنے کیلئے کہا لیکن انھوں نے مجرم کی طرف اشارہ کرکے پوچھا یہ کون ہے؟ بولے یہودی تھا اسلام لا کر مرتد ہو گیا ہے فرمایا جب تک خدا اور رسول ﷺ کے حکم کے مطابق قتل نہ کر دیا جائے گا میں نہ بیٹھوں گا۔ انھوں نے بیٹھنے پر اصرار کیا لیکن ان کا یہی جواب تھا چنانچہ جب وہ قتل ہو چکا تو سواری سے اترے۔[2]

ایک بار حضرت ابو بکر ؓ ایک مجلس میں آئے ایک شخص نے اٹھ کر ان کیلئے اپنی جگہ خالی کر دی تو انھوں نے اس کی جگہ بیٹھنے سے انکار کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔[3]

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سائل آیا انھوں نے اس کو روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا پھر اس کے بعد ایک خوش لباس شخص آیا تو انھوں نے اس کو بٹھا کر کھانا کھلایا لوگوں نے اس تفریق پر اعتراض کیا تو بولیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔[4]

انزلوا الناس منازلهم۔

ہر شخص سے اس کے درجہ کے مطابق برتاؤ کرو۔

ایک بار آپ ﷺ مسجد سے نکل رہے تھے دیکھا کہ راستے میں مرد اور عورتیں مل جل کے چل رہے ہیں عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا پیچھے رہو تم وسط راہ سے نہیں گزر سکتیں اس کے بعد یہ حال ہو گیا کہ عورتیں اس قدر گلی کے کنارے سے چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے الجھ جاتے تھے۔[5]

۱: ایضاً کتاب الاشربہ باب الشرب فی آنیة الذهب والفضة۔

۲: ابو داؤد کتاب الحدود باب الحکم فی من ارتد، لیکن اس کے بعد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے اس کو تقریباً ۲۰ دن تک سمجھایا، پھر حضرت معاذ ؓ کو سمجھایا، لیکن جب وہ راہ راست پر نہ آیا تو قتل کر دیا۔

۳: ایضاً کتاب الادب باب فی التخلق۔

۴: ابو داؤد کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلهم۔

۵: ابو داؤد کتاب الادب باب فی مشی النساء فی الطریق۔

حضرت محمد بن اسلم ﷺ نہایت کبیر السن صحابی تھے لیکن جب بازار سے پلٹ کر گھر آتے اور چادر اتارنے کے بعد یاد آتا کہ انھوں نے مسجد نبوی میں نماز نہیں پڑھی تو کہتے کہ خدا کی قسم میں نے مسجد رسول اللہ میں نماز نہیں پڑھی، حالانکہ آپ نے ہم سے فرمایا تھا کہ جو شخص مدینہ میں آئے تو جب تک اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ لے گھر کو واپس نہ جائے یہ کہہ کر چادر اٹھاتے اور مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھ کر گھر واپس آتے۔[1]

غزوہ احزاب میں آپ نے حضرت حدیفہ ﷺ کو حکم دیا کہ کفار کی خبر لائیں لیکن ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں وہ آئے تو دیکھا کہ ابوسفیان آگ تاپ رہے ہیں کمان میں تیر جوڑ لیا اور نشانہ لگانا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ کا حکم یاد آگیا اور رک گئے۔[2]

جو صحابہ رافع بن ابی الحقیق یہودی کے قتل کرنے کیلئے گئے تھے ان کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ اس کے بچوں اور عورتوں کو نہ قتل کریں ان لوگوں نے اس شدت کے ساتھ اس حکم کی پابندی کی کہ ابن ابی الحقیق کی عورت نے باوجودیکہ اس قدر شور کیا کہ قریب تھا کہ ان کا راز فاش ہو جاتا لیکن ان لوگوں نے صرف آپ ﷺ کے حکم کی بنا پر اس پر ہاتھ اٹھانا پسند نہ کیا۔[3]

ادب حرم نبوی ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے تعلق سے صحابہ کرام ﷺ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ جب آپ ﷺ کی ایک حرم محترم نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سجدے میں گر پڑے لوگوں نے کہا آپ اس وقت سجدہ کرتے ہیں۔ بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب قیامت کی کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کرلیا کرو پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی موت سے بڑھ کر قیامت کی کون سی نشانی ہوگی۔[4]

مقام سرف میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ بھی ساتھ تھے بولے کہ یہ میمونہ رضی اللہ عنہا ہیں ان کا جنازہ اٹھاؤ تو مطلق حرکت و جنبش نہ دو۔[5]

بعض صحابہ ﷺ عزت و محبت کی وجہ سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر اپنی

1: اسد الغابہ تذکرہ حضرت محمد بن اسلم۔
2: مسلم کتاب الجهاد باب غزوة الاحزاب۔
3: مؤطا امام مالک کتاب الجهاد باب النهي عن قتل النساء والولدان في الغزو۔
4: ابوداؤد کتاب الصلوٰة باب السجود عند الآيات۔
5: نسائی کتاب النکاح ذکر امر رسول الله في النكاح وازواجه دما اباح الله عزوجل النبيّ۔

جائیدادیں وقف کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ایک جائیداد دی تھی، جو چالیس ہزار پر فروخت کی گئی اور ایک باغ بھی وقف کیا تھا جو چار لاکھ پر فروخت کیا گیا۔[1]

خلفاء ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ادب و احترام کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ حضرت عمر ؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے تھے جب ان کے پاس میوہ یا اور کوئی عمدہ چیز آتی تو ان پیالوں میں رکھ کے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خدمت میں بھیجتے تھے۔[2]

۲۳ھ میں جب حضرت عمر ؓ نے حج کیا تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی نہایت ادب واحترام کے ساتھ ہمراہ لے گئے حضرت عثمان ؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کو سواریوں کے ساتھ کر دیا تھا اور یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے اور کسی کو سواریوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن منزل پر اترتی تھیں تو خود حضرت عمر ؓ کے ساتھ قیام کرتی تھیں حضرت عثمان ؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔[3]

۱: ترمذی کتاب المناقب مناقب حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ۔
۲: موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب جزیہ اھل الکتاب و المجوس۔
۳: طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔

فضائل اخلاق

مسکین نوازی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قدر مسکین نواز تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کسی مسکین کی شرکت کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے[1] ان کے سامنے جب دستر خوان چنا جاتا اور اتفاق سے کسی معزز شخص کا گزر ہو جاتا تو ان کے اہل و عیال اس کو شریک طعام کر لیتے لیکن وہ خود اسکو نہ بلاتے البتہ جب کوئی مسکین سامنے سے گزرتا تو اس کو ضرور شریک طعام کرتے اور کہتے کہ یہ لوگ اسکو بلاتے ہیں جسکو کھانے کی خواہش نہیں اور اسکو چھوڑ دیتے ہیں جسکو کھانے کی خواہش ہے۔

ایک بار ان کو مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی آپ کی بیوی صفیہ نے بڑے اہتمام سے لذیذ مچھلی تیار کی ابھی دستر خوان چنا ہی گیا تھا کہ کانوں میں ایک مسکین کی صدا آئی فرمایا اسکو دے دو بیوی کو عذر ہوا لیکن وہ اسی پر اصرار کرتے رہے بالآخر مسکین کو ایک دینار دے کر راضی کر لیا گیا۔

ایک بار لوگوں نے ان کی بیوی کو ملامت کی کہ تم اچھی طرح ان کی خدمت نہیں کرتیں بولیں کیا کروں، ان کیلئے جب کھانا تیار کیا جاتا ہے تو کسی مسکین کو ضرور شریک کر لیتے ہیں چنانچہ اس کے انسداد کیلئے جو فقراء و مسکین ان کے راستے میں بیٹھتے تھے انھوں نے ان سے کہلا بھیجا کہ اب ان کے راستے میں نہ بیٹھو، وہ مسجد سے نماز پڑھ کے نکلے تو ان لوگوں کو گھر سے بلوا بھیجا، ان کی بیوی نے ان سے کہہ دیا تھا کہ بلانے پر بھی نہ آنا چنانچہ وہ لوگ نہ آئے تو اس رات کو کھانا نہیں کھایا۔[2]

حضرت حارثہ بن النعمان رضی اللہ عنہ اندھے ہو گئے تھے اس لئے اپنے مصلی سے دروازے تک ایک دھاگا باندھ رکھا تھا جب کوئی مسکین آتا تو ٹوکری سے کچھ کھجوریں لے لیتے اور دھاگے کے سہارے سے دروازہ تک آکر اس کو دے دیتے گھر کے لوگوں نے کہا ہم آپ کا یہ کام کر سکتے ہیں بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسکین کو دینا بری جگہ پر گرنے سے محفوظ رکھتا ہے۔[3]

ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روزے سے تھیں اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا اسی حالت میں ایک مسکین نے سوال کیا تو انھوں نے لونڈی سے کہا کہ وہ روٹی اس کو دے

۱: بخاری کتاب الاطعمہ باب المومن یاکل فی معی واحد۔
۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔
۳: اصابہ تذکرہ حارثہ بن النعمانؓ۔

وہ اس نے کہا افطار کس چیز سے کیجئے گا۔ بولیں دے تو دو شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوادیا لونڈی کو بلا کر کہا ـ ـ ـ تم ـ ـ ـ سے بہتر ہے۔[1]

استعفاف

صحابہ کرام اگرچہ مفلس اور نادار تھے لیکن کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتے تھے ایک بار چند صحابہ ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی شرائط بیعت میں ایک شرط یہ بھی تھی۔

لاتالوا الناس شیئا۔
لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا۔

ان میں بعض لوگوں نے اس شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی کہ اگر راہ میں کوڑا بھی گر جاتا تھا تو کسی سے یہ نہیں کہتے تھے کہ اٹھا کر دے دو۔[2]

حضرت ابو بکر صدیق ؓ اونٹنی پر سوار ہوتے تھے اور ہاتھ سے لگام گر جاتی تھی تو اونٹنی کو بٹھا کر خود اپنے ہاتھ سے اسکو اٹھاتے تھے لوگ کہتے کہ آپ نے ہم سے کیوں نہیں کہا ہم اٹھادیتے، فرماتے میرے حبیب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "کسی سے کچھ نہ مانگ"۔[3]

ایک بار آپ نے فرمایا کہ جو شخص یہ ضمانت کرے کہ کسی سے سوال نہ کرے گا میں اس کیلئے جنت کی ضمانت کرتا ہوں آپ کے مولی ثوبان ؓ بولے میں یہ ضمانت کرتا ہوں چنانچہ اس کے بعد وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے۔[4]

ایک بار حضرت حکیم بن حزام ؓ نے آپ سے سوال کیا آپ نے ان کا سوال پورا کیا پھر مانگا، پھر دیا پھر مانگا پھر عنایت فرمایا لیکن اس کے ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ اے حکیم مال نہایت شیریں اور خوش رنگ چیز ہے جو شخص اس فیاض دلی کے ساتھ لیتا ہے اس کو برکت نصیب ہوتی ہے اور جو شخص اس کو حرص و طمع کے ساتھ حاصل کرتا ہے اس کو برکت نصیب نہیں ہوتی اور وہ مثل اس آدمی کے ہوتا ہے جو کھاتا تو ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہر حال بہتر ہے حضرت حکیم بن حزام ؓ نے اسی وقت عہد کر لیا کہ اب تادم مرگ کسی سے کچھ نہ مانگوں گا اور اس عہد کو اس شدت کے ساتھ پورا کیا کہ حضرت ابو بکر ؓ ان کو عطیہ دینے کیلئے طلب فرماتے تھے اور وہ انکار کر دیتے تھے حضرت عمر ؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو عطیہ دینا چاہا مگر انھوں نے رد کر دیا بالآخر حضرت عمر ؓ

1: موطا امام مالک کتاب الجامع باب الترغیب فی الصدقہ۔
2: ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب۔ کراھیۃ المسئلۃ۔ 3: مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۱۱۔
4: ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب کراھیۃ المسئلۃ۔

نے فرمایا کہ مسلمانو! گواہ رہنا میں حکیم کو ان کا حق دیتا ہوں اور وہ قبول نہیں کرتے۔[1]

حضرت مالک بن سنان ؓ سوال کو اس قدر موجب ننگ و عار سمجھتے تھے کہ ایک بار تین دن تک بھوکے رہے لیکن کسی سے کچھ نہ مانگا رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ جس شخص کو عفیف المسالہ شخص کا دیکھنا منظور ہو وہ مالک بن سنان ؓ کو دیکھ لے۔[2]

اصحاب صفہ اگرچہ ناداری کی وجہ سے بالکل دوسروں کے دست نگر تھے تاہم الحاح و لجاجت کے ساتھ سوال کرنا ان کی شان سے بالکل بعید تھا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کے اس مخصوص وصف امتیازی کو خاص طور پر سراہا ہے۔

يحسبهم الجاهل اغنياء من التعفف تعرفهم بسيمهم لايسئلون الناس الحافا۔

جو شخص ان کی حالت سے ناواقف ہے وہ ان کی خودداری سے ان کو دولت مند سمجھتا ہے تم صرف ان کے بشرے سے ان کو دولتمند سمجھتا ہے تم صرف ان کے بشر سے ان کو پہچان سکتے ہو کسی سے گڑگڑا کر کچھ نہیں مانگتے۔

لوگوں کے سامنے غیروں سے مانگنا تو بڑی بات ہے صحابہ کرام ؓ کی غیرت اس کو بھی گوارا نہیں کرتی تھی کہ ماں باپ سے سب کے سامنے سوال کیا جائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے کام کاج سے تنگ آگئی تھیں ، رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ لونڈی غلام آئے حاضر خدمت ہوئیں کہ آپ سے ایک غلام مانگیں دیکھا کہ آپ ﷺ سے کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں شرم کے مارے واپس آئیں۔[3]

اگر کبھی سوال کا موقع بھی آتا تو صحابہ کرام ؓ شرم و حیا سے اعلانیہ سوال نہیں کرتے تھے، بلکہ صرف حسن طلب سے کام لیتے تھے حضرت ابوہریرہ ؓ اصحاب صفہ میں تھے جس کا تمغہ امتیاز صرف فقر و فاقہ تھا ان کی حالت یہ تھی کہ بھوک کے مارے زمین پر پیٹ کے بل پڑے رہتے تھے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے لیکن کسی سے علانیہ کچھ نہیں مانگتے تھے ایک روز شاہراہ عام پر بیٹھ گئے حضرت ابو بکر ؓ کا گزر ہوا تو ان سے ایک آیت پوچھی وہ گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی۔ حضرت عمر ؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا لیکن اس حسن طلب سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ کوئی صاحب متوجہ ہوں اور اپنے ساتھ لے جا کر کھانا کھلائیں۔[4]

۱: ترمذی ابواب الزہد و بخاری کتاب الزکوۃ باب الاستعفاف عن المسئلہ۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت مالک بن سنانؓ۔

۳: ابوداؤد و کتاب الادب فی التسبیح عند النوم۔

۴: ترمذی ابواب الزہد صفحہ ۴۰۸۔

ایثار

فیاضی ایک اخلاقی وصف ہے لیکن ایثار فیاضی کی اعلیٰ ترین قسم ہے اور وہ صحابہ کرام ؓ میں اس قدر پائی جاتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمر ؓ کو عطیہ دیتے تھے لیکن وہ یہ کہہ کر انکار کر دیتے تھے کہ یہ اس کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو۔[۱]

ایک بار ایک فاقہ زدہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا سو اتفاق سے آپ کے گھر میں پانی کے سوا کچھ نہ تھا اس لئے آپ نے فرمایا آج کی شب کون اس مہمان کا حق ضیافت ادا کرے گا۔ ایک انصاری یعنی ابو طلحہ ؓ نے کہا میں یا رسول اللہ ﷺ چنانچہ اس کو ساتھ لے کر گھر آئے بی بی سے پوچھا کچھ ہے بولیں صرف بچوں کا کھانا ہے۔ بولے بچوں کو تو کسی طرح بہلاؤ جب میں مہمان کو گھر لے آؤں تو چراغ بجھا دو اور میں اس پر یہ ظاہر کروں گا کہ ہم بھی ساتھ کھا رہے ہیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ رات خدا تمہارے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا اور یہ آیت نازل فرمائی۔

ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ ۔[۲]

وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں گو وہ خود تنگ دست ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر کے پہلو میں اپنی قبر کیلئے مخصوص جگہ کر رکھی تھی لیکن جب حضرت عمر ؓ نے ان سے درخواست کی تو انھوں نے یہ تختہ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا۔

کنت اریدہ لنفسی ولاوثرن بہ الیوم علیٰ نفسی ۔[۳]

میں نے خود اپنے لئے اس کو محفوظ رکھا تھا لیکن آج اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں۔

ایک غزوہ میں حضرت عکرمہ ؓ، حضرت حارث بن ہشام ؓ، حضرت سہیل بن عمرو ؓ زخم کھا کر زمین پر گرے اور اس حالت میں حضرت عکرمہ ؓ نے پانی مانگا، پانی آیا تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت سہیل ؓ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں بولے پہلے ان کو پلا آؤ حضرت سہیل ؓ کے پاس پانی آیا تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت حارث بن ہشام ؓ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے بولے ان کو پلا آؤ بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ نہ گیا اور سب نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دی۔[۴]

۱: بخاری کتاب الزکوۃ باب من اعطاہ اللہ شیئا من غیر مسئلہ والاشراف نفس و فی اموالھم حق للسائل والمحروم ۔

۲: مسلم کتاب الاشربہ باب اکرام ضیف و فضل ایثارہ۔

۳: بخاری کتاب المناقب باب قضیۃ البیعہ۔ ۴: استیعاب تذکرہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل۔

فیاضی

اگر چہ صحابہ کرام ﷺ کے تمام اخلاقی محاسن نے اسلام کو تقویت دی لیکن سب سے زیادہ اسلام کو صحابہ ﷺ کی فیاضی سے رسوخ و ثبات حاصل ہوا مدینہ رسول اللہ ﷺ کیلئے غربت کدہ تھا لیکن انصار کی فیاضی نے آپ ﷺ کو اپنی آنکھوں میں جگہ دی مہاجرین کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور بعض شرائط کے ساتھ اپنی نخلستان کی پیداوار میں ان کو شریک کر لیا۔[1]

حضرت سعد بن الربیع ﷺ نے جائیداد کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ کو اپنی ایک بی بی بھی دینا چاہی لیکن انھوں نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی شان استغنا نے اگر چہ انصار سے خدا کے گھر کیلئے بھی زمین مانگی تو قیمت دینا چاہی لیکن انصار کی فیاضی نے اس کا معاوضہ صرف خدا سے لینا چاہا اور نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ کہا۔

لانطلب ثمنه الا الی اللّٰه۔[3]

ہم اس کی قیمت صرف خدا سے مانگتے ہیں۔

اسلام میں عمری ایک خاص قسم کا ہبہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص عمر بھر کیلئے کسی پر کوئی چیز ہبہ کر دے مدینہ میں مہاجرین آئے تو انصار نے ہر قسم کی اعانت و امداد کے ساتھ مہاجرین کو بہت سی جائیداد و بطور عمری کے دینی چاہی لیکن رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔[4]

انصار میں حضرت سعد بن عبادہ فیاضی میں عام طور پر مشہور تھے۔ روزانہ ان کے قلعہ کے اوپر سے ایک آدمی پکارتا کہ جس کو گوشت اور چربی کی خواہش ہو وہ یہاں آئے رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو زیادہ تر وہی کھانا تیار کروا کے بھیجتے تھے اصحاب صفہ کی معاش کا زیادہ تر دارو مدار ان ہی کی فیاضی پر تھا چنانچہ جب شام ہوتی تو اور صحابہ ﷺ ان میں سے ایک یا دو کو لے جاتے لیکن وہ اسی (۸۰) اسی (۸۰) آدمیوں کو لے جا کر کھانا کھلاتے۔[5]

حضرت جعفر بن ابی طالب ﷺ بھی اصحاب صفہ کے ساتھ لطف و مدارات کے ساتھ پیش آتے تھے کیونکہ وہ مسکینوں کے ساتھ محبت رکھتے تھے ان کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے حضرت ابوہریرہ ﷺ بھی مساکین صفہ میں داخل تھے اس لئے ان کو ان

۱: بخاری کتاب المزارعہ باب اذا قال اکفنی مونة النخل وغیرہ۔
۲: ایضاً کتاب المناقب باب کیف آخی النبی بین اصحابہ۔
۳: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المسجد۔
۴: مسلم کتاب الفرائض باب العمری۔
۵: اصابہ تذکرہ حضرت سعد بن عبادہؓ۔

ی فیاضی کا خاص تجربہ تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ ﷺ سے قرآن مجید کی وہ آیتیں پوچھا کرتا تھا جو مجھے ان سے زیادہ معلوم تھیں اور اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کوئی کھانا کھلائے چنانچہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب ﷺ سے پوچھنے کا اتفاق ہوتا تو وہ پہلے گھر لے جا کر کھانا کھلاتے تھے اور پھر جواب دیتے تھے بخاری کی روایت میں ہے کہ ہم لوگوں کو گھر میں لے جا کر سب کچھ کھلا دیتے یہاں تک کہ گھی کا خالی کپہ پھاڑ ڈالتے اور ہم لوگ اس کو چاٹ لیتے تھے۔[1]

مہاجرین میں حضرت ابو بکر ﷺ آپ کے ساتھ ہجرت کی تو اپنا کل مال جس کی مقدار پانچ یا چھ ہزار تھی نیک کاموں میں صرف کرنے کیلئے ساتھ لیتے گئے ان کے والد ابو قحافہ گھر میں آئے تو کہا تم لوگوں کو مصیبت میں مبتلا کر کے چلا گیا حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کی تسکین کیلئے بہت سی کنکریاں جمع کر کے طاق میں رکھیں اور ان کو ایک کپڑے سے ڈھانک کر کہا کہ ہاتھ سے ٹٹول لیجئے (وہ اندھے تھے) سب کچھ چھوڑ گئے ہیں۔[2]

مہاجرین میں حضرت عثمان ﷺ جس طرح بہت بڑے دولتمند تھے بہت بڑے فیاض بھی تھے عہد نبوت ﷺ میں جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو آپ ﷺ نے مسجد کو وسیع کرنا چاہا، مسجد کے متصل ایک قطعہ زمین تھا جس کی نسبت آپ نے فرمایا کون اس کو خرید کر خدا کے حوالہ کرتا ہے۔ حضرت عثمان ﷺ نے اس کو بیس ہزار درہم پر خرید کر مسجد پر وقف کر دیا مسلمانوں کو پانی کی تکلیف تھی بیر رومہ کو خرید کر وقف عام فرمادیا، غزوہ تبوک میں ایک متمدن سلطنت کا مقابلہ تھا اور صحابہ کرام ﷺ کے پاس سامان جہاد بہت کم تھا انھوں نے تنہا نہایت فیاضی کے ساتھ تمام سامان مہیا کیا۔[3]

غزوہ تبوک کے زمانہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں ہرقل کا قاصد آیا چونکہ آپ ﷺ عموماً قاصدوں سے لطف و مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے معذرت کی کہ ہم لوگ اس وقت سفر میں ہیں اگر ممکن ہوا تو ہم تمہیں صلہ دیں گے حضرت عثمان ﷺ نے سنا تو پکارے کہ میں صلہ دوں گا چنانچہ اپنے توشہ دان سے ایک حلہ صفوریہ نکال کر اسکو دیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون اسکو اپنا مہمان بنائے گا؟ ایک انصاری نے کہا میں اس کیلئے حاضر ہوں۔[4]

تقویت اسلام کے علاوہ ذاتی طور پر بھی صحابہ کرام ﷺ کی فیاضیوں کا دریا عموماً بہتا رہتا تھا۔ حضرت مقدام ﷺ ایک صحابی تھے وہ چند رفقاء کے ساتھ حضرت امیر معاویہ ﷺ کے

---

۱ بخاری و ترمذی کتاب المناقب جعفر بن ابی طالبؓ۔
۲ مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۵۰۔
۳ نسائی کتاب الجہاد فضل من جز غازیہ۔
۴ مسند بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۴۲۔

دربار میں حاضر ہوئے اور انھوں نے صرف ان کو مالی عطیہ دیا لیکن انھوں نے اپنے تمام رفقاء پر برابر برابر تقسیم کر دیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مقدام ایک فیاض شخص ہیں۔[1]

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نہایت فیاض اور بہادر صحابی تھے غزوات میں انصار کا علم ان ہی کے ہاتھ میں رہتا تھا اور وہ اس عزت کو اپنی فیاضی سے قائم رکھتے تھے ایک غزوہ میں وہ قرض لے کر فوج کو کھانا کھلاتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس فوج میں شریک تھے دونوں بزرگوں نے مشورہ کیا کہ اگر ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا گیا تو اپنے باپ کا تمام سرمایہ برباد کر دیں گے۔ اس لئے ان کو روکنا چاہا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر کہا کہ مجھ کو ابن قحافہ اور ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے کون بچائے گا۔ میرے بیٹے کو یہ بخیل بنانا چاہتے ہیں۔[2] ان کی فیاضی یہیں تک محدود نہ تھی بلکہ ان کے پاس ایک پیالہ تھا وہ جہاں جاتے تھے اس میں ایک آدمی گوشت اور مالیدہ بھر کے لے چلتا تھا اور پکارتا جاتا تھا کہ هلموا الى للحم و الثريد یعنی آؤ اور گوشت اور مالیدہ کھاؤ، ایک بار ایک بڑھیا نے ان سے کہا کہ میرے گھر میں چوہے نہیں رہتے بولے کیا خوب کنایہ ہے اس کا گھر روٹی گوشت اور کھجور سے بھر دو۔[3]

حضرت عدی حاتم طائی کے بیٹے تھے ایک بار ان سے ایک شخص نے سو درہم مانگے تو بولے حاتم کے بیٹے سے صرف سو درہم مانگتا ہے خدا کی قسم نہ دوں گا۔[4]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قدر فیاض تھیں کہ جو کچھ ہاتھ میں آجاتا، اس کو صدقہ کر دیتی تھیں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو روکنا چاہا تو اس قدر برہم ہوئیں کہ ان سے بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی۔[5] حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی اسی درجہ کی فیاض تھیں لیکن دونوں بہنوں کے طرز عمل میں اختلاف تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول یہ تھا کہ جمع کرتی جاتی تھیں جب معتدبہ سرمایہ جمع ہو جاتا تھا تو اس کو تقسیم کر دیتی تھیں لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کل کیلئے کچھ نہ رکھ چھوڑتی تھیں، جو کچھ ملتا تھا روز کا روز صرف کر دیا کرتی تھیں۔[6]

ایک بار حضرت منکدر بن عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر

۱: ابوداؤد کتاب اللباس باب فی جلود والنمور۔

۲: اسد الغابہ جلد ۴ ص صفحہ ۲۱۵ تذکرہ حضرت قیس بن سعدؓ۔ ۳: حسن المحاضرہ جلد اول ص ۹۵۔

۴: مسلم کتاب الایمان باب ندب من حلف يمينا فرأى غيرها خيرا منها ان ياتي الذى هو خير ويكفر عن يمينه۔

۵: بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش۔ ۶: ادب المفرد باب السخاوۃ۔

ہوئے بولیں کہ تمہارا کوئی لڑکا ہے۔ انھوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو میں تم کو دے دیتی حسن اتفاق سے شام ہی کو حضرت امیر معاویہ نے ان کے پاس روپے بھیجے بولیں کس قدر جلدی میری آزمائش ہوئی فوراً ان کے پاس دس ہزار درہم بھجوا دیے انھوں نے اس رقم سے ایک لونڈی خرید لی اور اس سے ان کے متعدد بچے پیدا ہوئے۔

حضرت سعید بن عاص ﷺ کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ اگر ان سے کوئی سائل سوال کرتا اور ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو اس کو دستاویز لکھ دیتے کہ جب ہوگا تو دیا جائے گا۔ ہر جمعہ کو اپنے بھائی بند کو جمع کرتے ان کو کھانا کھلاتے خلعت پہناتے اور ان کے گھروں پر صلے بھیجتے، ہر جمعرات کو کوفہ (وہ کوفہ کے گورنر تھے) کی مسجد میں غلام کے ہاتھ اشرفیوں کے توڑے بھیجتے کہ نمازیوں کے آگے رکھ آئے اس بنا پر اس دن مسجد میں نمازیوں کا ازدحام ہو جاتا مرتے وقت ان پر اسی ہزار اشرفیوں کا قرض تھا بیٹے نے پوچھا یہ قرض کیوں کر ہوا بولے کسی شریف کی حاجت روائی نہ کی کسی حیادار آدمی کو اس کے سوال کرنے سے پہلے دے دیا اسی میں یہ قرض ہوا۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ ایک بار ان کے پاس بیس ہزار درہم سے زیادہ آئے انھوں نے اسی مجلس میں بیٹھے بیٹھے لوگوں کو دے دیا یہاں تک کہ جب کل خرچ ہو چکا تو ایک شخص کو انہی میں سے قرض لے کر دے دیا وہ اکثر روزے سے رہتے تھے لیکن جب کوئی مہمان آجاتا تھا تو وہ روزہ توڑ دیتے تھے کہ فیاضی کی وجہ سے کھانا کھلانا ان کو بہت پسند تھا۔ ان کے دستر خوان پر اس کثرت سے لوگ جمع ہو جاتے تھے کہ بعض لوگوں کو کھڑے کھڑے کھانا کھانے کا اتفاق ہوتا تھا ایک بار ان کی خواہش سے مچھلی پکائی گئی سامنے آئی تو ایک سائل آیا انھوں نے اس کو اٹھا کر دے دی۔ ایک بار بیمار پڑے لوگوں نے ان کیلئے ایک درہم پر پانچ انگور خریدے سامنے سے سائل گزرا انھوں نے اس کو دینا چاہا لوگوں نے کہا کہ ہم اس کو دے دیں گے مگر نہ مانے بالآخر لوگوں نے اس کو دے کر بعد کو اس سے پھر خرید لیا۔ [2]

کف لسان

حدیث شریف میں آیا ہے

من وقاہ اللّٰہ شر اثنین و الج الجنہ مابین لحیہ و مامبین رجلیہ۔

(موطائے امام مالک)

جس شخص کو خدا نے دو چیزوں کی برائی سے محفوظ رکھا تو وہ جنت میں داخل ہوا یعنی زبان اور شرمگاہ۔

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن العاصؓ۔
۲: طبقات ابن سعدؒ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

اس لئے صحابہ کرام ؓ غیبت، بدگوئی، نکتہ چینی ،فحاشی سب وشتم اور لایعنی باتوں سے نہایت احتراز کرتے تھے۔

حضرت حارث بن ہشام ؓ نہایت کم سخن تھے ایک بار انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کوئی ایسا عمل بتایئے جس کا میں التزام کرلوں آپ نے زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کو قابو میں رکھو وہ پہلے ہی سے کم سخن تھے انھوں نے کہا کہ یہ تو نہایت آسان کام ہے لیکن ان کا بیان ہے کہ جب میں نے اس پر عمل کرنا چاہا تو وہ نہایت دشوار معلوم ہوا۔[1]

ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن حارث ؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سند سے مروان کے سامنے ایک حدیث بیان کی اس سے پہلے حضرت ابوہریرہ ؓ اس کے مخالف روایت کر چکے تھے مروان نے اس کو قسم دلائی کہ ردوقدح کے ذریعہ سے ابوہریرہ ؓ کو جا کر دق کرو لیکن انھوں نے اس کو ناپسند کیا۔

ایک روز اتفاق سے حضرت ابوہریرہ ؓ مل گئے انھوں نے نہایت نرمی سے کہا میں تم سے ایک بات کہتا ہوں اور اگر مروان نے قسم نہ دلائی ہوتی تو نہ کہتا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت بیان کی۔[2]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن سلیم ؓ کو چند نصیحتیں کیں جن میں ایک یہ تھی کہ کسی کو برا بھلا نہ کہو وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے انسان تو انسان اونٹ اور بکری کی نسبت بھی نا ملائم الفاظ استعمال نہیں کیے۔[3]

ایک بار حضرت شداد بن اوس ؓ سفر میں تھے منزل پر اترے تو غلام سے کہا کہ چھری لاؤ اس سے کھیلیں چونکہ یہ فعل عبث تھا لوگوں نے اس پر نکتہ چینی کی بولے کہ جب سے میں اسلام لایا بجز اس کلمہ کے جو بات کہتا تھا اس کو لگام اور مہار دونوں لگالیتا تھا سو تم لوگ میری اس بات کو نہ یاد کرو۔[4]

اگر صحابہ کرام ؓ کی زبان سے کوئی سخت لفظ نکل جاتا تھا تو اس پر ان کو سخت ندامت ہوتی تھی ایک بار حضرت ابوبکر ؓ نے حضرت ربیعہ اسلمی ؓ کو ایک سخت کلمہ کہہ دیا جس پر ان کو سخت ندامت ہوئی اور حضرت ربیعہ ؓ سے کہا کہ تم بھی مجھ کو ایسا ہی کلمہ کہو تاکہ بدلہ ہو جائے انھوں نے کہا میں ایسا نہیں کر سکتا بولے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت

۱: استیعاب تذکرہ حضرت حارث بن ہشام بن مغیرہ۔
۲: بخاری کتاب الصوم باب الصائم الصبح جنبا۔
۳: استیعاب تذکرہ حضرت جابر بن سلیم۔
۴: مسند ابن حنبل ج ۴ صفحہ ۱۲۳۔

میں شکایت کروں گا انھوں نے اب بھی انکار کیا معاملہ آپ تک پہنچا تو آپ نے حضرت ربیعہ ؓ سے کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا لیکن ابو بکر ؓ کیلئے استغفار کروانھوں نے ان کیلئے دعا مغفرت مانگی تو وہ روتے ہوئے واپس آئے۔[1]

ایک بار حضرت عمر ؓ اور حضرت ابو بکر ؓ میں سخت کلامی ہو گئی بعد کو حضرت ابو بکر ؓ کو ندامت ہوئی اور حضرت عمر ؓ سے معافی مانگی انھوں نے معافی سے انکار کیا تو گھبرائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے تین بار فرمایا خدا تمہاری مغفرت کرے۔ اب حضرت عمر ؓ کو بھی پشیمانی ہوئی دوڑے ہوئے حضرت ابو بکر ؓ کے گھر آئے ان سے ملاقات نہ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ کا چہرہ متغیر ہے۔ اس حالت میں دیکھ کر خود حضرت ابو بکر ؓ کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ مبادہ حضرت عمر ؓ کے خلاف کوئی ناگوار بات نہ پیش آجائے۔ اس لئے دوزانو بیٹھ کر کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے بڑا ظلم کیا۔[2]

حضرت ابو بکر ؓ کو اپنی زبان پر قابو نہ تھا اس لئے وہ ہمیشہ اس پر نادم رہتے تھے اور اس کی اصلاح کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عمر ؓ نے دیکھا کہ وہ اپنی زبان کھینچ رہے ہیں بولے خدا آپ کی مغفرت کرے اس فعل سے باز آیئے بولے اسی نے تو مجھے تباہ کیا ہے۔[3]

عیب پوشی

ایک شخص ایک گناہ کا مرتکب ہوتا ہے ہم لوگ اس کو افسانہ بزم وانجمن بنا لیتے ہیں لیکن صحابہ کرام ؓ لوگوں کی برائیوں کو چھپاتے تھے اور نیکیوں کو نمایاں کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد میں دنیا کے سیاہ چہرے پر عیب پوشی کی نورانی چادر پڑی ہوئی تھی ایک دن حضرت عقبہ بن عامر ؓ سے ان کے میر منشی نے کہا کہ میرے پڑوسی شراب پیتے ہیں میں نے ان کو منع کیا باز نہ آئے اب میں پولیس کو بلاتا ہوں انھوں نے کہا جانے دو اس نے دوسری بار پھر یہی گزارش کی بولے جانے بھی دو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

من رای عورہ فسترھا کان کمن احیی موده۔[4]

جس نے عیوب پر پردہ ڈالا وہ اس شخص کے مثل ہے جس نے زندہ درگور لڑکی کو جلالیا۔

حضرت ابو بکر ؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور زنا کا اقرار کیا بولے اور کسی سے کہا ہے؟ کہا

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۵۸۔۵۹۔
[2] بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ۔
[3] موطاء امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فیما یخاف من اللسان۔
[4] ابوداؤد کتاب الادب باب الستر علی المسلمؓ۔

نہیں فرمایا، خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اس پر خدا کا پردہ ڈال لو، کیونکہ خدا بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، لیکن اس کو تسکین نہ ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر میں چور پکڑتا تو میری سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی کہ خدا اس کے جرم پر پردہ ڈال دے۔[2]

انتقام نہ لینا

اگر دشمن کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو ہمارے لئے انتقام لینے کا، اس سے بہتر کوئی موقع نہیں مل سکتا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں خدا اور رسول کی محبت نے بغض وانتقام کی جگہ کب چھوڑی تھی؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا میں باہم نوک جھونک رہتی تھی، لیکن جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ان کی اخلاقی حالت دریافت فرمائی تو بجائے اس کے کہ وہ انتقام لیتیں، بولیں کہ میں اپنے کان اور آنکھ کی پوری حفاظت کرتی ہوں، مجھے انکی نسبت بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خود اعتراف ہے کہ:-

و هی التی تصا مینی فعصمها الله بالورع۔[3]

وہ اگرچہ میری حریف مقابل تھیں، لیکن خدا نے تورع کی وجہ سے ان کو بچالیا۔

انتقام تو بڑی چیز ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے دشمنوں سے بغض رکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو قتل کردیا تھا، ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک شخص سے پوچھا کہ اس غزوہ میں معاویہ کا سلوک کیسا رہا۔ اس نے کہا ان میں کوئی عیب نہ تھا، سب لوگ ان کے مداح رہے، اگر کوئی اونٹ ضائع ہو جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا اونٹ دے دیتے تھے، اگر کوئی گھوڑا مر جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا گھوڑا دے دیتے تھے، اگر کوئی غلام بھاگ جاتا تھا، تو وہ اس ایک جگہ دوسرا غلام دے دیتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر کہا، استغفر اللہ، اگر میں ان سے اس بنا پر دشمنی رکھوں کہ انہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا ہے، کہ خداوند جو شخص میری امت کے

۱: مؤطا امام محمد ابواب الحدود فی الزنا باب الاقرار بالزنا۔
۲: طبقات ابن سعد تذکرہ زبید بن الصلت۔
۳: بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضهن بعضا۔

ساتھ نرمی کرے تو بھی اس کے ساتھ نرمی کر اور جوان پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر۔[1]

حلم

فیض تربیت نبوی ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو نہایت نرم خو ، حلیم اور بردبار بنادیا تھا، ایک بار ایک شخص نے حضرت ابو بکر ؓ کو برا بھلا کہا، وہ خاموش رہے اس نے دوسری بار پھر کلمات ناشائستہ کہے، وہ چپ رہے، تیسری بار پھر انکا اعادہ، کیا تب اس کا جواب دیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسکو بھی پسند نہ کیا۔[2]

حضرت سلمان فارسی ؓ بداین کے گورنر تھے، لیکن حلم و بردباری کا یہ حال تھا کہ ایک بار راستے میں جارہے تھے، ایک شخص بانس کا بوجھ لیے جارہا تھا۔ اس سے ان کا بدن چھل گیا اس کے پاس پھر کے آئے اور اس کا شانہ ہلا کر کہا کہ، جب تک نوجوانوں کی حکومت کا زمانہ نہ دیکھ لو، تمہیں موت نہ آئے[3] وہ عبا اور جانگھیا پہن کر نکلتے تھے تو لوگ ان کو دیکھ کر کہتے کرک آمد کرک آمد، وہ پوچھتے کہ یہ کیا کہتے ہیں؟ لوگ کہتے کہ آپ کو ایک کھلونے سے تشبیہ دیتے ہیں، لیکن وہ یہ سن کر صرف اس قدر کہتے کہ ان کا کوئی جرم نہیں نیکی آج کے دن کے بعد ہے۔

اسی قسم کی وضع کی وجہ سے راستہ میں بچے ان کو گھیر لیتے تو بعض لوگ کہتے کہ امیر کے پاس سے ہٹ نہیں جاتی، فرماتے، ان کو جانے دو، برائی بھلائی آج کے بعد ہے۔

ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے، چند نوجوان سپاہیوں کے سامنے سے گزرے تو وہ سب ان کو دیکھ کر ہنس پڑے، اور تمسخر آمیز لہجے میں کہا کہ یہی تمہارے سپہ سالار ہیں، ایک شخص نے کہا کہ دیکھئے تو یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ بولے، جانے بھی دو۔[4]

مہمان نوازی

مہمان نوازی اہل عرب کے محاسن اخلاق کا نہایت نمایاں جزو تھی، اسلام نے اس کو اور بھی نمایاں کردیا تھا ، اس لیے صحابہ کرام ؓ کی زندگی میں مہمان نوازی کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک بار وفد بنو منتفق حاضر ہوا، سوانفاق سے آپ گھر میں موجود نہ تھے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً خزیرہ (عرب کا ایک کھانا تھا) تیار کرنے کا حکم دیا، اور مہمانوں کے سامنے ایک طبق میں کھجوریں رکھوادیں، آپ ﷺ تشریف

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت معاویہ بن خدیج۔
۲: ابوداود کتاب الادب باب فی الانتصار۔
۳: یعنی وہ میری طرح انکے متحمل نہ ہوں گے۔
۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔

ائے تو حسب معمول سب سے پہلے دریافت فرمایا کہ کچھ ضیافت کا سامان ہوا یا نہیں۔ ان لوگوں نے کہا، یہ تو ہو چکا۔[1]

ایک بار ایک شخص حضرت ابوذر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے باصرار کھانا، منگوایا، اور کہا کہ کھاؤ میں روزہ سے ہوں۔[2]

ایک بار حضرت ابوالدرداء ؓ کی خدمت میں ایک شخص آیا ، انھوں نے کہا کہ اگر آپ قیام کریں تو ہم آپ کے ناقہ کو چرنے کیلئے چھوڑ دیں اور اگر جانا چاہیں تو اس کو چارہ کھلا دیں ، وہ بولا کہ میں جانا چاہتا ہوں، فرمایا ، تو میں آپ کو ایک زادراہ دیتا ہوں۔ اگر اس سے بہتر کوئی زادراہ ہوتا تو میں اس کو تمہارے ساتھ کر دیتا یہ کہہ کر ایک حدیث بیان کی۔[3]

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں وفد عبدالقیس حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے انصار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، اپنے بھائیوں کی خاطر مدارت کرو، کیونکہ شکل میں صورت میں، وضع میں اور اسلام میں وہ تم سے بہت کچھ مشابہ ہیں اور بلا جبر و کراہ اسلام لائے ہیں" انصار نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لے لیا، صبح کے وقت وہ لوگ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا، تمہارے بھائیوں نے تمہاری خاطر مدارت کیسی کی؟ بولے بڑے اچھے لوگ ہیں، ہمارے لئے نرم بچھونے بچھائے عمدہ کھانے کھلائے اور رات بھر کتاب و سنت کی تعلیم دیتے رہے۔" آپ نہایت خوش ہوئے اور ہر ایک نے جو کچھ پڑھا تھا، اس کو سنایا،[4] ایک شخص مدینہ میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کے مہمان ہوئے اور انھوں نے جس طریقہ سے ان کی مہمان داری کی وہ اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

فلم رجلا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشد تشمیرا ولا اقوم علی ضعیف منہ۔[5]

میں نے صحابہ ؓ میں سے کسی کو ان سے زیادہ مستعدانہ طریقہ پر مہمانی کرنے والا اور مہمان کی خبر رکھنے والا نہیں پایا۔

حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا نہایت دولتمند اور فیاض صحابیہ تھیں، انھوں نے اپنے مکان کو مہمان خانہ بنادیا تھا ، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جو باہر سے مہمان آتے تھے، وہ اکثر ان ہی کہ مکان پر ٹھہرتے تھے۔[6]

۱: ابوداود کتاب الطہارۃ باب فی الانتشار۔
۲: ادب المفرد باب من قدم الی ضیفہ طعاما فقام یصلی۔
۳: مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۱۹۶۔ ۴: مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۳۲۔
۵: ابوداوٗد کتاب النکاح باب ما یکرہ من ذکر الرجل ما یکون من اصابتہ اھلہ۔
۶: نسائی کتاب النکاح باب الخطبہ فی النکاح۔

تحفظ عزت

حضرت محمد بن مسلمہ ﷺ جب کعب بن اشرف ﷺ کے قتل کو گئے، اور اس سے قرض لینے کا بہانہ کیا تو اس نے اپنی دنارت طبعی سے ان کی آل واولاد کو گرو کروانا چاہا لیکن وہ بولے، سبحان اللہ لوگ ہماری اولاد کو طعنہ دیں گے کہ دو وسق غلہ پر گرو تھے۔[1]

حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ جس روز شہید ہوئے، اس روز اپنی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، انھوں نے ان کو دیکھا تو بولیں بیٹا قتل کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط نہ قبول کر لینا جس میں تم کو ذلت برداشت کرنا پڑے، خدا کی قسم عزت کے ساتھ، تلوار کھا کر مر جانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کر لی جائے،[2] شاعروں کی حوصلہ افزائی اگرچہ صحابہ کرام ﷺ کے تقدس کیخلاف تھی تاہم تحفظ عزت کیلیے وہ اس فرقہ کو بھی محروم نہیں تھے، ایک بار حضرت عمران بن حصین کی خدمت میں ایک شاعر آیا جس کو انہوں نے صلہ دیا، لوگوں نے کہا، آپ شاعر کو انعام دیتے ہیں، بولے، اپنی اپنی عزت کو قائم رکھتا ہوں۔[3]

صبر وثبات

مردوں پر نوحہ وبکا کرنا، بال نوچنا، کپڑے پھاڑ ڈالنا، مدتوں مرثیہ خوانی کرنا عرب کا قومی شعار تھا، لیکن فیض تربیت نبوی نے صحابہ کرام ﷺ کو صبر وثبات کا اس قدر خوگر بنادیا تھا کہ حضرت ابو طلحہ ﷺ انصاری کا لڑکا بیمار ہوا اور وہ صبح کے وقت اس کو بیمار چھوڑ کر باہر چلے گئے اور ان کی عدم موجودگی میں لڑکا جان بحق تسلیم ہوگیا ان کی بی بی نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ ابو طلحہ ﷺ سے نہ کہنا، وہ شام کو پلٹے تو بی بی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ بولیں پہلے سے زیادہ سکون کی حالت میں ہے، یہ کہہ کر سامنے کھانا لائیں اور انہوں کھانا کھایا، اس کے بعد معمول سے زیادہ بن ٹھن کے سامنے آئیں اور ان کے ساتھ ہم بستر ہوئیں، صبح ہوئی تو استعارۃً کہا کہ اگر ایک قوم کسی کو کوئی چیز عاریۃً دے اور پھر اس کا مطالبہ کرلے تو کیا اس کے روک رکھنے کا حق حاصل ہے۔ بولے نہیں، بولیں تو پھر اپنے بیٹے کو صبر کرو۔[4]

۱: ابوداؤد کتاب الجهاد باب فی العدو يؤتى على غرة و يتشبه بهم۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن زبیر۔

۳: ادب المفرد باب اعطاء الشاعر اذا خاف شرہ۔

۴: مسلم کتاب الآداب باب استحباب تحنيك المولو و عند ولاوته وحمله الى صالح يحكه و جواز تسمية يوم ولادة واستحباب التسمية بعبد الله و ابراهيم و سائر اسماالانبياء عليهم السلام و کتاب الفضائل باب من ابی طلحته الانصاری۔

رسول اللہ ﷺ غزوہ احد سے واپس ہوئے تو تمام صحابیات اپنے اپنے اعزہ و اقارب کا حال پوچھنے آئیں انہی میں حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی تھیں، وہ آئیں تو آپ نے فرمایا کہ حمنہ اپنے بھائی عبداللہ بن جحش کو صبر کرو، انہوں نے انا للہ پڑھا اور ان کیلئے دعائے مغفرت کی پھر فرمایا کہ اپنے ماموں حمزہ بن عبدالمطلب ؓ کو بھی صبر کرو، انہوں نے اس پر بھی انا للہ پڑھا اور دعائے مغفرت کر کے خاموش ہو رہیں۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے صاحبزادے واقد نے انتقال کیا تو انہوں نے تجہیز و تکفین کے بعد بدوؤں کو بلایا اور ان میں دوڑ کروائی۔ اس پر حضرت نافع ؓ نے کہا کہ ابھی آپ واقد کو دفن کر کے آئے اور ابھی بدوؤں میں دوڑ کروا رہے ہیں۔ فرمایا اے نافع جب مشیت ایزدی اپنا کام کر چکی، تو اس کے نتائج کو کسی نہ کسی طرح بھلا ہی دینا چاہیے۔[2]

حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ جب حجاج سے معرکہ آرا ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیمار تھیں، وہ ان کے پاس آئے اور مزاج پرسی کے بعد بولے کہ مرنے میں آرام ہے، بولیں، شاید تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے لیکن جب تک دو باتوں میں سے ایک نہ ہو جائے میں مرنا پسند نہ کروں گی، یا تم شہید ہو جاؤ اور میں تم کو صبر کر لوں یا فتح و ظفر حاصل کرو کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، چنانچہ جب وہ شہید ہو چکے تو حجاج نے ان کو سولی پر لٹکا دیا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا باوجود پیرانہ سالی کے عبرت کا یہ منظر دیکھنے آئیں، اور بجائے اس کے کہ روتی پیٹتیں، حجاج کی طرف مخاطب ہو کر کہا، کیا اس سوار کیلئے ابھی تک وقت نہیں آیا کہ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آئے۔[3]

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ ایک سفر میں تھے، اسی حالت میں اپنے بھائی حضرت قثم بن عباس ؓ کے انتقال کی خبر سنی، پہلے انا للہ پڑھا، پھر راستے سے ہٹ کر دو رکعت نماز ادا کی، نماز سے فارغ ہو کر اونٹ پر سوار اور یہ آیت پڑھی۔

و استعینوا بالصبر و الصلوۃ و انھا لکبیرۃ الا علی الخاشعین۔[4]

(مصیبت میں) صبر اور نماز کا سہارا پکڑو نماز بجز خشوع و خضوع کرنے والوں کے سب پر گراں ہے۔

اسی صبر و ثبات کا یہ نتیجہ تھا کہ جب کفار نے حضرت خبیب ؓ کو شہید کرنا چاہا تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور کہا کہ اگر تم کو یہ خیال نہ ہوتا کہ میں مرنے سے ڈرتا ہوں تو ان رکعات کو اور طویل کرتا۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے۔

1: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمنہؓ بن جحش۔ 2: طبقات ابن سعد تذکرہ واقد بن عبداللہ۔
3: استیعاب تذکرہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ 4: اسد الغابہ تذکرہ حضرت قثم بن عباسؓ۔

ولست ابالی حین اقتل مسلما — علی ای شق کان للّٰہ مصرعی[1]
جب میں مسلمان ہوکر مرتا ہوں — تو اس کی کیا پروا کہ میرا دھڑ کس بل گرے گا
وذلک فی ذات الالٰہ وان یشاء — یبارک علی اوصال شلو ممزع
یہ مرنا تو خدا کیلئے ہے اگر وہ چاہے — تو ان کٹے ہوئے جوڑوں پر برکت نازل کرسکتا ہے

جرأت وشجاعت

جرأت وشجاعت کا اظہار کبھی عقائد کے اظہار میں ہوتا ہے کبھی میدان جنگ میں اور کبھی ظالم بادشاہوں کے سامنے، صحابہ کرام ﷺ میں یہ اخلاقی جوہر موجود تھا، اس لیئے اس کا ظہور ان تمام موقعوں پر ہوتا تھا۔

حضرت ابوذر غفاری ﷺ نہایت قدیم الاسلام صحابی ہیں، وہ مکہ میں آکر ایمان لائے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہدایت کی کہ اس وقت اپنے وطن کو واپس جاؤ اور اپنی قوم کو میری بعثت کی خبر کرو لیکن انھوں نے نہایت پرجوش لہجے میں کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں کفار مکہ کے سامنے ہی کلمہ توحید کا اعلان کروں گا حالت یہ تھی کہ وہ غریب الوطن تھے مکہ میں کوئی ان کا حامی ومددگار نہ تھا، لیکن بایں ہمہ وہ مسجد حرام میں آئے اور بآواز بلند کہا، اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ، اس آواز کا سننا تھا کہ کفار ٹوٹ پڑے اور سخت زدوکوب کیا، لیکن انھوں نے دوسرے دن پھر اسی جوش کے ساتھ خانہ کعبہ میں اس کلمے کا اعلان کیا اور کفار نے پھر اسی طرح یورش کی۔[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ چھٹے مسلمان ہیں ان میں سے پہلے کوئی مسلمان مکہ میں اعلانیہ تلاوت قرآن کی جرات نہیں کر سکتا تھا، لیکن وہ اسلام لائے تو ایک روز تمام صحابہ ﷺ نے جمع ہو کر کہا کہ اب تک قریش نے قرآن مجید کو کسی کی زبان سے علانیہ نہیں سنا، اس کی جرات کون کر سکتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے کہا میں صحابہ کرام ﷺ نے کہا کہ ہم کو تمہاری نسبت خوف ہے ہم ایسا آدمی چاہتے ہیں، جس کا قبیلہ ہو تا کہ کفار حملہ کریں تو اس کی طرف سے مدافعت کر سکتے، بولے مجھے جانے دو خدا میری حفاظت کرے گا، اٹھے اور ٹھیک دوپہر میں آئے خانہ کعبہ میں قریش انجمن آرا تھے مقام ابراہیم کے پاس پہنچ کر بآواز بلند کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم الرحمن علم القران کفار نے سنا تو کہا کہ ابن ام عبید کیا کہتا ہے۔ غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی آیتیں ہیں، دفعتہ تمام کفار ٹوٹ پڑے اور زدوکوب کرنے لگے وہ پلٹے تو چہرے پر زخموں کے نشان دیکھ کر صحابہ ﷺ نے کہا کہ ہم کو اسی کا توڑر

۱۔ بخاری کتاب الجہاد باب قتل الاسیر۔ ۲۔ بخاری کتاب المناقب باب اسلام ابی ذرؓ۔

تھا، بولے، خدا کے دشمن آج سے زیادہ مجھے کبھی کمزور نظر نہیں آئے، اگر کہو تو کل بھی اسی طرح ان کو اعلانیہ قرآن سنا آؤں۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو پہلے اپنے ماموں کے گھر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا انہوں نے دروازہ کھولا تو کہا، تمہیں معلوم ہے کہ میں صابی ہو گیا، وہاں سے ایک سردار قریش کے پاس آئے اور وہاں بھی یہی گفتگو ہوئی وہاں سے نکلے تو ایک آدمی نے کہا کہ، تم اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہتے ہو؟ بولے، ہاں، اس نے کہا، تو اس کی صورت یہ ہے کہ جب کفار خانہ کعبہ میں حجرا سود کے پاس جمع ہوں تو تم وہاں جاؤ ان میں ایک آدمی جو افشائے راز میں بدنام ہے اس کے کان میں یہ راز کہہ دو وہ اعلان کر دے گا، انھوں نے خانہ کعبہ میں جا کر اس کے کان میں کہا تو وہ بآواز بلند پکارا عمر بن خطاب صابی ہو گیا یہ سننا تھا کہ کفار دفعتہً ٹوٹ پڑے اور باہم زدو کوب ہونے لگے۔ بالآخر ان کے ماموں نے اپنی آستین سے اشارہ کیا کہ میں اپنے بھانجے کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں اب کفار رک گئے۔[2]

غزوات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس طرح داد شجاعت دی صحابیات کے بہادرانہ کارنامے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہیں غزوہ حنین میں کفار نے اس زور و شور سے حملہ کیا تھا، کہ میدان جنگ لرز اٹھا، لیکن حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے منتظر تھیں کہ کوئی کافر سامنے آئے تو اس کا کام تمام کر دیں، چنانچہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بولیں "چاہتی ہوں کہ کوئی کافر قریب آئے تو پیٹ میں بھونک دوں"۔[3]

غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے تمام بیبیوں کو ایک قلعہ میں کر دیا تھا ایک یہودی آیا اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا، حضرت صفیہ نے دیکھا تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ پلٹ کر یہودی سے ہماری جاسوسی کر لے جاؤ اور اس کو قتل کرو، بولے، تمہیں تو یہ معلوم ہے کہ "میں اس میدان کا مرد نہیں، اب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خود اتریں اور خیمہ کے ایک ستون سے اس کو ایسا مارا کہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔[4]

تمام عرب حجاج کے ظلم و ستم سے کانپتا تھا، لیکن جب اس نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو پھانسی دی اور ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو بلوا بھیجا، تو انہوں نے آنے سے انکار کیا دوسری بار آدمی بھیجا کہ اگر اب کی نہ آئیں تو بال پکڑ کر گھسٹوا بلاؤں گا۔ انہوں نے پھر

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ۔ ۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ۔

۳: ابوداؤد و کتاب الجہاد باب فی السلب یعطی القاتل۔

۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت صفیہؓ بنت عبد المطلب۔

انکار کیا اور کہا کہ ان لوگوں کو بھیج دو جو بال پکڑ کر مجھے گھسیٹ لے جائیں۔ مجبور اًحجاج خود آیا اور کہا کہ دیکھا میں نے خدا کے دشمن کے ساتھ کیا کیا؟ بولیں ہاں دیکھا تم نے اس کی دنیا خراب کی، اس نے تمہاری آخرت کو برباد کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ تم اس کو ابن ذوالنطاقین کہتے تھے (دو پٹکوں والی عورت کا لڑکا)۔ خدا کی قسم ذوالنطاقین میں ہی ہوں، ایک پٹکے میں میں نے ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا زاد راہ باندھا تھا اور دوسرا پٹکا عورت کا معمولی پٹکا ہے جس سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتی آپ نے فرمایا ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک بلا کو پیدا ہوگا کذاب مسیلمہ کو تو ہم دیکھ چکے میرا خیال ہے کہ بلا کو تو ہے حجاج اٹھ کھڑا ہوا اور کچھ جواب نہ دیا۔[1]

اعتراف گناہ

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو بھی بڑا سمجھتے تھے اور اس سے اجتناب کرتے تھے چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

انکم لتعلمون اعمالاهی ادق فی اعینکم من الشعران کنا لنعدها علی عهد النبی ﷺ من الموبقات۔[2]

تم لوگ بہت سے کام کرتے ہو جو تمہیں بال سے بھی زیادہ باریک یعنی حقیر نظر آتے ہیں لیکن ہم لوگ عہد نبوت ﷺ میں ان کو مہلک ترین گناہ میں شمار کرتے تھے۔

تاہم مقتضائے بشریت ان سے کبھی کبھی بعض گناہ سرزد ہو جایا کرتے تھے لیکن ہم میں اور ان میں فرق یہ ہے کہ ہم گناہ کرتے ہیں تو طرح طرح کے ریاکارانہ طریقوں سے اس کو چھپاتے ہیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت صداقت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے تھے اور طالب مغفرت ہوتے تھے۔

ایک بار ماہ رمضان میں حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ نے اپنی بی بی سے ظہار کیا لیکن ایک روز بی بی رات کو مصروف خدمت تھیں ان سے مقاربت کرلی چونکہ اس حالت میں مقاربت ناجائز تھی۔ پہلے اپنی قوم کو اس واقعہ کی خبر کی اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلو۔ لوگوں نے انکار کیا، تو خود گئے اور آپ کو واقعہ سے اطلاع دی، آپ ﷺ نے فرمایا تم اور ایسا کام! بولے ہاں یا رسول اللہ ﷺ میں خدا کے حکم پر صابر رہوں گا۔ جو فیصلہ ہو صادر فرمائیے۔[3]

ایک بار روزے کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بی بی کا بوسہ لے لیا رسول اللہ ﷺ کی

۱: مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کذاب ثقیف وغیرہا۔
۲: بخاری کتاب الرقاق باب ما یتقی من محقرات الذنوب۔
۳: ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی الظہار۔

خدمت میں آئے اور کہا کہ میں نے بڑا قصور کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم روزے کی حالت میں کلی کرلو تو اس کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے۔ بولے اس میں تو کوئی حرج نہیں ارشاد ہوا کہ اسی طرح اس کو بھی جانے دو۔[1]

ایک بار رمضان کے دن میں رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے ایک صحابی نے آکر کہا یارسول اللہ ﷺ میں تو جل بھنا، آپ ﷺ نے پوچھا کیا حال ہے؟ بولے بی بی سے مقاربت کرلی۔

صداقت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جھوٹ سے زیادہ کوئی خلق اصحاب رسول اللہ ﷺ کے نزدیک مبغوض نہ تھا اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹ بول دیتا تو آپ ﷺ کے دل میں اس وقت تک اس کی کھٹک باقی رہتی جب تک وہ توبہ نہ کرلیتا۔[2]

مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے تمام مال غنیمت قریش کو دے دیا انصار کو خبر ہوئی تو بولے یا للعجب ہماری تلواروں سے جنکا خون ٹپک رہا ہے ہمارا مال غنیمت انہیں کو دیا جارہا ہے آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو تمام انصار کو جمع کرکے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ صحابہ کرام ؓ آپ ﷺ کے خوف وادب سے کانپتے رہتے تھے۔ اسلئے آپ ﷺ کے سامنے اس گستاخی کا اقرار ان کیلئے نہایت مشکل تھا تاہم تمام انصار نے صاف کہہ دیا کہ جو کچھ آپ ﷺ کو معلوم ہوا واقعہ وہی ہے اس حدیث کے راوی حضرت انس بن مالک ؓ اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

و کانوا لایکذبون۔[3]

یہ اقرار اس بنا پر تھا کہ صحابہ ؓ جھوٹ نہیں بولتے تھے۔

غزوہ تبوک کی عدم شرکت پر رسول اللہ ﷺ نے باز پرس فرمائی تو منافقین نے جھوٹی سچی معذرت کردی اور آپ نے اس کو قبول کرلیا لیکن حضرت کعب بن مالک ؓ نے سچ سچ کہہ دیا کہ اگر میں کسی دنیادار آدمی کے پاس ہوتا تو چرب زبانی سے اس کی ناراضی سے بچ جاتا لیکن اگر میں کوئی جھوٹا عذر کرکے آپ کی ناراضی سے بچ جاؤں تو ممکن ہے کہ خدا آپ ﷺ کو مجھ پر ناراض کردے (یعنی بذریعہ وحی اصل حقیقت سے خبر کردے) لیکن اگر سچ بولوں تو گو آپ ﷺ مجھ پر ناراض ہوجائیں گے تاہم مجھ کو خدا سے عفو و مغفرت کی توقع رہے گی خدا کی قسم میں بالکل معذور نہ تھا خدا کی قسم میں اس زمانہ سے زیادہ کبھی متمول اور چاق و چست نہ تھا

۱: ابوداؤد کتاب الصیام باب القبلۃ للصائم۔
۲: ایضاً باب کفارہ من اتی اہلہ فی رمضان۔
۳: مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۵۴۔

آپ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا بالآخر آپ ﷺ نے ان پر سخت ناراضی کا اظہار کیا لیکن جب خدا نے ان کی توبہ قبول کرلی تو ان کو خود اس صداقت پر ناز ہوا چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

اما انعم اللّٰہ علی من نعمتہ قط بعدان ھدانی للاسلام اعظم فی نفسی من صدقی لرسول اللّٰہ ان لااکون کذبتہ فاھلك کما ھلك الذین کذبوا[1]

اسلام لانے کے بعد خدا نے مجھ پر کوئی ایسا احسان نہیں کیا جسکی عزت میرے دل میں اس سچائی سے زیادہ ہو جس کا اظہار میں نے آپ ﷺ کے سامنے کیا اگر میں جھوٹ بولتا تو اسی طرح ہلاک ہو جاتا جسطرح وہ لوگ ہلاک ہوئے جو جھوٹ بولتے تھے یعنی منافقین۔

اہل عرب خاندانی عصبیت اور شرافت کا بہت زیادہ لحاظ رکھتے تھے لیکن ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انصار کے خاندانوں میں سب سے بہتر بنو نجار ہیں پھر بنو عبدالاشہل پھر بنو حارث بن خزرج، پھر بنو ساعدہ، قبیلہ، بنو ساعدہ کے بعض سر برآوردہ بزرگوں کو یہ ناگوار گزرا کہ آپ ﷺ نے انکو چوتھے نمبر پر رکھا لیکن اسی قبیلہ کے ایک بزرگ حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ نے جب یہ روایت کی تو فرمایا کہ اگر میں جھوٹ بولتا تو سب سے پہلے اپنے قبیلہ بنو ساعدہ کا نام لیتا۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جھوٹ کو اپنے دامن کا اس قدر بدنما داغ سمجھتے تھے کہ اگر ان پر کبھی کذب و دروغ کا اتہام لگ جاتا تو ان کے گھر میں صف ماتم بچھ جاتی ایک سفر میں عبداللہ بن ابی سلول نے اپنے رفقاء سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو بدو ہیں ان کو کچھ نہ دو یہاں تک کہ وہ بھاگ جائیں، اب ہم اگر مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو وہاں سے معزز لوگ ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سن لیا اور اپنے چچا سے اس کا ذکر کیا انھوں نے تو اس واقعہ کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا آپ نے عبداللہ بن ابی کو بلا بھیجا تو اس نے حلف اٹھایا کہ میں نے ایسا نہیں کیا، آپ ﷺ نے اس کے قول کا اعتبار کرلیا اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تکذیب کی اس کا ان کو اس قدر صدمہ ہوا کہ عمر بھر کبھی نہ ہوا تھا یہاں تک کہ وہ اس صدمہ میں خانہ نشین ہو گئے اور فرط غم سے گردن جھک گئی اس کے بعد جب سورہ منافقون نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کو طلب فرمایا اور کہا کہ خدا نے تمہاری تصدیق کی۔[3]

دیانت

ایک بار حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے سو اشرفیوں کا توڑا پایا اور کمال دیانت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سال تک مالک کی

۱: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک۔
۲: مسلم کتاب الفضائل باب فی خیر دور الانصار۔
۳: ترمذی ابواب تفسیر القرآن۔ تفسیر سورہ المنافقون۔

جستجو میں منادی کرتے رہو انھوں نے تعمیل ارشاد کی دوسرے سال پھر حاضر خدمت ہوئے آپ نے پھر یہی حکم دیاوہ حکم بجالائے پھر تیسرے سال آپ آئے آپ ﷺ نے پھر یہی ارشاد فرمایا جب اب کی بھی مالک نہیں ملا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بحفاظت رکھ لو اگر مالک مل گیا تو خیر ورنہ خود خرچ کر ڈالو۔[1]

ایک بار حضرت مقداد ﷺ بضرورت بقیع غرقد میں گئے دیکھا کہ چوہا بل سے اشرفیاں نکال کر ڈھیر کر رہا ہے انھوں نے گنا تو اٹھارہ نکلیں اٹھالائے اور آپ کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ اس کا صدقہ لے لیجئے فرمایا خود تو بل سے نہیں نکالا تھا۔ بولے نہیں ارشاد ہوا خدا تمہیں برکت دے۔[2]

ایک بار حضرت سفیان ﷺ بن عبداللہ ثقفی نے کسی کا توشہ دان پایا تو حضرت عمر ﷺ کے پاس لائے انھوں نے فرمایا کہ ایک سال تک اعلان کرو اگر مالک کا پتہ نہ چلے تو وہ تمہارا ہے سال بھر تک مالک کا پتہ نہ چلا تو وہ پھر آئے حضرت عمر ﷺ نے فرمایا تو وہ اب تمہارا ہے بولے مجھے ضرورت نہیں۔ آخر کار حضرت عمر ﷺ نے اس کو بیت المال میں داخل کر دیا۔[3]

ایک بار حضرت جریر ﷺ کا چرواہا گایوں کو چرا کر لایا تو ساتھ ساتھ کسی دوسرے کی ایک گائے بھی آگئی بولے یہ کس کی ہے؟ چرواہے نے کہا خبر نہیں گلے کے ساتھ آکر مل گئی فرمایا اس کو نکال دو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بھولے بھٹکے جانور کو صرف گمراہ پناہ دیتا ہے۔[4]

ایک صحابی کی اونٹنی گم ہو گئی اور انھوں نے دوسرے صحابی سے کہہ دیا کہ ملے تو پکڑ لینا ان کو اونٹنی مل گئی لیکن اس کا مالک کہیں چلا گیا انھوں نے اونٹنی اپنے یہاں رکھ چھوڑی کہ مالک آئے تو حوالہ کر دیں اسی اثنا میں اونٹنی بیمار پڑی بی بی نے کہا ذبح کر ڈالو فقر و فاقہ کی یہ حالت تھی کہ مردار کھانے پر مجبور تھے چنانچہ اونٹنی مر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس کا گوشت کھانے کی اجازت بھی دے دی لیکن کمال دیانت سے ذبح کرنے پر راضی نہ ہوئے مالک آیا تو انھوں نے تمام سرگزشت کہہ سنائی اس نے کہا ذبح کیوں نہیں کر ڈالا۔ بولے تم سے شرم آتی تھی۔[5]

حضرت زبیر ﷺ کی دیانت کا یہ حال تھا کہ جب کوئی شخص ان کے پاس امانت رکھتا تو کہتے کہ مبادہ کہیں یہ ضائع نہ ہو جائے اس لئے ہم پر یہ قرض رہی اس طرح ان پر کئی لاکھ کا قرض

۱: ابوداؤد کتاب اللقطہ۔
۲: آیۃ کتاب الخراج والامارۃ باب ماجاء فی الرکاز۔
۳: مسند دارمی کتاب البیوع باب اللقطہ۔
۴: ابوداؤد کتاب اللقطہ۔
۵: ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب فی المضطر الی المیتہ۔

ہو گیا۔[1] متعدد صحابہ ﷺ نے ان کی حفاظت میں اپنا مال دے دیا تھا اور وہ اس دیانت سے اس کی نگہداشت کرتے تھے کہ خود اپنے مال سے ان کے اہل و عیال کے نان و نفقہ کا انتظام کرتے تھے مگر ان کا مال صرف نہیں کرتے تھے۔[2]

ایک صحابی کے پاس کسی کی وراثت کا مال محفوظ تھا انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میرے پاس قبیلہ ازد کے ایک شخص کی وراثت کا مال محفوظ ہے میں کسی ازدی کو نہیں پاتا کہ اس کے حوالہ کروں ارشاد ہوا کہ جاؤ ایک سال تک تلاش کرو ایک سال کے بعد آئے اور کہا کہ نہیں ملتا پھر یہی حکم ہوا ایک سال کے بعد پھر آئے اور کہا کہ نہیں ملتا فرمایا کہ پہلے جس خزاعی کو پاؤ اس کو سونپ دو۔[3]

حضرت عقیل بن ابی طالب ﷺ غزوہ حنین سے پلٹے تو بی بی نے کہا کہ مال و غنیمت میں کیا لائے؟ انھوں نے انکو ایک سوئی دی کہ اس سے کپڑا سینا اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے منادی کروائی کہ دھاگا اور سوئی تک دے دو انھوں نے فوراً سوئی لے لی اور مال غنیمت میں داخل کر دیا۔[4]

یہ دیانت صرف مال و دولت تک محدود نہ تھی بلکہ اس کا اثر صحابہ کرام ﷺ کی ہر چیز سے نمایاں ہوتا تھا۔ حضرت عمر ﷺ کا اخیر وقت آیا تو ایک خاص ضرورت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک آدمی بھیجا اور کہا کہ عمر کا سلام کہو امیر المومنین نہ کہنا کیونکہ میں اب امیر المومنین نہیں ہوں۔[5]

صحابہ کرام ﷺ صرف خود ہی متدین نہ تھے بلکہ متدین لوگوں کے بہت بڑے قدر داں بھی تھے ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ مدینہ کے اطراف میں سے نکلے ایک خدا ترس چرواہا بکریاں چرا رہا تھا انھوں نے اس کو کھانے پر بلایا لیکن اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے ہوں، اب انھوں نے اس کے ورع و تقوی کے امتحان لینے کو کہا ان بکریوں میں سے ایک بکری فروخت کر دو ہم تمہیں قیمت بھی دیں گے اور افطار کرنے کیلئے گوشت بھی لیکن اس نے کہا کہ بکریاں میری نہیں ہیں میرے آقا کی ہیں انھوں نے کہا کہ تمہارا آقا کیا کرے گا؟ اب چرواہے نے پیٹھ پھیر لی اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا تو خدا کہاں چلا جائے گا؟ حضرت عبداللہ عمر ﷺ اس فقرے پر محو ہو گئے اور بار بار اس کو دہرانے لگے۔ مدینہ میں پلٹ کر آئے تو اسکو اسکے آقا سے مع بکریوں کے خرید کر آزاد کر دیا اور بکریاں اس پر ہبہ کر دیں۔[6]

1: بخاری کتاب الجہاد باب فی برکۃ الغازی فی مالہ حیاوحیتا۔
2: اصابہ تذکرہ حضرت زبیر بن العوام۔
3: ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام۔
4: اسد الغابہ تذکرہ فاطمہ بنت شیبہ۔
5: بخاری کتاب المناقب۔
6: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

خاکساری

اگرچہ دنیا صحابہ کرام ﷺ کی خاک پاکو آنکھ کا سرمہ بناتی تھی لیکن بااین ہمہ د نہایت فروتن، متواضع اور خاکسار تھے۔ایک محمد بن حنفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کون شخص افضل الناس ہے؟ بولے ابو بکر ﷺ پھر پوچھا کہ ان کے بعد بولے عمر ﷺ اس کے بعد وہ خود کہہ اٹھے کہ ان کے بعد آپ فرمایا میں تو مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں۔[1]

حضرت سلمان فارسی ﷺ مداین کے گورنر تھے لیکن طرز معاشرت اس قدر سادہ رکھا تھا کہ کوئی پہچان نہیں سکتا تھا ایک بار کسی شخص نے گھاس خریدی اور ان کو بیگار پکڑ کر گٹھیا سر پر لادی، وہ چلے تو لوگوں نے کہا یہ امیر ہیں صاحب رسول اللہ ﷺ ہیں اس نے کہا معاف فرمائیے میں نے آپ کو پہچانا نہیں بوجھ سر سے رکھ دیجئے، بولے نہیں اب تو تمہارے گھر پہنچا کر اتاروں گا۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نہایت خاکسارانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ایک بار ان کے پاس کسی نے بردی کپڑے ہدیۃً بھیجے انھوں نے واپس کر دیا اور کہا کہ ہم غرور کے خوف سے اس کو نہیں پہن سکتے، اگر کسی مجلس میں جاتے اور کوئی ان کی تعظیم کو اٹھتا تو وہاں نہ بیٹھے۔[3]

حضرت امیر معاویہ ﷺ کو جاہ پسند کہا جاتا ہے لیکن ایک بار ابن عامر ان کی تعظیم کیلئے اٹھے تو انھوں نے منع کیا۔[4]

عفوودرگزر

صحابہ کرام ﷺ کی زندگی اس آیت کی حقیقی تفسیر ہے

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ۔ (آل عمران)

غصے کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں

ایک بار حضرت صفوان ﷺ مسجد میں کمبل بچھا کر سو رہے تھے ایک شخص آیا اور اس کو چرا کر چلتا ہوا لیکن لوگ اس کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، حضرت صفوان ﷺ کو خبر ہوئی تو حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کیا ۳ درہم (چادر کی یہی قیمت تھی) کیلئے آپ ﷺ اسکا ہاتھ کاٹتے ہیں میں یہ کمبل اسکے ہاتھ فروخت

۱: ابوداؤد کتاب الاعتصام بالسنۃ باب فی التفضیل۔
۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔
۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔
۴: طحاوی فی قیام الناس بعضا بعض و ادب المفرد باب قیام الرجل للرجل تعظیما۔

کر دیتا ہوں قیمت بعد کو ادا کر دے گا فرمایا میرے پاس لانے سے پہلے ہی کیوں نہ معاف کر دیا۔[1]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کی حفاظت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کی رات کو تین بار ایک چور آیا اور غلہ چرا کر لے چلا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ہر بار پکڑا لیکن اس نے منت سماجت کی تو چھوڑ دیا اخیر میں معلوم ہوا کہ وہ شیطان تھا۔[2]

حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک سے مشرف باسلام ہو کر اپنے وطن طائف میں واپس آکر اپنی قوم کو دعوت اسلام دی تو وہ لوگ دشمن ہو گئے اور ان کے قتل کا تہیہ کر لیا چنانچہ صبح کے وقت انھوں نے اذان دی تو قبیلہ بنو مالک کے ایک شخص نے تیر مارا اور وہی زخم منجر الی الشہادہ ہو گیا ان کے خاندان والوں کو خبر ہوئی تو ہتھیار سج سج کے آئے اور کہا ہم ایک ایک کر کے مر جائیں گے لیکن جب تک ان کے عوض میں بنو مالک کے دس سردار نہ قتل کر لیں ہم کو چین نہ آئے گا لیکن حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے بارے میں جنگ و جدل نہ کرو میں نے باہمی اصلاح کیلئے اپنے خون کو معاف کر دیا"۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر چہ مذہبی معاملات میں نہایت سخت تھے لیکن ایک بار طائف کے دو شخصوں نے مسجد نبوی ﷺ میں شور و غل کیا تو انھوں نے ان کو طلب کیا اور کہا کہ مسجد نبوی ﷺ میں شور کرتے ہو اگر شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا۔[4]

عصبیت اور قومی حمیت

اسلام نے اگر چہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھائی بھائی بنا دیا تھا تاہم ان میں عصبیت اور قومی حمیت باقی تھی اور جب موقع آجاتا تھا۔ تو دفعتہ یہ چنگاری سلگ اٹھتی تھی حضرت محلم بن جثامہ اللیثی رضی اللہ عنہ نے قبیلہ اشجع کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، حضرت عتیبہ بن حصن قبیلہ اشجع کے سردار تھے۔ اس لیے انھوں نے مقتول کی حمایت کی، حضرت اقرع بن حابس کا تعلق قبیلہ بنولیث سے تھا، اس لئے وہ قاتل کی حمایت میں اٹھے۔ باہم سخت شور و غل ہوا، بالآخر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عینیہ دیت قبول کر لو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر چہ آپ ﷺ کی اطاعت کو فرض عین سمجھتے تھے، لیکن اس موقع پر عینیہ نے کہا، خدا کی قسم جس طرح اس نے ہماری عورتوں کو سوگ میں مبتلا کیا ہے۔ اسی طرح میں اس کے قبیلہ کی عورتوں کو سوگوار کر کے چھوڑوں گا ،پھر باہم سخت کشمکش ہوئی، آپ ﷺ نے حضرت عینیہ کو پھر دیت لینے پر آمادہ کرنا چاہا لیکن

1: ابوداؤد کتاب الحدود باب من سرق من حرزہ۔
2: بخاری کتاب الوکالۃ باب اذا وکل رجلا فترک الوکیل شیئا۔
3: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عروہ بن مسعودؓ۔
4: بخاری کتاب الصلوۃ باب رفع الصوت فی المسجد۔

انھوں نے پھر وہی پہلا جواب دیا، بالآخر آپ ﷺ نے خود دیت دلا دی۔[1]

واقعہ افک کے متعلق جب آپ نے فرمایا من یعذرنی من رجل بلغنی اذاہ فی اھلی تو حضرت سعد بن معاذ اٹھے، اور فرمایا، خدا کی قسم اگر وہ ہمارے قبیلہ اوس کا ہوگا تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر قبیلہ خزرج کا ہوگا تو آپ جو حکم دیں تعمیل ارشاد کریں گے، حضرت سعد بن عبادہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے، ان کی حمیت قومی نے جوش مارا اور بولے جھوٹ بکتے ہو، خدا کی قسم تم اس کے قتل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، حضرت اسید بن حضیر اوسی ؓ کو بھی جوش آ گیا بولے تم جھوٹ بکتے ہو ہم خدا کی قسم اس کو ضرور قتل کر ڈالیں گے بات اس قدر بڑھی کہ اگر آپ نہ روکتے تو دونوں قبیلوں میں مٹ بھیڑ ہو جاتی۔[2]

شکر الٰہی

ایک شخص کا بیٹا مر جاتا ہے دولت لٹ جاتی ہے جائیداد تباہ ہو جاتی ہے تو وہ ابتدا میں بدحواس ہو جاتا ہے لیکن مایوسی مجبوراً صبر کا خوگر بنا دیتی ہے کہ الیاس احدی الراحتین لیکن جب خدا ایک لاولد شخص کو بیٹا دیتا ہے ایک مفلس کو دولت مل جاتی ہے ایک ذلیل شخص معزز ہو جاتا ہے تو دفعتہً اس قدر مغرور اور خود پسند ہو جاتا ہے کہ اس حالت میں اس کو خدا یاد نہیں آتا۔ اس لئے بعض صوفیہ کا قول ہے کہ صبر آسان اور شکر مشکل ہے لیکن اسلام کے تمام دور صحابہ کرام ؓ کے سامنے تھے وہ بھی جس میں وہ سخت مفلس اور محتاج تھے اور وہ بھی جس میں وہ دولت مند اور متمول ہو گئے تھے پہلے دور میں انھوں نے صبر کیا تھا اور دوسرے دور میں خدا کا شکر ادا کرتے تھے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ ؓ نے فرمایا کہ میں نے یتیمی کی حالت میں نشو و نما پائی مسکینی کی حالت میں ہجرت کی کھانے پر بسرۃ بنت غزوان کا ملازم تھا جب وہ لوگ منزل پر اترتے تھے تو ان کیلئے لکڑیاں چن لاتا تھا اور جب وہ اونٹ پر سوار ہوتے تھے تو ان کی حدی خوانی کرتا تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب مذہب نے قوت حاصل کر لی ہے اور ابوہریرہ ؓ امام بن گیا ہے۔[3]

ایک بار مدینہ کے کچھ لوگ انکی خدمت میں آئے تو انھوں نے ایک شخص کو بھیجا کہ جاؤ گھر سے کھانا مانگ لاؤ وہ گئے تو انکی والدہ نے تین روٹیاں زیتون کے تیل اور نمک کیساتھ بھیج دیں وہ سب کے سامنے رکھی گئیں تو حضرت ابوہریرہ ؓ نے تکبیر کا نعرہ مارا اور کہا کہ اس خدا کا شکر ہے جس نے روٹی سے ہمارا پیٹ بھرا حالانکہ اس سے پہلے ہماری غذا کھجور اور پانی کے سوا کچھ نہ تھی۔[4]

1: ابوداؤد کتاب الدیات باب الامام یامر بالعفو بالدم۔
2: بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضہن بعضا۔
3: سنن ابن ماجہ ابواب الرہون باب اجارۃ الاجیر علی طعام بطنہ۔
4: موطا امام مالک کتاب الجامع باب جامع ماجاء فی الطعام والشراب۔

حضرت سلمان فارسی ؓ کھانا کھاتے تھے تو کہتے تھے کہ اس خدا کا شکر ہے جو ہمارا کفیل ہوا اور ہمارے رزق میں وسعت دی۔[۱]

ایک بار حضرت عمر ؓ نے نیا کپڑا پہنا تو فرمایا کہ میں اس خدا کا شکر کرتا ہوں جس نے مجھ کو کپڑا پہنایا جس سے میں اپنی شرمگاہ کو چھپاتا ہوں اور زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں۔[۲]

استغناء

کیمیا اگر خاک کو سونا بنادیتی ہے تو استغناء اور بے نیازی سونے کے ڈلے کو تو وہ خاک بنادیتے ہیں صحابہ کرام ؓ کو اسی کیمیا کا نسخہ ہاتھ آگیا تھا اس لئے وہ ہوس پرست کیمیاگروں کی طرح سونے کی حرص میں خاک نہیں چھانتے بلکہ ان کے سامنے لعل و گہر بھی آجاتے تھے تو ان کو بے پروائی کے ساتھ سنگریزوں کی طرح ٹھکرادیتے تھے۔

مال خمس میں سے ایک حصہ اہل بیت کو ملتا تھا جس کی تقسیم کا انتظام رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ کے متعلق کردیا تھا شیخین کے زمانہ میں بھی وہ اسی خدمت پر مامور تھے ایک مرتبہ حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں کہیں سے بہت سا مال آیا اور انھوں نے حسب معمول حضرت علی کرم اللہ وجہ کو دینا چاہا تو بولے اس سال ہم تو اس سے بے نیاز ہیں البتہ مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہے انہیں کو دے دیجئے چنانچہ حضرت عمر ؓ نے اس کو بیت المال میں داخل کردیا۔[۳]

ایک بار عبدالعزیز بن مروان نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو لکھا کہ میرے دربار میں اپنی ضرورتیں پیش کیجئے انھوں نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے پہلے اس شخص کو دو جس کے تم کفیل ہونہ میں تم سے کچھ مانگتا اور نہ اس رزق کو واپس کرتا جو خدا مجھ کو تمہارے ذریعہ سے دیتا ہے۔[۴]

ایک بار حضرت وائل بن حجر ؓ حضرت امیر معاویہ ؓ کے پاس آئے انھوں نے نہایت تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کو عطیہ دینا اور وظیفہ مقرر کرنا چاہا لیکن انھوں نے کہا کہ ہم اس سے بے نیاز ہیں جو اس کے ہم سے زیادہ مستحق ہیں وہ اس کو قبول کریں گے۔[۵]

ایک بار حضرت عثمان ؓ نے حضرت عبداللہ بن ارقم ؓ کو تیس ہزار درہم دینا

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔
۲: ترغیب و ترہیب جلد ۲ صفحہ ۵۸۔
۳: ابوداؤد و کتاب الخراج والامارہ باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سہم ذی القربی۔
۴: مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۔
۵: استیعاب تذکرہ وائل بن حجر۔

چاہے مگر انھوں نے انکار کر دیا۔[1]

شرم وحیا

حدیث شریف میں آیا ہے۔

الحیاء شعبته من الایمان ۔ (بخاری کتاب الایمان)

حیاایمان کی شاخ ہے!

صحابہ کرام ﷺ کے کشت دل میں ایمان کی یہ شاخ اس قدر سرسبز و شاداب تھی کہ بہت سے صحابہ ﷺ کو بیوی کے ساتھ ہم بستر ہونے میں بھی شرم آتی تھی اور قضائے حاجت کی حالت میں بھی حیادامن گیر ہوتی تھی چنانچہ یہ آیت انہیں لوگوں کی شان میں نازل ہوئی

الا انهم يثنون صدورهم ليستخفوا منه[2]

حضرت عثمان ﷺ کی شرم وحیا کا یہ حال تھا کہ گھر کا دروازہ بند ہوتا تھا لیکن کپڑا اتار کر نہیں نہاتے تھے[3] نہانے کے بعد ان کی بیوی کی لونڈی کپڑے پہننے کیلئے لاتی تھی تو کہہ دیتے تھے کہ میری طرف نہ دیکھنا کیونکہ تمہارے لئے یہ جائز نہیں۔[4] خود رسول اللہ ﷺ ان کی شرم وحیا کا لحاظ رکھتے تھے ایک بار آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت ابو بکر ﷺ اور حضرت عمر ﷺ آئے اس وقت آپ گھر میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی ران کھلی ہوئی تھی لیکن جب حضرت عثمان ﷺ، آئے تو آپ ﷺ نے اس کو ڈھانک لیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ عثمان ﷺ شرمیلے آدمی ہیں اگر میں اسی حالت میں رہتا تو وہ اپنی حاجت نہ پیش کرتے۔[5]

حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ اندھیرے گھر میں نہاتے تھے تاہم شرم کے مارے سیدھے کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ سکڑتے رہتے تھے ایک دفعہ چند لوگوں کو دیکھا کہ پانی میں بغیر تہبند باندھے ہوئے کھڑے ہوئے ہیں بولے مجھے یہ پسند ہے کہ مر کر زندہ ہوں پھر مروں پھر زندہ ہوں پھر مروں پھر زندہ ہوں لیکن یہ بے حیائی پسند نہیں، ان کو ستر عورت[ف] کا اس قدر خیال تھا کہ سونے کی حالت میں خاص کپڑے پہن لیتے تھے کہ مبادہ حالت خواب میں کشف عورت[ق] ہو جائے۔[6]

۱: ایضاً تذکرہ عبداللہ بن ارقمؓ۔ ۲: بخاری شریف کتاب التفسیر تفسیر سورہ ہود باب تفسیر ہذہ الآیہ۔
۳: مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۷۳، مسند عثمان۔ ۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمانؓ۔
۵: مسلم کتاب المناقب فضائل عثمانؓ۔
ف: عورت کے ان اعضا کے ہیں جن کو انسان شرم کی وجہ سے چھپاتا ہے۔
ق: یعنی رات کو ننگے نہ ہو جائیں۔
۶: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر ؓ حمام میں گئے دیکھا کہ کچھ لوگ برہنہ نہار ہے تھے آنکھ بند کر کے فوراً واپس آئے، حمامی کو معلوم ہوا تو اس نے سب کو نکال کر اور حمام کو خوب پاک وصاف کر کے ان کو بلوایا اور کہا کہ اب حمام میں کوئی نہیں۔ اندر داخل ہوئے تو پانی نہایت گرم تھا بولے کتنا برا گھر ہے جس سے حیا نکال دی گئی ہے اور کتنا اچھا گھر ہے جس سے آدمی چاہے تو عبرت حاصل کر سکتا ہے یعنی دوزخ کو یاد کر سکتا ہے ایک دن ان سے کسی نے کہا کہ آپ حمام کیوں نہیں کرتے۔ بولے میں پسند نہیں کرتا کہ میری شرمگاہ پر کسی کی نگاہ پڑے اس نے کہا تو تہبند باندھ لیجئے بولے میں کسی دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا"۔[1]

حضرت عبداللہ بن عامر ؓ ایک روز غسل کر رہے تھے ان کے والد حضرت عامر ؓ ایک یتیم بچے کی پرورش کرتے تھے وہ بھی ساتھ نہارہا تھا اور دونوں ایک دوسرے کے بدن پر پانی ڈال رہے تھے حضرت عامر ؓ نے دیکھا تو کہا کہ ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھ رہے ہو خدا کی قسم ہم تم کو اپنے آپ سے اچھے سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ عہد اسلام میں پیدا ہوئے ہیں جاہلیت کے زمانہ میں نہیں پیدا ہوئے لیکن خدا کی قسم تم لوگ بڑے ناخلف ہو۔[2]

طہارت و نظافت

صحابہ کرام ؓ نہایت طہارت و نظافت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اہل عرب عموماً قضائے حاجت کے بعد پانی سے آبدست نہیں لیتے تھے لیکن صحابہ کرام ؓ میں اہل قبا پانی سے آب دست لیتے تھے اور عرب کی حالت کے لحاظ سے یہ ایک ایسی عظیم الشان فضیلت تھی کہ اس کے متعلق قرآن پاک میں ایک خاص آیت نازل ہوئی۔

فیه رجال یحبون ان یتطهر و او اللّٰه یحب المتطهرین ۔[3]

مسجد قبا میں ایسے لوگ رہتے ہیں۔ جو طہارت کو پسند کرتے ہیں اور خدا بھی طہارت کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

ان کے علاوہ اور صحابہ ؓ بھی طہارت کا نہایت خیال رکھتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کو طہارت کا اس قدر خیال تھا کہ شیشے میں پیشاب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ "بنو اسرائیل کے جسم پر اگر پیشاب کی چھینٹیں پڑ جاتی تھیں تو اس کو قینچی سے کتر دیتے تھے"۔[4]

۱: ایضاً تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔
۲: مؤطا امام محمد ابواب السیر باب الرجل ینظر الی عورۃ الرجل۔
۳: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الاستنجاء بالماء حدیث میں اس آیت کا آخری ٹکڑا نہیں ہے ہم نے بڑھا دیا ہے۔
۴: مسلم کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین۔

حضرت عثمان ﷺ کو طہارت کا اس قدر خیال تھا کہ جب سے اسلام لائے معمولاً ایک بار روزانہ غسل کرتے تھے۔[1]

حضرت صرمہ بن انس ﷺ کی طہارت پسندی کا یہ حال تھا کہ جس گھر میں کوئی جنب مرد یا حائضہ عورت ہوتی تھی اس کے اندر نہیں جاتے تھے۔[2]

صحابہ کرام ﷺ اگرچہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے تاہم غسل و طہارت کیلئے حضرت انس ﷺ کے گھر میں ایک حمام موجود تھا۔[3]

نجاست کی حالت میں رہنا صحابہ کرام ﷺ کو اس قدر گراں تھا کہ جب یہ حالت زائل ہو جاتی تھی تو گویا ان کے سر کا بار اتر جاتا تھا۔

حضرت ابوذر ﷺ مقام ربذہ میں اونٹ اور بکریاں چراتے تھے چونکہ میدان میں پانی میسر نہیں آتا تھا اور ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ حالت جنابت میں بھی تیمم کیا جاسکتا ہے اس لئے جب ان کو غسل کی حاجت ہوتی تھی تو پانچ پانچ چھ چھ روز تک ناپاک رہ جاتے تھے لیکن ان پر نجاست کا یہ زمانہ اس قدر شاق گزرتا تھا کہ جب ان کو رسول اللہ ﷺ نے اس غلطی پر تنبیہ کی اور پانی منگوا کر نہلوایا تو ان کو محسوس ہوا کہ

فکانی القلیت عنی جبلا ۔[4]

گویا مجھ پر ایک پہاڑ لدا ہوا تھا جس کو اب میں نے اپنے اوپر سے پھینک دیا۔

سخت سے سخت خود فراموشانہ مصیبت میں بھی صحابہ کرام ﷺ کو طہارت و نظافت کا خیال رہتا تھا۔ کفار جب حضرت خبیب ﷺ کو گرفتار کر کے لے گئے اور قتل کرنا چاہا تو انھوں نے اس آخری وقت میں سب سے پہلے استرہ طلب کیا۔[5]

حضرت ابوسعید خدری ﷺ کے نزع کا وقت آیا تو نئے کپڑے منگا کر پہنے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص جس کپڑے میں مرے گا اسی میں اس کا حشر ہوگا۔[6]

اگرچہ صحابہ کرام ﷺ کو زیب و زینت کی پروانہ تھی تاہم وہ طہارت و نظافت کی وجہ سے بالکل راہبانہ زندگی بھی بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابوقتادہ انصاری ﷺ نے بال رکھ چھوڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میں بالوں میں کنگھی کروں فرمایا ہاں کنگھی کرو اور اس کو گرد و غبار سے بچاؤ اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ وہ بسا اوقات دن میں دو بار ان میں

۱: مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۶۷۔ مسند عثمان۔ ۲: اصابہ تذکرہ حضرت صرمہ بن انسؓ۔

۳: بخاری کتاب الصوم باب اغتسال الصائم۔ ۴: ابوداؤد کتاب الطہارہ باب الجنب تیمم۔

۵: ابوداؤد کتاب الجنائز باب المریض یوخذ من اظفارہ و عانیہ۔

۶: ابوداؤد کتاب الجنائز باب تطہیر ثیاب المیت۔

تیل لگاتے تھے۔[۱] حضرت عمر ؓ ریزہائے مشک کا استعمال کرتے تھے۔[۲]

زندہ دلی

اسلام نے صحابہ کرام ؓ کے جذبات کو ترو تازہ اور شگفتہ کر دیا تھا اس لئے ان میں زندہ دلی پائی جاتی تھی، اور وہ مختلف طریقوں سے اس کا اظہار کرتے تھے، تمام صحابہ ؓ عید کے دن خوشیاں مناتے تھے دعوتیں کرتے تھے اور ہمسایوں کو کھانا کھلاتے تھے قربانی نماز کے بعد کی جاتی ہے لیکن ایک صحابی نے نماز سے پہلے ہی قربانی کر دی اور آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ کھانے پینے کا دن تھا اس لئے میں نے جلدی کی خود کھایا بچوں اور ہمسایوں کو کھلایا۔[۳]

عید کے دن معمولاً چھوکرے اور چھوکریاں رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو کر باجے بجاتے تھے اور مسرت کے ترانے گاتے تھے۔[۴]

اخیر زمانہ میں جب اس کا رواج جاتا رہا تو حضرت قیس بن سعد ؓ نے فرمایا آپ ﷺ کے عہد کی کل چیزیں مجھ کو نظر آتی ہیں بجز اسکے کہ میں عید کے دن بچوں کو گاتے بجاتے نہیں دیکھتا حضرت عیاض اشعری ؓ انبار میں تھے عید کا دن آیا تو تعجب سے پوچھا کہ جس طرح آپ ﷺ کے عہد میں بچے گاتے بجاتے تھے اسی طرح تم لوگ کیوں نہیں گاتے بجاتے۔[۵]

خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے صحابہ کرام ؓ زمانہ جاہلیت کے واقعات کا ذکر کرتے تھے اشعار پڑھتے تھے اور آپ بھی ان تذکروں[۶] کو سن کر کبھی کبھی مسکرا دیتے تھے۔

حضرت ریاح ؓ ایک صحابی تھے جو عرب کی ایک لے کے بڑے ماہر تھے، وہ ایک سفر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کے ساتھ تھے انھوں نے الاپنا شروع کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے کہا یہ کیا؟ بولے کوئی ہرج نہیں اس سے دل بہلاتے ہیں اور راستہ کی کلفت دور کرتے ہیں۔[۷]

ایک بار حضرت عمر ؓ سفر حج میں تھے قافلہ کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ بھی تھے، لوگوں نے حضرت خوات ؓ سے کہا کہ ضرار بن خطاب کے اشعار گاؤ، حضرت عمر ؓ بولے کہ ان کو اپنے ہی نتیجہ افکار سنانے

۱: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب اصلاح الشعر اء۔
۲: مؤطا امام محمد ابواب السیر باب الطیب للرجل۔
۳: ابوداؤد کتاب الاضاحی باب ما یجوز من السن فی الضحایا۔
۴: بخاری کتاب العیدین باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام۔
۵: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی التقلیس یوم العید بخاری۔
۶: شمائل ترمذی باب ما جاء فی صفۃ کلام رسول اللہ الشعر۔
۷: اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۲ تذکرہ ریاح بن المعترف۔

دو چنانچہ وہ صبح تک متصل گاتے رہے صبح ہوئی تو حضرت عمر ؓ نے فرمایا اب بس کرو۔[1]

کبھی کبھی یہ زندہ دلی سنجیدہ ظرافت کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔

ایک بار حضرت صہیب ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے سامنے روٹی اور کھجور رکھی ہوئی تھی آپ ﷺ نے پاس بلا کر ان کو شریک کر لیا وہ کھجور کھانے لگے کھجور آشوب چشم کیلئے مضر ہے اس لئے آپ نے ٹوکا کہ تمہاری آنکھوں میں آشوب ہے بولے یارسول اللہ ﷺ آنکھ کے اس گوشہ سے کھاتا ہوں جس میں آشوب نہیں آپ ﷺ مسکرا دیئے۔[2]

غزوہ تبوک کے زمانے میں آپ ﷺ ایک چمڑے کے خیمے میں مقیم تھے، ایک صحابی آئے سلام کیا۔ آپ ﷺ نے جواب سلام کے بعد فرمایا اندر آ جاؤ بولے، اپنے پورے جسم کیساتھ یارسول اللہ ﷺ[3] یعنی اس میں یہ ظریفانہ تعریض تھی کہ خیمہ اس قدر تنگ ہے کہ پورا جسم بمشکل اس کے اندر آ سکتا ہے۔

کبھی کبھی باہم دوڑ میں مردانہ وار مسابقت کرتے تھے، ایک انصاری صحابی تھے جن کا دوڑ میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، ایک غزوہ میں وہ فخریہ لہجے میں بار بار کہہ رہے تھے کیا کوئی مدینہ تک دوڑ میں میرا مقابلہ کرے گا۔ کیا کوئی مقابلہ کرنے والا ہے؟ حضرت سلمہ بن اکوع ؓ کے کان میں یہ آواز پہنچی، تو بولے تم کسی معزز شخص کی عزت نہیں کرتے؟ کسی شریف آدمی سے نہیں ڈرتے؟ جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی سے نہیں، بالآخر حضرت سلمہ بن اکوع ؓ نے آپ سے اجازت لے کر دوڑ میں ان کا مقابلہ کیا اور بازی جیت لی۔[4]

کبھی کبھی سیر و شکار بھی کر لیتے تھے، حضرت ابو قتادہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر حج میں تھے، لیکن احرام نہیں باندھا تھا، راہ میں ایک جنگلی گدھا نظر آیا، گھوڑے پر سوار ہوئے، ہاتھ میں برچھا لیا اور گدھے کو جا کر ایسا برچھا مارا کہ وہ ڈھیر ہو کر رہ گیا۔[5]

حضرت صفوان بن محمد ؓ نے ایک بار دو خرگوشوں کا شکار کیا اور ان کو پتھر سے ذبح کیا، آپ ﷺ سے دریافت فرمایا تو آپ ﷺ نے ان کو حلال قرار دیا۔[6]

۱: اصابہ تذکرہ حضرت خوات بن جبیرؓ۔
۲: مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۶۱۔
۳: مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذی قرد وغیرہا۔
۴: ابوداؤد و کتاب المناسک باب لحم الصید للمحرم۔
۵: کتاب الاضاحی باب فی الذبیحۃ بالمروۃ۔
۶: ابوداؤد کتاب الاضاحی باب فی الصید۔

صحابہ کرام ﷺ میں حضرت عدی بن حاتم ﷺ اور حضرت ابو ثعلبہ خشنی ﷺ مشہور شکاری تھے، اس غرض سے باز اور کتے پال رکھے تھے اور ان کو اس فن کی تعلیم دی تھی، تیر و کمان سے بھی شکار کرتے تھے اور تین تین دن تک شکار کے پیچھے پیچھے دوڑتے رہتے تھے، لیکن یہ زندہ دلی اسی وقت تک تھی جب تک کوئی مذہبی کام پیش نہ آتا، لیکن جب کوئی مذہبی کام پیش آجاتا تو یہ تمام چیزیں خواب فراموش ہو جاتیں اور صحابہ کرام ﷺ اس کی ذمہ داریوں کی گرانباری سے بدحواس ہو جاتے، ادب المفرد میں ہے۔

لم یکن اصحاب رسول اللّٰہ ﷺ متحرفین ولا متمارتین و کانوا اتینا شدون الشعر فی مجالسھم ویذکرون امرجا ھلیتھم فاذا ارید احدمنھم من شی من امراللّٰہ دارت حما لیق عینیہ کانہ مجنون،

اصحاب رسول اللہ مردہ دل اور خشک مزاج نہ تھے اپنی صحبتوں اشعار پڑھتے اور جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے لیکن، جب کوئی مذہبی کام آپڑتا تو ان کی آنکھیں اس طرح الٹ جاتیں گویا وہ پاگل ہیں۔[1]

پابندی عہد

معاہدہ ایک نازک رشتہ ہے جس کو صرف اخلاقی طاقت ہی مضبوط بنا سکتی ہے، صحابہ کرام ﷺ میں یہ اخلاقی طاقت موجود تھی، اس لئے وہ نہایت مضبوطی کے ساتھ اس رشتہ کو قائم رکھتے تھے ایک دفعہ امیر معاویہ ﷺ نے رومیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، ابھی مدت معاہدہ گذرنے بھی نہ پائی تھی کہ حملہ کی تیاریاں کر دیں کہ مدت گذرنے کے ساتھ ہی حملہ شروع کر دیا جائے، فوج روانہ ہوئی تو حضرت عمرو بن عنبسہ ﷺ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور فرمایا اللہ اکبر وفا کرنی چاہیے بے وفائی اور بد عہدی سزاوار نہیں۔[2]

امیہ بن خلف اسلام کے الد الاعدا میں تھا اس میں اور حضرت عبدالرحمان بن عوف ﷺ میں تحریری معاہدہ ہوا تھا کہ وہ مکہ میں ان کی جان و مال کی حفاظت کرے گا، اور وہ مدینہ میں اس کی جان و مال کی حفاظت کریں گے، غزوہ بدر پیش آیا، اور لوگ سو گئے تو وہ اس کی حفاظت کو نکلے حضرت بلال ﷺ نے امیہ کو دیکھ لیا، اور انصار کی ایک مجلس میں آکے کہا کہ اگر امیہ بچ کے نکل گیا تو میری جان کی خیر نہیں، انصار کے کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو لئے، اب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ گھبرائے کہ کہیں وہ لوگ ہمارے پاس نہ پہنچ جائیں، مجبوراً امیہ کے بیٹے کو اس لئے پیچھے کر دیا کہ وہ لوگ اس کے قتل میں الجھے رہیں، انصار نے اسکو قتل کر کے ان

۱: ادب المفرد باب الکبر۔
۲: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الامام یکون بینہ و بین العدو العہد فیسیر والیہ۔

لوگوں کا پیچھا کیا، امیہ نہایت فربہ آدمی تھا، جب وہ لوگ پاس آگئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷜ نے اس سے کہا کہ بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ گیا تو اپنے آپ کو اس کے اوپر ڈال دیا، لیکن صحابہ ﷢ نے ان کو بچا کر اِدھر اُدھر سے تلواریں لگائیں یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا، اور خود ان کے پاؤں میں زخم آئے۔[1]

معاہدہ تو ایک بڑی چیز ہے صحابہ کرام ﷢ معمولی سے معمولی وعدے کو بھی لازمی طور پر پورا کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷜ نے حضرت انس ﷜ سے کہا کہ میں فلاں دن سفر کرنے والا ہوں، میرے سفر کا سامان کر دو، انہوں نے سامان کرنا شروع کیا، جب روانگی کا وقت آیا تو بولے کہ ذرا سی کسر رہ گئی ہے، اگر آپ ٹھہر جاتے تو میں اس کو پورا کر دیتا، بولے میں گھر کے لوگوں سے کہہ چکا ہوں کہ میں فلاں دن سفر کروں گا، اب اگر ان سے جھوٹ بولتا ہوں تو وہ بھی مجھ سے جھوٹ بولیں گے، ان سے خیانت کرتا ہوں تو وہ بھی مجھ سے خیانت کریں گے، ان سے وعدہ خلافی، کرتا ہوں تو وہ بھی مجھ سے وعدہ خلافی کریں گے، چنانچہ وہ روانہ ہو گئے اور اس کی کچھ پروا نہ کی کہ سامان سفر مکمل ہے۔[2]

رازداری

رازداری ایک امانت ہے اور دنیا میں بہت کم لوگ ہیں جو اس امانت کا بار اٹھا سکتے ہیں، لیکن صحابہ کرام ﷢ کا سینہ راز کا مدفن تھا جس سے وہ قیامت تک باہر نہیں نکل سکتا تھا ایک دن حضرت انس بن مالک ﷜ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، رسول اللہ ﷺ آئے اور ان کو کسی ضرورت سے بھیج دیا، اس کے پورا کرنے میں دیر ہو گئی، گھر آئے تو ماں نے پوچھا کہاں رہ گئے تھے؟ بولے آپ ﷺ نے ایک ضرورت سے بھیجا تھا، بولیں، وہ کیا؟ انہوں نے وہ ایک راز ہے، بولیں، آپ ﷺ کا راز کسی سے نہ کہنا، چنانچہ حضرت انس بن مالک ﷜ نے اس کو اس طرح محفوظ رکھا کہ جب حضرت ثابت ﷜ سے یہ واقعہ بیان کیا، تو فرمایا کہ میں نے اگر وہ راز کسی سے بیان کیا ہوتا تو تم سے ضرور بیان کرتا۔[3]

ایک دن آپ ﷺ کی خدمت میں تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن جمع تھیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اسی حالت میں آگئیں آپ ﷺ نے ان کو مرحبا کہا، اور اپنے پہلو میں بٹھالیا اور آہستہ سے ان کے کان میں ایک بات کہی، وہ چیخ مار کر رو پڑیں، پھر آہستہ سے ایک بات کہی جس سے وہ ہنس پڑیں آپ ﷺ چلے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

۱: بخاری کتاب الوکالۃ باب اذا وکل المسلم حربیا فی دار الحرب وفی دار الاسلام جاز۔
۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ۔
۳: مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۵۳۔

نے اس کی وجہ پوچھی بولیں، آپ ﷺ کی زندگی میں میں آپ ﷺ کا راز فاش نہیں کر سکتی۔[۱]

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان سے انکی منگنی کرنی چاہی لیکن انھوں نے کہا میں اس سے معذور ہوں اب انھوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی وہ خاموش ہو رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہلی ناکامی کے بعد دوسری ناکامی کا بہت رنج ہوا اس کے چند روز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خود نکاح کا پیغام بھیجا نکاح ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اپنے رنج کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر مخفی طور پر کیا تھا لیکن میں آپ کا راز فاش کرنا پسند نہیں کرتا تھا، اگر آپ ﷺ نکاح نہ کرتے تو میں ضرور نکاح کر لیتا۔[۲]

رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں منافقین کے نام صرف حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتائے تھے۔ اسلئے وہ صاحب سر رسول اللہ ﷺ کے لقب سے ممتاز تھے۔[۳] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس راز کو عمر بھر فاش نہیں کیا ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ میرے عمال میں کوئی منافق بھی ہے بولے ایک شخص ہے لیکن نام نہ بتاؤں گا۔[۴] ایک بار انھوں نے کہا کہ اب صرف چار منافق رہ گئے ہیں ایک بدو نے کہا آپ لوگ اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں ہم کو ان کی کچھ خبر نہیں ہے۔ آپ ہم کو ان کے نام بتائیے آخر کون لوگ ہیں جو ہمارے گھروں میں نقب لگاتے ہیں اور اسباب چرا لے جاتے ہیں؟ بولے یہ تو بدکار لوگ ہیں منافق صرف چار ہیں جن میں ایک اس قدر بوڑھا ہو گیا ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی بھی پئے تب بھی اس کو اس کی ٹھنڈک کا احساس نہ ہو۔[۵]

جانوروں پر شفقت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس طرح انسانوں کے درد دکھ کو نہیں دیکھ سکتے تھے اسی طرح ان کو جانوروں کی اذیت و تکلیف بھی گوارا نہ تھی حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ جب ہم منزل پر اترتے تھے تو پہلے اونٹوں کا کجاوہ کھول لیتے تھے پھر نماز پڑھتے تھے۔[۶]

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک چرواہا ایک جگہ اپنی بکریاں چرا رہا ہے۔ ان کو دوسری جگہ اس سے بہتر نظر آئی تو اس سے کہا کہ وہاں لے جاؤ کیونکہ میں نے

۱: مسلم کتاب الفضائل مناقب فاطمہؓ۔ ۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حفصہؓ۔
۳: بخاری کتاب الاستیذان باب من القی له وسادة۔
۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت حذیفہؓ۔
۵: بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ براءۃ تفسیر و قاتلوا ائمة الکفر۔
۶: ابو داؤد کتاب الجہاد باب ما یومر به من القیام علی الدواب والبہائم۔

رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر راعی سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔[1]

ایک دن آپ سے ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے بکری ذبح کرنے پر رحم آتا ہے فرمایا اگر اس پر رحم کرو گے تو خدا تم پر بھی رحم کرے گا۔[2]

ایک دن کچھ لوگ حضرت عبید اللہ ؓ اور حضرت عبداللہ بن بشر ؓ کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور اس کو کوڑا مارتا ہے اس کے متعلق آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی روایت سنی ہے بولے نہیں اندر سے ایک خاتون بولیں خدا خود کہتا ہے۔

وما من دابة فی الارض ولا طائر یطیر بجنا حیه الا امم امثالکم۔

زمین کے جانور اور ہوا کی چڑیاں بھی تمہاری ہی طرح ایک امت ہیں۔

یعنی وہ بھی قابل رحم ہیں۔

دونوں نے کہا یہ ہماری بڑی بہن ہیں۔[3]

غیرت

صحابہ کرام ؓ اگرچہ فخر و غرور سے سخت نفور تھے تاہم انھوں نے نہایت غیور طبیعت پائی تھی ایک بار رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جلوہ افروز تھے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کیلئے ایک پیالے میں کھانا بھیجا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو ٹپک دیا اور وہ چور چور ہو گیا اس پر آپ نے فرمایا۔

غارت امکم۔

تمہاری ماں کو غیرت آ گئی۔

حضرت عمر ؓ اس قدر غیور تھے کہ ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں جنت نظر آئی جس میں ایک محل کے گوشے میں ایک عورت وضو کر رہی تھی میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے۔ جواب ملا کہ عمر ؓ کا میں نے اس میں داخل ہونا چاہا لیکن عمر ؓ کی غیرت کے خیال سے واپس آیا[4]، حضرت عمر ؓ کی بیوی حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا نماز فجر اور نماز عشا جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتی تھیں اور حضرت عمر ؓ کو یہ سخت ناگوار

۱: ادب المفرد باب من اشار علی اخیہ وان لم یستشر۔
۲: مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۴۔
۳: اصابہ تذکرہ حضرت عبید اللہ بن بشرؓ المازنی۔
۴: بخاری کتاب النکاح باب الغیرۃ۔

تھا تاہم چونکہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس لئے منع بھی نہیں کر سکتے تھے۔[۱] حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں اپنے شوہر حضرت زبیر ؓ کے گھر کا تمام کام خود کرتی تھی چنانچہ ایک بار وہ بڑی دور سے سر پر کھجوروں کی گٹھلی لا رہی تھیں راستہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوگئی اور آپ ﷺ نے مجھ کو اپنے پیچھے سوار کر لینا چاہا لیکن میں حضرت زبیر ؓ کی غیرت کے خیال سے سوار نہیں ہوئی۔[۲]

جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولاتقبلو الهم شهادة ابدا۔

جو لوگ پاک دامن بیبیوں پر تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لا سکیں ان کو اسی کوڑے مارو اور آئندہ ان کی شہادت کبھی نہ قبول کرو۔

تو حضرت سعد بن عبادہ ؓ نے کہا یا رسول اللہ اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی ہے آپ نے انصار سے کہا دیکھو تمہارے سردار کیا کہتے ہیں انصار نے کہا یا رسول اللہ ان کو ملامت نہ کیجئے وہ سخت غیور آدمی ہیں باکرہ عورت کے سوا کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا اور جب کسی عورت کو طلاق دی تو ان کی غیرت کے خیال سے ہم میں کسی نے اس سے نکاح کرنے کی جرات نہیں کی۔ حضرت سعد بن عبادہ ؓ بولے یا رسول اللہ بخدا مجھے یقین ہے کہ یہ آیت حق ہے اور خدا کی جانب سے نازل ہوئی ہے لیکن مجھے تعجب اس پر ہوا کہ میں ایک عورت کو دیکھوں کہ اسے ایک شخص اپنی ران پر بٹھائے ہے اور اس کو میں اس وقت تک کچھ نہ کہہ سکوں جب تک چار گواہ نہ جمع کر لوں۔[۳]

۱: ایضاً کتاب الجمعہ باب ہل علی بن لم یشہد الجمعہ غسل من النساء والصبیان وغیرہم۔
۲: مسلم کتاب السلام باب جواز ارداف المراه الاجنبية اذاعيت في الطريق۔
۳: مسند ابوداؤد الطیالسی صفحہ ۳۴۷۔

حسن معاشرت

صلہ رحم

تمدن کی ابتداء در حقیقت صلہ رحمی سے ہوتی ہے اگر باپ بیٹے کو بیٹا باپ کو بھائی بھائی کو چھوڑ دے تو نوع انسان جانوروں کا ایک ریوڑ بن جائے اس بنا پر قرآن و حدیث دونوں میں صلہ رحمی کی نہایت فضیلت بیان کی گئی ہے اور صحابہ کرام ﷺ میں یہ فضیلت عموماً پائی جاتی ہے۔

حضرت مسطح ﷺ حضرت ابو بکر ﷺ کے قرابت دار تھے اس لئے وہ ان کی کفالت کرتے تھے۔[1] حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنا گھر حضرت زید بن عطاب ﷺ کی بیٹی کو عمر بھر کیلئے دے دیا تھا۔[2]

ایک صحابی تھے جو اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور احسان کرتے تھے اور ان کے ساتھ حلم و بردباری کے ساتھ پیش آتے تھے۔ مگر ادھر سے تمام چیزوں کا جواب الٹا ملتا تھا انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی تو فرمایا کہ جب تک تم اس حالت کو قائم رکھو گے خدا کی جانب سے ان کے مقابل میں تمہارا ایک مددگار رہے گا۔[3]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ نہایت سلوک کرتی تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

ولم ارامراہ قط خیرافی الدین من زینب و اتقی اللہ و اصدق حدیثا و اوصل للرحم۔[4]

میں نے زینب رضی اللہ عنہا سے زیادہ دین دار زیادہ پرہیزگار زیادہ سچی اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والی عورت نہیں دیکھی۔

ایک بار حضرت عمر ﷺ نے ان کی خدمت میں ان کا سالانہ وظیفہ جس کی مقدار بارہ ہزار درہم تھی بھیجا تو انھوں نے یہ رقم اپنے اعزہ کو تقسیم کر دی۔[5]

1: بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضہن بعضا۔
2: مؤطا امام مالک کتاب الاقضیہ باب ۷۔ فی القضائی العمری۔
3: ادب المفرد باب فضل صلہ الرحم۔
4: مسلم کتاب الفضائل باب فضل عائشہؓ۔
5: اسد الغابہ تذکرہ حضرت زینبؓ بن جحش۔

حضرت عثمان ؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ جو فیاضیاں کیں ان کا محرک یہی صلہ رحمی تھی جس کا اظہار انھوں نے عام طور پر کر دیا تھا۔[۱]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک جائیداد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وراثتہً پائی تھی جس کو حضرت امیر معاویہ ؓ نے ایک لاکھ پر خرید لیا لیکن انھوں نے اس رقم کو حضرت قاسم بن محمد ؓ اور حضرت ابن ابی عتیق ؓ پر ہبہ کر دیا۔[۲] حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ چونکہ قاسم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وراثت سے حصہ نہیں ملا تھا اسلئے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کی دل شکنی کے خیال سے یہ رقم ان کو دے دی۔

صحابہ کرام ؓ کو صلہ رحمی کا اسقدر خیال تھا کہ حضرت عمر ؓ صبح کے وقت اپنے بچوں سے کہتے تھے کہ الگ الگ کھیلو مل جل کر رہو گے تو تم میں جھگڑا فساد ہو گا اور قطعہ رحم کرو گے۔[۳]

یہ حسن سلوک صرف مسلمان اعزہ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ صحابہ کرام ؓ اپنے ان اعزہ واقارب کے ساتھ بھی جو کافر تھے اسی قسم کا فیاضانہ برتاؤ کرتے تھے ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر ؓ کو ایک ریشمی جوڑا دیا تو انھوں نے اس کو اپنے ایک مشرک بھائی کے پاس بھیج دیا جو کفرزار مکہ میں اقامت گزیں تھا۔[۴]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے مدینہ گئیں تو ان کی والدہ جو کافرہ تھیں ان کے پاس آئیں اور مالی مدد مانگی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا وہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔[۵]

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک یہودی قرابت دار کیلئے ایک جائیداد کی وصیت کی تھی۔[۶]

ماں باپ کے ساتھ سلوک

صحابہ کرام ؓ والدین کی خدمت اطاعت اعانت اور ادب واحترام کا نہایت لحاظ کرتے تھے ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میرے پاس دولت ہے اور میرا باپ اس کا محتاج ہے ارشاد ہوا کہ تم اور تمہاری دولت دونوں تمہارے باپ کے ہیں۔[۷]

ایک دوسرے صحابی نے ایک باغ کو عمر بھر کیلئے اپنی ماں پر وقف کر دیا۔[۸]

۱: مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۶۲۔ ۲: بخاری کتاب الھبہ باب ہبۃ الواحد الجماعۃ۔
۳: ادب المفرد باب التفرقۃ بین الاحداث۔ ۴: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب اللبس للجمعہ۔
۵: صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب فضل النفقہ والصدقۃ علی الاقربین۔
۶: مسند دارمی کتاب الوصایا باب الوصیۃ لاہل الذمۃ۔
۷: ابوداؤد کتاب البیوع فی الرجل یاکل من مال ولدہ۔ ۸: ایضا باب من قال فیہ ولعقبہ۔

ایک بار کفار نے رسول اللہ ﷺ کی گردن میں اونٹ کی اوجھ ڈال دی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دوڑ کے آئیں اس کو آپ ﷺ کے اوپر سے اتار کر پھینک دیا اور کفار کو برا بھلا کہا۔[1]

ایک صحابی نے خانہ کعبہ تک پاپیادہ چلنے کی نذر مانی تھی لیکن بڑھاپے کی وجہ سے بغیر سہارے کے نہیں چل سکتے تھے اسلئے ان کے دونوں لڑکے ان کو ٹیک کر لائے اور حج کر لیا رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ سوار ہو جاؤ خدا کو تمہاری اور تمہاری نذر کی ضرورت نہیں۔[2]

ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور کہا کہ میرا شوہر میرے لڑکے کو چھین لینا چاہتا ہے حالانکہ وہ مجھے فائدہ پہنچاتا تھا اور میرے لئے کنویں سے پانی بھر لاتا تھا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ قرعہ اندازی کر لو باپ نے کہا کہ میرے لڑکے میں کون دعوی دار ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا یہ تمہارا باپ ہے اور یہ تمہاری ماں ہے جس کا ہاتھ چاہو پکڑ لو لڑکے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔[3]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ اگرچہ جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کے خلاف حصہ لینا پسند نہیں کرتے تھے تاہم جب ان کے والد نے اصرار کیا تو اطاعت کے خیال سے مجبوراً شریک ہو گئے۔

ایک بار حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو بولے مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ روزہ رکھو نماز پڑھو سوؤ اور اپنے باپ کی اطاعت کرو تو صفین کی شرکت کیلئے میرے باپ نے مجبور کیا اسلئے میں شریک ہوا لیکن نہ تلوار اٹھائی نہ نیزہ مارا نہ تیر چلایا۔[4]

حضرت عثمان ؓ کے زمانے میں کھجور کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی لیکن ایک بار حضرت اسامہ بن زید ؓ نے کھجور کے ایک درخت میں شگاف کیا اور اس سے جمار نکالا لوگوں نے کہا ایسا کیوں کرتے ہو کھجور کا درخت تو بہت بیش قیمت ہو گیا ہے بولے میری ماں نے مجھ سے اسکی فرمائش کی تھی اور جہاں تک ہو سکتا ہے ان کی فرمائشوں کی تعمیل کرتا ہوں۔[5]

مروان اکثر حضرت ابو ہریرہ ؓ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا کرتا تھا اس تعلق سے وہ ایک بار ذی الحلیفہ میں مقیم تھے اور ان کی والدہ الگ دوسرے گھر میں تھیں جب وہ اپنے گھر سے نکلتے تو ان کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے السلام وعلیکم یا اماہ ورحمۃ اللہ وبرکاۃ وہ فرماتیں وعلیک یا بنی ورحمۃ اللہ وبرکاۃ پھر وہ فرماتے خدا تم کو اسی طرح رحم کرے جس طرح تم نے بچپن میں مجھ

۱: بخاری کتاب الصلوۃ باب المرأۃ تطرح عن المصلی شیا من الاذی۔
۲: مسلم کتاب النذر باب من نذر ان یمشی الی الکعبۃ۔
۳: ابوداؤد کتاب الطلاق باب من احق بالولد۔
۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن العاص۔ ۵: ابن سعد تذکرہ حضرت اسامہ بن زیدؓ۔

کو پالا وہ جواب دیتیں کہ خدا تم پر بھی اسی طرح رحم کرے جس طرح تم نے بڑے ہو کر میرے ساتھ سلوک کیا جب گھر میں داخل ہوتے تب بھی اسی طرح آداب بجالاتے۔[1]

ان کی والدہ جب تک زندہ رہیں انھوں نے ان کو چھوڑ کر حج کرنا پسند نہیں کیا۔[2]

باپ کے تعلق سے باپ کے دوست واحباب بھی قابل تعظیم و مستحق خدمت ہو جاتے ہیں اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے۔

ابر البران یصل الرجل و دابیہ۔

سب سے زیادہ حسن سلوک یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوست سے بھی سلوک کرے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس حدیث پر اس شدت سے عمل کرتے تھے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں تھے راہ میں ایک بدو ملا انھوں نے اس کو اپنا عمامہ عنایت فرمایا اور اس کو اپنے گدھے پر سوار کرلیا لوگوں نے کہا یہ تو بدو ہیں ذرا سی چیز میں راضی ہو جاتے ہیں بولے اس کا باپ ابن خطاب کا دوست تھا اور حدیث میں ہے کہ باپ کے دوست کی اولاد کے ساتھ سلوک کرنا بڑی نیکی کا کام ہے۔[3]

حضرت ابوالدرداء مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام سفر کر کے ان کی عیادت کو گئے انھوں نے پوچھا کہ اس شہر میں کیوں آئے۔ بولے صرف اس لئے کہ آپ میں اور میرے والد میں دوستانہ تعلقات تھے۔[4]

بھائی سے محبت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھائیوں سے نہایت محبت رکھتے تھے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا مقام حبشی میں انتقال ہوا اور لاش مکہ میں دفن ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرط محبت سے ان کی قبر کی زیارت کو آئیں اور ایک مشہور مرثیے کے یہ اشعار پڑھے۔

وکنا کندمانی جذیمة حقبة
من الدهر حتی قیل لن یتصدعا

اور ہم دونوں ایک مدت تک جذیمہ کے دونوں ہم نشینوں کی طرح ساتھ رہے یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ ان میں کبھی جدائی نہ ہوگی۔

فلما تفرقنا کانی و مالکا

۱: ادب المفرد باب جزاء الوالدین۔
۲: مسلم کتاب الایمان باب ثواب العبد واجرہ اذا نصح سیدہ واحسن عبادۃ اللّٰہ۔
۳: مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب فضل اصدقاء الاب والام ونحوہما۔
۴: مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۵۰۔

لطول اجتماع لم تبت ليلة معا

لیکن جب جدائی ہوئی تو ایسی کہ گویا ہم نے اور مالک نے باوجود طویل ملاقات کے ایک رات بھی ساتھ بسر نہیں کی تھی۔[۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بھائی زید سے اس قدر محبت تھی کہ وہ غزوہ یمامہ میں شہید ہوئے تو عمر بھر ان کا داغ دل سے نہ مٹ سکا فرمایا کرتے تھے کہ جب پروا ہوا چلتی ہے تو اس سے مجھے زید کی خوشبو آتی ہے۔[۲]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہوئے اور ان کی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ان کا حال معلوم کرنے آئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی لیکن ان لوگوں نے یہ ظاہر کیا کہ ہم کو ان کی نسبت کچھ معلوم نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ کو خوف پیدا ہوا کہ اس واقعہ سے کہیں ان کی عقل نہ جاتی رہے۔ اسلئے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور ان کیلئے دعا کی انھوں نے انا للہ پڑھے اور رونے لگیں۔[۳]

محبت اولاد

اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اولاد سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ایک بار ایک صحابی نے بی بی کو طلاق دی اور بچے اس سے لینا چاہا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرا پیٹ اس کا ظرف میری چھاتی اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کا گھروندا تھا اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دی اور اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے آپ نے فرمایا جب تک نکاح نہ کرلو تم بچے کی سب سے زیادہ مستحق ہو۔[۴]

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک عورت آئی انھوں نے اس کو تین کھجوریں دیں اس نے ایک ایک بچوں کو دے دی اور ایک اپنے لئے رکھ چھوڑی بچے کھجور کھا چکے تھے ماں کی طرف دیکھنے لگے اس نے اپنے حصے میں سے بھی دو قاشیں کیں اور ایک ایک بچوں کو دے دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا تو فرمایا تمہیں تعجب کیا ہے اس کے رحم کے بدلے جو اس نے اپنے بچوں پر کیا خدا نے اس پر بھی رحم کیا۔[۵]

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بخار میں مبتلا ہوئیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے حال پوچھا اور منہ چوم لیا۔[۶]

۱: ترمذی کتاب الجنائز باب ماجاء فی الزیارہ للقبور للنساء۔
۲: اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ تذکرہ زید بن خطابؓ۔ ۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمزہؓ۔
۴: ابوداؤد و کتاب الطلاق باب من احق بالولد۔ ۵: ادب المفرد و باب الوالدات رحیمات۔
۶: ابوداؤد کتاب الادب باب فی قبلۃ الخد۔

ایک صحابی کا بچہ جاتا رہا ان کو سخت صدمہ ہوا انھوں نے حضرت ابوہریرہ ؓ سے کہا کہ کوئی ایسی بات بتاؤ جس سے یہ غم غلط ہو جائے بولے آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "بچے جنت کے کیڑے ہیں"۔[۱]

ایک صحابی آپ کی خدمت میں اپنے بچے کو لے کر حاضر ہوئے اور اس کو چمٹانے لگے آپ نے فرمایا تم کو اس سے محبت ہے! بولے ہاں فرمایا اس سے زیادہ تم سے ارحم الرحمین کو محبت ہے۔[۲]

حضرت عثمان ؓ کا عام قاعدہ یہ تھا کہ جب ان کے کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو اس کو منگاتے اور فرط محبت سے سونگھتے۔[۳]

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو اپنے بیٹے سالم کے ساتھ اس قدر محبت تھی کہ لوگ ان کو اس شیفتگی پر ملامت کرتے لیکن وہ ان ملامتوں کو سن کر فرماتے۔

یلومونني في سالم و الومهم[۴]
و جلده بين العين والانف سالم

مجھے لوگ سالم کے بارہ میں ملامت کرتے ہیں اور میں لوگوں کو ملامت کرتا ہوں کیونکہ سالم کا چہرہ آنکھ اور ناک کے درمیان تمام عیوب سے پاک ہے۔

اسی محبت کی بنا پر صحابہ کرام ؓ کو بچے کے پیدا ہونے کی بڑی تمنا رہتی تھی۔ حضرت سہیل بن حنظلیہ ؓ ایک صحابی تھے۔ جو ترک دنیا کر کے بالکل عزلت گزیں ہو گئے تھے۔ تاہم اولاد کی اس قدر خواہش تھی کہ فرماتے تھے کہ اگر میرے ایک اور ابچہ بھی پیدا ہو جاتا تو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتا۔[۵]

اگر کوئی شخص اپنی اولاد سے محبت کا اظہار نہ کرتا تو صحابہ کرام ؓ اس کو نہایت برا سمجھتے۔ ایک بار حضرت عمر ؓ نے ایک شخص کو عامل مقرر فرمایا اس نے کہا میرے متعدد لڑکے ہیں مگر میں نے کسی کو نہیں چوما بولے خدا صرف محبت کیش آدمیوں پر رحم کرتا ہے۔[۶]

یہ محبت صرف اپنے ہی بچوں کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ صحابہ کرام ؓ عموماً بچوں سے نہایت محبت رکھتے تھے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ ایک راستے سے گزرے تو دیکھا کہ حبشی لڑکے کھیل رہے ہیں ان کو دو درہم دیئے۔[۷]

انھوں نے ایک لونڈی کو جس سے ان کو بڑی محبت تھی آزاد کر دیا تھا لیکن جب اس کے بچہ پیدا ہوا تو اس کو گود میں لے کر چوما اور کہا کہ واہ واہ اس سے اس لونڈی کی خوشبو آتی ہے۔[۸]

۱: ادب المفرد باب من مات لہ الولد۔
۲: ادب المفرد باب رحمۃ العیال۔
۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمانؓ۔
۴: طبقات ابن سعد تذکرہ سالم بن عبداللہ۔
۵: استیعاب تذکرہ حضرت سہل بن حنظلہؓ۔
۶: ادب المفرد باب من لا یرحم لا یرحم۔
۷: ایضاً باب لعب الصبیان بالجوز۔
۸: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

بچوں کی پرورش

صحابہ کرام ؓ بچوں کی پرورش میں اپنے عیش و آرام کو بھی فراموش کر دیتے تھے حضرت جابر بن عبداللہ کے والد نے متعدد صغیر السن لڑکیوں کو چھوڑ کر انتقال کیا تو حضرت جابر ؓ نے ان کی پرورش کی غرض سے ایک ثیبہ عورت سے شادی کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کنواری لڑکی سے کیوں نہیں شادی کی وہ تم سے کھیلتی تم اس سے کھیلتے تو بولے باپ شہید ہوا اور صغیر السن لڑکیاں چھوڑیں اگر ان ہی کی سی کمسن عورت سے شادی کرتا تو وہ نہ ان کو ادب سکھاتی۔ نہ ان کی خبر گیری[1] کرتی اس لئے ایسی عورت سے نکاح کرنا پسند کیا جو ان کو اکٹھا رکھے ان کے بالوں میں کنگھی کرے ان کے سر سے جوئیں نکالے ان کے کپڑے پھٹ جائیں تو ان کو سی دے اور ان کی اصلاح و نگرانی کرے۔[2]

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضرت انس بن مالک ؓ بچے تھے اس لئے انھوں نے یہ عزم بالجزم کر لیا کہ جب تک ان کی نشو و نما کامل طور پر نہ ہو جائے گی۔ وہ دوسرا نکاح نہ کریں گی۔ چنانچہ انھوں نے اس ارادہ کو پورا کیا حضرت انس ؓ خود سپاس گزارانہ لہجے میں اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالی میری ماں کو جزائے خیر دے کہ اس نے میری ولایت کا حق ادا کیا۔[3]

یہ وصف اگرچہ تمام صحابیات رضی اللہ عنہن میں عموماً پایا جاتا تھا لیکن اس میں قریشی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں اس لئے رسول اللہ ﷺ نے قریشی عورتوں کی اس فضیلت کو خاص طور پر بیان فرمایا۔

خیر انساء رکبن الابل نساء قریش احناھن علی ولدفی صغرہ وارعاہ علی الزوج۔[4]

عرب کی عورتوں میں قریش کی عورتیں سب سے اچھی ہیں کہ بچوں سے ان کے بچپن میں نہایت محبت رکھتی ہیں اور شوہروں کے مال و اسباب کی نگہداشت کرتی ہیں۔

صحابہ کرام ؓ نہ صرف اپنی اولاد کی بلکہ اپنے اعزہ اپنے متعلقین بلکہ غیروں کی اولاد کی پرورش بھی اسی دلسوزی سے کرتے تھے۔

حضرت سعید بن اطول ؓ کے بھائی نے انتقال کیا اور تین سو دینار اور چند صغیر السن

۱: مسلم کتاب البیوع باب بیع البعیر واستثناء کوبہ۔
۲: ایضاً کتاب الطلاق باب استحباب نکاح البکر و مسند ابن حنبل جلد نمبر ۳ صفحہ ۳۵۸۔
۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیمؓ۔
۴: بخاری کتاب النفقات باب حفظ المراہ زوجھا فی ذات یدہ والنفقہ علیہ۔

بچے چھوڑے انھوں نے اس رقم کو ان بچوں کی پرورش میں صرف کرنا چاہا لیکن بھائی پر لوگوں کا قرض تھا اسلئے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے پہلے اس کو ادا کیا۔[1]

حضرت حارث بن ہشام نے طاعون عمواس میں انتقال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بیوی فاطمہ بنت ولید سے نکاح کر لیا اور ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بن حارث رضی اللہ عنہ کو اپنے آغوش تربیت میں لے لیا اور اس لطف و محبت کے ساتھ ان کی تربیت فرمائی کہ خود حضرت عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی مربی نہیں دیکھا۔[2]

جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مکہ میں سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو لائے تو ان کی پرورش کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہوا، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں اس کا مستحق ہوں وہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور میرے نکاح میں اس کی خالہ ہے، جو بمنزلہ ماں کے ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ وہ میرے بھی چچا کی لڑکی ہے اور میرے نکاح میں خود رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی ہیں جو لڑکی کی سب سے زیادہ مستحق ہیں اب حضرت زید بھی مدعی ہو گئے اور کہا کہ میں اس کا مستحق ہوں میں نے اس کیلئے سفر کیا ہے اور اس کو یہاں لایا ہوں بالآخر رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کیا۔[3]

ایک عورت نے آپ کی خدمت میں زنا کا اقرار کیا اس کے گود میں بچہ تھا آپ نے فرمایا بچہ دودھ چھوڑ دے تو آنا بچے نے دودھ چھوڑ دیا تو وہ آئی اور کہا کہ مجھ پر حد شرعی جاری فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے بچہ کی پرورش کون کرے گا؟ ایک انصاری بولے میں یارسول اللہ ﷺ! اب آپ ﷺ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔[4]

اگر کوئی شخص پرورش اولاد سے آزادی چاہتا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو سخت لعنت و ملامت کرتے کسی شخص کے متعدد لڑکیاں تھیں اس نے ان کی موت کی آرزو کی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سخت برہم ہوئے اور کہا کیا تم ان کو روزی دیتے ہو۔[5]

پرورش یتیمی

یتیموں کی پرورش بڑی نیکی کا کام ہے حدیث شریف میں آیا ہے۔

انا و کافل الیتیم کھاتین فی الجنۃ۔

۱: مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۳۶۔ ۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمٰن بن حارث۔
۳: بخاری کتاب المغازی باب عمرۃ القضا مع فتح الباری۔
۴: دار قطنی صفحہ ۳۴۰ کتاب الحدود۔
۵: ادب المفرد باب من کرہ ان یتمنی موت البنات۔

ہم اور یتیموں کی پرورش کرنے والے جنت میں اس قدر قریب ہوں گے جس قدر یہ دونوں انگلیاں قریب ہیں۔

صحابہ کرام ؓ کو اللہ تعالیٰ نے اس نیک کام کی توفیق دی تھی اس لئے وہ اپنے بچوں کی طرح یتیموں کی پرورش کرتے تھے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا متعدد یتیموں کی پرورش کرتی تھیں ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حضرت بلال ؓ کے ذریعہ سے دریافت کروایا کہ وہ اپنے شوہر اور ان یتیموں پر صدقہ کریں تو جائز ہے۔ایک دوسری صحابیہ بھی اسی غرض سے درِ دولت پر کھڑی تھیں۔حضرت بلال ؓ نے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو دوہرا ثواب ملے گا ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا۔[1]

ایک یتیم حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے ساتھ شریک طعام ہوا کرتا تھا ایک دن انھوں نے کھانا منگوایا تو اتفاق سے وہ موجود نہ تھا کھانے سے فارغ ہو چکے تو وہ آیا انھوں نے اور کھانا منگوانا چاہا مگر گھر سے جواب آیا۔اب ستو اور شہد لائے اور کہا لو کچھ نقصان میں نہیں رہے۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر ؓ کی لڑکیاں یتیم ہو گئی تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی پرورش فرماتی تھیں۔[3]

پرورش کے علاوہ صحابہ کرام ؓ اور طریقوں سے بھی یتیموں کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ایک یتیم نے ایک شخص پر ایک نخلستان کے متعلق دعویٰ کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے خلاف فیصلہ کیا تو وہ رو پڑا آپ ﷺ کو اس پر رحم آگیا اور مدعا علیہ سے فرمایا کہ اس کو یہ نخلستان دے ڈالو خدا تم کو اس کے بدلے میں جنت میں نخلستان دے گا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ حضرت ابوالدحداح ؓ بھی موجود تھے انھوں نے اس سے کہا کہ تم میرے باغ کے عوض اپنے باغ کو بیچتے ہو اس نے کہا ہاں وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ جو نخلستان آپ ﷺ یتیم کیلئے مانگتے تھے اگر میں دے دوں تو اس کے عوض مجھے جنت میں نخلستان ملے گا۔ارشاد ہوا "ہاں"۔[4]

عام قاعدہ ہے کہ لوگ اپنی لڑکیوں کی شادی یتیم بچوں سے کرنا پسند نہیں کرتے لیکن صحابہ کرام ؓ کو یتیموں سے اس قدر محبت تھی کہ وہ اس معاملہ میں انہیں ترجیح دیتے تھے

۱: بخاری کتاب الزکوۃ باب الزکوۃ علی الزوج والیتام فی الحجر۔

۲: ادب المفرد باب فضل من یقول یتیما بین ابویہ۔

۳: موطا امام مالک کتاب الزکوۃ باب مالا زکوۃ فیہ من الحلی والتبر والعنبر۔

۴: استیعاب تذکرہ حضرت ابوالدحداح ؓ

حضرت صالح ﷺ کی صاجبزادی سے حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نے منگنی کی ان کی بیوی بھی اس نسبت کو پسند کرتی تھیں لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور ایک یتیم بچے کے ساتھ جوان کی تربیت میں تھا صاحبزادی کا نکاح کر دیا۔[۱]

یتیموں کی پرورش کے ساتھ صحابہ کرام ﷺ نہایت دیانت کے ساتھ ان کے مال کی نگہداشت بھی کرتے تھے اور اس کو ضائع ہونے سے بچاتے تھے بلکہ اس کو ترقی دیتے تھے، حضرت عمر ﷺ کا عام حکم تھا۔

اتجروا في اموال اليتامى لا تا كلها الزكوة۔

یتیموں کے مال سے تجارت کرو کہ زکوٰۃ اسے کھانہ جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن یتیموں کی پرورش کرتی تھیں ان کے مال لوگوں کو دے دیتی تھیں کہ تجارت کے ذریعہ سے اس کو ترقی دیں۔[۲]

شوہر کی محبت

صحابیات اپنے شوہروں سے نہایت محبت رکھتی تھیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی وہ حالت کفر میں تھے کہ بدر کا واقعہ پیش آگیا اور وہ گرفتار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اسیران جنگ کو فدیہ لے کر رہا کرنا چاہا اور تمام اہل مکہ نے اپنے اپنے فدیے بھیجے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ایک یادگار ہار تھا۔ جس کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رخصتی کے وقت دیا تھا لیکن انھوں نے ابوالعاص کے فدیہ میں مال کے ساتھ اس ہار کو بھی بھیج دیا آپ ﷺ نے اس کو دیکھا تو سخت رقت طاری ہوئی اور صحابہ ﷺ کے مشورہ سے ان کو آزاد کر دیا اور ہار بھی واپس دے دیا۔[۳]

حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کے شوہر شہید ہوئے اور انہیں ان کی شہادت کی خبر معلوم ہوئی تو فرط محبت سے چیخ اٹھیں۔[۴]

حضرت علی کرم اللہ وجہ کا انتقال ہوا اور حضرت امام حسن علیہ السلام خلیفہ ہوئے تو ان کی بی بی حضرت عائشہ الخلیفہ الخثعمیہ رضی اللہ عنہا نے کہا آپ کو حکومت مبارک ہو، سخت برہم ہوئے اور کہا کہ تم مجھے امیر المومنین کے انتقال پر مبارک باد دیتی ہو اور اسی غصہ کی حالت میں طلاق بائن دے دی انھوں نے منہ ڈھانک لیا اور کہا کہ میں نے تو یہ نیک نیتی سے کہا تھا بعد کو

۱: مسند جلد ۲ صفحہ ۹۷۔
۲: مؤطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ زکوٰۃ اموال الیتمیٰ والتجارۃ لہم فیہا۔
۳: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی فداء الاسیر بالمال۔
۴: سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی البکاء علی المیت۔

انھوں نے مہر وغیرہ کی رقم بھیجی تو اس کو دیکھ کر وہ رو پڑیں اور کہا کہ جدا ہونے والے دوست کے مقابل میں یہ نہایت حقیر چیز ہے۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بی بی حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا روزے کے دنوں میں فرط محبت سے ان کے سر کا بوسہ لیتی تھیں۔[2]

حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب غزوہ طائف میں شہید ہوئے تو حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا نے ایک پردرد مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فالیت لاتنفك عینی حزینته
علیك و لا ینفك جلدی اغیرا

میں نے قسم کھائی ہے کہ تمہارے غم میں میری آنکھیں ہمیشہ پرنم اور جسم ہمیشہ غبار آلودرہے گا۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی اور دعوت ولیمہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی شریک کیا تو انھوں نے حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کو یہ شعر یاد دلایا اور وہ رو پڑیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو ان کا بھی نہایت پردرد مرثیہ لکھا۔ اس کے بعد ان سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے شادی کی اور وہ بھی شہید ہوئے تو ان کا بھی نوحہ لکھا۔[3]

شوہر کی خدمت

صحابیات شوہر کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتی تھیں اور نہایت پابندی کے ساتھ اس فرض کو بجالاتی تھیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کو نہایت محبوب تھیں لیکن اس محبوبیت کا کوئی اثر رسول اللہ ﷺ کی خدمت پر نہیں پڑتا تھا بلکہ سب سے زیادہ ان ہی کو آپ ﷺ کا شرف خدمت حاصل ہوتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کمال طہارت کی وجہ سے مسواک کو پہلے دھولیا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ادا فرماتی تھیں۔[4]

ایک بار آپ ﷺ کمبل اوڑھ کر مسجد میں آئے ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس پر دھبہ نظر آتا ہے آپ ﷺ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس

۱: دار قطنی صفحہ ۴۳۸ کتاب الطلاق۔
۲: مؤطا کتاب الصیام باب ماجاء فی الرخصۃ فی القبلۃ للصائم۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عاتکہؓ۔
۴: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب غسل السواک۔

بھیج دیا کہ دھو کر خشک کر کے میرے پاس بھیج دیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کٹورے میں پانی منگایا خود اپنے ہاتھ سے دھویا خشک کیا اور اس کے بعد آپ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔[1]

جب رسول اللہ ﷺ احرام حج باندھتے تھے اور احرام کھولتے تھے تو وہ جسم مبارک میں خوشبو لگاتی تھیں۔[2]

جب آپ ﷺ خانہ کعبہ کو ہدی بھیجتے تھے تو وہ ان کے گلے کا قلادہ بٹتی تھیں۔[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب تمام دنیا کی خدمت و اعانت سے محروم ہو جاتے تھے تو اس بے کسی کی حالت میں صرف ان کی بیویاں ان کا ساتھ دیتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ تخلف غزوہ تبوک کی بنا پر حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوئے اور اخیر میں تمام مسلمانوں کی طرح ان کو بی بی سے بھی تعلقات کے منقطع کر لینے کا حکم دیا۔ وہ حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ وہ بوڑھے آدمی ہیں ان کے پاس نوکر چاکر نہیں اگر میں ان کی خدمت کروں تو آپ ﷺ ناپسند فرمائیں گے۔ ارشاد ہوا نہیں۔[4]

شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت

مردوزن کے معاشرتی تعلقات پر اس کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے کہ بیوی نہایت دیانت کے ساتھ شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت کرے اور صحابیات رضی اللہ عنھن میں یہ دیانت اس شدت سے پائی جاتی تھی کہ مال اسباب تو درکنار جو چیز شوہر سے تعلق رکھتی تھی اس میں بغیر اس کی اجازت کے کسی قسم کا تصرف کرنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی ایک بار وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا کہ اپنے سایہ دیوار میں مجھ کو سودا بیچنے کی اجازت دیجئے وہ عجب کشمکش میں مبتلا ہوئیں فیاضی اور کشادہ دلی سے اجازت دینا چاہتی تھیں۔ لیکن شوہر کے حکم کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں۔ بولیں اگر میں اجازت دے دوں اور زبیر رضی اللہ عنہ انکار کر دیں تو بڑی مشکل پڑے گی زبیر کی موجودگی میں آؤ اور مجھ سے سوال کرو وہ اسی حالت میں آیا اور کہا یا ام عبداللہ میں محتاج آدمی ہوں آپ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں بولیں تم کو مدینہ میں میرا ہی گھر ملتا تھا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک محتاج کو بیع و شرا سے روکتی ہو وہ تو چاہتی ہی

1: ایضاً باب الا عادہ من النجاسۃ تکون فی الثوب۔
2: ایضاً کتاب المناسک باب الطیب عند الاحرام۔
3: ایضاً باب من بعث بہدیہ واقام۔
4: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک۔

تھیں اجازت دے دی[1] وہ نہایت فیاض تھیں۔ اس لئے صدقہ و خیرات کرنا بہت پسند کرتی تھیں لیکن شوہر کے مال کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا اور شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف نہیں کر سکتی تھیں۔ مجبوراً رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ میں زبیر رضی اللہ عنہ کی آمدنی میں سے کچھ صدقہ کروں تو کیا کوئی گناہ کی بات ہے۔ ارشاد ہوا کہ جو کچھ ہو سکے دو[2] ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک خاتون اٹھیں اور کہا کہ ہم اپنے باپ، بیٹے اور شوہر کے محتاج ہیں ان کے مال میں سے ہمارے لئے کس قدر لینا جائز ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس قدر کہ کھاپی لو اور ہدیہ دو۔[3]

اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات رضی اللہ عنہن میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ان کی اس خصوصیت کو نمایاں کیا۔

نساء قریش خیرلنساء رکبن الابل احناہ علی اطفل وارعاہ علی زوج فی ذات ید۔[4]

قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہروں کے مال و اسباب کی نگرانی کرتی ہیں۔

شوہر کی خوشنودی

صحابیات اپنے شوہروں کی رضامندی اور خوشنودی کا نہایت خیال رکھتی تھیں، حضرت حولا عطر فروش تھیں۔ ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میں ہر رات کو خوشبو لگاتی ہوں بناؤ سنگار کر کے دلہن بن جاتی ہوں اور خالصۃً لوجہ اللہ اپنے شوہر کے پاس جا کر سو رہتی ہوں لیکن پھر بھی وہ متوجہ نہیں ہوتے اور منہ پھیر لیتے ہیں پھر ان کو متوجہ کرتی ہوں اور وہ اعتراض کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ آئے تو آپ ﷺ سے بھی اس کا ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو۔[5]

ایک روز آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے فرمایا عائشہ (رضی اللہ عنہا) یہ کیا ہے؟ بولیں میں نے اس کو اس لئے بنایا ہے کہ آپ

۱: مسلم کتاب الادب باب جواز ارداف المراۃ الاجنبیہ اذا اعیت فی الطریق۔
۲: مسلم کتاب الزکوٰۃ باب الحث علی الصدقہ دلو با التطیل۔
۳: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب المراۃ تصدق من وصیت زوجہا۔
۴: مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل نساء قریش۔
۵: اسد الغابہ تذکرہ حضرت حولاءؓ۔

ﷺ کیلئے بناؤ سنگار کروں۔[1]

ایک صحابیہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے آپ ﷺ نے ان کے پہننے سے منع فرمایا بولیں اگر عورت شوہر کیلئے بناؤ سنگار نہ کرے گی تو اس کی نگاہ سے گر جائے گی۔[2]

بی بی کی محبت

جس طرح صحابیات اپنے شوہروں سے بے حد محبت رکھتی تھیں اسی طرح صحابہ کرام ﷺ بھی بیویوں سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اپنی بیوی کو اس قدر چاہتے تھے کہ جب حضرت عمر ﷺ نے ان کو طلاق دینے پر مجبور کیا تو انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے اطاعت والدین کے خیال سے ان کو طلاق دینے کا حکم دیا۔[3]

ایک بار وہ سفر میں تھے معلوم ہوا کہ ان کی بیوی سخت بیمار ہیں ان کے پاس آنے کیلئے نہایت تیز رفتاری سے کام لیا اور عشاء و مغرب کی نماز ایک ساتھ جمع کی۔[4]

ایک بار حضرت امام حسن ﷺ نے اپنی بیوی حضرت عائشہ بنت الخلیفہ الخثعمیہ کو غصہ کی حالت میں طلاق بائن دے دی۔ بعد کو مہر کی رقم بھیجی تو وہ اس کو دیکھ کر رو پڑیں اور کہا کہ جدا ہونے والے دوست کے مقابل میں یہ نہایت حقیر چیز ہے۔ قاصد نے حضرت امام حسن ﷺ کو اسکی خبر دی تو بے اختیار رو پڑے اور فرمایا کہ اگر طلاق بائن نہ دے چکا ہوتا تو رجعت کر لیتا۔[5]

حضرت عبداللہ بن ابی بکر ﷺ کو اپنی بیوی عاتکہ رضی اللہ عنہا سے اس قدر محبت تھی کہ ان کے عشق میں جہاد تک کو ترک کر دیا تھا اس خیال سے حضرت ابو بکر ﷺ نے ان کو طلاق دینے پر مجبور کیا پہلے تو انھوں نے ٹالا لیکن جب ان کی طرف سے سخت اصرار ہوا تو اطاعت والدین کے خیال سے طلاق دی اور یہ اشعار کہے۔

اعاتك لا انساك مادر شارق
اے عاتکہ جب سورج تک چمکتا
ولم ار مثلی طلق الیوم مثلها ما ناح قمری الحمام المطوق
اور قمری بولتی رہے گی میں تجھے نہ بھولوں گا

1: ابوداؤد و کتاب الزکوۃ باب الکنز ما ہو و زکوۃ الحلی۔ 2: نسائی کتاب الزینہ صفحہ ۲۶۵۔
3: ابوداؤد و کتاب الادب باب فی بر الوالدین۔
4: بخاری کتاب الجہاد باب السرعۃ فی السیر۔
5: دار قطنی صفحہ ۴۳۸ کتاب الطلاق۔

عاتك قلبي كل يوم وليلة
اے عاتکہ میرا دل ہر دن اور ہر رات
اليك بما تخفي نفوس معلق
بصد ہزار تمنا و شوق تجھ سے لگا ہوا ہے
و لم ارمثلي طلق اليوم مثلها
مجھ جیسے شخص نے اس جیسی عورت کو کبھی طلاق نہ دی ہو گی
و لا مثلهاني غير جرم تطلق
اور نہ ایسی عورت کو بغیر گناہ طلاق دی جاتی

حضرت ابو بکر ﷺ پر ان اشعار کا سخت اثر ہوا اور انہوں نے رجعت کرنے کی اجازت دے دی،[1] حضرت مغیث ﷺ ایک غلام تھے، انکی شادی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد ہو گئیں، تو حضرت مغیث ﷺ سے قطع تعلق کرنا چاہا، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس ارادہ سے روکا، لیکن بولیں، کیا یہ آپ کا حکم ہے۔ فرمایا نہیں میں سفارش کرتا ہوں، وہ راضی نہ ہوئیں۔ حضرت مغیث ان کے فراق سے بدحواس ہو گئے، ان کے رخساروں پر آنسوؤں کی چادر دیکھ کر آپ ﷺ نے حضرت عباس ﷺ سے فرمایا، مغیث ﷺ کی محبت اور بریرہ کا بغض تم کو عجیب نہیں معلوم ہوتا۔[2]

ایک بار صحابہ کرام ﷺ حج سے واپس آرہے تھے ذوالحلیفہ کے پاس پہنچے تو انصار کے لڑکے استقبال کیلئے نکلے، ان ہی صحابہ ﷺ میں حضرت اسید بن حضیر ﷺ بھی تھے، ان کے خاندان کے بچوں نے ان کو بی بی کے انتقال کی خبر سنائی تو وہ منہ ڈھانک کر رونے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، آپ قدیم الاسلام صحابی ہو کر ایک عورت کیلئے، اس طرح روتے ہیں، بولے، سچ ہے سعد بن معاذ کے بعد مجھے کسی پر یوں رونا نہیں چاہیے۔[3]

اس محبت کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام ﷺ عورت کے حق صحبت کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ عورت کی درشت خوئی بھی اس کو فراموش نہیں کرا سکتی تھی، حضرت لقیط بن صبرہ ﷺ وفد بنو منتفق کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بی بی کی بدزبانی کی شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر طلاق دے دو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مدت کا ساتھ ہے اور اس سے ایک بچہ بھی ہے فرمایا کہ اس کو نصیحت کرو، اگر راہ راست پر آجائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو لونڈی کی طرح نہ مارو۔[4]

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عاتکہ بنت زید ؓ ۲: ابو داود کتاب الطلاق باب فی المملوکہ تعتق وہی تحت حر او عبد۔ ۳: مسند جلد ۴ صفحہ ۳۵۲۔ ۴: ابو داود کتاب الطہارۃ باب فی الاستنثار،

ہمسائیوں کے ساتھ سلوک

صحابہ کرام ؓ ہمسایوں کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کرتے تھے، اور اس میں، کافرو مسلم کی تفریق روا نہیں رکھتے تھے۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے ایک بکری ذبح کی۔ پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا گھر والوں سے پوچھا کہ تم نے ہمارے یہودی ہمسایہ کے پاس گوشت بھیجا یا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جبریل نے مجھ کو ہمسائیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس شدت سے وصیت کی کہ میں سمجھا کہ اس کو شریک وراثت بنادیں گے۔[1]

صحابہ کرام ؓ خود بھوکے رہتے تھے اور اپنے ہمسایوں کو کھلاتے تھے، ایک بار حضرت عمر ؓ نے حضرت جابر کے پاس گوشت کی گٹھڑی دیکھی، تو بولے، کیا تم لوگ اپنی بھوک کو اپنے ہمسائے اور اپنے چچازاد بھائی کیلئے نہیں مارنا چاہتے۔[2]

اگر کوئی شخص ہمسایوں کے ساتھ برا سلوک کرتا تو صحابہ کرام ؓ اس کو نہایت برا سمجھتے، ایک بار ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ، میرا پڑوسی مجھے ستاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، جاؤ، اور گھر سے اپنا تمام اسباب نکال کر باہر ڈال دو، اس نے تعمیل ارشاد کی لوگوں نے دیکھا تو پوچھا کیا معاملہ ہے؟ بولا، میرے پڑوسی نے مجھے ستایا ہے، تمام صحابہ ؓ نے کہا اس پر خدا کی لعنت ہو اس نے سنا تو کہا کہ "گھر میں چلو اب نہ ستاوں گا"۔[3]

غلاموں کے ساتھ سلوک

صحابہ کرام ؓ غلاموں کے ساتھ بالکل مساویانہ برتاؤ کرتے تھے اور جو خود پہنتے تھے وہی ان کو بھی پہناتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اپنی لڑکیوں کی طرح اپنی لونڈیوں کو بھی سنہرے زیورات پہنتے تھے۔[4] ایک بار کچھ لوگ ان سے ملنے کو آئے دیکھا کہ ان کے غلاموں کے گلے میں سونے کا طوق پڑا ہے، ہر ایک دوسرے کی طرف تعجب سے دیکھنے لگا، بولے، تمہاری نگاہ برائیوں ہی پر پڑتی ہے۔[5]

ایک بار حضرت ابوذر غفاری ؓ ایک حلہ پہنے ہوئے تھے، اور غلام کو بھی ویسا ہی پہنایا تھا، اس کا سبب دریافت کیا گیا تو بولے، میں نے ایک غلام کو ایک دفعہ برا بھلا کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابوذر ؓ! تم میں اب تک جاہلیت کا اثر باقی ہے، یہ لوگ تمہارے بھائی ہیں خدا نے ان کو تمہارے ہاتھ میں دے دیا ہے، تو جس کا بھائی اس کے ہاتھ میں ہو وہ اس کو وہی

۱: ابوداود کتاب الادب باب فی حق الجوار۔
۲: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی اکل اللحم۔ ۳: ادب المفرد باب حکایۃ ابحار
۴: مؤطا امام مالک کتاب الزکوۃ باب مالا زکوۃ فیہ من الحلی و التبر و العنبر۔
۵: ادب المفرد باب فضول النظر۔

کھلائے پلائے جو خود کھاتا پیتا ہے۔[1]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک غلام دیا اور یہی نصیحت کی تو انہوں نے اپنا کپڑا پھاڑ کر آدھا غلام کو دے دیا۔[2]

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے گاڑھے کی دو قمیصیں خریدیں، ساتھ میں ان کا غلام بھی تھا، بولے اس میں تمہیں جو پسند ہو لے لو، اس نے ایک لے لی۔[3]

ایک بار حضرت ابوالیسیر رضی اللہ عنہ کے جسم پر دو مختلف قسم کے کپڑے تھے اور انکے غلام کے بدن پر بھی اسی قسم کے مختلف کپڑے تھے ایک شخص نے کہا کہ اگر آپ لوگ ایک ایک کپڑا دوسرے سے بدل لیتے تو ہمرنگ ہو کر پورا حلہ یعنی جوڑا ہو جاتا، بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ غلاموں کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو،[4] یعنی اس طریقہ سے دونوں کپڑے ہمرنگ تو ہو جاتے، لیکن اس سے کپڑوں میں اختلاف ہو جاتا اور مساوات زائل ہو جاتی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غلاموں کی زدو کوب کو نہایت برا سمجھتے تھے، ایک بار ایک شخص نے اپنے غلام کے منہ پر طمانچہ مارا، حضرت سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ نے فرمایا، طمانچہ کیلئے تم کو صرف اس کا چہرہ ہی ملتا تھا۔ ہمارے بھائیوں میں ایک نے غلام کو مارا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے آزاد کرنے کا حکم دیا تھا۔[5]

زدو کوب تو بڑی بات ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لونڈیوں اور غلاموں کو آدھی بات بھی کہنا پسند نہیں کرتے تھے، ایک بار رات کو عبدالملک اٹھا اور اپنے خادم کو آواز دی، اس نے آنے میں دیر لگائی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی۔ حضرت ام الدرداء اس کے محل میں تھیں۔ صبح ہوئی تو کہا کہ تم نے رات اپنے خادم پر لعنت بھیجی حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن شفعاء یا شہداء نہ ہوں گے۔[6]

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے ایک دوست سے ملنے آئے وہ موجود نہ تھے، ان کی بی بی سے پانی مانگا، اس نے لونڈی کو ہمسایہ کے گھر بھیجا کہ دودھ مانگ لائے لونڈی نے آنے میں دیر لگائی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ گھر سے نکل آئے، ان کے دوست آئے تو کہا، آپ سے کیا پردہ تھا، گھر میں آکر بیٹھے ہوتے کھایا پیا ہوتا،

۱: بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاہلیۃ۔
۲: فتح الباری ج ۱ ص ۸۱۔
۳: اسد الغابۃ تذکرہ حضرت علیؓ۔
۴: ادب المفرد باب اکسوھم مما تلبسون۔
۵: مسلم کتاب النذور باب صحبتہ الممالیك كفارہ من لطم عبدہ۔
۶: مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب النہی عن لعن الدواب وغیرہا۔

بولے سب کچھ کر لیا، لیکن آپ کی بی بی نے لونڈی پر لعنت بھیجی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر لعنت بے محل ہوتی ہے تو خود لعنت بھیجنے والے پر لوٹ اتی ہے۔ اسلئے مجھے خوف پیدا ہوا کہ شاید لونڈی معذور ہو اور وہ لعنت آپ کی بی بی پر لوٹ آئے اور میں اس کا سبب بنوں اس خیال سے گھر سے باہر نکل آیا۔[1]

صحابہ کرام ؓ غلاموں کے آرام و آرائش کا نہایت خیال رکھتے تھے، ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے گھر کا منتظم آیا تو انہوں نے پوچھا، غلاموں کو کھانا دیا یا نہیں، بولا، نہیں، فرمایا جاؤ اور دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ، یہ تو بڑے گناہ کی بات ہے کہ آدمی غلاموں کی روزی کو روک رکھے۔[2]

صحابہ کرام ؓ غلاموں سے کبھی سخت کام نہیں لیتے تھے، ایک بار ایک شخص حضرت سلمان فارسی ؓ کے یہاں آیا دیکھا کہ بیٹھے ہوئے آٹا گوندھ رہے ہیں، اس نے کہا کہ غلام کہاں ہے؟ بولے ہم نے اسکو ایک کام کیلئے بھیجا ہے، اس لئے یہ پسند نہیں کیا کہ اس سے دو دو کام لیں۔[3]

حضرت عثمان رات کو اٹھ کر خود وضو کا پانی لے لیا کرتے تھے، لوگوں نے کہا، اگر آپ کسی خادم سے کہہ دیتے تو وہ یہ کام کر دیتا، بولے نہیں رات ان کے آرام کیلئے ہے۔[4]

اسی حسن سلوک کا یہ نتیجہ تھا کہ غلام صحابہ کرام ؓ پر جان دیتے تھے اور ان کے ارشادات کی، بطیب خاطر تعمیل کرتے تھے، افلح نامی حضرت ابو ایوب انصاری ؓ کا غلام تھا، انہوں نے اس کو مکاتب بنا کر آزاد کرنا چاہا تو تمام لوگوں نے اسکو مبارک باد دی، لیکن بعد میں حضرت ابو ایوب انصاری ؓ نے معاہدہ کتابت کو فسخ کرنا چاہا اور اس کے یہاں کہلا بھیجا کہ تمہیں مثل سابق کے غلامی کی حالت میں رہنا ہوگا، افلح کے اہل و عیال نے کہا کہ تم پھر غلام بننا پسند کرو گے؟ حالانکہ خدا نے تم کو آزاد کر دیا تھا، لیکن اس نے کہا کہ میں ان کی کسی بات کا انکار نہیں کر سکتا، چنانچہ خود اس معاہدہ کو فسخ کر دیا۔ اس کے چند ہی دنوں کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری ؓ نے اس کو آزاد کر دیا اور کہا کہ جو مال تمہارے پاس ہو وہ کل تمہارا ہے۔[5]

۱: مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۴۰۸ مسند عبداللہ ابن مسعودؓ۔
۲: مسلم کتاب الزکوۃ باب فضل النفقہ علی العیال والمملوک۔
۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔
۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمانؓ۔
۵: طبقات ابن سعد تذکرہ افلح۔

باہمی محبت

صحابہ کرام ؓ باہم نہایت الفت و محبت رکھتے تھے،اس لئے جب کسی صحابی کو کسی قسم کا دکھ درد پہنچتا تھا، تو دوسرے صحابہ ؓ کے دل بھر آتے تھے، حضرت عمر ؓ کو جب ابن لولو نے زخمی کیا تو تمام صحابہ ؓ کو اس قدر رنج ہوا کہ گویا ان پر کبھی ایسی مصیبت نہیں آئی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا الگ رو رہی تھیں۔[1] حضرت صہیب ؓ پاس آئے اور وا اخیاہ وا اخیاہ کہہ کر رونے لگے۔[2]

حضرت عمر ؓ کا انتقال ہوا تو تمام صحابہ ؓ نے ان کے تابوت کو گھیر لیا اور دعائیں کرنے لگے۔[3]

حضرت علی ؓ نے پاس پہنچ کر کہا، خدا تم پر رحم کرے مجھے توقع ہے کہ خدا تم کو تمہارے دونوں رفقاء (حضرت ابو بکر ؓ و رسول اللہ ﷺ) کی معیت عطا کرے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں ابو بکر ؓ عمر ؓ تھے، میں نے ابو بکر ؓ عمر ؓ نے یہ کام کیا تھا۔[4]

صحابہ کرام ؓ حضرت عمر ؓ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو سب کے سامنے دستر خوان بچھایا گیا، لیکن رنج و غم کی وجہ سے کسی نے کھانے کو ہاتھ لگانا پسند نہیں کیا، بالآخر حضرت عباس ؓ کے سمجھانے سے سب نے کھانا کھایا۔[5]

ایک بار صحابہ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شہداء کے مزار کی زیارت کو نکلے، پہاڑ پر چڑھے تو قبریں نظر آئیں، محبت کے لہجے میں بولے یا رسول اللہ ﷺ، یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں، فرمایا ہمارے اصحاب کی قبریں ہیں۔[6]

ایک بار واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ ؓ، حضرت انس بن مالک ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے نام پوچھا اور سلسلۂ نسب میں حضرت سعد بن معاذ ؓ کا نام آیا تو فرمایا، تمہاری صورت سعد ؓ سے مشابہ ہے وہ سب میں بڑے اور لمبے تھے، یہ کہہ کر رو پڑے۔[7]

ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کے سامنے کھانا آیا، ان کو ابتدائے اسلام کا افلاس یاد آ گیا، بولے مصعب بن عمیر ؓ مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوئے اور ایک چادر

۱: بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان بن عفان ؓ۔
۲: نسائی کتاب الجنائز باب النیاحۃ علی المیت۔ ۳: سنن ابن ماجہ باب فضل ابی بکر الصدیق۔
۴: بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکر ؓ۔ ۵: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عباس ؓ۔
۶: ابو داود کتاب المناسک باب زیارۃ القبور۔
۷: نسائی کتاب الزینۃ باب لبس الدیباج المنسوج بالذہب و ترمذی کتاب اللباس باب لبس الحریر فی الحرب۔

کے سوا ان کو کفن میسر نہ ہوا۔ حمزہ ؓ یا کوئی اور صحابی جو مجھ سے بہتر تھے شہید ہوئے اور ایک چادر کے سوا ان کو کفن نہ ملا شاید دنیا ہی میں ہم کو ہمارے طیبات مل گئے، یہ کہہ کر رونے لگے اور کھانا چھوڑ دیا۔[1]

باہمی اعانت

صحابہ کرام ؓ مصیبت میں، آفت میں، کشمکش میں ایک دوسرے کی اعانت فرماتے تھے۔ جنگ کی حالت میں ہر شخص کو اپنی ہی جان کی فکر رہتی ہے لیکن صحابہ کرام ؓ اس موقع پر بھی دوسروں کی اعانت کیلئے اپنی جان تک کو خطرہ میں ڈال دیتے تھے حضرت ابو قتادہ ؓ کا بیان ہے کہ میں نے حنین میں دیکھا کہ ایک کافر ایک مسلمان پر غالب آنا چاہتا ہے، میں چکر دے کر آیا، اور اس کی پشت کی جانب سے گردن پر ایک تلوار ماری وہ میری طرف بڑھا اور مجھ کو اس طرح دبوچ لیا کہ مجھے موت کی خوشبو آنے لگی، اور پھر مر ہی کے چھوڑا۔[2]

قبیلہ اشعری کے لوگ مدینہ میں ہجرت کر کے آگئے تھے، ان لوگوں میں باہم اس قدر تعاضد و تعاون تھا کہ جب غزوات میں ان کا زاد راہ ختم ہو جاتا تھا یا خود مدینہ میں مبتلائے فقرو فاقہ ہو جاتے تھے، تو ہر شخص کے گھر میں جو کچھ ہوتا تھا، وہ لا کر سب کے سامنے رکھ دیتا تھا اور یہ سب لوگ اس کو برابر تقسیم کر لیتے تھے۔[3]

ہمسایہ عورتیں اپنی پڑوسنوں کو ہر قسم کی مدد دیتی تھیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو روٹی پکانا نہیں آتی تھی، لیکن ان کی پڑوسنیں ان کی روٹی پکا دیا کرتی تھیں۔[4]

ایک دن کچھ مفلوک الحال لوگ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ خدا کی قسم نہ ہم کو نفقہ ملتا، نہ سواری ملتی، نہ اسباب ملتا، بولے، اگر چاہو تو خدا جو توفیق دے ہم ہم دیں، ورنہ بادشاہ کے دربار میں تمہاری سفارش کر دیں، اور اگر جی میں آئے تو صبر کرو کیونکہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فقراء مہاجرین امراء سے چالیس سال پیشتر جنت میں داخل ہوں گے، ان لوگوں نے کہا، ہم صبر کرتے ہیں، اور کچھ نہیں مانگتے۔[5]

حضرت زبیر ؓ نے لاکھوں روپے قرض چھوڑ کر انتقال فرمایا تھا اور حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ اس کو ادا کرنا چاہتے تھے، ایک بار حضرت حکیم بن حزام ؓ سے ملاقات ہوگئی تو انہوں نے کہا، یہ قرض کیونکر ادا کرو گے۔ اگر مجبور ہو جانا تو مجھے اعانت کی درخواست کرنا، میں

۱: بخاری کتاب الجنائز باب الکفن من جمیع المال مع فتح الباری۔
۲: ابوداؤد و کتاب الجہاد باب فی السلب یعطی القاتل۔
۳: مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل الاشعریین۔
۴: مسلم کتاب السلام باب ارداف المراۃ الاجنبیۃ اذا اعیت فی الطریق۔ ۵: مسلم کتاب الزہد۔

اعانت کروں گا، یہ صرف زبانی دعوے نہ تھا، بلکہ انھوں نے چار لاکھ سے ان کی اعانت بھی کرنا چاہی، لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا۔[1]

جب عورتوں کو شکایت پیدا ہوتی تھی، تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا دردِ دکھ کہتی تھیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہایت پرزور طریقہ سے ان کی سفارش کرتی تھیں، ایک بار ان کی خدمت میں ایک عورت سبز دوپٹہ اوڑھ کر آئی اور جسم کھول کر دکھایا کہ شوہر نے اس قدر مارا ہے کہ بدن پر نیل پڑ گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے کہا کہ مسلمان عورتیں جو مصیبت برداشت کر رہی ہیں ہم نے ویسی مصیبت نہیں دیکھی دیکھئے اس کا چمڑا اس کے دوپٹے سے زیادہ سبز ہو گیا ہے، بخاری کی روایت میں ہے۔

والنساء ينصر بعضهن بعضاً[2]

عورتوں کی یہ فطرت ہے کہ ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں۔

ایک شخص کی بی بی بیمار تھیں، وہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کے پاس آئے انھوں نے حال پوچھا تو انھوں نے کہا بیمار ہے، انھوں نے ان کو بٹھلا کر کھانا کھلایا اور جب تک ان کی بی بی بیمار رہیں حال پوچھتے اور کھانا کھاتی رہیں۔[3]

حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ نہایت مفلس صحابی تھے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے، شادی کرنا چاہی لیکن خود ان کے پاس مہر اور دعوت ولیمہ کا کوئی سامان نہ تھا، اس لئے ان کے قبیلہ کے لوگوں نے اعانت کی اور تمام سامان ہو گیا۔[4]

ایک کے رنج و مسرت میں دوسرے کی شرکت

تالقف واتحاد نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک جان دو قالب بنا دیا تھا اس لئے وہ ایک کے رنج کو اپنا رنج اور ایک کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتے تھے، اور اس میں شریک ہوتے تھے، ایک بار حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ بیان کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصدیق نہیں فرمائی اس لئے ان کو سخت صدمہ ہوا، اس کے بعد قرآن مجید نے ان کی تصدیق کی جس پر ان کو نہایت مسرت ہوئی۔ اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان سے ملے تو مبارک باد دی۔[5] غزوہ تبوک کی عدم شرکت کے جرم میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ حضرت

۱: بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ حیاً و میتاً مع فتح الباری۔
۲: بخاری کتاب اللباس باب ثیاب الخضر۔ ۳: ادب المفرد باب صفحہ ۷۴۔
۴: مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۵۸۔
۵: ترمذی تفسیر القرآن تفسیر سورۃ المنافقون۔

مرارہ بن ربیع ؓ کی توبہ مقبول ہوئی، اور رسول اللہ ﷺ کی ناراضی کا خاتمہ ہوا تو اس بارے میں جو آیت نازل ہوئی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رات ہی کو حضرت کعب بن مالک ؓ کو اسکی اطلاع دینی چاہی لیکن آپ نے فرمایا کہ "کہ اگر تم نے ایسا کیا تو لوگ ٹوٹ پڑیں گے اور سونا دشوار ہو جائے گا۔[۱] اسلئے آپ نے نماز فجر کے بعد اس کا اعلان کیا، اسوقت حضرت کعب بن مالک ؓ کوٹھے کی چھت پر سخت پریشانی کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے، دفعتاً آواز آئی کہ مژدہ باد، دیکھا کہ لوگ جوق در جوق مبارک باد دینے کیلئے چلے آرہے ہیں، ایک صحابی گھوڑا اڑاتے ہوئے آئے، ایک اور صحابی دوڑتے ہوئے پہنچے، اور پہاڑ پر چڑھ کر بشارت دی، لوگ گروہ در گروہ آتے تھے اور کہتے تھے، کہ کعب توبہ مبارک مسجد نبوی ﷺ میں توبہ کا اعلان ہوا تھا اور وہ داخل مسجد ہوئے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ نے دوڑ کر مصافحہ کیا، اور مبارک باد دی۔[۲]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب اتہام لگایا گیا اور وہ اس رنج و غم میں رات دن معروف گریہ و بکا رہنے لگیں، تو ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا آئیں اور انکی یہ حالت دیکھ کر بے اختیار رو پڑیں۔[۳]

حسن رفاقت

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی شان میں فرمایا ہے:

وَحَسُنَ أُولَـٰئِكَ رَفِيقًا۔

یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔

صحابہ کرام ؓ بھی اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے تھے، اس لئے انہوں نے عملاً دنیا ہی میں اپنے اوپر اس آیت کو منطبق کر لیا تھا۔

حضرت رافع بن عمرو ؓ نے ایک غزوہ میں رفیق صالح کی تلاش کی جس اتفاق سے حضرت ابو بکر ؓ کا شرف رفاقت حاصل ہو گیا، ان کا بیان ہے کہ وہ مجھے اپنے بستر پر سلاتے تھے اپنی چادر اڑھاتے تھے، میں نے کہا، مجھے کوئی ایسی بات سکھایئے جو مجھے فائدہ دے، بولے خدا کو پوجو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، اگر مال ہو تو، صدقہ دو دار الکفر سے ہجرت کرو اور دو شخصوں کے بھی حاکم نہ بنو۔[۴]

بزرگوں کا ادب

حدیث شریف میں آیا ہے۔

۱: بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ توبہ باب قولہ وعلی الثلثۃ الذین خلفوا الخ۔
۲: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک۔
۳: بخاری کتاب الشہادت باب تعدیل النساء بعضہن بعضا۔ ۴: اصابہ تذکرہ رافع بن عمرو بن جابرؓ۔

من لم یرحم صغیرنا و یعرف حق کبیرنا فلیس منا۔

جو لوگ ہمارے چھوٹوں پر رحم اور ہمارے بزرگوں کا ادب نہیں کرتے وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔

اس لئے صحابہ کرام ؓ بزرگوں کا نہایت ادب کرتے تھے ایک بار مجلس نبوی میں حضرت ابو بکر ؓ و حضرت عمر ؓ بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو اس درخت کا نام بتاؤ جو مسلمانوں سے مشابہ ہے، ہر سال پھلتا ہے اور کبھی اس پر خزاں نہیں آتی، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن ان دونوں بزرگوں کے ادب سے نہ بول سکے۔ حضرت عمر ؓ کو معلوم ہوا تو کہا کہ تم نے کیوں نہیں بتایا؟ اگر تم بتا دیتے تو مجھ کو فلاں فلاں چیزوں سے بھی زیادہ محبوب ہوتا، بولے جب آپ اور حضرت ابو بکر ؓ نہیں بولے تو میں نے بولنا پسند نہیں کیا۔[1] ایک دن وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چلے، کسی طرف سے حضرت ابو بکر ؓ بھی آگئے وہ دائیں طرف سے ہٹ کر آپ کے بائیں جانب آگئے، تھوڑی دیر میں حضرت عمر ؓ نے بھی شرف رفاقت حاصل کیا اب وہ بالکل کنارے ہو گئے۔[2]

ایک بار حضرت عبداللہ بن قیس بن مخرمہ[3] ؓ، مسجد قبا میں نماز پڑھ کر خچر پر سوار ہو کر نکلے، راہ میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ مل گئے، انہوں نے دیکھا تو فوراً اتر پڑے اور کہا کہ چچا جان اس پر سوار ہو لیجئے۔[4]

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ حضرت عمر ؓ کے خاص تربیت یافتہ تھے، وہ ایک سال سے ان سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتے تھے مگر ہمت نہیں پڑتی تھی۔ ایک موقع پر وہ مسئلہ پوچھا تو کہا، خدا کی قسم! سال بھر سے پوچھنا چاہتا تھا، مگر آپ کے خوف سے ہمت نہیں پڑتی تھی یہ حسن ادب تھا، لیکن حضرت عمر ؓ نے بھی یہ شفقت آمیز جواب دیا کہ، ایسا نہ کرو اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ میرے پاس کسی چیز کا علم ہے تو پوچھ لیا کرو اگر میں جانتا ہوں گا تو ضرور بتا دوں گا۔[5]

دوستوں کی ملاقات

ملاقات ازدیاد محبت کا نہایت موثر ذریعہ ہے صحابہ ؓ میں باہم محبت تھی، اور وہ اس

۱: بخاری کتاب الادب باب اکرام الکبیر۔
۲: مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۔
۳: ان کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے۔
۴: مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۱۹۔
۵: مسلم کتاب الطلاق باب فی الایلاء واعتزال النساء و تخییر ہن و قولہ تعالیٰ وان تظاہرا علیہ۔

محبت کو ترقی دینا چاہتے تھے اس لئے دوستوں سے اکثر ملاقات کرتے تھے، حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا شام میں رہتی تھیں لیکن ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پاپیادہ مدائن سے ان کے ملنے کو آئے۔[1]

ایک دن بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے، انھوں نے روٹی اور سرکہ سامنے رکھ دیا، اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سرکہ بہترین سالن ہے، وہ شخص ہلاک ہو جائیگا جس کے پاس اس کے احباب آئیں اور وہ اس چیز کو حقیر سمجھ کر ان کے سامنے پیش نہ کرے جو اس کے گھر میں موجود ہو اور احباب بھی ہلاک ہو جائیں گے جو اس کو حقیر خیال کریں۔[2]

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے ایک دوست (غالباً صحابی ہوں گے) سے ملنے آئے، وہ گھر میں موجود نہ تھے، آئے تو ان کو گھر کے باہر دیکھ کر بولے، آپ سے کیا پردہ تھا گھر میں آکر بیٹھے ہوتے کھلایا پلایا ہوتا۔[3]

ہدیہ دینا

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہدیہ ازدیاد محبت کا ذریعہ ہے، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اکثر ہدیہ بھیجا کرتے تھے، حضرت نسیبہ انصاریہ رضی اللہ عنہا اس قدر مفلس تھیں کہ ان پر صدقہ کا مال حلال تھا۔ تاہم اس حالت میں بھی وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خدمت میں ہدیہ بھیجتی تھیں۔ ایک بار ان کے پاس صدقہ کی ایک بکری آئی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہدیۃً بھیجا۔[4] حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی جو کچھ صدقہ میں آتا تھا، وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہدیہ دیا کرتی تھیں۔[5]

عیادت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مریضوں کی عیادت کو اپنا فرض خیال کرتے تھے، ایک بار حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں کون ان کی عیادت کرتا ہے۔

۱: ادب المفرد باب الزیارۃ۔ ۲: مسند ابن حنبل ۳ صفحہ ۳۵۰۔

۳: مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۴۰۸۔

۴: بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اذا تحولت الصدقۃ۔

۵: مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اباحہ الهدیه النبی ولبنی هاشم وبنی عبدالمطلب و ان کان المهدی ملکها بطریق الصدقه۔

باوجودیکہ غربت وافلاس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاوں میں جوتے نہ تھے، موزے نہ تھے، سر پر ٹوپی نہ تھی، بدن پر کپڑا نہ تھا، لیکن بایں ہمہ دس پندرہ بزرگ پتھریلی زمین میں ننگے پاوں اور کھلے سر گئے اور ان کی عیادت کی۔[1]

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں آج کون روزے سے ہے؟ تم میں آج کسی نے جنازے کی مشایعت کی ہے؟ تم میں آج کس نے مسکین کو کھلایا ہے؟ تم میں آج کس نے مریض کی عیادت کی ہے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے ہر سوال کے جواب میں ہاں نکلی تو آپ ﷺ نے فرمایا، جس شخص میں یہ تمام چیزیں جمع ہو جائیں وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔[2]

ایک بار ایک صحابی بیمار تھے، حضرت ام الدردا رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہو کر آئیں اور ان کی عیادت کی۔[3]

ایک بار حضرت شداد بن اوس شام کے وقت کہیں جارہے تھے، کسی نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے یہیں ایک مریض بھائی کی عیادت کو جاتا ہوں۔[4]

تیمارداری

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت دلسوزی سے مریضوں کی تیمارداری کرتے تھے۔ مہاجرین کے قیام کے متعلق جب قرعہ کے ذریعہ فیصلہ کیا گیا تو حضرت عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ حضرت ام العلا رضی اللہ عنہن کے حصے میں آئے، وہ بیمار ہوئے تو ان کے تمام خاندان نے نہایت دلسوزی سے تیمارداری کی۔ ان کا انتقال ہوا تو کفن پہنانے کے بعد حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا نے محبت کے لہجے میں کہا تم پر خدا کی رحمت ہو میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا نے تمہاری عزت کی۔[5]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مرض الموت میں بیمار ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے پوچھوایا کہ کون ان کی تیمارداری کرے گا۔ تمام بیویوں نے کہا ہم ان کا انتقال ہوا تو پھر دریافت کیا کہ ان کو غسل وکفن دے گا، تمام بیویوں نے کہا ہم۔[6]

۱: مسلم کتاب الجنائز باب فی عیادۃ المرضی۔
۲: مسلم کتاب الزکوۃ باب من جمع الصدقۃ واعمال البر مسند جلد ۳ صفحہ ۱۸ میں یہ واقعہ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ہے۔
۳: ادب المفرد باب عیادۃ النساء الرجل المریض۔ ۴: مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۴۔
۵: بخاری کتاب الشہادات باب القرعۃ فی المشکلات۔
۶: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش۔

عزاداری

صحابہ کرام ؓ رنج و غم میں ایک دوسرے کے شریک تھے، اس لئے عزاداری کو اپنا فرض بنالیا تھا، ایک بار رسول اللہ ﷺ ایک صحابی کو دفن کر کے آرہے تھے، راہ میں دیکھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جارہی ہیں پوچھا گھر سے کیوں نکلیں؟ بولیں، اسی گھر میں عزاداری کیلئے گئی تھی۔[1]

حضرت انس بن مالک ؓ کی متعدد اولاد غزوہ حرہ میں شہید ہوئی، تو حضرت زید بن ارقم نے خط کے ذریعہ سے رسم تعزیت ادا کی۔[2]

عرب میں ایک عزاداری یہ تھا کہ عورتیں برادری میں جاکر مُردوں پر نوحہ کرتی تھیں۔ یہ جاہلیت کی رسم تھی لیکن اسلام نے اس کو مٹادیا۔ چنانچہ جب عورتیں اسلام لاتی تھیں تو ان سے اس کا بھی معاہدہ لیا جاتا تھا۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے یہ معاہدہ لینا چاہا تو بولیں فلاں فلاں خاندان نے زمانہ جاہلیت میں ہمارے مردے پر نوحہ کیا ہے، مجھے اس کا معاوضہ کرنا ضروری ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو اس کی اجازت دی۔[3]

سلام کرنا

السلام علیکم، اگرچہ نہایت مختصر اور سادہ فقرہ ہے، لیکن جلب محبت کیلئے، عمل تسخیر کا حکم رکھتا ہے، اس بنا پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

و اذا حییتم تحیة فحیوا باحسن منها یا ایها الذین امنو الا تد خلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستا نسو او تسلمو اعلی اهلها۔

جب تم کو سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر طریقہ سے اس کا جواب دو مسلمانو! اپنے گھر کے سوا کسی دوسرے کے گھر میں اس وقت تک نہ داخل ہو جب تک تم ان سے مانوس نہ ہو جاؤ اور ان کو سلام نہ کرلو!

اور اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ جب اول اول مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو سب سے پہلے یہ تعلیم دی۔

یا ایها الناس افشوا السلام و اطعموا الطعام تدخلوا الجنة بسلام۔[4]

لوگو! باہم سلام کرو اور کھانا کھلاؤ اور جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھو، تاکہ اس کے

۱: ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی التعزیہ۔
۲: ترمذی کتاب المناقب فضل الانصار و قریش۔
۳: مسلم کتاب الجنائز باب التشدید فی النیاحته۔ ۴: ترمذی صفحہ ۴۰۹۔

بدلہ میں جنت میں اطمینان سے داخل ہو جاؤ۔

اس لئے صحابہ کرام ؓ ہر کہ دمہ کو سلام کرتے تھے ایک بار حضرت ابو بکر ؓ اونٹ پر سوار جارہے تھے جو لوگ راہ میں ملتے اور وہ ان کو سلام کرتے تو صرف السلام علیکم کہتے لیکن وہ جواب میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے اب وہ بھی اسی کا اعادہ کرتے وہ لوگ اور اضافہ کے ساتھ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتے آخر فرمایا کہ یہ لوگ ہم سے بہت بڑھ کے رہے۔[1]

حضرت انس بن مالک ؓ بصرہ میں نکلتے تو راستے میں ہر شخص کو ہاتھ کے اشارے سے سلام کرتے۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا معمول تھا کہ بازار میں جاتے اور ہر دوکان دار ہر مسکین اور ہر مسافر غرض ہر شخص کو سلام کرتے ایک شخص نے پوچھا کہ بازار میں آپ نہ بھاؤ تاؤ کرتے، نہ سودا سلف خریدتے نہ کہیں بیٹھتے، پھر کس کام سے آتے ہیں بولے صرف سلام کرنے کیلئے۔[3] جب وہ سلام کا جواب دیتے تو سلام کرنے والے کے جواب میں بعض فقرے کا اضافہ کردیتے ایک بار ایک شخص نے بار بار ان ہی کے اضافہ کے ساتھ سلام کیا تو اخیر میں انھوں نے جو جواب دیا وہ بہت طویل تھا یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وطیب صلوۃ۔[4]

اگر صحابہ ؓ کے درمیان ایک درخت بھی حائل ہو جاتا تو اس کی آڑ سے نکلنے کے بعد جب دوبارہ سامنا ہوتا تو باہم سلام کرتے۔[5]

مصافحہ

سب سے پہلے اہل یمن جو نہایت محبت کیش، رقیق القلب اور مخلص لوگ تھے، مصافحہ کا تحفہ دربار رسالت میں لے کر حاضر ہوئے[6] اور صحابہ کرام ؓ نے اس پر اس شدت سے عمل کیا کہ حضرت انس بن مالک صرف دوستوں سے مصافحہ کرنے کیلئے روزانہ ہاتھوں میں خوشبودار تیل ملا کرتے تھے۔[7]

معاوضہ احسان

قرآن مجید میں ہے:

هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔

۱: ادب المفرد باب فضل السلام۔

۲: باب من سلم اشارۃ۔ ۳: ادب المفرد باب من خرج یسلم ویسلم علیہ۔

۴: ادب المفرد باب۔ ۵: ایضاً باب حق من مسلم واقام۔

۶: ابوداؤد کتاب الادب باب فی المصافحۃ۔

۷: ادب المفرد باب من ریدہ للمصافحہ۔

احسان کا بدلہ صرف احسان ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی اس آیت کی عملی تفسیر تھی ایک غزوہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت تشنہ لب ہو کر پانی کی جستجو میں نکلے تو ایک عورت ملی جس کے ساتھ پانی تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو استعمال میں لائے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو معاوضہ دلوادیا لیکن باوجود معاوضہ دینے کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ اس کے اس احسان کو یاد رکھا چنانچہ جب اس کے گاؤں کے پاس حملہ کرتے تھے تو اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے۔[1]

سپاس گزاری

حدیث شریف میں آیا ہے

من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ

جو لوگ انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے وہ خدا کے بھی شکر گزار نہیں ہوتے۔

اس بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے محسنوں کے نہایت سپاس گزار رہتے تھے رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے سے پہلے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ پہنچ گئے۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے انصار سے زیادہ فیاض اور غمگسار قوم نہیں دیکھی انھوں نے ہمارا بار اٹھالیا، ہم کو اپنا شریک بنالیا ایسا نہ ہو کہ کل ثواب وہی لوٹ لیں ارشاد ہوا کہ جب تک ان کیلئے خدا سے دعا کرتے رہو گے، ان کی تعریف میں تر زبان رہو گے، ایسا نہ ہوگا۔[2]

حسن ظن

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کی نسبت ہمیشہ نیک گمان رکھتے تھے ایک دفعہ کوفہ والوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ وہ نماز صحیح طریقہ سے نہیں پڑھاتے انھوں نے ان سے دریافت کیا تو بولے میں بالکل رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتا ہوں انھوں نے کہا تمہاری نسبت یہی گمان تھا۔[3]

ایک شخص جس کے ہاتھ پاؤں چوری کے جرم میں کاٹ ڈالے گئے تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مہمان ہوا انھوں نے دیکھا کہ وہ رات کو اٹھ کے نماز پڑھتا ہے تو بولے کہ تمہاری رات تو چوروں کی سی نہیں معلوم ہوتی۔ تمہارے ہاتھ پاؤں کس نے کاٹے۔ اس نے کہا یعلی بن منیہ نے یہ ظلم کیا ہے۔ فرمایا میں اس کی نسبت ان کو لکھوں گا۔ اس کے چند ہی دنوں بعد حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا ایک زیور غائب ہو گیا اس کی تحقیقات کی گئی تو ایک سنار کے پاس

۱: بخاری کتاب التیمم باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیہ عن الماء۔

۲: ترمذی ابواب الزہد۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تخفیف الآخرین۔

مالا وہ حاضر کیا گیا تو اس نے کہا کہ اسی وسلت و پابریدہ شخص نے مجھ کو یہ زیور دیا۔ حضرت ابو بکر ؓ نے کہا یہ چوری کوئی بڑی چیز نہیں۔ البتہ اس نے مجھ کو اپنے مذہبی تقدس کی بنا پر جو فریب دیا وہ بہت بڑا جرم ہے اس کے پاؤں کاٹ ڈالو۔[1]

واقعہ افک کو منافقین نے اگرچہ بے حد شہرت دی تاہم صحابہ کرام ؓ کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کے ساتھ جو حسن ظن تھا اس کی بنا پر متعدد صحابہ ؓ نے صاف صاف کہہ دیا کہ

سُبْحَانَكَ مَايَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔[2]

سبحان اللہ، ہمارے لئے اس کا ذکر، جائز نہیں، سبحان اللہ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

بخاری میں ہے کہ اس جملہ کو ایک انصاری نے کہا تھا لیکن فتح الباری میں اور صحابہ ؓ کے نام بھی گنائے ہیں۔

مصالحت و صفائی

بہ مقتضائے فطرت انسانی اگر صحابہ کرام ؓ میں باہم شکر رنجی ہو جاتی تھی تو وہ نہایت خلوص کے ساتھ باہم صفائی کر لیتے تھے اور چند روزہ ناگواری پر ان کو اس قدر افسوس ہوتا تھا کہ جب اس ناگوار حالت کا تذکرہ یا اس کا خیال آتا تھا تو آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ ایک معاملہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ ابن زبیر ؓ سے اس قدر ناراض ہو گئیں کہ بول چال تک کی قسم کھالی لیکن عفو تقصیر کے بعد جب ان کو یہ قسم یاد آتی تھی تو اس قدر روتی تھیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا تھا۔[3]

ابتدا میں اگرچہ حضرت علی ؓ نے حضرت ابو بکر ؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی لیکن بعد کو انھوں نے خود حضرت ابو بکر ؓ کو اس غرض سے بلایا اور کہا کہ اے ابو بکر ؓ ہم کو تمہاری فضیلت کا اعتراف ہے اور اگر خدا نے تم پر یہ احسان (خلافت) کر دیا تو ہم کو اس پر رشک نہیں ان کی اس مخلصانہ تقریر کا حضرت ابو بکر ؓ پر یہ اثر ہوا کہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی قرابت مجھ کو خود اپنی قرابت سے زیادہ عزیز ہے ہمارے اور تمہارے درمیان جن معاملات میں اختلاف ہو گیا تھا ان میں حق سے سر مو تجاوز نہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ کیا ہے اسی کے مطابق عمل کروں گا۔ باہمی صفائی کے بعد حضرت علی ؓ نے بیعت کیلئے سہ پہر کا وقت مقرر فرمایا۔ ظہر

1: دار قطنی کتاب الحدود صفحہ نمبر ۳۶۵۔
2: بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب قول اللہ وامرہم شوریٰ بینہم۔
3: بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ۔

کی نماز ہو چکی تو حضرت ابو بکر ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر ان کے تمام عذرات جو عدم بیعت کا سبب تھے بیان کئے۔ اس کے بعد حضرت علی ﷺ نے تقریر کی جس میں حضرت ابو بکر ﷺ کے تمام فضائل و حقوق خلافت کا اعتراف کیا اور کہا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ اس بنا پر نہ تھا کہ مجھ کو حضرت ابو بکر ﷺ کے ساتھ حسد ور شک تھا یا میں ان کے فضائل کا منکر تھا، لیکن ہم اپنے آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے، اس لئے ہم کو اس پر رنج ہوا اس اعلان سے تمام مسلمان خوشی کے مارے کھل گئے اور حضرت علی ﷺ سے جو عام ناراضی پیدا ہو گئی تھی وہ یک لخت زائل ہو گئی۔[1]

معاصرین کی فضیلت کا اعتراف

رشک و حسد علماء کا مایہ خمیر ہے اس لئے وہ معاصرین کی فضیلت کا بہت کم اعتراف کرتے ہیں۔ محدثین اسلامی اخلاق کا بہترین نمونہ تھے لیکن بایں ہمہ اصول حدیث کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک محدث کی جرح دوسرے معاصر محدث پر قابل اعتبار نہیں کیونکہ ان میں باہم رشک و حسد اور بغض و عناد ہوتا ہے لیکن صحابہ کرام ﷺ نہایت کشادہ دلی کے ساتھ معاصرین کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے، حضرت معاذ بن جبل ﷺ کا انتقال ہونے لگا تو لوگوں نے کہا کہ کچھ وصیت فرمائیے بولے چار آدمیوں سے علم حاصل کرو عویمر ابی الدرداء ﷺ، سلمان فارسی ﷺ، عبداللہ بن مسعود ﷺ، عبداللہ بن سلام ﷺ۔[2]

ایک بار حضرت ابو ہریرہ ﷺ کے پاس کوفہ سے ایک بزرگ آئے اور کہا کہ علم حاصل کرنے کیلئے آیا ہوں۔ بولے کیا تمہارے یہاں سعد بن مالک ابن مسعود ﷺ، حذیفہ ﷺ، عمار ﷺ اور سلمان ﷺ نہیں ہیں؟ ساتھ ساتھ ان کی وجوہ فضیلت بھی بیان کی۔[3]

ایک دفعہ کوفہ میں ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ سے ایک فتویٰ پوچھا انھوں نے جو جواب دیا اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے اعتراض کیا۔ اگر اس زمانہ کے علماء ہوتے تو باہم لڑ بیٹھتے لیکن حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ نے کہا کہ اہل کوفہ جب تک یہ چیز (عبداللہ بن مسعود ﷺ) تم میں موجود ہے مجھ سے فتویٰ نہ پوچھو۔[4]

مساوات

صحابہ کرام ﷺ ہر کہ ومہ سے مساویانہ برتاؤ کرتے تھے اور ان کے ساتھ مساویانہ،

1: مسلم کتاب الجہاد و قول النبیؐ لا نورث ما ترکنا فہو صدقہ۔
2: ترمذی کتاب المناقب مناقب عبداللہ بن سلامؓ۔
3: ترمذی کتاب المناقب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ۔
4: مؤطا امام مالکؒ کتاب الرضاع باب ماجاء فی الرضاعۃ بعد الکبر۔

معاشرت رکھتے تھے ایک بار حضرت صفوان بن امیہ ؓ ایک بڑے پیالہ میں کھانا لائے اور حضرت عمر ؓ کے سامنے رکھ دیا انھوں نے فقیروں اور غلاموں کو بلایا اور سب کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ اس کے بعد فرمایا خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار آتا ہے۔[1]

ایک بار حضرت عمر ؓ گھی میں چورا کر کے روٹی کھا رہے تھے۔ ایک بدو کو بلایا اور اپنے ساتھ شریک طعام کیا وہ لقمہ اٹھاتا تھا تو پیالے کی تلچھٹ تک سمیٹ لیتا تھا فرمایا تم بہت ہی مفلس معلوم ہوتے ہو بولا مدتوں سے نہ گھی دیکھا نہ کوئی گھی کا کھانے والا نظر آیا قحط کا زمانہ تھا حضرت عمر ؓ نے فرمایا جب تک بارش نہ ہو گی گھی نہ کھاؤں گا۔[2]

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر ؓ مدینہ کے اطراف میں نکلے، ساتھ ساتھ بہت سے حباب تھے دستر خوان بچھایا گیا تو ایک چرواہا آنکلا اس نے سلام کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے اس کو شریک طعام کرنا چاہا اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے ہوں، بولے ایسے گرم دن یں روزہ رکھتے ہو اور پھر بکریاں چراتے ہو۔[3]

زمانہ جاہلیت میں حضرت خباب ؓ اور حضرت بلال ؓ دونوں غلام رہ چکے تھے یکن ایک بار حضرت خباب ؓ حضرت عمر ؓ کے پاس آئے تو انھوں نے ان کو اپنے دے پر بٹھایا اور کہا کہ ایک شخص کے سوا کوئی ان سے زیادہ اس جگہ کا مستحق نہیں۔ انھوں نے چھا وہ کون یا امیر المومنین؟ فرمایا بلال ؓ ۔[4]

ایک دن سرداران قریش میں حضرت ابوسفیان بن حرب ؓ اور حضرت حارث بن ہام ؓ وغیرہ حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے استیذان کے بعد انھوں نے ب سے پہلے اہل بدر کو جن میں حضرت صہیب ؓ، حضرت بلال ؓ اور حضرت عمار ؓ بھی تھے۔ شرف باریابی بخشا حضرت ابوسفیان کے دماغ میں اب تک زمانہ جاہلیت کا غرور ہ تھا اس لئے انھوں نے سخت ناگواری کے ساتھ کہا کیا قیامت ہے کہ ان غلاموں کو تو اذن ا ہے اور ہم لوگ بیٹھے ہوئے منہ تکتے ہیں۔ حضرت سہیل بن عمرو ؓ بھی ساتھ تھے لے تمہارے چہروں سے غصے کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں لیکن تم کو خود اپنے اوپر غصہ کرنا ہئے اسلام نے سب کے ساتھ تم کو بھی بلایا لیکن یہ لوگ آگے بڑھ گئے اور تم پیچھے رہ گئے۔[5]

---

[1] ادب المفرد باب ہل مجلس خادمہ معہ اذا اکل۔ [2] مؤطا امام محمد ابواب السیر باب الزہد والتواضع۔
[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔
[4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت خباب بن الارتؓ۔
[5] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمروؓ۔

یہ لوگ فتح مکہ میں اسلام لائے تھے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ وغیرہ سابقین اسلام میں سے تھے یہ اسی کی طرف اشارہ تھا۔

اگر کوئی شخص ایسا طرز عمل اختیار کرتا جو اخلاقی حیثیت سے مساوات کے خلاف ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو سخت ناپسند فرماتے ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نکلے تو ایک شخص نے کہا السلام علیکم ایہا الامیر ورحمتہ اللہ اس کے بعد تمام لوگوں کی طرف خطاب کر کے کہا السلام علیکم بولے صرف السلام علیکم کافی تھا میں بھی تو ان ہی میں سے ہوں۔

حضرت رویفع رضی اللہ عنہ اطابلس کے گورنر تھے۔ ایک شخص نے آکر ان کو اس طرح سلام کیا۔ السلام علیک ایہا الامیر انھوں نے کہا اگر تم ہمیں سلام کرتے تو ہم سب تمہارا جواب دیتے تم نے گویا مسلمہ گورنر مصر کو سلام کیا جاؤ وہی جواب بھی دیں گے۔[1]

حضرت سہیل بن عمرو سرداران قریش میں سے تھے اور زمانہ جاہلیت میں انصار کو اپنے سے کم رتبہ سمجھتے تھے لیکن وہ برابر معاذ بن جبل کے پاس قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے جاتے تھے۔ ایک دن کسی نے کہا کہ آپ اس خزرجی کے پاس کیوں جاتے ہیں۔ اپنے قبیلہ کے کسی آدمی سے قرآن پاک کی تعلیم کیوں نہیں حاصل کرتے؟ بولے کہ اسی فخر و غرور نے تو ہم کو سب سے پیچھے رکھا۔[2]

فرق مراتب کا لحاظ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ آزادی اور مساوات کے پیکر مجسم تھے تاہم انھوں نے ان تمام امتیازات کو مٹا نہیں دیا تھا جن کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں قائم کیا ہے۔

وَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔

اور ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اس لئے وہ ہر شخص سے اس حیثیت کے موافق برتاؤ کرتے تھے ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک فقیر آیا انھوں نے اس کو روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا۔ پھر ایک خوش پوشاک آدمی آیا تو انھوں نے اس کو بٹھا کر کھانا کھلایا لوگوں نے اس تفریق کی وجہ پوچھی تو بولیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے

انزلوا الناس علی منازلھم[3]

ہر شخص کو اس کے درجہ پر رکھو۔

۱: ادب المفرد باب التسلیم علی الامیر۔
۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمروؓ۔
۳: ابوداؤد کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلہم۔

ایک بار حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اون صاف کروانے کی ضرورت ہوئی تو ایک مکتب کے مدرس کے پاس آدمی بھیجا کہ غلاموں کو بھیج دو لیکن آزاد لڑکے کو نہ بھیجنا[1] فتح الباری میں ہے کہ اس سے آزاد کا اعزاز مقصود تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک لونڈی نے آزاد عورتوں کی سی وضع اختیار کی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو ان کو ناگوار ہوا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے تمہارے بھائی کی لونڈی کو دیکھا کہ آزاد عورتوں کی وضع میں ادھر ادھر پھر رہی ہے۔[2]

۱: بخاری کتاب الدیات باب من استعان عبدا وصبیا

۲: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی المملوک وہبتہ۔

حسن معاملت

ادائے قرض کا خیال

حدیث شریف میں آیا ہے:

خیارکم احاسنکم قضاع۔ (ترمذی کتاب البیوع)

تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض ادا کرنے میں بہتر ہیں۔

یہ حدیث عملی حیثیت سے صرف صحابہ کرام ؓ پر صادق آتی ہے حضرت زبیر ؓ جب معرکہ جمل میں شریک ہوئے تو حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کو بلا کر کہا کہ آج صرف ظالم یا مظلوم قتل ہوں گے میرا خیال ہے کہ میں بھی مظلومانہ شہید ہوں گا، مجھ کو سب سے زیادہ اپنے قرض کی فکر ہے ہماری جائیداد فروخت کر کے سب سے پہلے قرض ادا کرنا اور اگر تم مجبور ہو جانا تو ہمارے مولا (خدا) سے مدد چاہنا۔[1]

حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے نہایت دیانت کے ساتھ اسکی تعمیل کی چنانچہ جب باپ کا کل قرض ادا کر چکے تو ان کے بھائیوں نے کہا اب ہماری میراث تقسیم کرو لیکن انھوں نے کہا کہ جب تک چار سال تک موسم حج میں یہ اعلان نہ کرلوں گا کہ زبیر پر جس کا قرض آتا ہو وہ ہم سے آکر لے لے ورا ثت تقسیم نہ کروں گا۔ چنانچہ چار سال تک برابر یہ منادی کرتے رہے۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام ؓ غزوہ احد کیلئے نکلے تو اپنے بیٹے حضرت جابر ؓ کو بلا کر کہا کہ میں ضرور شہید ہوں گا مجھ پر جو قرض ہے اس کو ادا کرنا اور اپنے بھائیوں کے سلوک[3] کرنا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ؓ نے چھ لڑکیاں چھوڑی تھیں، جن کی کفالت کا بار حضرت جابر ؓ پر تھا لیکن جب فصل خرما تیار ہوئی تو انھوں نے سب سے پہلے اپنے باپ کا قرض ادا کیا اور اس دیانت کے ساتھ ادا کیا کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں اس پر راضی تھا کہ میرے باپ کی امانت ادا ہو جائے۔

اور میں اپنی بہنوں کے پاس ایک کھجور لے کر بھی نہ پلٹوں۔[4]

1: بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ حیاو میتا مع النبیؐ۔

2: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت زبیرؓ۔

3: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ۔

4: بخاری ذکر غزوہ احد باب اذ ھمت طائفتان منکم ان تفشلا واللہ ولیھما الآیہ۔

ایک بار حضرت ابوالملیح بن عروہ بن مسعود ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنے باپ عروہ کا قرض ادا کر سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ حضرت قارب بن اسود ﷺ نے کہا تو اسود کا قرض بھی ادا کیجئے آپ ﷺ نے فرمایا لیکن اسود نے شرک کی حالت میں انتقال کیا تھا حضرت قارب ﷺ نے کہا ان کا بیٹا یعنی میں تو مسلمان ہوں ان کے قرض کا بار مجھ پر ہے اور مجھی[1] سے اس کا تقاضا کیا جائے۔

جب حضرت عمر ﷺ کو زخم لگا اور ان کو زندگی سے مایوسی ہوئی تو حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کو بلا کر پوچھا کہ دیکھو مجھ پر کس قدر قرض ہے حساب لگایا گیا تو چھیاسی ہزار نکلا فرمایا کہ اگر آل عمر ﷺ کے مال سے ادا ہو جائے تو خیر ورنہ بنو عدی بن کعب سے درخواست اعانت کرنا، انکی اعانت سے بھی کام نہ چلے تو قریش سے درخواست کرنا لیکن ان کے علاوہ کسی[2] سے نہ مانگنا۔

حضرت ابن حدرد ﷺ پر ایک یہودی کے چار درہم قرض تھے اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں استغاثہ کیا تو آپ ﷺ نے تین بار فرمایا کہ اس کا حق دیدو انھوں نے کہا میرے پاس کچھ نہیں آپ ﷺ خاموش ہو گئے تو وہ خود اٹھے اور بازار گئے سر سے اتار کر عمامہ کا تہبند بنایا اور اپنے تہبند کو چار درہم پر فروخت کر کے[3] اس کا قرض ادا کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکثر قرض لیا کرتی تھیں ان سے پوچھا گیا کہ آپ قرض کیوں لیتی ہیں۔ بولیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو بندہ اپنے قرض کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا اپنی جانب سے اس کا مددگار مقرر کر دیتا ہے تو میں اسی مددگار کی جستجو کرتی ہوں۔[4]

رسول اللہ ﷺ جب قرض ادا فرماتے تھے تو بہترین مال دیتے تھے ایک بار آپ ﷺ نے کسی سے اونٹ لیا تھا، صدقہ کے اونٹ آئے تو اس کو اس سے بہتر اونٹ دیا اور فرمایا

خیار الناس احسنھم قضاء۔[5]

بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض اچھے طریقے سے ادا کرتے ہیں۔

صحابہ کرام ﷺ کا عمل بھی اسی حدیث پر تھا، ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نے کسی سے چند درہم قرض لئے، قرض ادا کیا تو اس سے بہتر درہم دیئے اس نے کہا آپ کے درہم تو میرے درہم سے اچھے ہیں بولے مجھے معلوم ہے، لیکن میں نے بخوشی دیئے ہیں۔[6]

ایک بار انھوں نے کسی سے دو ہزار درہم قرض لئے ادا کیا تو دو سو درہم زیادہ دیے اس نے

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت قارب بن اسودؓ۔ ۲: بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ۔
۳: اصابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ابی حدردؓ۔ ۴: مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۹۔
۵: ابوداؤد کتاب البیوع باب فی حسن القضاء۔ ۶: مؤطا امام محمد کتاب الصرف وابواب الربوٰا و باب الرجل یکون علیہ الدین فیقضی افضل مما اخذہ۔

کہاکہ آپ کے دو سو درہم زیادہ ہیں بولے وہ تمہارے ہیں۔[1]

قرض داروں کو مہلت دینا

قرض داروں کو قرض ادا کرنے کیلئے مہلت دینا بڑے ثواب کا کام ہے اور خود قرآن مجید نے اس کی ہدایت کی ہے۔

فنظرة الى ميسرة۔

اگر قرض دار تنگدست ہو تو اس قدر مہلت دو کہ وہ فراخ دست ہو جائے۔

لیکن اس کی توفیق ان ہی لوگوں کو ہوتی ہے جن کے دلوں میں لطف و محبت اور رحم و شفقت کا مادہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام ﷺ کے قلوب کو ان جذبات سے معمور کر کے ان کو اس کار خیر کی توفیق عطا فرمائی تھی ایک شخص پر حضرت ابو قتادہ ﷺ کا قرض آتا تھا وہ تقاضے کو آتے تھے تو غریب گھر میں چھپ جاتا تھا حسن اتفاق سے ایک دن آئے اور اس کے بچے سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ اس نے کہا گھر میں کھانا کھارہے ہیں بلاکر پوچھا مجھ سے کیوں چھپتے تھے۔ بولا سخت تنگ دست ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے، حضرت قتادہ ﷺ آبدیدہ ہوگئے اور کہاکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایاہے کہ جو شخص اپنے قرض دار کو مہلت دیتا ہے یا قرض معاف کردیتا ہے وہ قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوگا۔[2]

حضرت ابوالیسر ﷺ پر حضرت سمرہ ﷺ کا قرض تھا وہ تقاضے کو آئے تو وہ چھپ گئے حضرت سمرہ ﷺ تیزی کے ساتھ واپس ہوئے تو حضرت ابوالیسر ﷺ سمجھے کہ وہ نکل گئے جھانک کر دیکھا تو ان سے آنکھیں چار ہوگئیں، بولے کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا ہے کہ جو شخص تنگدست کو مہلت دے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایہ میں لیگا۔ حضرت سمرہ ﷺ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ سے یہ سنا ہے۔[3]

وضع دین

صحابہ کرام ﷺ نہایت فیاض نرم خو اور رحمدل تھے اسلئے قرض کو معاف فرمادیتے تھے۔ ایک بار حضرت کعب بن مالک ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ میں ایک صحابی پر قرض کا تقاضا کیا شور و غل ہوا تو کاشانہ نبوت ﷺ میں آواز پہنچی آپ نے پردہ اٹھاکر فرمایا کعب آدھا قرض معاف کردو بولے معاف ہے۔[4]

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔
۲: مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۰۸۔
۳: اصابہ تذکرہ سمرہ بن ربیعہ۔ ۴: ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب فی الصلح۔

حضرت زبیر ﷺ پر حضرت عبداللہ بن جعفر کا چار لاکھ قرض تھا حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ نے ادا کرنا چاہا تو بولے کہ اگر کہو تو معاف کر دوں۔[1]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک غلام کو مکاتب بنایا اس نے جب بدل کتابت ادا کرنا چاہا تو کہا کہ اس میں کچھ کمی کر دیجئے انھوں نے کم کر دیا۔[2]

ایک شخص پر حضرت ابوالیسر ﷺ کا قرض آتا تھا وہ تقاضے کو آئے تو اس نے لونڈی سے کہلوایا کہ وہ گھر میں نہیں ہیں، انھوں نے آواز سن لی اور کہا کہ گھر سے نکلو میں نے تمہاری آواز سن لی وہ گھر سے نکلا، تو بولے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا کہ تنگ دستی نے مجبور کیا بولے "اللہ اللہ! جاؤ تمہارا قرض معاف ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے تنگدست کو مہلت دی یا قرض معاف کر دیا وہ قیامت کے دن خدا کے سایہ میں ہو گا"۔[3]

ایک شخص پر حضرت امام حسنؓ کا قرض آتا تھا انھوں نے کل قرض ان پر ہبہ کر دیا۔[4]

دوسرے کی جانب سے قرض ادا کرنا

صحابہ کرام ﷺ اپنے قرض دار بھائیوں کو قرض کی مصیبت اور قرض خواہوں کے تشدد سے دلایا کرتے تھے ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فلاں قبیلہ کا کوئی شخص ہے! ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ میں ہوں ارشاد ہوا کہ تمہارا بھائی قرض میں ماخوذ ہے انھوں نے اس کا کل قرض ادا کر دیا۔[5]

ایک دفعہ ایک شخص کا جنازہ آیا جس پر تین دینار قرض تھا آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھانے سے انکار فرمایا تو حضرت ابو قتادہ انصاری ﷺ نے کہا یا رسول اللہ میں اس کا قرض ادا کر دوں گا۔ اب آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی۔[6]

ایک صحابی ﷺ نے باغ خریدا کوئی آفت آئی اور تمام پھل ضائع ہو گیا، اب قیمت کیونکر ادا کرتے رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ قرض سے گرانبار ہو رہے ہیں تمام صحابہ ﷺ کو حکم دیا کہ سب لوگ اعانت کریں تمام صحابہ ﷺ نے کچھ نہ کچھ اس میں حصہ لیا۔[7]

۱: بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ حیاو میتا۔
۲: طبقات ابن سعد تذکرہ نصاح بن سرجس۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوالیسرؓ۔
۴: بخاری کتاب الہبہ باب اذا وہب دینا علی رجل۔
۵: ابوداؤد کتاب البیوع باب فی التشدید فی الدین۔
۶: بخاری کتاب الحوالۃ باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز۔
۷: ابوداؤد کتاب البیوع باب فی وضع الجائحۃ۔

وصیت کا پورا کرنا

وصیت چونکہ وراثت سے پوری کی جاتی ہے اس لئے اکثر ورثاء اس کو پورا نہیں کرتے کہ مال وراثت میں کمی نہ آنے پائے لیکن صحابہ کرام ؓ نہایت دیانت کے ساتھ وصیت کو پورا کرتے تھے عاص بن وائل نے وصیت کی تھی کہ اس کے مرنے کے بعد سو غلام آزاد کیے جائیں اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیے ان کے دوسرے بیٹے حضرت عمرو بن العاص ؓ نے اپنے حصہ کے بقیہ پچاس غلام آزاد کرنا چاہے تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا آپ نے فرمایا اگر وہ مسلمان ہوتا اور تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے صدقہ کرتے حج کرتے تو اس کو ثواب ملتا[1]

عورتوں کا مہر ادا کرنا

ہم نے عورتوں کے تمام حقوق سلب کر لیے ہیں بالخصوص مہر تو بالکل نسیاً منسیاً ہو گیا ہے، لیکن صحابہ کرام ؓ نہایت دیانتداری کے ساتھ عورتوں کا مہر ادا کرتے تھے اور اسی طرح ادا کرتے تھے، جس طرح قرض ادا کیا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کی شادی کر دی، مہر معین تھا اور اب تک عورت کو کچھ نہیں دیا تھا کہ موت کا پیغام آپہنچا موت کے وقت وصیت کی کہ خیبر میں ہمارا جو حصہ ہے وہ عورت کو مہر میں دے دیا جائے عورت نے اس کو فروخت کیا تو ایک لاکھ درہم قیمت ملی۔[2]

بیویوں کے درمیان عدل کرنا

متعدد بیویوں کے درمیان عدل کرنا بڑا مشکل کام ہے خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

و لن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء .

اور تم لوگ متعدد عورتوں کے درمیان عدل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

لیکن بعض صحابہ ؓ نے اس مشکل کو نہایت آسان کر دیا تھا حضرت معاذ بن جبل ؓ کی دو بیویاں تھیں، وہ ان دونوں کے درمیان اس شدت کے ساتھ عدل کرتے تھے کہ جب ایک کی باری ہوتی تو اس دن نہ دوسری کے گھر کا پانی پیتے تھے نہ اس کے گھر کے پانی سے وضو کرتے تھے۔[3]

1: ابوداؤد کتاب الوصایا باب فی وصیۃ الحربی یسلم ولیہ ایلزمہ ان ینفذ ہا۔
2: ابوداؤد کتاب النکاح باب فیمن تزوج ولم یسلم صداقا حتی مات۔
3: نزہۃ الابرار فی الاسامی و مناقب الاخیار تذکرہ حضرت معاذ بن جبلؓ۔

بیع و شرا ار میں مسامحت

صحابہ کرام ﷺ بیع و شراء میں نہایت انسانیت مروت اور مسامحت سے کام لیتے تھے حضرت عثمان ﷺ نے ایک صحابی سے ایک قطعہ زمین خریدا لیکن قبضہ کرنے میں دیر لگائی انھوں نے وجہ پوچھی تو بولے لوگ مجھ کو ملامت کررہے ہیں کہ ٹھگ گئے، بولے اگر یہی بات ہے تو قیمت واپس کر لیجئے اس کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا اس بندے کو جنت میں داخل کرے گا جو خرید و فروخت اور دادو ستد میں نرم خو ہو۔[1]

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نے ایک قمیص خرید کر واپس کرنا چاہی لیکن دیکھا تو اس میں خضاب کا رنگ لگ گیا تھا اس لئے اس کو واپس نہیں کیا۔[2]

تقسیم وراثت میں دیانت

جو لوگ اپنی اولاد میں کسی کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں اس کو زیادہ حقوق عطا کرتے ہیں صحابہ کرام ﷺ بھی اپنی بعض اولاد کو زیادہ محبوب رکھتے تھے لیکن یہ محبت ان کو مساوات فی الحقوق سے باز نہیں رکھ سکتی تھی حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ مال دیا تھا لیکن اب تک ان کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے ہبہ نامکمل تھا جب انتقال کرنے لگے تو کہا کہ اے بیٹی مجھے اپنے بعد تمہارے تمول سے زیادہ کوئی چیز عزیز اور تمہارے افلاس سے زیادہ کوئی چیز ناگوار نہیں میں نے تم پر جو مال ہبہ کیا تھا اگر تمہارا اس پر قبضہ ہو جاتا تو وہ تمہارا ہو جاتا لیکن آج وہ مال وراثت میں داخل ہے جس کے وارث تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اس لئے کتاب اللہ کے موافق باہم تقسیم کر لو۔ بولیں اگر اس سے زیادہ مال ہوتا تو میں چھوڑ دیتی۔[3]

ظلم و غضب سے اجتناب

صحابہ کرام ﷺ دوسرے کے حق سے ایک ذرہ بھی لینا گوارا نہیں کرتے تھے ایک بار ایک عورت نے حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل پر ایک گھر کے بارے میں دعویٰ کیا بولے کہ گھر اس کو لے لینے دو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص بلا استحقاق کسی کی بالشت بھر زمین بھی لے لے گا قیامت کے دن خدا زمین کے ساتوں طبقوں کو اس کے گلے کا طوق بنائے گا خدایا اگر وہ جھوٹی ہے تو اس کو اندھا کر دے اور اسی گھر میں اس کی قبر بنا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ اندھی ہو گئی دیوار پکڑ کر چلتی تھی اور کہتی تھی کہ مجھ پر

1: مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۵۸۔ مسند عثمان بن عفانؓ۔
2: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔
3: مؤطا امام مالک کتاب الاقضیہ باب مالا یجوز من النحل۔

سعید بن زید کی بد دعا پڑ گئی ایک دن وہ اپنی گھر میں کنواں تھا اس میں گر پڑی اور وہی اسکی قبر بنا[1]

قسم کھانے سے اجتناب

جو لوگ خائن یا خداع ہوتے ہیں ان کو معاملات میں قسم کھانے سے کوئی اجتناب نہیں ہوتا اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا۔

لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مُّهِينٍ

بات بات پر قسم کھانے والے ذلیل شخص کی بات نہ مان

یہی وجہ ہے کہ محتاط لوگ سچی قسم کھانے سے بھی احتراز کرتے ہیں۔ صحابہ کرام ؓ بھی زہد و تورع کی بنا پر قسم کھانے سے اجتناب فرماتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے ایک غلام آٹھ سو درہم پر اس شرط کے ساتھ کہ اس میں کوئی عیب نہیں فروخت کیا۔ بعد کو مشتری نے دعویٰ کیا کہ اس غلام میں ایک بیماری ہے حضرت عثمان ؓ کی خدمت میں مقدمہ پیش ہوا اور انھوں نے قسم لینا چاہی لیکن انھوں نے قسم کھانے سے انکار کر دیا اور غلام کو واپس لے لیا جب وہ اچھا ہو گیا تو پھر پندرہ سو درہم پر فروخت کیا اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ اس بات کا معاوضہ تھا کہ انھوں نے باوجود سچے ہونے کے قسم کھانا ایک بڑی بات سمجھا۔[2]

مروان نے ایک مقدمہ میں حضرت زید بن ثابت ؓ سے منبر مسجد نبوی ﷺ پر قسم لینا چاہی انھوں نے اس کے سامنے تو قسم کھالی لیکن منبر شریف پر قسم کھانے سے انکار کیا۔[3]

۱: مسلم کتاب البیوع باب غرز الخشب فی جدار الجار و بخاری کتاب الغصب مختصراً۔
۲: مؤطا امام مالک کتاب البیوع باب العیب فی الرقیق مع زرقانی۔
۳: مؤطا امام مالک کتاب الاقضیہ باب ما جاء فی الیمین علی المنبر۔

طرز معاشرت

غربت وافلاس

صحابہ کرام ﷺ نہایت فقر و فاقہ اور غربت و افلاس کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک صحابی نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کچھ مہر کیلئے بھی ہے، بولے صرف یہ تہبند ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم نے یہ تہبند اس کو دے دیا تو پھر تمہاری پردہ پوشی کیونکر ہوگی۔ کچھ اور تلاش کر و واپس آئے تو کہا کچھ نہیں ملا فرمایا کچھ نہیں تو لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کہیں سے لاؤ، بولے وہ بھی نہیں ملتی یہ سب کچھ تو نہ تھا لیکن روحانیت کا خزانہ ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے قرآن مجید کی چند سورتوں پر نکاح پڑھادیا۔[1]

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ ﷺ اور حضرت فضل بن عباس ﷺ خاندان نبوت سے تھے لیکن نکاح کا کوئی سامان نہ تھا۔ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ صدقہ وصول کرنے کی خدمت تفویض ہو جائے تو اس کے معاوضہ سے مہر وغیرہ کا سامان کریں۔ آپ ﷺ نے یہ خدمت تو تفویض نہیں کی لیکن شادی کا دوسرا سامان کر دیا۔[2]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہ کا نکاح ہوا تو ایک زرہ کے سوا مہر کیلئے کچھ نہ تھا۔ اس لئے اسی کو مہر میں دے دیا۔[3]

ان کی دعوت ولیمہ کی داستان نہایت درد انگیز ہے ان کے پاس صرف دو اونٹنیاں تھیں ایک بدر کے مال غنیمت کے حصہ میں ملی تھی دوسری خمس میں سے رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی تھی۔ دعوت کا سامان کرنے کیلئے چاہا کہ ان اونٹنیوں پر اذخر ایک قسم کی گھاس جس کو سنار جلاتے ہیں لاد کیلئے آئیں اور سناروں کے ہاتھ فروخت کر کے کچھ روپیہ پیدا کریں، وہ اسی سامان میں مصروف تھے کہ حضرت حمزہ ﷺ شراب کے نشہ میں چور ہوئے اور اونٹنیوں کو ذبح کر ڈالا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔[4]

حضرت سلمہ بن صخر ﷺ کو ایک بار کفارہ دینے کی ضرورت پیش آئی، اس لئے رسول

1: ابوداؤد کتاب النکاح باب فی التزویج علی العمل یعمل۔
2: ابوداؤد کتاب الخراج والامارہ باب فی بیان واضع قسم الخمس و سہم ذی القربی۔
3: ابوداؤد کتاب النکاح باب فی الرجل یدخل بامراتہ قبل ان ینقدھا۔
4: ابوداؤد کتاب الخراج والاماوۃ باب فی بیان موضع قسم الخمس۔

اللہ ﷺ نے ایک غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیا، بولے میں تو صرف اپنی ذات کا مالک ہوں، اب آپ ﷺ نے ساٹھ مسکینوں کو صدقہ دینے کو کہا بولے، رات فاقہ مستی، کیساتھ بسر کی۔ گھر میں کیا دانہ بھی نہیں۔

اسی طرح اور ایک صحابی کو کفارے میں صدقہ دینا پڑا، لیکن ان کے پاس کچھ نہ تھا، خود رسول اللہ ﷺ نے کھجوریں عطا فرمائیں کہ جا کر فقراء کو دے دو، بولے کیا مجھ سے اور میرے اہل و عیال سے بھی زیادہ کوئی فقیر ہے۔ آپ نے فرمایا تو اس کو تمہیں لوگ کھا جاؤ۔[1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سرور کونین ﷺ کے داماد تھے، لیکن فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ ایک بار گھر میں آئے تو دیکھا، حضرت حسین اور حسن علیہما السلام رو رہے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا یہ کیوں رو رہے ہیں؟ بولیں بھوک سے بے تاب ہیں گھر سے نکلے تو بازار میں ایک پڑا ہوا دینار پایا، اس کا آٹا اور گوشت خریدا لیکن محبت رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ اس حالت میں بھی رسول اللہ ﷺ کو مدعو کئے ہوئے بغیر کھانا نہ کھایا۔[2]

اصحاب صفہ کے تمام فضائل و مناقب میں سب سے زیادہ نمایاں فضیلت ان کا فقر و فاقہ ہے، ان کی یہ حالت تھی جب آپ ﷺ کے ساتھ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے تو ضعف سے گر پڑتے تھے، بدو دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ پاگل ہیں۔[3]

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہوئے تو کفن تک میسر نہ تھا، بدن پر صرف ایک چادر تھی اسی کا کفن بنایا گیا، لیکن وہ اس قدر مختصر تھی کہ سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کھل جاتا تھا، پاؤں چھپاتے تھے تو سر پر کچھ نہیں رہتا تھا، بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا کہ چادر سے سر کو اور پاؤں کو گھاس سے چھپا دو۔[4] لیکن اور شہدائے احد کو یہ بھی نصیب نہ تھا۔ اسلئے ایک چادر میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم دفن کئے گئے۔[5]

لباس

ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کپڑوں کی نہایت تکلیف تھی، حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ساتواں مسلمان ہوں، اس وقت یہ حالت تھی کہ میں نے ایک چادر پائی تو تقسیم کر کے آدھی خود لی اور آدھی سعد کو دی، لیکن آج ہم ساتوں میں ہر شخص کسی

۱: ایضاً کتاب الطلاق باب فی الظہار۔
۲: ابوداؤد کتاب اللقطہ۔
۳: ترمذی ابواب الزہد باب ما جاء فی معیشۃ اصحاب النبیؐ۔
۴: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ احد۔
۵: ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی الشہید یغسل۔

نہ کسی شہر کا میر ہے[1]

اکثر صحابہ ؓ کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا، جس کو گلے سے باندھ لیتے تھے کہ تہبند اور کرتا دونوں کا کام دے، ایک صحابی ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے یا نہیں۔ ارشاد ہوا۔

اولکلکم ثوبان[2]

کیا تم میں ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں۔

حضرت عمرو بن سلمہ ؓ نہایت صغیر السن صحابی تھے، جن کو حفظ قرآن کی بنا پر ان کے قبیلہ کے لوگوں نے اپنا امام بنایا تھا لیکن ان کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ جب سجدے میں جاتے تھے تو کشف عورت ہو جاتا تھا ایک صحابیہ نے یہ حالت دیکھی تو کہا کہ،

ورواعنا عورتہ قارئکم۔

اپنے قاری کی ستر عورت کرو۔

اس پر لوگوں نے ان کو ایک قمیض خرید دی، قمیض کون سی بڑی چیز تھی۔ لیکن ان کو اس پر اس قدر مسرت ہوئی کہ اسلام لانے کے بعد پھر انہیں کبھی ایسی مسرت حاصل نہیں ہوئی۔[3]

مہاجرین کو کپڑے کی اس قدر تکلیف تھی کہ جب قرآن مجید کے حلقہ درس میں شامل ہوتے تھے تو باہم مل جل کے بیٹھتے تھے کہ ایک کا جسم دوسرے کے جسم کی پردہ پوشی کر سکے۔[4]

ان بزرگوں کے پاؤں میں جوتے نہ تھے، موزے نہ تھے، سر پر ٹوپی نہ تھی بدن پر کرتہ نہ تھا، چنانچہ ایک بار حضرت سعد بن عبادہ ؓ بیمار ہوئے تو تمام صحابہ ؓ اسی حالت میں ان کی عیادت کو گئے۔[5]

حضرت مصعب بن عمیر ؓ جب تک اسلام نہیں لائے تھے نہایت ناز و نعم کیساتھ زندگی بسر کرتے تھے اور نہایت عمدہ جوڑے پہنتے تھے،[6] لیکن ہجرت کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ ایک روز جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے بدن پر صرف ایک چادر دیکھی جس میں پوستین کے پیوند لگے ہوئے تھے، تو آپ ﷺ کو ان کی قدیم حالت یاد آ گئی اور چشم عبرت سے آنسو نکل آئے۔[7]

عورتوں کو زیادہ ستر پوشی کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جگر

۱: شمائل ترمذی باب ماجاء فی عیش النبیؐ۔ ۲: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب جماع اثواب ما یصلی فیہ۔
۳: ابوداؤد باب من احق بالامامۃ۔ ۴: کتاب العلم باب فی القصص۔
۵: مسلم کتاب الجنائز باب فی عیادۃ المرضیٰ۔
۶: اصابہ تذکرہ حضرت مصعب بن عمیرؓ۔
۷: ترمذی ابواب الزہد اصابہ میں ہے کہ یہ روایت کسی قدر ضعیف ہے لیکن بخاری کی روایتوں میں بھی ان کی غربت و افلاس کا پتہ چلتا ہے۔

گوشہ رسول ﷺ کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ ایک بار انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ادب و حیا سے جسم کے ہر حصے کو چھپانا چاہا لیکن ناکامیابی ہوئی، سر ڈھکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتا تھا، پاؤں ڈھکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا آپ ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا کوئی حرج نہیں ، یہاں تو صرف تمہارا باپ، اور تمہارا غلام ہے۔[۱]

بعض عورتوں کو چادر بھی میسر نہیں تھی، رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو عیدگاہ میں جانے کی اجازت دی، تو ایک صحابیہ نے کہا کہ، اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرلے؟ ارشاد ہوا کہ، اس کو دوسری عورت اپنی چادر اڑھا لے۔[۲]

شادی بیاہ میں دلہن کیلئے غریب سے غریب آدمی بھی اچھا جوڑا بنواتا ہے لیکن اس زمانہ میں دلہن کو معمولی جوڑا بھی میسر نہیں ہوتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میرے پاس گاڑھے کی ایک کرتی تھی، شادی بیاہ میں جب کوئی عورت سنواری جاتی تھی تو وہ مجھ سے اس کو مستعار منگوا لیتی تھی۔[۳] حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام ﷺ نہایت تنگدست تھے، اس لئے معمولی چیزوں کو بھی بڑی چیز سمجھتے تھے۔

رومال نہایت معمولی چیز ہے لیکن صحابہ کرام ﷺ کو وہ بھی میسر نہ تھا، کھانا کھاتے تھے تو تلووں سے ہاتھ پونچھ لیتے تھے۔[۴]

حضرت عمر ﷺ کے زمانہ میں اگرچہ مال و دولت کی کثرت ہوئی اور متمدن قوموں سے اختلاط ہوا، تاہم انھوں نے اسلام کی اس پر عظمت سادگی کو قائم رکھا، فتوحات ایران کے زمانے میں عام حکم دیا کہ لوگ ایرانیوں کی وضع نہ اختیار کریں اور حریر نہ پہنیں، لیکن بعد میں حالت اس قدر بدل گئی اور وضع و لباس میں ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا کہ ایک دن حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے کتان کے دو رنگین کپڑے زیب تن کئے تو ایک سے ناک صاف کر کے کہا کہ ، واہ واہ ابو ہریرہ ﷺ آج کتان کے کپڑے سے ناک پونچھتے ہو، حالانکہ ایک دن وہ تھا کہ بھوک کے مارے رسول اللہ ﷺ کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے سامنے بیہوش ہو کر گر تے تھے۔ لوگ آتے تھے تو گردن پر پاؤں رکھ کر کہتے تھے کہ ابو ہریرہ ﷺ کو جنون ہو گیا ہے، حالانکہ یہ سب بھوک کی وجہ سے تھا۔[۵]

۱: ابوداود کتاب اللباس باب فی العبد ینظر الی شعر مولاۃ
۲: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ ما جاء فی خروج النساء فی العیدین۔
۳: بخاری کتاب الہبہ باب الاستعارۃ للعروس عند النباء۔
۴: سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب مسح الید بعد الطعام۔
۵: ترمذی ابواب الزہد و بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو کرتی دولہن کیلئے عاریۃً جایا کرتی تھی،اس کی نسبت انھوں نے ایک صحابی سے کہا، کہ اب میری لونڈی بھی اس کو پہنتے ہوئے شرمائے گی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور بھی ترقی ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس تجمیل سے روکا تھا،ان کے گھر میں اس کے منظر نظر آنے لگے،ایک بار حضرت مقدام رضی اللہ عنہ ان کے دربار میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حریر اور سونے کے استعمال کی ممانعت فرمائی ہے اور جانوروں کی کھال سے روکا ہے۔انھوں نے کہا ہاں۔ بولے لیکن میں یہ تمام چیزیں آپ رضی اللہ عنہ کے گھر میں دیکھتا ہوں۔[1]

غذا

غربت و افلاس کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت سادہ اور معمولی غذا پر زندگی بسر کرتے تھے۔ابتدائے اسلام میں گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بالکل فاقہ کشی کرنی پڑتی تھی،حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ساتواں مسلمان ہوں،اس وقت یہ حالت تھی کہ ہم لوگ درخت کے پتے کھا کھا کر گذر اوقات کرتے تھے،جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہمارے جبڑے پھٹ پھٹ گئے تھے۔[2]

اسلام نے قوت حاصل کی تو یہ تکلیفیں اگرچہ کم ہو گئیں تاہم پھر بھی عرب کی قدیم سادگی قائم رہی تمام اہل مدینہ کی عام غذا کھجور اور جو تھی اور جو لوگ دولتمند ہوتے تھے،وہ شام کے غلہ فروشوں سے خاص طور پر اپنے لئے میدہ خرید لیتے تھے،باقی تمام گھر جو اور کھجور پر زندگی بسر کرتا تھا۔[3] جو کا آٹا بھی چھنا ہوا نہیں ہوتا تھا،بخاری کتاب الاطعمہ میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے گھروں میں چھلنی نہیں ہوتی تھی،جو کا آٹا پیس کر منہ سے پھونک دیتے تھے۔ بھوسی اڑانے کے بعد جو کچھ بچ رہتا تھا،اس کو کھا لیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک یہ سادگی قائم رہی لیکن جب فتوحات کو وسعت ہوئی۔متمدن قوموں سے اختلاط ہوا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنا فریفتہ نہ بنا لے،اس لئے ان کے عہد خلافت میں عموماً یہی سادگی قائم رہی،چنانچہ فتوحات ایران کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے میدے کی چپاتیاں دیکھیں تو پہچان نہ سکے اور تعجب کے لہجے میں کہا،ما هذه الرقاع البيض یہ سفید ٹکڑے کیسے ہیں[4] لیکن بعد کو یہ سادگی فنا ہو گئی اور لطیف غذاؤں کا رواج ہو گیا،چنانچہ ایک

1: ابوداؤد کتاب اللباس باب فی جلود النمور۔
2: شمائل ترمذی ماجاء فی عیش النبی۔
3: ترمذی تفسیر سورہ نساء۔ 4: طبری صفحہ ۲۰۳۵۔

بار حضرت حسن ؓ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور حضرت جعفر ؓ ایک صحابیہ کے پاس جو رسول اللہ ﷺ کا کھانا پکاتی تھیں آئے، اور کہا کہ ہمارے لئے وہ کھانا پکاؤ، جو رسول اللہ ﷺ کو پسند تھا، بولیں، اب وہ تمہیں پسند نہیں آسکتا۔[1]

اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:۔

ای لسعة العیش وزھاب ضیفة الذی کان اولا وقداعتادلناس الاطعمة اللذیذة۔

یعنی اس لئے کہ اب عیش کے وافر سامان پیدا ہوگئے ہیں اور پہلی تنگ دستی زائل ہو گئی ہے اور لوگ عمدہ غذاوں کے خوگر ہو چکے ہیں۔

مکان

غربت و افلاس کی وجہ سے صحابہ کرام ؓ کے مکانات نہایت مختصر، پست اور کم حیثیت ہوتے تھے، ان میں جائے ضرور تک کا وجود نہ تھا،[2] دروازوں پر پردے نہ تھے،[3] راتوں کو گھروں میں چراغ تک نہیں جلائے جاتے تھے۔[4] بعد میں اگر چہ اس قدر ترقی ہوئی کہ دروازوں پر پردے لٹکائے گئے،[5] لیکن حضرت ابو بکر ؓ کے زمانہ تک عام طور پر عرب کی قدیم سادگی قائم رہی۔ حضرت عمر ؓ نے بھی اگرچہ عرب کی اس سادگی کو اس شدت کے ساتھ قائم رکھنا چاہا کہ جب بصرہ کو آباد کرلیا تو عام حکم دیا

لایزیدن احدکم علی ثلثة ابیات ولا تطاولوافی النبیان والزموا السنة تلزمکم الدولہ۔[6]

کوئی شخص تین کمرے سے زیادہ نہ بنائے اور مکان کو بلند نہ بناؤ اور سنت پر قائم رہو تو تمہاری سلطنت بھی قائم رہے گی۔

تاہم لوگوں نے ان کے زمانے میں بلند مکانات بنانے شروع کیے اور یہ پہلا دن تھا کہ عرب میں بلند عمارتوں کے کنگرے نظر آئے چنانچہ مسند دارمی میں ہے۔

تطاول الناس فی البناء فی زمن عمر۔[7]

۱: شمائل ترمذی مع شرح باب ماجاء فی صفۃ ادام رسول اللہ۔
۲: صحیح بخاری کتاب المغازی قصۃ الافک۔
۳: ابوداؤد کتاب الادب باب الاستیذان فی العورات الثلاث۔
۴: صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التطوع خلف المرأۃ۔
۵: ابوداؤد کتاب الادب باب الاستیذان فی العورات الثلاث۔
۶: طبری صفحہ ۲۴۸۸۔
۷: مسند دارمی باب فی ذہاب العلم صفحہ ۴۴۔

لوگوں نے حضرت عمر ؓ کے زمانے میں بلند عمارتیں بنائیں۔

حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں تمدن نے اور ترقی کی۔ اس لئے صحابہ کرام ؓ نے عظیم الشان مکانات بنوائے حضرت زبیر ؓ نے بصرہ مصر کوفہ اور اسکندریہ میں عمدہ مکانات تعمیر کرائے، حضرت طلحہ ؓ نے مدینہ میں اینٹ اور چونہ سے پختہ مکان بنوایا اور اس میں ساکھو کی لکڑیاں لگوائیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے مقام عقیق میں ایک نہایت بلند وسیع اور پر فضا مکان تعمیر کروایا اور اس کے اوپر کنگرے بنوائے۔ حضرت مقداد ؓ نے مدینہ میں ایک مکان بنوایا جس کی دیواریں بالکل پختہ تھیں۔[۱]

حضرت امیر معاویہ ؓ کے زمانہ میں اور بھی ترقی ہوئی۔ انھوں نے ایک عظیم الشان محل بنوایا جس کا نام قصر بنی حدیلہ تھا اور جو قلعہ کا بھی کام دے سکتا تھا۔[۱]

سامان آرائش

صحابیات نہایت معمولی لباس اور سادہ زیورات استعمال کرتی تھیں احادیث کی کتابوں کے تتبع واستقراء سے صرف بازوبند کڑے، بالی، ہار، انگوٹھی اور چھلے کا پتہ چلتا ہے لونگ کا ہار بھی پہنتی تھیں جس کو عربی میں سخاب کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جو ہار ایک سفر میں گم ہو گیا تھا وہ مہرہ یمانی کا تھا۔[۲]

صحابیات سرمہ اور مہندی کا استعمال بھی کرتی تھیں زچہ خانہ سے نکلتی تھیں تو منہ پر ورس (ایک قسم کی سرخ گھاس کا نام ہے) کا غازہ ملتی تھیں کہ چہرے کے داغ مٹ جائیں۔[۴] خوشبو میں سک (سک ایک قسم کی خوشبو ہے جو ماتھے پر لگائی جاتی ہے۔)[۵] پیشانی پر لگاتی تھیں۔

زہد و تقشف

فتوحات کی وسعت اور مال و دولت کی کثرت نے اگرچہ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے صحابہ کرام ؓ کی قدیم طرز معاشرت میں بہت کچھ تغیر پیدا کر دیا تھا۔ تاہم اکثر صحابہ ؓ نہایت زاہدانہ اور تلقشفانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ لذت پسندی سے اس قدر احتراز کرتے تھے ایک بار انھوں نے کسی سے پانی مانگا اور وہ شیشے کے پیالے میں لایا تو پینے سے انکار کر دیا۔ پھر لکڑی کے پیالے میں لایا تو پیا اس کے بعد وضو کیلئے پانی طلب کیا۔ وہ طشت

۱: مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۲۵۔
۲: بخاری کتاب الوصایا باب من تصدق الی وکیلہ مع فتح الباری۔
۳: ابوداؤد کتاب الطھارۃ باب التیمم۔
۴: ایضاً باب ما جاء فی وقت النفساء۔
۵: ایضاً کتاب المناسك باب ما یلبس المحرم۔

میں لایا تو وضو کرنے سے انکار کر دیا دوبارہ مشکیزے میں لایا تو وضو کیا۔ وہ زہد و قناعت کی وجہ سے کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ایک بار ان کو کسی نے جوارش دی اور کہا کہ یہ کھانا ہضم کرتی ہے بولے میں تو مہینوں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتا مجھے اس کی کیا ضرورت ہے۔ حمام بھی اس لئے نہیں جاتے تھے کہ وہ عیش پسندی کی ایک صورت ہے۔[1]

ایک بار حضرت ابو جحیفہ عرب کی ایک لطیف غذا کھا کر آئے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈکار لی آپ نے فرمایا۔

اکثر هم شبعافي الدينا اکثرهم جوعا يوم القيامة

جن لوگوں کا پیٹ دنیا میں جس قدر زیادہ بھرے گا اسی قدر وہ قیامت کے دن بھوکے رہیں گے۔

اس کے بعد انھوں نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا رات کو کھاتے تھے تو دن کو بھوکے رہتے تھے اور دن کو کھاتے تھے تو رات کو فاقہ کرتے تھے۔[2]

زہد و تقشف کی وجہ سے بعض صحابہ ؓ گھر تک بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی ؓ نے اپنے لئے گھر نہیں بنایا تھا بلکہ دیواروں اور درختوں کے سائے میں پڑے رہتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے گھر بنانے پر اصرار کیا تو پہلے راضی نہیں ہوئے راضی ہوئے بھی تو ایسے تنگ اور پست گھر پر کہ جب کھڑے ہوں تو چھت سے سر لگ جائے اور پاؤں پھیلائیں تو انگلیاں دیوار تک پہنچ جائیں۔[3] گھر میں سامان نہایت مختصر رکھتے تھے یعنی صرف ایک پیالہ اور ایک لوٹا لیکن اس کو بھی وہ زہد و تقشف کے خلاف سمجھتے تھے چنانچہ ایک بار بیمار ہوئے تو ان چیزوں کو دیکھ کر رونے لگے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سبھوں کو وصیت فرمائی تھی کہ دنیا سے صرف اس قدر لینا جتنا ایک مسافر زاد راہ کیلئے لیتا ہے حالانکہ ہمارے پاس یہ سامان ہیں۔[4] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے گھر کے کل سامان کی قیمت سو درہم سے بھی کم تھی۔[5] حضرت ابوذر ؓ کے گھر کا سامان دو درہم سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔[6] ایک روز کچھ لوگ حضرت ابولبابہ ؓ کے ساتھ ہو لئے اندر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ گھر نہایت بوسیدہ ہے اور خود ان کا اوڑھنا بچھونا پھٹا پڑا ہے۔[7]

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ ۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابو جحیفہؓ۔
۳: استیعاب تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔
۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔
۵: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔
۶: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوذر غفاریؓ۔
۷: ابوداؤد ابواب تفریع شہر رمضان باب استحباب الترتیل فی القراءۃ۔

صحابہ کرام ﷺ باوجود استطاعت کے وضع ولباس نہایت زاہدانہ رکھتے تھے ایک بار ایک شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا بولیں ذرا ٹھہر جاؤ میں اپنا کپڑا سی لوں، اس نے کہا اگر میں لوگوں کو اس کی خبر کردوں تو لوگ آپ کو بخیل سمجھیں گے۔ بولیں ، جو لوگ پرانا دھرانا نہیں پہنتے ان کو نیا کپڑا نصیب نہ ہوگا۔[1] ایک بار حضرت سلمان فارسی ﷺ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کی ملاقات کو آئے بدن پر صرف ایک کمبل اور اونچا پاجامہ تھا لوگوں نے کہا آپ نے صورت کیوں بگاڑ رکھی ہے؟ بولے نیکی صرف آخرت کی نیکی ہے۔[2] ان کے پاس صرف ایک عبا تھی جس کا ایک حصہ بچھاتے تھے اور ایک حصہ پہنتے تھے۔[3] ایک بار کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کو ایک چادر اڑھادی سو کر اٹھے اور اس کے ریشمی بیل بوٹے دیکھے تو کہا کہ اگر یہ نہ ہوتے تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔[4] حضرت فضالہ بن عبید ﷺ اگرچہ مصر کے گورنر تھے لیکن پریشان و برہنہ پا رہتے تھے ایک دن کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ ﷺ پریشان کیوں ہیں؟ بولے ہم کو رسول اللہ ﷺ نے زیادہ ناز و نعم کی زندگی بسر کرنے سے منع فرمایا ہے پاؤں پر نگاہ پڑی تو بولا آپ ﷺ برہنہ پا کیوں ہیں؟ بولے آپ ﷺ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ کبھی کبھی برہنہ پا رہیں۔[5]

مال و دولت دنیا کی سب سے زیادہ دلفریب چیز ہے اخیر میں صحابہ کرام ﷺ کے آگے اگرچہ دنیا نے اپنا خزانہ اگل دیا لیکن انھوں نے اس آب رواں سے اپنا دامن تر نہیں کیا۔ حضرت سعید بن عامر ﷺ حمص کے گورنر تھے لیکن جو کچھ وظیفہ ملتا تھا سب صرف کردیتے تھے اور خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عمر ﷺ حمص میں آئے اور حکم دیا کہ یہاں کے محتاجوں کا نام لکھا جائے فہرست پیش ہوئی تو اس میں حضرت سعید بن عامر کا نام بھی تھا نام دیکھ کر تعجب سے پوچھا کون سعید بن عامر ﷺ لوگوں نے کہا کہ ہمارے گورنر بولے تمہارا گورنر کیوں کر محتاج ہو سکتا ہے ان کا وظیفہ کیا ہوتا ہے؟ لوگوں نے کہا سب صرف کردیتے ہیں؟ حضرت عمر ﷺ نے ان کی یہ حالت سنی تو رو پڑے اور ان کے پاس ہزار اشرفیوں کا توڑا بھجوادیا۔ انھوں نے اشرفیاں دیکھیں تو اناللہ پڑھنے لگے۔ بی بی نے سنا تو کہا کیا امیر المومنین کی شہادت ہوئی کیا قیامت کی کوئی نشانی ظاہر ہوئی، بولے اس سے بھی بڑھ کر واقعہ پیش آیا میرے پاس دنیا آئی میرے پاس فتنہ آیا۔ بی بی نے کہا تو اس کو صرف میں لایئے انھوں نے اشرفیوں کو اٹھا کر ایک توبڑے میں رکھ دیا اور صبح کو ایک فوج کو دے ڈالا۔ بی بی نے کہا کچھ تو اپنی ضروریات

۱: ادب المفرد باب الرفق فی المعیشۃ۔ ۲: ادب المفرد باب الزیارۃ۔
۳: استیعاب تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔ ۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔
۵: ابوداؤد کتاب الترجل۔

لیلئے رکھ لیتے بولے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اگر جنت کی ایک حور بھی دنیا میں آ جائے تو زمین مشک کی خوشبو سے معطر ہو جائے اور میں اس پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا۔[1]

جو صحابہ ؓ مال و دولت جمع کر لیتے تھے ان کو بھی اس پر افسوس ہوتا تھا حضرت ابوہاشم بن عتبہ ؓ مبتلائے طاعون ہوئے تو حضرت امیر معاویہ ؓ عیادت کو آئے۔ وہ ان کو دیکھ کر رونے لگے بولے کیا مرض کی تکلیف ہے یا دنیا کے چھوڑنے کا قلق ہے۔ فرمایا کچھ نہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک وصیت فرمائی تھی کاش میں اس پر عمل کرتا آپ نے فرمایا تھا کہ شاید تم کو اس قدر مال ہاتھ آئے جو ایک قوم پر تقسیم کیا جائے لیکن تم اس میں سے صرف ایک خادم اور ایک سواری پر قناعت کرنا مجھے وہ مال ملا اور میں نے اس کو جمع کیا۔[2]

بعض صحابہ ؓ امراء و عمال کے تعلقات کو زہد و تقشف کے خلاف سمجھتے تھے اور ان سے نہایت بے نیازی کے ساتھ ملتے تھے ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ آئے اور حضرت ابوذر غفاری ؓ سے بھائی بھائی کہہ کر لپٹ گئے وہ جس قدر لپٹتے تھے حضرت ابوذر ان کو اپنے پاس سے ہٹاتے تھے اور کہتے تھے کہ میں تمہارا بھائی نہیں ہوں، بھائی اس وقت تھا جب تم عامل نہیں ہوئے تھے۔[3]

حضرت نبیط بن شریط ؓ ایک صحابی تھے، ایک بار ان سے ان کے بیٹے نے کہا اگر آپ بادشاہ وقت کے پاس جاتے تو آپ کو بھی فائدہ پہنچتا اور آپ کی بدولت آپ کی قوم بھی فائدہ اٹھاتی۔ بولے، لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں ان کی صحبت مجھے دوزخ میں نہ ڈھکیل دے۔[4]

اپنا کام خود کرنا

صحابہ کرام ؓ اپنا کام کاج خود کرتے تھے اور اس کو کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے، حضرت عقبہ بن عامر ؓ فرماتے ہیں:۔

کنا مع رسول اللّٰہ ﷺ خدام انفسنا نتنا دب الرعایۃ رعایۃ ابلنا۔[5]

ہم سب رسول اللہ کے ساتھ خود اپنے خادم تھے اور باری باری اپنے اونٹ چراتے تھے۔

حضرت عمر ؓ خود اپنے اونٹوں کی جوئیں نکالتے تھے۔[6]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی اونٹنیوں کو چارہ کھلاتے تھے اور آٹا گھول کر پلاتے تھے۔[7]

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن عامرؓ، اسد الغابہ میں ان کے زہد کے اور بھی بعض واقعات لکھ کر لکھا ہے کہ راخبار عجیبۃ فی زھدہ لانطول بذکرھا۔

۲: نسائی کتاب الزینۃ باب اتخاذ الخاتم وانر کب۔ ۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوذرؓ۔

۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت نبیط بن شریطؓ۔

۵: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب مایقول الرجل اذا توضأ۔

۶: موطا امام مالک کتاب الحج باب، یجوز للمحرم ان یفعلہ۔ ۷: ایضاً کتاب الحج باب القران فی الحج۔

ایک بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے کھانا تیار کیا گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی مدعو کئے گئے، ان کے پاس آدمی آیا تو دیکھا کہ خود اپنے ہاتھ سے اونٹوں کیلئے پتیاں جھاڑ رہے ہیں۔[1]

ایک بار ایک شخص حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر آئے اور ان کی بی بی سے پوچھا، وہ کہاں ہیں؟ بولیں کام دھندے پر گئے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ اونٹ پر مشک لادے ہوئے آرہے ہیں۔[2] ایک بار وہ مشک لئے آرہے تھے، ایک شخص نے پوچھا آپ کے کوئی اولاد نہیں ہے؟ بولے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کے تین لڑکے مرجاتے ہیں، خدا اس کو جنت دیتا ہے۔[3]

ایک بار رسول اللہ ﷺ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا تو ایک یہودی کے باغ میں آئے اور سترہ ڈول پانی کے کھینچے، اور ہر ڈول کا معاوضہ ایک کھجور قرار پایا تھا، یہودی نے سترہ کھجوریں دیں، ان کو لے کر خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور ایک صحابی اسی طرح تقریباً دو صاع کھجور کما کر لائے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔[4]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں ہوتے تھے تو جو کام خود کر سکتے تھے، اس کو کسی دوسرے سے متعلق نہیں کرتے تھے۔[5]

حرمت خمر کے بعد بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو سرد ملک کے رہنے والے تھے، آپ ﷺ کی، خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم سرد ملک کے رہنے والے ہیں اور سخت مشقت طلب کام کرتے ہیں اس لئے گیہوں کی شراب استعمال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ نشہ آور بھی ہے۔ بولے ہاں، فرمایا اس کو چھوڑ دو۔[6]

غسل جمعہ کے وجوب کا سبب صرف یہ ہے کہ:۔

کان الناس مجهو دين يلبسون الصوف ويعملون على ظهورهم و كان مسجد هم فيقا مقارب السقف انما هو عريش فخرج رسول الله ﷺ في يوم حار وعرق الناس في ذلك الصوف حتى ثارت منهم رياح اذى ذلك بعضهم بعضا فلما وجد رسول الله ﷺ تلك الريح قال ايها الناس اذا كان هذا ليوم فاغتسلوا وليمس احد كم افضل مايجد من دهنه وطيبه۔[7]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت تنگدست تھے، کمبل کے کپڑے پہنتے تھے، اپنی پیٹھ پر بوجھ لادتے

۱: ابوداود کتاب المناسک باب لحم الصید للمحرم۔
۲: ادب المفرد باب من قدم الی خلیفہ طعام فقام یصلی۔ ۳: ادب المفرد باب فضل من مات لہ الولد۔
۴: سنن ابن ماجہ ابواب الرہون باب الرجل یستقی کل دلو بتمرۃ ویشترط جلدۃ۔
۵: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابن عمرؓ۔ ۶: ابوداود کتاب الاشربہ باب النہی عن المنکر۔
۷: ابوداود کتاب الطہارۃ باب الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعہ۔

تھے، ان کی مسجد نہایت تنگ تھی، چھت پست تھی، یعنی اوپر صرف چھپر تھا ایک روز آنحضرت ﷺ نماز جمعہ کیلئے برآمد ہوئے دن نہایت گرم تھا، لوگوں کو کمبل کے کپڑوں میں پسینہ آیا اور اس قدر بو پھیلی کہ سب کو تکلیف ہوئی آپ ﷺ کو بدبو کا احساس ہوا تو فرمایا کہ جب یہ دن آئے تو غسل کر لیا کرو اور جہاں تک ممکن ہو عمدہ تیل اور عمدہ خوشبو لگاؤ۔

صحابیات رضی اللہ عنہن خانہ داری کے کاموں کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں، اور اس میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرتی تھیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین صاحبزادی تھیں، لیکن چکی پیستے پیستے ہاتھ میں چھالے پڑ گئے تھے مشکیزوں میں پانی لاتے لاتے سینہ داغ دار ہو گیا تھا، جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو گئے تھے۔[1]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر ﷺ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی شادی حضرت زبیر ﷺ سے ہوئی تھی۔ وہ اس قدر مفلس تھے کہ ایک گھوڑے کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا خود اس گھوڑے کیلئے گھاس لاتی تھیں، حضرت ابو بکر ﷺ نے گھوڑے کی سائیسی کیلئے ایک غلام بھیجا تو انھوں نے اس خدمت سے نجات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر ﷺ کو ایک قطعہ زمین بطور جاگیر کے دیا تھا جو مدینہ سے تین فرسخ دور تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا وہاں جاتیں اور وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر لائیں اور ان کو کوٹ کر ان کی پانی کھینچنے والی اونٹنی کو کھلاتیں، گھر کے معمولی کاروبار ان کے علاوہ تھے، خود پانی لاتیں، مشک پھٹ جاتی تو اس کو سیتیں، آٹا گوندھتیں۔[2]

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن گھر کا کام دھندا خود کرتی تھیں، ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی، جو پیسے، اس کی روٹی پکائی اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار شروع کیا آپ ﷺ کے آنے میں دیر ہو گئی تو سو گئیں، آپ ﷺ آئے تو جگایا۔[3]

ذرائع معاش

مورخین یورپ کا خیال ہے کہ اسلام کے بعد صحابہ کرام ﷺ کی معاش کا تمام تر دارومدار صرف مال غنیمت پر رہ گیا تھا، لیکن درحقیقت یہ ایک عظیم الشان تاریخی غلطی ہے۔

مہاجرین وانصار اسلام کے نظام ترکیبی کے اصلی عنصر تھے اور ان دونوں نے ابتداہی سے الگ الگ ذریعہ معاش اختیار کر لیا تھا، مہاجرین تجارت اور انصار کھیتی باڑی کرتے تھے، چنانچہ

[1] ایضاً کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربے۔
[2] مسلم کتاب السلام باب جواز ارداف المراۃ الاجنبیۃ اذاعیت فی الطریق۔
[3] ادب المفرد باب لایوذی جارہ۔

جب حضرت ابو ہریرہ ﷜ پر کثرت روایت کا الزام لگایا گیا تو انھوں نے اس کی یہی وجہ بتائی۔

ان اخوتي من المهاجرين كان يشغلهم الصفق بالا سواق و كنت الزم رسول الله ﷺ على ملاء بطني فاشهد اذا غابو اوا حفظ اذا نسو او كان يشغل اخرتي من الانصار عمل اموالهم و كنت امرأ مسكينا من مساكين الصفقه اعي حين ينسون ۔ (بخاری کتاب البیوع)

میرے بھائی مہاجرین تجارتی کاروبار میں مصروف رہتے تھے اور میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہمہ وقت موجود رہتا تھا، اس لئے جب وہ غائب ہوتے تھے تو میں حاضر ہوتا تھا۔ جب وہ بھول جاتے تھے تو میں یاد کرتا تھا اور میرے بھائی انصار کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہتے تھے اور میں مساکین صفہ میں سے ایک مسکین تھا۔ اس لئے جب وہ لوگ بھول جاتے تھے تو میں آپ ﷺ کے اقوال کو یاد کر لیتا تھا۔

ایک بار حضرت ابو موسیٰ خدری ﷜ نے ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا حوالہ دیا اور حضرت عمر ﷜ نے اس کی تصدیق کرنا چاہی اور حضرت ابو سعید خدری ﷜ نے اس کی تصدیق کی، تو حضرت عمر ﷜ نے خود معذرت کی۔

اخفي علی هذا من امر رسول الله ﷺ الهاني الصفق بالا سواق۔[1]

مجھ پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اسلئے مخفی رہا کہ تجارتی کاروبار نے مجھ کو مشغول کر لیا تھا۔

حضرت ابو بکر ﷜ نے جب بیت المال سے وظیفہ لینا چاہا تو اس کی وجہ یہ بیان کی:۔

لقد علم قومي ان حرفتي لم تكن تعجز عن مومنة اهلي و اشغلت بامر المسلمين فسيا كل ال ابي بكر من هذالمال۔[2]

میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے اہل وعیال کی معاش کیلئے کافی تھا، لیکن اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں اس لئے میرے اہل وعیال بیت المال سے وجہ معاش لیں گے۔

حضرت عثمان ﷜، حضرت ربیعہ بن حارث ﷜ کی شرکت میں تجارت کرتے تھے۔[3]

حضرت عبدالرحمان بن عوف ﷜ ہجرت کر کے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن الربیع ﷜ کے ساتھ ان کی مواخات کرا دی۔ اس بنا پر حضرت سعد ﷜ نے اپنے مال میں سے ان کو نصف دینا چاہا، لیکن انہوں نے کہا یہ مال تم کو مبارک مجھے کوئی تجارتی بازار بتاؤ،

1: بخاری کتاب البیوع باب الخروج فی التجارۃ۔
2: ایضاً باب کسب الرجل و عملہ بیدہ۔
3: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ربیعہ بن حارث۔

انھوں نے سوق قینقاع کا راستہ بتادیا، وہاں جا کر انھوں نے پنیر اور گھی کی تجارت شروع کر دی اور چند ہی دنوں میں اس قدر فائدہ ہوا کہ شادی کرنے کے قابل ہو گئے۔[1]

اسلام سے پہلے عرب میں جو بازار قائم تھے، مثلاً عکاظ، ذوالمجنہ، ذوالمجاز، حباشہ اسلام کے بعد بھی ان کی رونق تقریباً ایک صدی تک قائم رہی[2] لیکن یہ بازار چونکہ عموماً زمانہ حج میں لگتے تھے، اس لئے اول اول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان میں تجارت کرنا حرمت حج کے خلاف سمجھا، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنے فضل و برکت سے کیوں کر محروم کر سکتا تھا۔ چنانچہ وحی آسمانی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان بازاروں میں تجارت کی عام اجازت عطا فرمائی،

لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم۔[3]

زمانہ حج میں تجارت کرنا تمہارے لئے گناہ کا کام نہیں۔

ان بازاروں کے علاوہ خود عہد اسلام میں بعض نئے بازار قائم ہوئے، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک جدید بازار قائم کیا جس میں کوئی تجارتی محصول نہیں لیا جاتا تھا۔[4]

حضرت صخر رضی اللہ عنہ بہت بڑے تاجر تھے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تھی۔

الھم بارك لامتی فی بکورھا۔

خداوند میری امت کو صبح کے تڑکے میں برکت دے

اسلئے وہ ہمیشہ اپنے سامان تجارت کو صبح سویرے روانہ فرماتے تھے اور معقول نفع اٹھاتے تھے۔[5]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اکثر اپنا مال تجارت لے کر بصرہ جایا کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے ایک سال پیشتر مال تجارت لے کر بصرے کو گئے تھے۔[6]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران سے تجارتی تعلقات قائم کئے تھے، چنانچہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک ریشمی جبہ عنایت کیا۔ انہوں نے لینے سے انکار کیا تو فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ اس کو پہنو اس کو ارض فارس میں بھیج دو تمہیں مالی فائدہ حاصل ہوگا۔[7]

حضرت عطارد تمیمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو عموماً سلاطین کے دربار میں (غالباً تجارتی

۱: بخاری کتاب البیوع باب قول اللہ تبارك و تعالیٰ فاذاقضیت الصلوۃ الخ۔

۲: فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۷ میں ان بازاروں کے تاریخی حالات بتفصیل مذکور ہیں۔

۳: بخاری کتاب البیوع باب ما جاء فی قول اللہ تبارک و تعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض الخ۔

۴: فتوح البلدان صفحہ صفحہ ۲۱۔

۵: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الابتکار فی السفر۔

۶: سنن ابن ماجہ کتاب الادب بالمزاح۔

۷: مسند جلد ۳ صفحہ ۳۴۷، لیکن اس حدیث سے قطعی طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایران سے ان کے تجارتی تعلقات تھے کیونکہ دوسرے تاجروں کے ذریعے سے بھی یہ مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔

تعلقات سے) حاضر ہوتے تھے اور فائدہ اٹھاتے تھے۔ایک بار وہ ایک ریشمی جوڑا لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بازار میں دیکھا تو فرمایا یارسول اللہ آپ اس کو خرید لیجئے اور جب وفود عرب آئیں تو اسی کو پہن کر ان کے سامنے بیٹھئے۔[1]

غرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تجارتی ذوق اس قدر ترقی کر گیا تھا، کہ وہ اس کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ معاش پسند ہی نہیں کر سکتے تھے۔ حکومت کی وظیفہ خواری ایک ایسا لقمہ تر ہے جس کے تصور سے بھی اشیائی مذاق کے منہ میں پانی بھر آتا ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو لوگ تجارت کی برکات سے واقف تھے،وہ عرب کو اس کا خوگر بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے تمام مسلمانوں کا وظیفہ مقرر کرنا چاہا تو حضرت ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ادیوان مثل دیوان بنی الا صفر انك فرضت للناس اتكلوا على الديوان وتركو التجارة۔[2]

کیا رومیوں کے طرح ان کے نام بھی درج رجسٹر ہوں گے ،اگر آپ نے لوگوں کے وظائف مقرر کئے تو وہ اس پر اعتماد کر لیں گے اور تجارت کو چھوڑ دیں گے۔

مہاجرین کا مخصوص پیشہ اگرچہ تجارت تھا،مدینہ میں آکر وہ بھی رفتہ رفتہ، کھیتی باڑی میں مصروف ہو گئے۔چنانچہ جب اول اول مہاجرین مدینہ میں آئے تو انصار نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست کی کہ ہمارے نخلستان ہمارے بھائی مہاجرین کے درمیان تقسیم فرما دیجئے ،لیکن آپ ﷺ نے انکار فرمایا، پھر انہوں نے کہا کہ وہ محنت مزدوری میں حصہ لیں ہم ان کو پیداوار میں شریک کر لیں گے۔ تمام مہاجرین نے اسکو بخوشی قبول کر لیا۔[3] بعد میں انصار نے اپنے کھیت بٹائی پر دینا شروع کئے تو عموماً تمام مہاجرین نے زراعت کو اپنا پیشہ بنالیا صحیح بخاری میں ہے:۔

ما بالمدينة اهل بيت هجرة الا يزرعون على الثلث و الربع۔

مدینہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو تہائی یا چوتھائی پیداوار پر کھیتی نہ کرتا ہو

حضرت علی رضی اللہ عنہ ،حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ ،حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ اسی طرح کھیتی کرتے تھے۔[4]

۱: مسلم کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضہ۔
۲: فتوح البلدان صفحہ ۴۶۳۔
۳: بخاری ابواب الحرث والمزارعۃ، باب اذا قال اکفنی مونۃ النخل۔
۴: صحیح بخاری ابواب الحرث والمزارعۃ بالشطر ونحوہ۔

لیکن صحابہ ﷺ کی معاش صرف زراعت و تجارت ہی موقوف نہ تھی اللہ تعالی نے ان کو کسب حلال کی توفیق عطا فرمائی تھی۔ اسلئے جس پیشے سے رزق طیب حاصل ہو سکتا تھا۔ اس کے اختیار کر لینے میں ان کو کسی قسم کا ننگ و عار نہ تھا۔ خود حضرت سودہ رضی اللہ عنہا طالف کا ادیم بناتی تھیں اور اسکی وجہ سے ان کی مالی حالت تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن سے بہتر تھی۔[1]

حضرت سلمان فارسی ﷺ اگرچہ مدائن کے گورنر تھے، تاہم چٹائی بن کر وجہ معاش پیدا کرتے تھے۔[2]

بعض صحابہ ﷺ محنت مزدوری پر اپنی اوقات بسر کرتے تھے ایک صحابی ﷺ نے آپ ﷺ سے مصافحہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا آپ کے ہاتھ میں نشانات کیسے ہیں؟ بولے پتھر پر پھاوڑا چلاتا ہوں اور اس سے اپنے اہل و عیال کیلئے روزی پیدا کرتا ہوں آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ چوم لئے۔[3]

بعض صحابہ ﷺ شہد کی مکھیوں کی نگہداشت کرتے تھے، اور ان سے شہد پیدا کرتے تھے چنانچہ ایک صحابی نے ایک جنگل رسول اللہ ﷺ سے اپنے لئے مخصوص کرا لیا تھا، اس سے شہد پیدا کرتے تھے اور اس کی زکوۃ ادا کرتے تھے۔ یہ جنگل حضرت عمر ﷺ کے عہد خلافت تک ان کے قبضے میں رہا۔ ایک قبیلے کیلئے آپ ﷺ نے اسی قسم کے دو جنگل مخصوص کر دیئے تھے اور وہ ان کی زکوۃ دیتے تھے۔[4]

حصہ اول تمام ہوا

۱: اسد الغابہ تذکرہ خلیبہؓ۔
۲: استیعاب تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔
۳: اسد الغابہ تذکرۂ سعد الانصاریؓ۔
۴: ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب زکوۃ العسل۔

رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ (القرآن)

اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرامؑ کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

اسوۂ صحابہؓ

حصہ نہم

جس میں صحابہ وصحابیات (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی سیاسی مذہبی اور علمی خدمات کی تفصیل کر کے دکھایا گیا ہے کہ انہوں نے کیونکر اسلام کے عادلانہ نظام حکومت کو قائم رکھا اور کیونکر مذہب اخلاق اور اسلامی علوم، علم وتفسیر وحدیث، فقہ وتصوف وتاریخ وغیرہ کی حفاظت واشاعت کی

تحریر وترتیب
جناب مولانا عبدالسلام ندویؒ

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین

جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک، مذہب، اخلاق، سیاست اور علم معرفت کا ایک مکمل مجموعہ تھی۔ جن کے اصول و قواعد قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔ اسلئے آپ ﷺ کے وصال کے بعد ان عناصر اربعہ کا تحفظ وبقاء صحابہ کرام ؓ کا سب سے اہم فرض تھا اور انہوں نے اس فرض کو جس دیانت اور سرگرمی کے ساتھ ادا کیا کتاب کے اس حصے میں اسی کی تفصیل ہے۔ اگرچہ بحیثیت جانشین رسول ﷺ کے خلفاء راشدین ؓ کو اس فرض کے ادا کرنے کا موقع اور تمام صحابہ ؓ سے زیادہ ملا اور اس لئے کتاب کا یہ حصہ زیادہ تر خلفاء راشدین ؓ ہی کے مذہبی، اخلاقی، سیاسی اور علمی کارناموں پر مشتمل ہے، لیکن ان تمام کارناموں کے انجام دینے میں دیگر صحابہ ؓ بھی ان کے شریک تھے، مثلاً وہی مسجدوں کے امام، درسگاہوں کے معلم، صوبوں کے حاکم، عدالتوں کے قاضی، فوجوں کے افسر اور مسلمانوں کے مفتی تھے اور اس حیثیت سے ان کے عملی مظاہرے مساجد سے لے کر ایوان حکومت اور میدان جنگ تک میں یکساں نظر آتے تھے۔ اس بناء پر خلفائے راشدین ؓ کے کارناموں کے ساتھ اور صحابہ ؓ کے کارنامے بھی اس حصے میں آگئے ہیں اور اس طرح یہ حصہ تمام صحابہ ؓ کے کارنامہائے زندگی کا ایک مکمل مجموعہ بن گیا ہے۔

جو لوگ اس کتاب کے پہلے حصے میں خود صحابہ کرام ؓ کے مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی فضائل و مناقب پڑھ چکے ہیں، ان کو اس حصے میں نظر آئے گا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اپنی تربیت سے کیونکر صحابہ کرام ؓ کو تدبیر و سیاست اور علم و معرفت میں بھی دنیا کیلئے ایک مکمل نمونہ بنا کر چھوڑ گئے اور ان نمونوں نے اپنے زمانے میں کیونکہ تمام دنیا کو آپ ﷺ کی تعلیمات و تلقینات کے مطابق مذہب، اخلاق اور سیاست کی صراط المستقیم پر قائم رکھا۔

خدا کے اور پیغمبروں نے بھی اپنے اصحاب کو ان تمام چیزوں کی تعلیم و تلقین کی ہے، لیکن اصحاب رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ان کی حفاظت کی اور جس طرح ان کو قائم و برقرار رکھا

اس کی نظیر سے تمام دنیا کی مذہبی تاریخ خالی ہے اور در حقیقت ایک ابدی مذہب کے قیام و بقاء کیلئے اسی قسم کے برگزیدہ و متدین محافظ درکار تھے۔

عبدالسلام ندوی
شبلی منزل
اعظم گڑھ
۱۱جولائی ۱۹۲۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیاسی خدمات

خلافتِ الٰہی

وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِم۔ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ (نور)

خلافت الٰہی ایک مقدس مذہبی امانت ہے۔ اس لئے اس کا استحقاق صرف ایمان و عمل ہی کی بناء پر پیدا ہو سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اول اول جب آسمان پر اس کا اعلان ہوا تو مقربان بارگاہ الٰہی نے اپنے استحقاق کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

و اذ قال ربك للملئكة انی جاعل فی الارض خليفة قالوا اتجعل فيها من يفسد فيها و يسفك الدماء و نحن نسبح بحمدك و نقدس لك (بقرہ)

جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہوں تو ان سب نے کہا کیا تو زمین میں اپنا خلیفہ اس شخص کو مقرر کرتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خونریزی کرے گا۔ حالانکہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔

صحابہ کرام ﷺ کے عقائد و اعمال کی جو تفصیل پہلے حصے میں گذر چکی ہے ان کو پڑھ کر اگرچہ ہر شخص تسلیم کرے گا کہ انہوں نے مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے اپنے آپ کو خلافت الٰہی کا حقیقی مستحق بنالیا تھا، لیکن اس حصے میں ہم ان اخلاقی خصوصیات کو دکھانا چاہتے ہیں جن سے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہوگا کہ صحابہ کرام ﷺ میں حاکم و محکوم اور راعی و مرعی دونوں کے مشترکہ اخلاقی اوصاف نے خلافت کو کس صحیح اصول پر قائم کیا اور کس صحیح طریقے پر اس کو قائم رکھا۔

صحابہ ﷺ کو خلافت کی خواہش نہ تھی

امارت و حکومت اگر امر بالمعروف و النهی عن المنكر کا ذریعہ ہے تو وہ ایک مقدس فریضہ مذہبی ہے۔ مگر اگر اس کو ذاتی اغراض کا شکار گاہ بنالیا جائے تو اس سے بدتر کوئی چیز نہیں۔ اس بناء پر ہر نظام حکومت کے متعلق سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہئے کہ اس کی بنیاد کس سطح پر رکھی گئی ہے۔ صحابہ کرام ﷺ کے دور کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ لوگ ذاتی حیثیت سے امارت و حکومت کی خواہش نہیں رکھتے تھے، البتہ جن مواقع پر وہ مذہبی خدمات اور مذہبی اعزاز

کے ذریعہ ہو سکتی تھی، وہاں تمام صحابہ ﷺ اس کو محبوب سمجھنے لگتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر میں اعلان فرمایا کہ "میں آج یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اسی کے ہاتھ پر فتح نصیب کرے گا، تو اس مذہبی شرف کے شوق سے تمام صحابہ ﷺ کے دل لبریز ہو گئے، لیکن ان مواقع کے علاوہ ان کے پاک دل کو کبھی اس ہوس نے آلودہ نہیں کیا، خود حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں۔

ما احببت الا مارة الا یومئذ[1]

غزوہ خیبر کے سوا میں نے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی۔

سقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت کا مسئلہ پیش ہوا تو مہاجرین و انصار میں اگرچہ ایک طرح کی کشمکش پیدا ہو گئی تاہم اس وقت بھی دور صحابہ ﷺ کی خصوصیات نمایاں رہی، اس وقت انصار مہاجرین کے حریف مقابل تھے، لیکن ان ہی انصار میں حضرت زید بن ثابت ﷺ بھی تھے، جنہوں نے نہایت ایثار کے ساتھ کہا کہ "رسول اللہ ﷺ مہاجر تھے، اسلئے خلیفہ بھی مہاجر ہی ہو گا ہم جس طرح آپ ﷺ کے انصار تھے، آپ ﷺ کے خلیفہ کے بھی انصار رہیں گے"۔[2]

یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے زمانہ تک ذاتی تفوق و امتیاز کی بناء پر صحابہ کرام ﷺ میں باہم کوئی نزاع نہیں قائم ہوئی۔

خلافت کی ذمہ داریوں کا احساس

حکومت یا امارت اگر ذاتی اغراض کا ذریعہ ہیں تو ان کی ذمہ داری اس سے زیادہ نہیں، جتنا ایک جانور اپنی بھوک پیاس کا ذمہ دار ہے لیکن اگر ان کے ذریعہ سے دنیا میں نیکیوں کو پھیلانا اور برائیوں کو استیصال کرنا مقصود ہے تو وہ ایک ایسا بار امانت ہے جس کے بوجھ سے آسمان و زمین تک کانپ اٹھتے ہیں، صحابہ کرام ﷺ کے سر پر یہی بار امانت ڈالا گیا تھا، اس لئے اس بوجھ سے ان کے اعصاب ہمیشہ متزلزل رہتے تھے، حضرت ابو بکر ﷺ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے اپنا پہلا خطبہ جو دیا وہ صرف خلافت کی ذمہ داریوں پر مشتمل تھا، چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

یاایھا الناس لو ودت ان ھذا کفانیه غیری ولئن اخذ تمونی سنته نبیکم ما اطیقھاان کان لمعصوما من الشیطان وان کان لینزل علیه الوحی من السماء[3]

لوگو! میری خواہش یہ تھی کہ اس بوجھ کو کوئی دوسرا شخص اٹھاتا اور اگر تم مجھ سے اپنے پیغمبر کی سنت کا اتباع چاہو گے تو میں اس کا متحمل نہ ہو سکوں گا، کیونکہ وہ شیطان سے محفوظ و مامون تھے اور اوپر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی۔

۱۔ مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علی بن ابی طالب۔
۲۔ مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۸۶۔ ۳۔ مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۰۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی دوسرا شخص اس بار کے اٹھانے کی قوت رکھتا تو مجھ پر یہ بہت آسان تھا کہ میں آگے بڑھ جاؤں اور میری گردن[1] اڑادی جائے۔"

ایک بار حج سے واپس آرہے تھے، راہ میں ایک مقام پر ٹھہر گئے اور بہت سی کنکریاں جمع کر کے چادر بچھائی اور اس پر چت لیٹ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی:

اللھم کبرت سني وضعفت قوتي وانتشرت رعیتي ناقضي الیك غیر مضیع ولامفرط۔[2]

خداوندا اب میرا سن زیادہ ہوا، میرے قویٰ ضعیف ہوگئے، میری رعایا ہر جگہ پھیل گئی، پس مجھ کو اس حالت میں اٹھالے کہ میرے اعمال برباد نہ ہوں اور میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھوں۔

ان کے مرض الموت میں جب لوگوں نے درخواست کی کہ "اپنا جانشین مقرر کرتے جائیے تو بولے کیا میں یہ بوجھ موت وزندگی دونوں حالتوں میں اٹھاؤں، میری صرف یہ آرزو ہے کہ میں اس سے اس طرح الگ ہو جاؤں کہ عذاب وثواب برابر ہو جائیں۔"

خلافت کی ذمہ داریوں کا یہی احساس تھا جس کی بناء پر انہوں نے حالت نزع میں ہر گروہ کی حفاظت حقوق کیلئے وصیت کی، مہاجرین وانصار سے لے کر بدو اور ذمی تک کے حقوق کی طرف اپنے جانشین کو توجہ دلائی۔ چنانچہ بخاری باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان میں یہ وصیت بہ تفصیل مذکور ہے۔

فرائض خلافت

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے فضل واحسان سے اپنا سب سے بڑا عطیہ عطا فرمایا تو ساتھ ساتھ ان کے فرائض بھی بتادیئے۔

الذین ان مکنھم في الارض اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔ (حج)

وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین میں متمکن کردیں گے تو وہ نماز کو قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے اور ہر کام کا انجام صرف خدا کیلئے ہے۔

یہ فرائض جلیلہ اصولاً تین قسموں میں منقسم کئے جاسکتے ہیں، مذہب، اخلاق، سیاست، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے عہد میں جس طرح یہ فرائض انجام دیئے ان کی تفصیل اس حصہ کے مختلف ابواب وفصول میں آئے گی اس موقع پر صرف ان موثر مثالوں کا جمع کرنا مقصود ہے جن سے اس جوش، اس خلوص، اس مستعدی اور اس سرگرمی کا اظہار ہوگا، جو ان فرائض کے انجام

[1] مؤطا امام محمد باب النوادر

[2] مؤطا امام محمد باب الرجم۔

دینے میں صحابہ کرام ﷺ نے ظاہر فرمائی۔

ہمارے زمانہ میں بادشاہ کارات کو تنہا نکلنا ایک غیر معمولی واقعہ سمجھا جاتا ہے لیکن حضرت ابو بکر صدیق ؓ جب خلیفہ ہوئے تو سات مہینہ تک مقام سخ میں قیام فرمایا جو مدینہ کی اصل آبادی سے دور تھا، لیکن روزانہ وہاں سے کبھی پاپیادہ اور کبھی سواری پر مسجد نبوی میں آتے اور عشاء کی نماز پڑھا کر واپس جاتے تھے۔[1]

حضرت عمر ؓ صبح تڑکے اٹھتے تو پہلا کام یہ انجام دیتے کہ جو لوگ تہجد پڑھ کر سو جاتے تھے ان کو نماز صبح کیلئے جگاتے۔[2] عشاء کے بعد ان کا سب سے آخری فرض یہ تھا کہ مسجد کی دیکھ بھال فرماتے جو لوگ عبادت الٰہی میں مصروف ہوتے ان کے سوا دوسرے بیکار آدمیوں کو نہ رہنے دیتے۔[3]

لیکن ابھی انکے فرائض خلافت ختم نہ ہو جاتے بلکہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر مدینہ کا پہرا دیتے۔

ایک دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کے ساتھ رات کو نکلے، دفعتاً ایک گھر میں چراغ کی روشنی نظر آئی، قریب آئے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور کچھ لوگ شور و شغب کر رہے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ سے فرمایا، تمہیں معلوم ہے یہ کس کا گھر ہے؟ یہ ربیعہ بن امیہ کا گھر ہے، اور وہ لوگ اس وقت شراب پی رہے ہیں، تمہاری کیا رائے ہے۔ بولے کہ "خدا نے ہم کو تجسس کی ممانعت فرمائی ہے۔" اس لئے واپس آئے۔[4]

مدینہ میں ایک عام لنگر خانہ قائم کیا تھا، وہاں جاتے تھے اور مسلمانوں کو خود اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے تھے، ایک قاصد دربار خلافت میں حاضر ہوا، تو دیکھا کہ امیر المومنین ہاتھ میں عصا لے کر مسلمانوں کو خود کھانا کھلا رہے ہیں[5] عشاء کے بعد پھر پھر کے مسجد میں ہر شخص کا چہرہ دیکھتے اور اس سے پوچھتے کہ کھانا کھایا ہے یا نہیں۔ اگر کوئی شخص بھوکا ہوتا تو اسکو لیجا کر کھانا کھلاتے۔[6]

فوجوں کو روانہ فرماتے تو ہر وقت اس کے خیال میں مصروف رہتے، فرمایا کرتے تھے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اور فوج کے بھیجنے کا سامان کرتا رہتا ہوں، نہاوند کے معرکہ کا دن آیا تو رات کروٹیں بدل بدل کر کاٹی۔[7] قادسیہ میں ایرانیوں سے جنگ ہوئی تو صبح سے لے کر دوپہر تک صرف یہ مشغلہ تھا کہ جو شتر سوار ادھر سے آتے ان سے حالات دریافت فرماتے۔[8]

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ۔ ۲: فتوح البلدان صفحہ ۳۶۸۔

۳: خلاصۃ الوفاء باخبار المصطفٰے صفحہ ۱۷۵۔

۴: اصابہ تذکرہ ربیعہ بن امیہ، اس قسم کی متعدد مثالیں تاریخوں میں مذکور ہیں۔

۵: طبری صفحہ ۲۷۰۲۔ ۶: طبقات ابن سعد تذکرہ ام حبیبہ خولہ۔

۷: طبری صفحہ ۲۶۲۸۔ ۸: طبری صفحہ ۲۲۹۷۔

رعایا کی خبر گیری کا نہایت خیال رکھتے تھے، عمال کے یہاں سے جو قاصد آتے ان سے رعایا کا حال پوچھتے، ایک دن حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ کے یہاں سے ایک آدمی آیا تو اس سے رعایا کے حالات پوچھے۔[1] اخیر میں تمام ملک کے دورے کا بھی ارادہ کیا تھا، اور فرماتے تھے کہ ایک سال متصل دورہ کروں گا، رعایا خود مجھ تک پہنچ نہیں سکتی اور عمال ان کی ضروریات کو مجھ تک نہیں پہنچاتے۔ دو مہینہ شام میں، دو مہینہ جزیرہ میں، دو مہینہ مصر میں، دو مہینہ بحرین میں، دو مہینہ کوفہ میں اور دو مہینہ بصرہ میں قیام کروں گا[2] لیکن صرف شام کے دورہ کی نوبت آئی۔

صدقہ میں جو جانور آتے تھے، ان کی نگرانی اور حفاظت خود فرماتے تھے، ایک دن سخت لو چل رہی تھی اور زمین پر انگارے بچھے ہوئے تھے، اسی حالت میں حضرت عثمان ﷺ نے دیکھا کہ وہ دو اونٹوں کو ہانکے ہوئے لے جا رہے ہیں، پوچھا کہ آپ اس وقت گھر سے کیوں نکلے؟ بولے صدقے کے دو اونٹ چھوٹ گئے تھے، میں نے خیال کیا کہ ان کو چراگاہ میں پہنچا آؤں۔ ایک روز صدقے کے اونٹ آئے تو سر پر چادر ڈال لی اور تپتی ہوئی زمین پر کھڑے ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس کا حلیہ قلمبند کروایا، حضرت عثمان ﷺ بھی موجود تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "حضرت شعیبؑ کی لڑکی نے حضرت موسیٰؑ کی نسبت کہا تھا۔

ان خیر من استاجرت القوی الامین

جس کو تم نے ملازم رکھا ہے وہ قوی اور امین ہے۔

لیکن وہ قوی امین یہ ہیں۔[3]

ایک دن صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل لگا رہے تھے، ایک شخص نے کہا "اے امیر المومنین کسی غلام کے متعلق یہ کام کر دیا ہوتا۔" بولے "مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے؟ جو شخص مسلمانوں کا ولی ہے وہ مسلمانوں کا غلام ہے"۔[4]

بازار کی نگرانی کا خاص اہتمام رکھتے تھے، اگرچہ اس کام کیلئے حضرت عبداللہ ﷺ، اور حضرت سائب ابن زید ﷺ کو خاص طور پر مقرر کر دیا تھا[5] لیکن خود بھی بازار کا گشت لگایا کرتے تھے۔ ایک دن بازار سے گذرے تو دیکھا کہ ایک نئی دکان کھلی ہے اسکو توڑ ڈالا، اگر تاجر

۱: مؤطا امام مالک کتاب الاقضیۃ القضاء فیمن ارتد عن الاسلام۔
۲: طبری صفحہ ۲۷۳۸۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ۔
۴: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۹۴۔
۵: مؤطا امام مالک کتاب البیوع۔

ایک جگہ جمع ہو جاتے تو ان کو کوڑے مارتے اور کہتے کہ راستہ نہ بند کرو۔[1]

ایک دن بازار سے گذرے، حضرت حاطب بن ملبعتہ ﷺ کو دیکھا کہ منقے بیچ رہے ہیں بولے یا بھاؤ بڑھاؤ یا اس کو اٹھا کر بازار سے لے جاؤ۔[2]

بیت المال سے مسلمانوں کے جو وظائف مقرر تھے ان کے گھروں پر جا جا کر تقسیم کر آتے تھے، ہشام کعبی کا بیان ہے کہ وہ ہاتھ میں قبیلہ خزاعہ کا رجسٹر لے لیتے تھے، پھر وہاں سے مقام قدیمہ میں جا کر ہر باکرہ و ثیبہ عورت کو اس کا وظیفہ خود اس کے ہاتھ میں دے دیتے تھے ،پھر وہاں سے مقام عفان میں آکر وظائف تقسیم فرماتے تھے۔[3]

حضرت عثمان ﷺ نے بھی اس سنت کو قائم رکھا تھا، مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ وہ منبر پر تھے اور موذن اقامت کہہ رہا تھا، لیکن وہ اس حالت میں بھی لوگوں کے حالات اور بازار کا رخ پوچھ[4] رہے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسی جوش و خروش کے ساتھ فرائض خلافت ادا فرماتے تھے۔ استیعاب میں ہے کہ ہاتھ میں درہ لئے ہوئے بازاروں میں گھومتے رہتے تھے اور لوگوں کو پرہیزگاری، سچائی، حسن معاملت اور پورے پورے ناپ جوکھ کی ترغیب[5] دیتے تھے، ایک دن بازار میں گئے، دیکھا کہ ایک لونڈی ایک خرمہ فروش کی دکان پر رو رہی ہے، بولے کیا حال ہے؟ بولی اس نے ایک درہم پر میرے ہاتھ کھجور فروخت کی، لیکن میرے آقا نے اس کو واپس کر دیا اب وہ پھیرنے پر راضی نہیں ہوتا۔ انہوں نے سفارش کی کہ کھجور لے لو اور اس کے دام واپس دے دو، اس نے ان کو دھکیل دیا، لوگوں نے کہا "کچھ خبر ہے۔ یہ امیر المومنین ہیں۔" اب اس نے اس کی کھجور واپس کر دی اور کہا کہ "مجھ سے راضی ہو جائیے۔" بولے "اگر لوگوں کا حق پورا پورا دو گے تو مجھ سے زیادہ تم سے کون راضی ہوگا"۔[6]

ایک دن بازار سے گذرے، دیکھا کہ لوگ اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر آگے بڑھ گئے ہیں بولے "کسی کو یہ اختیار نہیں ہے، مسلمانوں کے بازار نمازیوں کے مصلے کی طرح ہیں، جو لوگ آج آگے بڑھ گئے ہیں وہ کل اس کو چھوڑ دیں۔[7]

دیانت

خلفاء کی حفاظت میں سب سے زیادہ گراں قیمت چیز بیت المال تھا، دنیوی بادشاہ سلطنت کا مال اپنے اوپر بیدریغ صرف کرتے ہیں، لیکن صحابہ کرام ﷺ نے اس خزانہ الٰہی کو اس دیانت

1: کنز العمال ص ۱۷۶۔ 2: مسند جلد ا صفحہ ۲۱۔ 3: فتوح البلدان صفحہ ۴۵۷۔
4: مسند جلد ا صفحہ ۷۳۔ 5: استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔
6: الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ صفحہ ۲۳۱۔ 7: کنز العمال جلد ۳ ص ۱۷۶۔

کے ساتھ حفاظت کی کہ اپنے مصارف سے زیادہ اس میں سے ایک حبہ نہیں لیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرائض خلافت کی مصروفیت کی بناء پر بیت المال سے وظیفہ لیا تو اس کے ساتھ یہ تصریح کردی کہ اس کے بعد ان کی تجارت کی آمدنی بیت المال میں منتقل ہو جائے گی۔

فسيا كل آل ابی بكر من هذا المال و يحترف للمسلمين۔[1]

اب آل ابو بکر اس مال سے وجہ معاش لے گی اور مسلمانوں کیلئے پیشہ کرے گی۔

لیکن انتقال کے وقت وظیفہ کی رقم بھی واپس کردی۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حیثیت اس سے زیادہ نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے ایک مزدور تھے اس لئے بیت المال سے صرف اسی قدر لیتے تھے، جتنا ایک مزدور کو لینا چاہئے، اسد الغابہ میں ہے۔

و نزل نفسه بمنزلة الا جير و كاحاد المسلمين فی بيت المال۔[3]

انہوں نے اپنا بیت المال سے صرف اس قدر لیا جس قدر ایک مزدور اور مسلمانوں کے عام افراد کا حق تھا۔

انہوں نے اپنے طرز عمل سے ہر موقع پر ثابت کیا کہ بیت المال مسلمانوں کا مشترکہ خزانہ ہے۔ خود ان کا اس میں کچھ حق نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے ایک بار حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مسلمانوں کے وظیفے تقسیم کردو۔ انہوں نے جواب دیا کہ وظیفے تقسیم ہو چکے، لیکن بہت سا مال بچ گیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دوبارہ لکھا کہ یہ بھی مسلمانوں میں تقسیم کردو، ایک بار حج کو گئے تو آمد و رفت میں ۸۰ درہم صرف ہو گئے، ان کو اس قدر افسوس ہوا کہ ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے اور کہتے تھے، یہ عمر اور آل عمر کا مال نہیں ہے۔[4]

مااخلقنا ان تكون قد اسرفنا فی مال الله تعالى۔[5]

یہ کس قدر نامناسب بات ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے مال میں فضول خرچی کی ہے۔

ایک بار بیمار ہوئے اور دوا کیلئے شہد کی ضرورت پیش آئی، بیت المال میں شہد کا پیپا تھا۔ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر تمام مسلمانوں کی طرف خطاب کر کے کہا کہ "اگر آپ لوگ اجازت دیں تو یہ شہد لے لوں ورنہ وہ مجھ پر حرام ہے"۔[6]

ایک بار تمام مصارف کے بعد کچھ مال بچ گیا تو لوگوں سے مشورہ کیا کہ اب یہ کہاں خرچ کیا جائے؟ لوگوں نے کہا یا امیر المومنین ہم نے آپ کو زراعت و تجارت کے کاروبار سے روک دیا

۱: بخاری کتاب البیوع۔ ۲: طبری صفحہ ۲۱۴۳۔
۳: اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۷۱۔ ۴: فتوح البلدان صفحہ ۴۵۸۔
۵: اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۷۲۔ ۶: نزہت الابرار فی الاسامی و مناقب الاخیار تذکرہ حضرت عمرؓ۔

ہے۔ اب وہ آپ کا مال ہے۔" انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو، انہوں نے کہا "لوگوں نے آپ کا نام لیا ہے۔" بولے "تمہیں کہو۔" انہوں نے کہا "ایک دن آپ میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے تو ہم نے آپ ﷺ کو افسردہ پایا دوسرے روز گئے تو آپ ﷺ خوش تھے، ہم نے وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے دن میرے پاس صدقے کے دو دنار رہ گئے تھے۔ اسلئے میں رنجیدہ تھا اور آج میں نے ان کو تقسیم کر دیا اس لئے خوش ہوں۔" حضرت عمر ؓ نے فرمایا "تم نے سچ کہا میں دنیا و آخرت دونوں میں تمہارا شکر گذار رہوں "[1]

خلافت کے بعد وہ خود مسلمانوں کے ہو گئے تھے اور اپنی ذاتی حیثیت فنا کر دی تھی اس لئے ان کو جو کچھ ملتا تھا اس کو یا تو بیت المال میں داخل کر دیتے تھے یا اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔

ایک بار شاہ روم کا قاصد آیا تو ان کی بی بی نے ایک اشرفی کا عطر خریدا اور اس کو شیشی میں بھر کر شاہ روم کی بی بی کے پاس ہدیۃً بھیجا، اس نے ان شیشوں کو جواہرات سے بھر کر واپس کر دیا۔ حضرت عمر ؓ نے یہ جواہرات دیکھے تو ان کو فروخت کر کے ایک دینار اپنی بی بی کو واپس کر دیا، بقیہ رقم بیت المال میں داخل کر دی۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے چراگاہ میں اونٹوں کو چرا کر خوب فربہ کیا اور بازار میں بیچنے کیلئے لائے، حضرت عمر ؓ نے دیکھا تو کہا کہ "اے امیر المومنین کے بیٹے یہاں آؤ" وہ آئے تو کہا کہ "امیر المومنین کا بیٹا سمجھ کر لوگوں نے تمہارے اونٹوں کو خوب کھلایا پلایا ہے راس المال لے لو بقیہ اونٹوں کو بیت المال میں داخل کر دو۔

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے ان کی بی بی عاتکہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہدیۃً ایک چادر بھیجی۔ انہوں نے اس کو بلا کر سخت تنبیہ کی اور چادر کو ان کے اوپر پھینک دیا کہ ہم کو اس کی ضرورت نہیں۔[2]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دیانت کا یہ حال تھا کہ ایک بار ان کے پاس اصبہان سے کچھ مال آیا جس میں ایک روٹی بھی تھی، انہوں نے مال کے ساتھ روٹی کے بھی سات ٹکڑے کئے۔ ہر حصہ پر ایک ایک ٹکڑا روٹی کا رکھا، پھر قرعہ ڈالا کہ کس کو دیا جائے۔

ایک دن بیت المال کا کل مال تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دلوائی، پھر اس میں نماز پڑھی تا کہ قیامت کے دن لوگ ان کی دیانت کی شہادت دیں۔

۱: مسند جلد ۱ صفحہ ۹۴۔　　۲: نزہۃ الابرار تذکرہ حضرت عمرؓ۔

ان کو جو چیزیں ہدیۃً ملتی تھیں وہ ان کو بھی بیت المال میں داخل کر دیتے تھے، ایک دن انہوں نے ایک عطر کی شیشی دکھا کر کہا کہ "یہ مجھے ایک دہقان نے ہدیۃً دی ہے۔" پھر بیت المال میں آئے اور اس میں جو کچھ عطر تھا انڈیل دیا، اور فرمایا "کامیاب ہے وہ شخص جس کے پاس ایک قوصرہ ہو اور وہ روز اس کو کھائے"۔[1]

ایک بار کسی رئیس نے حضرت حسن و حضرت حسین علیہما السلام کو دو چادریں ہدیۃً دیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، چادروں پر نظر پڑ گئی تو پوچھا کہ یہ کہاں سے ملیں؟ انہوں نے واقعہ بتایا تو ان کو بیت المال میں داخل کر دیا۔ ایک بار اصبہان سے ان کے پاس بہت سا مال اور سامان آیا انہوں نے اس کو چند دیانت دار لوگوں کی حفاظت میں رکھوا دیا۔ اس میں سے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے ایک مشکیزہ شہد اور ایک مشکیزہ گھی منگوالیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آکر گنا تو دو مشکیزوں کی کمی معلوم ہوئی، انہوں نے پوچھا تو حفاظت کرنے والوں نے کہا "ان کا حال نہ پوچھیے ہم ان کو لا دیتے ہیں۔" بولے "تم کو اصل واقعہ بیان کرنا پڑے گا۔" انہوں نے کہا "ہم نے ام کلثوم کو دے دیا۔" چنانچہ فرمایا "میں نے تو یہ حکم دیا تھا کہ مسلمانوں کو تقسیم کر دو اور تم نے ام کلثوم کو دے دیا، چنانچہ اسی وقت وہ مشکیزے اٹھوا منگوائے اور ان میں سے جو کچھ صرف ہو چکا تھا اس کی قیمت لگوائی تو معلوم ہوا کہ ۳ درہم کی کمی آئی ہے، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے یہاں سے ۳ درہم منگوائے اور مشکیزوں کو تمام مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔[2]

یہی دیانت تھی جس نے صحابہ ﷺ کے دور خلافت میں جمہوری روح پھونک دی تھی۔ شخصیت در حقیقت بددیانتی، خود غرضی اور عیش پرستی کا نتیجہ ہے، خود غرض لوگ صرف اس بنا پر شخصیت کی حمایت کرتے ہیں کہ سلطنت کے تمام اختیارات، سلطنت کی تمام دولت اور سلطنت کے تمام مداخل و مخارج ان کے ہاتھ میں آ جائیں اور وہ مطلق العنانی کے ساتھ مزے اڑائیں، لیکن جو لوگ دیانت کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے ہیں وہ تمام دنیا کو خود امور سلطنت میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں، تاکہ ان کے سر کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور ان کی ذمہ داریاں بہت سے لوگوں پر تقسیم ہو جائیں، صحابہ کرام ﷺ اسی اصول پر حکومت کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے وہ خود تمام مسلمانوں کو امور خلافت میں شرکت کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت عمر ﷺ نے خراج کے تعین کے متعلق تمام صحابہ ﷺ کو مشورے کیلئے بلایا تو یہ الفاظ فرمائے۔

انی لم ازعجکم الا لان تشترکوا فی امانتی۔[3]

1: استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔
2: نزہۃ الابرار تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ 3: کتاب الخراج صفحہ ۱۴۔

میں نے آپ لوگوں کو صرف اسلئے تکلیف دی ہے کہ آپ میری امانت میں شریک ہوں۔

مساوات

جب کہ تمام عرب و عجم نے سیادت و حکومت کے ذریعہ سے دنیا کو اپنا غلام بنالیا تھا، اسلام نے صرف تقویٰ و طہارت کو انسان کا اصلی شرف قرار دیا اور قرآن مجید نے تمام دنیا کے خلاف یہ صدا بلند کی۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اتقٰکم

تم میں زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

صحابہ کرام ﷺ کو اگرچہ خلافت الٰہی نے اس شرف سے بھی ممتاز کیا جو روم و ایران کا سب سے بڑا ذریعہ تفوق و امتیاز تھا، تاہم انہوں نے صرف مذہب و اخلاق ہی کو اپنا اصلی شرف خیال کیا، حضرت عمر بن الخطاب ﷺ کا قول ہے۔

کرم المومن تقواه و دینه و حسبه و مروته و خلقه [1]

مسلمان کا اصل مایہ شرف اس کا تقویٰ ہے اس کا دین ہے اس کا حسب ہے، اس کی مروت ہے اور اس کا خلق ہے۔

اس خیال کا یہ نتیجہ تھا کہ سیاسی حیثیت سے خلیفہ وقت خود اپنے آپ کو تمام لوگوں کے برابر سمجھتا تھا اور ہر شخص کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرتا تھا۔

ایک دن حضرت عمر ﷺ امور خلافت میں مشغول تھے کہ اسی حالت میں ایک آدمی آیا اور کہا کہ "اے امیر المومنین مجھ پر فلاں شخص نے ظلم کیا ہے۔" انہوں نے اس پر کوڑا اٹھایا اور کہا کہ "جب میں فصل مقدمات کیلئے بیٹھتا ہوں تو تم لوگ نہیں آتے اور جب خلافت کے دوسرے کاموں میں مشغول ہوتا ہوں تو دادرسی کیلئے آتے ہو۔" وہ ناراض ہو کر چلا تو خود اسے بلایا اور اس کے سامنے اپنا کوڑا ڈال دیا اور کہا کہ "مجھ سے قصاص لو۔" اس نے کہا۔ "نہیں میں خدا کیلئے معاف کرتا ہوں۔" بولے "اگر خدا کیلئے معاف کرتے ہو تو خیر ورنہ اگر میرے لئے درگذر کرتے ہو تو مجھے بتادو۔" اس نے کہا "نہیں خدا کیلئے۔" [2]

اگر کبھی امراء و عمال انکے ساتھ اس قسم کا برتاؤ کرتے جو ان میں اور عام مسلمانوں میں تفریق و امتیاز پیدا کرتا تو سخت برہم ہوتے اور اسکو تہدید فرماتے ایک بار حضرت عتبہ بن فرقد ﷺ نے انکی خدمت میں نہایت تکلف کیساتھ ایک لذیذ غذا بھیجی، فرمایا کل مسلمان یہی کھاتے ہیں۔ جواب ملا نہیں، بولے تو پھر مجھے بھی نہیں چاہئے، اسکے بعد ان کو لکھا کہ یہ تمہاری اور تمہارے

۱: مؤطا امام مالک کتاب الجہاد باب الشہداء فی سبیل اللہ۔
۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ۔

باپ کی کمائی نہیں ہے، تمام مسلمانوں کو بھی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور عیش پرستی سے بچو"۔[1]

ایک بار حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عراق کی کسی مہم میں شریک ہوئے۔ پلٹ کر بصرہ آئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جو وہاں کے گورنر تھے، نہایت جوش کیساتھ انکا خیر مقدم کیا اور کہا کہ "اگر میں آپ دونوں صاحبوں کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا تو میں ضرور پہنچاتا، یہاں میرے پاس تھوڑا سا صدقہ کا مال ہے جس کو امیر المومنین کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں، آپ لوگ یہاں اس روپیہ سے اسباب تجارت خرید لیں اور مدینہ جاکر اسکو فروخت کریں، جو نفع حاصل ہو، اس کو خود لیں اور اصل مال امیر المومنین کے حوالے کردیں۔" یہ کہہ کر روپیہ انکے حوالہ کردیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسکی اطلاع دے دی، ان دونوں صاحبوں نے اس پر عمل کیا، لیکن جب روپیہ لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا کیا ابو موسیٰ نے کل فوج کے ساتھ یہی معاملہ کیا ہے؟ بولے نہیں، فرمایا "میرا لڑکا سمجھ کر تمہارے ساتھ یہ رعایت کی ہے، اصل اور نفع دونوں دے دو"۔[2]

ایک انہوں نے اپنے غلام کو مکاتب بنایا، اس نے کہا کہ "اگر اجازت ہو تو میں عراق کو جاؤں۔" بولے "مکاتب ہونے کے بعد جہاں چاہو جاسکتے ہو۔" وہ روانہ ہوا تو اور چند غلاموں نے اسکی رفاقت کرنا چاہی اور کہا کہ "امیر المومنین سے ایک خط لے لو کہ تمام مسلمان ہمارے ساتھ عزت سے پیش آئیں۔" اس کو اگرچہ معلوم تھا کہ یہ درخواست ان کو ناگوار ہوگی تاہم اس نے یہ گذارش کی، ڈانٹ کر فرمایا "تم لوگوں پر ظلم کرنا چاہتے ہو۔ تم تمام مسلمانوں کے برابر ہو"۔[3]

اس طرز عمل نے تمام قوم میں مساوات کی روح پھونک دی تھی، اس لئے اگر کوئی شخص خلفاء کے ساتھ کسی قسم کا غیر مساویانہ برتاؤ کرتا تھا تو تمام لوگ برہم ہوجاتے تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہلی بار شام سے حج کو آئے تو ایک شخص نے کہا کہ "السلام علیك ایها الامیر و رحمة الله" تمام اہل شام بگڑ گئے اور کہا کہ یہ منافق کون ہے جو صرف امیر المومنین کو سلام کرتا ہے۔[4]

زہد و تواضع

سلاطین و امراء کے جاہ و جلال سے اگرچہ انسان دفعتاً مرعوب ہوجاتا ہے لیکن حقیقی اطاعت اور اصلی محبت صرف زہد و تواضع سے پیدا ہوسکتی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور

1: مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضۃ۔
2: مؤطا امام مالک کتاب البیوع باب ما جاء فی القراض۔
3: طحاوی کتاب المکاتب فی الوضع عن المکاتب وبیعہ۔
4: ادب المفرد باب التسلیم علی الامیر۔

خلافت میں اگرچہ دنیا نے ان کے سامنے اپنے خزانے اگل دیئے تاہم انہوں نے اپنی قدیم سادگی اور خاکساری کو ہمیشہ قائم رکھا۔ اس لئے عرب کی غیور طبیعتوں کو ان کی اطاعت اور فرمانبرداری سے کبھی عار و استنکاف نہیں ہوا۔

حضرت ابو بکر ؓ خلافت سے پہلے بکریاں دوہا کرتے تھے، منصب خلافت سے ممتاز ہوئے تو ایک چھوکری نے کہا "اب وہ ہماری بکریاں نہ دوہیں گے۔" انہوں نے سنا تو بولے "خدا کی قسم ضرور دوہوں گا۔ خدا نے چاہا تو خلافت میری قدیم حالت میں کوئی تغیر نہ پیدا کرے گی۔" چنانچہ امور خلافت کو بھی انجام دیتے تھے اور ان کی بکریاں بھی دوہتے تھے، بلکہ اگر ضرورت ہوتی تھی تو ان کو چرا بھی لاتے تھے۔

ایک دن انہوں نے پینے کا پانی مانگا تو لوگ شہد کا شربت لائے، پیالے کو منہ سے لگا کر ہٹا لیا اور رونے لگے، جو لوگ پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہ بھی رو پڑے، تھوری دیر کیلئے چپ ہو گئے پھر دوبارہ رونا شروع کیا، لوگوں نے پوچھا آخر آپ کیوں روئے؟ فرمایا میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کسی آدمی کو دھکیل رہے ہیں حالانکہ کوئی شخص آپ ﷺ کے پاس نہ تھا، میں نے پوچھا یہ آپ ﷺ کس کو دھکیل رہے ہیں؟ فرمایا دنیا میرے سامنے مجسم ہو کر آئی تھی میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس سے ہٹ جا وہ ہٹ گئی، پھر دوبارہ آئی اور کہا کہ آپ ﷺ مجھ سے بچ کر نکل جائیں تو نکل جائیں لیکن آپ ﷺ کے بعد کے لوگ مجھ سے نہیں بچ سکتے۔" مجھے یہی واقعہ یاد آ گیا اور میرے دل میں خوف پیدا ہوا کہ وہ کہیں مجھ سے چمٹ نہ جائے۔[1]

حضرت عمر ؓ کسریٰ و قیصر کے خزانے کے کلید بردار تھے، لیکن زہد و تواضع کا یہ حال تھا کہ ایک دن انہوں نے پینے کا پانی مانگا، لوگ شہد کا شربت لائے، پیالے کو ہاتھ پر رکھ کر تین بار فرمایا کہ "اگر پی لوں تو اس کی مٹھاس چلی جائے گی اور تلخی (عذاب) باقی رہ جائے گی۔" یہ کہہ کر ایک آدمی کو دے دیا اور وہ اس کو پی گیا۔

ایک بار ان کے پاس حضرت عتبہ بن فرقد ؓ آئے دیکھا کہ زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی کھا رہے ہیں۔ حضرت عمر ؓ نے ان کو بھی شریک طعام کر لیا، لیکن یہ لقمہ ہائے خشک ان کے گلے سے نہ اترے، وہ عیش و طرب کے ساز و برگ دیکھ چکے تھے۔ بولے "یا امیر المومنین آپ کو میدے سے رغبت ہے؟" فرمایا "کل مسلمانوں کو مل سکتا ہے۔" انہوں نے کہا: "نہیں"۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں دنیا ہی میں کھانے پینے کا مزا اڑا لوں؟

1: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابو بکر صدیقؓ۔

"ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں آئے، انہوں نے سالن میں زیتون کا تیل ڈال کر سامنے رکھ دیا بولے۔"ایک برتن میں دو دو سالن، تادم مرگ نہ کھاؤں گا"۔[۱]

عین زمانہ خلافت میں ان کے سامنے کھجوریں رکھ دی جاتی تھیں اور وہ سڑی گلی کھجوریں تک اٹھا کر کھا جاتے تھے۔[۲]

لباس اس سے بھی زیادہ سادہ تھا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے زمانہ خلافت میں دیکھا کہ ان کے کرتے کے مونڈھے پر تہ بہ تہ پیوند لگے ہوئے ہیں۔[۳]

جاہ و جلال کے موقعوں پر بھی یہی سادگی قائم رہتی تھی، شام کے دورے کو گئے تو شہر کے قریب پہنچ کر اپنے اونٹ پر غلام کو سوار کرادیا اور خود غلام کے اونٹ پر سوار ہو لئے، لوگ استقبال کیلئے چشم براہ تھے، قریب پہنچے تو حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اشارے سے بتایا کہ امیر المومنین یہ ہیں۔ لوگ تعجب سے باہم کاناپھوسی کرنے لگے، فرمایا "ان کی نگاہیں اہل عجم کے جاہ و چشم کو ڈھونڈ رہی ہیں"۔[۴]

ایلہ کو گئے تو اونٹ پر بیٹھے بیٹھے گاڑھے کی قمیض پھٹ گئی، اس لئے وہاں کے پادری کو دے دیا کہ اس کو دھو کر پیوند لگا دے، وہ قمیض میں پیوند لگا کر لایا تو اس کے ساتھ خود اپنی طرف سے ایک نئی قمیض بھی دی، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دی کہ "میری قمیض پسینہ خوب جذب کرتی ہے"۔[۵]

ایک دن منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ "ایک دن وہ تھا کہ میں اپنی خالہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا اور وہ اسکے عوض میں مٹھی بھر کھجور دے دیا کرتی تھیں، آج میرا یہ زمانہ ہے۔" یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تو آپ نے اپنی تنقیص کی، بولے "تنہائی میں میرے دل نے کہا کہ تم امیر المومنین ہو تم سے افضل کون ہو سکتا ہے۔ اس لئے میں نے چاہا کہ اس کو اپنی حقیقت بتا دوں"۔[۶]

ان کے دروازے پر دربان اور پہرے دار نہ تھے۔[۷] وہ خود اپنے چپراسی تھے، جہاں ضرورت ہوتی تھی، خود چلے جاتے تھے اور کام انجام دے کر چلے آتے تھے، ایک دن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، لونڈی ان کے بالوں سے جوئیں نکال رہی تھی، انہوں نے اس کو ہٹانا چاہا بولے "رہنے بھی دو۔" انہوں نے کہا "یا امیر المومنین اگر آپ بلوا بھیجتے تو میں خود حاضر

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ۔ ۲: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب جامع ماجاء فی الطعام والشراب۔
۳: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی لبس الثیاب۔
۴: مؤطا امام محمد باب الزہد والتواضع۔ ۵: طبری صفحہ ۲۵۲۳۔
۶: نزہۃ الابرار تذکرہ حضرت عمرؓ۔ ۷: طبری صفحہ ۲۵۵۸۔

ہو تا۔" بولے "ضرورت[1] تو مجھ کو تھی"۔

حضرت عثمان ؓ اگرچہ بذات خود دولت مند تھے، لیکن زمانہ خلافت میں نہایت سادہ زندگی بسر فرماتے تھے، مسجد میں سرہانے چادر رکھ کر لیٹ جاتے تھے، اٹھتے تھے تو بدن میں کنکریوں کے چبھنے کے نشان نظر آتے تھے، لوگ دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ امیر المومنین ہیں۔[2]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ ﷺ نے ابو تراب کا خطاب عطا فرمایا تھا اور خاکساری نے ان کو اس لقب کا صحیح مصداق بنادیا تھا، تمام لوگ ان کی خدمت واطاعت کو اپنا فخر سمجھتے تھے، لیکن وہ خود بازار سے اپنا سودا سلف خرید کر لاتے تھے، ایک دن بازار میں کھجوریں خریدیں اور خود اٹھا کر لے چلے، ایک آدمی نے کہا یا امیر المومنین میں پہنچادوں، بولے "بچوں کا باپ ہی اس کا زیادہ مستحق ہے"۔[3]

زہد و تورع کا یہ حال تھا کہ اپنے لئے کبھی اینٹ پر اینٹ اور شہتیر پر شہتیر نہیں رکھی، یعنی گھر نہیں[4] بنایا، بیت المال میں جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیتے اور کہتے کہ اے دنیا مجھے فریفتہ نہ کر۔[5]

لباس نہایت سادہ پہنتے تھے، ایک شخص نے دیکھا کہ ان کے بدن پر ایک پھٹی پرانی قمیض ہے۔ جب آستین کھینچی جاتی ہے تو ناخن تک پہنچ جاتی ہے، اور چھوڑ دی جاتی ہے تو سکڑ کر نصف کلائی تک جاتی ہے، اسی سادہ لباس میں فرائض خلافت ادا کرنے کیلئے بازاروں میں پھرا کرتے تھے، ایک شخص کا بیان ہے کہ "میں نے دیکھا کہ گاڑھے کا تہ بند باندھے ہوئے اور گاڑھے کی چادر اوڑھے ہوئے بازار میں پھر رہے ہیں، ہاتھ میں درہ ہے اور لوگوں کو سچائی اور حسن معاملہ کا حکم دے رہے ہیں، لیکن بعض لوقات یہ سادہ لباس بھی بہ مشکل میسر ہوتا تھا، ایک دن منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ "میری تلوار کون خرید تا ہے؟ اگر میرے پاس تہ بند کے دام ہوتے تو میں اس کو نہ فروخت کرتا۔" ایک شخص نے اٹھ کر کہا "ہم آپ کو تہہ بند کی قیمت قرض دیتے ہیں۔"

دربان اور پہریدار کا جھگڑا نہیں رکھا تھا تنہا اٹھتے اور مسجد کو چلے جاتے۔[6]

ایثار

خلافت الٰہی ایک خوان نعمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ خود اپنے ہاتھ سے دنیا کے سامنے چن دیتا ہے، لیکن بد بخت لوگ تمام دنیا کو بھوکا رکھتے ہیں اور خود اپنا پیٹ بھرتے ہیں مگر خدا کے برگزیدہ بندے پہلے تمام دنیا کو کھلاتے ہیں پھر جو کچھ بچ رہتا ہے خود کھاتے ہیں، صحابہ کرام ؓ اللہ

۱: ادب المفرد باب من کانتہ لدحاجۃ فھو احق ان یذھب الیہ۔

۲: الریاض النضرۃ صفحہ ۱۱۱۔ ۳: ادب المفرد ات الکبر۔

۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

۵: استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ ۶: ایضاً۔

تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے، اس لئے انہوں نے اس خوان نعمت کو تمام دنیا کیلئے وسیع اور اپنے لئے تنگ کر دیا تھا۔

ایک بار حضرت عمر ﷺ نے مدینہ کی عورتوں میں چادر تقسیم فرمائی۔ ایک عمدہ چادر رہ گئی تو کسی نے کہا "اپنی بی بی ام کلثوم کو دے دیجئے۔" بولے "ام سلیطؓ اس کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں اور ہم کو پلاتی تھیں"۔[1]

ایک دن مسلمانوں کو حلے تقسیم فرمارہے تھے۔ ایک نہایت عمدہ حلہ نکلا تو لوگوں نے کہا "حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کو دے دیجئے۔" بولے "نہیں مہاجر بن سعید، ابن عتاب یا سلیط بن سلیط کو دوں گا"۔[2]

انہوں نے اپنے عہد خلافت میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد کے لحاظ سے تو پیالے تیار کرائے تھے اور جب میوہ یا کھانے کی کوئی عمدہ چیز آتی تو ان میں بھر کر ازواج مطہرات کی خدمت میں بھیجتے، لیکن سب سے آخری پیالہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھجواتے تھے، تاکہ جو کمی ہو وہ ان کے حصہ میں آئے۔[3]

لوگوں کے وظیفے مقرر فرمائے تو لوگوں نے کہا کہ رجسٹر میں پہلے اپنا نام درج فرمائیے بولے۔ "نہیں اپنے آپ کو وہیں رکھوں گا جہاں مجھ کو خدا نے رکھا ہے۔" چنانچہ قرابت داران رسول ﷺ کے نام پہلے لکھوائے، اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کا وظیفہ حضرت اسامہ بن زید ﷺ سے کم مقرر فرمایا، تو انہوں نے کہا "وہ مجھ سے کسی چیز میں آگے نہیں رہے" بولے "ان کے باپ تمہارے باپ سے اور وہ تم سے رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھے"۔[4]

امراء و عمال مقرر فرمائے تو اپنے خاندان کے کسی شخص کو کوئی عہدہ نہیں دیا ان کے خاندان میں صرف نعمان بن عدی ایک ایسے بزرگ ہیں، جن کو میسان کا عامل مقرر فرمایا تھا، لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کو ایک جرم پر موقوف بھی کر دیا۔[5]

اس سے بڑھ کر کیا ایثار نفسی ہو سکتی ہے کہ اپنے بعد جن لوگوں کو خلافت کیلئے منتخب فرمایا ان میں اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کی نسبت صاف تصریح کر دی کہ خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، چنانچہ بخاری میں یہ واقعہ بہ تصریح مذکور ہے۔

۱: بخاری کتاب الجہاد باب عمل النساء القرب الی الناس فی الغزو۔

۲: اصابہ تذکرہ عتاب۔

۳: موطا امام مالک کتاب الزکوۃ باب جزیتہ اھل الکتاب و المجوس۔

۴: فتوح البلدان صفحہ ۴۶۲۔

۵: اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۲۷، تذکرہ نعمان بن عدی۔

حق پسندی

اگر خود امراء و سلاطین میں حق پسندی کا مادہ موجود نہ ہو تو رعایا کی آزادی، نکتہ چینی اور حقوق طلبی بالکل بیکار ہے، لیکن صحابہ کرام ﷺ کے دور میں خود خلفاء میں حق پسندی کا اس قدر مادہ موجود تھا کہ ہر جائز نکتہ چینی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے، اس لئے ایک طرف تو ان نکتہ چینیوں کے عملی نتائج نکلتے تھے، دوسری طرف قوم میں جائز آزادی کا مادہ پیدا ہوتا تھا، جو خلافت کے استحکام کا سب سے قوی سبب تھا۔

ایک بار حضرت عمر ﷺ نے خزائن کعبہ کو تقسیم کرنا چاہا، لیکن حضرت شیبہ ﷺ نے اسکی مخالفت کی اور کہا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر ﷺ آپ سے زیادہ محتاج تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، حضرت عمر ﷺ نے تقسیم سے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔[1]

ایک بار حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ "بی بی کو شوہر کی دیت میں وراثت نہیں ملتی، حضرت ضحاک ابن سفیان ﷺ نے کہا نہیں اشیم انصابی کی بی بی کو رسول اللہ ﷺ نے تحریری فرمان کے ذریعہ سے اسکے شوہر کی دیت دلوائی تھی، حضرت عمر ﷺ نے فوراً اپنی رائے بدل دی۔[2]

ایک پاگل عورت مرتکب زنا ہوئی، لوگوں نے اس کو حضرت عمر ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے صحابہ کرام ﷺ کے مشورے سے رجم کا حکم دیا، لوگ اس کو سنگسار کرنے کیلئے جا رہے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آگئے اور واقعہ معلوم کرنے پر کہا کہ "اسکو واپس لے چلو"۔ حضرت عمر ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ پاگل مرفوع القلم ہے، پھر اس کو کیوں سنگسار کرتے ہیں؟ انہوں نے اس کو رہا کر دیا اور غلغلہ تکبیر بلند کیا۔[3]

ایک بار حضرت ابو مریم ﷺ ازدی حضرت امیر معاویہ ﷺ کے دربار میں آئے ان کو ان کا آنا ناگوار ہوا اور بولے کہ "ہم تمہارے آنے سے خوش نہیں ہوئے۔" انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا جس شخص کو مسلمانوں کا والی بنائے اگر وہ ان کی حاجتوں سے آنکھ بند کر کے پردہ میں بیٹھ جائے تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی حاجتوں کے سامنے پردہ ڈال دے گا۔" حضرت امیر معاویہ ﷺ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں کی حاجت براری کیلئے ایک مستقل شخص مقرر کر دیا۔[4]

۱۔ ابوداؤد کتاب المناسک باب فی مال الکعبۃ۔
۲۔ ابوداؤد فی المراۃ ترث من دیت زوجہا۔
۳۔ ابوداؤد کتاب الحدود باب فی المجنون یسرق او یصیب۔
۴۔ ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ۔

رحم و شفقت

اخلاقی کتابوں میں بادشاہ کو رعایا کا باپ کہا گیا ہے، لیکن دنیائے قدیم میں کتنے مسند آرائے سریر سلطنت گذرے ہیں اور دنیا جدید میں کتنے مدعیان تخت و تاج ہیں، جنہوں نے اپنے بچوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا ہے؟ لیکن صحابہ کرام ﷺ نہ صرف مجازاً بلکہ حقیقتاً ان بچوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے تھے اور ان سے دائمی اطاعت کا خاموش معاہدہ لیتے تھے۔

حضرت ابو بکر ؓ کو بچے دیکھتے تو دوڑ کر کہتے "اے باپ" وہ محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے۔[1] چھوکریاں کہتیں کہ آپ ہماری بکریوں کا دودھ کیوں نہیں دوہتے؟ وہ دودھ دوہ دیتے اور کہتے کہ اگر ضرورت ہو تو چرا بھی لاؤں۔ مدینہ کے کسی گوشہ میں ایک بڑھیا رہتی تھی، وہ رات کو جاتے اس کی ضروریات انجام دے آتے۔[2] جاڑوں کے دن میں چادریں خرید کر مدینہ کی بیواؤں میں تقسیم فرماتے۔[3]

حضرت عمر ؓ کا دور خلافت آیا تو ان کی قدیم شدت و جلادت کے تصور سے تمام صحابہ ؓ کانپ اٹھے، اور کہنے لگے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے؟ حضرت عمر ؓ کو خبر ہوئی تو ایک عام مجمع کیا اور منبر پر چڑھ کر فرمایا:

> "مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میری سختیوں سے گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عمر ہم پر سختی کرتے تھے، پھر حضرت ابو بکر ؓ خلیفہ ہوئے تو اس وقت بھی عمر ہمارے ساتھ سختی سے پیش آئے، اب جب کہ وہ خود خلیفہ ہوئے ہیں تو خدا جانے کیا غضب ہوگا؟" لوگوں نے یہ بالکل سچ کہا ہے، میں رسول اللہ ﷺ کا ایک خادم تھا اور آپ ﷺ کی رحمت و شفقت کا درجہ کون حاصل کر سکتا ہے؟ خدا نے خود آپ ﷺ کو رؤف و رحیم کہا ہے، جو خود خدا کا نام ہے، پھر ابو بکر ؓ خلیفہ ہوئے اور ان کے رفق و ملاطفت کا بھی آپ لوگوں کو انکار نہیں۔ میں ان کا بھی ایک خادم اور مددگار تھا، اس لئے ان کی نرمی کے ساتھ اپنی سختی کو ملا دیتا تھا اور تیغ بے نیام ہو جاتا تھا وہ چاہتے تھے تو اس سے وار کرتے تھے، ورنہ میان میں ڈال دیتے تھے، لیکن اب جب میں خود خلیفہ ہو گیا ہوں تو یقین کرو وہ سختی دوگنا ہوئی ہے، لیکن صرف ان لوگوں کیلئے جو مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں، رہے نیک اور دیندار لوگ تو میں ان کیلئے اس سے زیادہ نرم ہوں جس قدر وہ باہم نرم خو ہیں۔[4]

۱۔ الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ جلد ۲ صفحہ ۳۔
۲۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابو بکرؓ۔
۳۔ کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۱۔
۴۔ الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ جلد ۲ صفحہ ۳۔

حدیث رجال اور تاریخ کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ محفوظ ہے۔ ان سب پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس خطبہ کا ایک ایک لفظ کس قدر سچائی، کس قدر صداقت اور کس قدر استبازی سے لبریز تھا، انہوں نے کہا تھا کہ وہ دیندار لوگوں کیلئے سب سے زیادہ نرم ہوں گے۔ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ در حقیقت ایسے ہی تھے۔ حضرت سعید بن یربوعؓ ایک صحابی تھے جو ان کے عہد خلافت میں اندھے ہو گئے تھے، حضرت عمرؓ ان کے پاس تعزیت کو آئے اور کہا کہ "کوئی جمعہ ناغہ نہ کرنا اور مسجد نبوی میں برابر شریک جماعت ہونا۔" بولے مجھے کون لے جائے گا؟ پلٹے تو اس کام کیلئے ان کے پاس ایک غلام بھیج دیا۔[1]

ایک بار حضرت احنف بن قیس بصرہ کے وفد کے ساتھ آئے اور کہا کہ "ہم ایک بنجر زمین میں آباد ہیں، اس کے مشرقی جانب کھاری سمندر ہے اور مغرب جانب چٹیل میدان، نہ ہمارے پاس کھیت ہیں نہ مویشی، دو کوس سے ضعیف لوگ پانی لاتے ہیں، عورتیں پانی بھرنے جاتی ہیں تو بچوں کو بکری کی طرح باندھ دیتی ہیں، کہ کہیں درندے نہ اٹھا لے جائیں تو کیا آپ ہماری ضرورت پوری نہ کریں گے؟ حضرت عمرؓ نے فوراً بصرہ کے بچوں کے وظیفے مقرر کر دیئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھ بھیجا کہ ان کیلئے ایک نہر کھدوا دیں۔[2]

جن عورتوں کے شوہر سفر میں ہوتے ان کے گھر خود تشریف لے جاتے، دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کرتے اور کہتے تمہیں کوئی ضرورت ہے؟ تمہیں کسی نے ستایا تو نہیں؟ اگر تمہیں سودے سلف کی ضرورت ہو تو میں خرید دوں مجھے خوف ہے کہ بیع و شراء میں تم لوگ دھوکہ نہ کھا جاؤ، وہ اپنی لونڈیاں ساتھ کر دیتیں، بازار میں جاتے تو ان لونڈیوں اور غلاموں کا جمگھٹ ساتھ ہوتا، ان کا سودا سلف خرید دیتے، جن کے پاس دام نہ ہوتے خود اپنی گرہ سے دے دیتے، مجاہدین کے خطوط آتے تو خود ان کی بی بیوں کے پاس لے کر جاتے اور کہتے کہ اگر کوئی پڑھنے والا نہ ہو تو دروازہ کے قریب آ جاؤ میں پڑھ دوں، قاصد فلاں دن جائے گا، جواب لکھوا رکھو کہ بھیج دوں، پھر خود ہی کاغذ دوات لے کر جاتے، جن عورتوں کے خطوط تیار ہوتے ان کو لے لیتے، ورنہ کہتے کہ دروازے کے پاس آ جاؤ میں خود لکھ دوں، سفر میں ہوتے تو اپنے اونٹ پر ستو، کھجور، مشک اور پیالے ساتھ رکھتے، جو لوگ کسی ضرورت سے پاس آتے ان سے کہتے کہ لو کھاؤ، جب لوگ کوچ کر چکتے تو منزل کی دیکھ بھال فرماتے، اگر کوئی چیز گری ہوتی تو اٹھا لیتے، اگر کوئی شخص لنگڑا لولا ہوتا یا اس کا اونٹ بیمار ہوتا تو اس کیلئے کرایہ کا اونٹ کر دیتے، قافلہ روانہ ہوتا تو پیچھے پیچھے چلتے، کوئی چیز گر پڑتی تو اٹھا لیتے، لوگ منزل پر اترتے تو گمشدہ چیزوں کی تلاش میں

---

1. اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن یربوعؓ۔
2. فتوح البلدان صفحہ ۳۶۴۔

خود امیر المومنین کے پاس آتے۔[1]

ایک بار بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک نوجوان عورت آئی اور کہا کہ "یا امیر المومنین میرا شوہر مر گیا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں، نہ وہ کوئی کام کر سکتے ہیں نہ ان کے پاس کھیتی ہے نہ مویشی، مجھے خوف ہے کہ ان کو درندے نہ کھا جائیں میں خفاف بن ایماء الغفاری کی لڑکی ہوں، جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے، حضرت عمر ؓ فوراً ٹھہر گئے، وہاں سے پلٹے تو ایک اونٹ پر غلہ لائے اور ہاتھ میں اونٹ کی مہار دے کر کہا "اس کو ہانک کر لے جاؤ، جب یہ ختم ہو جائے گا تو خدا پھر دے گا۔" ایک شخص نے کہا "اے امیر المومنین آپ نے اس کو بہت دیا۔ بولے "ارے کم بخت اس کے باپ اور بھائی دونوں نے میرے سامنے ایک قلعہ کا مدتوں محاصرہ کیا اور اس کو فتح کیا۔"[2]

ایک بار سفر حج کو جا رہے تھے، راہ میں ایک بوڑھا ملا اور اس نے قافلہ کو روک کر پوچھا کہ تم میں رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جب معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا وصال ہو چکا تو اس نے شدت گریہ و بکا کیا، پھر پوچھا آپ ﷺ کے بعد خلیفہ کون ہوا؟ حضرت عمر ؓ نے حضرت ابو بکر ؓ کا نام بتایا۔ بولا وہ تم میں ہیں؟ جب اس کو ان کی وفات کی خبر ہوئی تو پھر اسی طرح گریہ وزاری کی، پھر پوچھا کہ ان کے بعد کس نے زمام خلافت ہاتھ میں لی؟ بولے عمر بن الخطاب (ؓ)، اس نے پوچھا وہ تم میں ہیں؟ جواب دیا تم سے وہی گفتگو کر رہے ہیں، اس نے کہا "تو میری فریاد رسی کیجئے، مجھے کوئی فریاد رس نہیں ملتا۔" حضرت عمر ؓ نے کہا کہ "تم کون ہو؟ تمہاری فریاد سن لی گئی۔" بولا "میرا نام ابو عقیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دعوت اسلام دی۔ میں آپ ﷺ پر ایمان لایا۔ آپ ﷺ نے مجھے ستو پلایا اور میں اب تک اس کی سیری و سیرابی کو محسوس کرتا ہوں، پھر میں نے بکری کا ایک گلہ خریدا اور اب تک اس کو چراتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں، لیکن اس سال بد بختی نے ایک بکری کے سوا کچھ نہیں چھوڑا تھا، مگر اس کو بھی بھیڑیا اٹھا لے گیا اب آپ میری دستگیری فرمائیے۔" حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ "ہم سے چشمہ پر ملو۔" منزل پر پہنچے تو اونٹنی کی لگام پکڑے بھوکے پیاسے بڈھے کا انتظار کرتے رہے، لوگ آ چکے تو صاحب حوض کو بلا کر کہا کہ فلاں بوڑھا آئے تو اس کے اور اس کے اہل و عیال کو کھلاتے پلاتے رہو یہاں تک کہ میں حج سے واپس آ جاؤں۔ حج سے پلٹے تو صاحب حوض سے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔ اس نے کہا کہ وہ مبتلائے بخار آیا تھا اور تین دن کے بعد مر گیا۔ میں نے اس کو دفن کر دیا اور یہ اس کی قبر ہے۔ حضرت عمر ؓ نے فوراً اس کی قبر پر نماز پڑھی اور اس

۱: الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ جلد ۲ صفحہ ۴۵ بروایت ابو حذیفہ۔

۲: بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیہ۔

سے لپٹ کر رو ئے اور اس کے اہل و عیال کو ساتھ لے گئے اور تا دم مرگ ان کی وجہ معاش کے متکفل رہے۔[1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بازاروں میں جاتے تو بھولے بھٹکے لوگوں کو راستہ دکھاتے، حمالوں کے سر پر بوجھ اٹھا دیتے، اگر کسی کے جوتے کا تسمہ گر جاتا تو اسے اٹھا کر دے دیتے اور یہ آیت پڑھتے۔

تلك الدار الاخرة نجعلها للذين لايريدون علوا فى الارض و لا فسادا و العاقبة للمتقين۔[2]

ہم نے دار آخرت کو ان لوگوں کیلئے بنایا ہے جو زمین میں فساد اور غلبہ حاصل کرنا نہیں چاہتے اور عاقبت صرف پرہیز گاروں کیلئے ہے۔

حلم و عفو

حلم و عفو سیادت کا ایک ایسا ضروری عنصر ہے کہ عرب کے ان پڑھ بدو بھی اس سے واقف تھے، چنانچہ ایک جاہلی شاعر کہتا ہے،

اذا شئت یوما ان تسود عشیرۃ
فبا لحلم سد لا بالتسرع و الشتم

اگر تم کسی قبیلہ کے سردار بننا چاہتے ہو
تو حلم و بردباری کے ساتھ سرداری کرو نہ اشتعال و شتم کے ساتھ

بالخصوص عرب کی مشتعل طبیعتوں پر تو صرف یہی ایک ایسی چیز تھی جو چھینٹا ڈال سکتی تھی، اگر ان کے ساتھ سخت برتاؤ کیا جاتا تو روز بغاوت کے شعلے بلند ہوتے، اس لئے صحابہ کرام ﷺ نے نہایت معتدل اصول سیاست اختیار فرمایا تھا۔

کان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ یقول لایصلح ھذا الامر الا بشدۃ فی غیر تجبیر و لین فی غیر دھن۔[3]

حضرت عمر ؓ فرماتے تھے کہ خلافت اس وقت تک صحیح اصول پر قائم نہیں رہ سکتی جب تک ایسی سختی نہ کی جائے جو ظلم کی حد تک نہ پہنچے اور ایسی نرمی نہ اختیار کی جائے جو کمزوری پر مبنی ہو۔

لیکن یہ سختی بھی حقوق العباد اور حقوق اللہ تک محدود تھی ورنہ ذاتی معاملات میں وہ روئی

۱: اسد الغابہ تذکرہ ابو عقیل۔
۲: الریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۴۔
۳: کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف۔

کے گالے کی طرح نرم ہو جاتے تھے، حضرت عمر ؓ نے حضرت خالد بن ولید ؓ کی معزولی کا اعلان کیا تو ایک شخص نے کہا،

ما عدلت یا عمر لقدنز نزعت عاملا استعمله رسول اللّٰه ﷺ وغمدت سیفا سله رسول ﷺ دو صنعت لواء نصبه رسول اللّٰه ﷺ ولقد قطعت الرحم و حدت ابن العم۔

عمر تم نے انصاف نہیں کیا اور ایک ایسے عامل کو معزول کیا جس کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا اور اپنی تلوار کو میان میں کر دیا جس کو آنحضرت ﷺ نے کھینچا تھا۔ ایک ایسے جھنڈے کو پست کر دیا جس کو آنحضرت ﷺ نے قائم کیا تھا، تم نے قطع رحم کیا اور اپنے چچازاد بھائی پر حسد کیا،

یہ الفاظ مجمع عام میں کہے گئے تاہم حضرت عمر ؓ نے ان کو سن کر صرف اس قدر کہا کہ تم کو کم سنی اور قرابت مندی کی بناء پر اپنے چچازاد بھائی کی حمایت میں غصہ آگیا۔[1] ایک دفعہ وہ مسجد سے آ رہے تھے، راہ میں ایک صحابیہ سے ملاقات ہوگئی اور انہوں نے ان کو سلام کیا، بولیں "اے عمر میں نے تمہارا وہ زمانہ دیکھا ہے، جب تم کو لوگ عکاظ میں عمر ؓ کہتے تھے اور اب تو تمہارا لقب امیر المومنین ہے، پس رعیت کے معاملہ میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذاب خداوندی سے ڈرے گا اس پر بعید قریب ہو جائے گا اور جو موت سے ڈرے گا اس کو فوت ہو جانے کا خوف لگا رہے گا۔" ایک شخص جو ساتھ میں تھے بولے بی بی تم نے تو امیر المومنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا، لیکن حضرت عمر ؓ نے کہا جانے دو، یہ خولہ بنت حکیم ہیں اور عبادہ ابن صامت کی بی بی ہیں، اللہ تعالیٰ نے سات آسمان کے اوپر سے ان کی بات سن لی تھی، پھر عمر کو تو اور سننا چاہئے۔[2]

مساوات فی الحقوق

رعایا اگرچہ بادشاہ کے تفوق و امتیاز کو گوارا کر لیتی ہے لیکن وہ باہمی تفریق و امتیاز کو کبھی گوارا نہیں کر سکتی، اس لئے اگر کوئی بادشاہ تمام رعایا کو اپنا گرویدہ بنانا چاہتا ہے تو اس کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ ان کے حقوق میں ہمواری اور مساوات پیدا کرے، صحابہ کرام ؓ کے دور خلافت کے ابتدائی زمانہ میں جو اتفاق و اتحاد قائم رہا، اس کا سنگ بنیاد خلفاء کا یہی مساویانہ طرز عمل تھا، اول اول حضرت ابو بکر ؓ کے سامنے جب خراج و زکوۃ کا مال آیا تو انہوں نے سب پر

۱: اسد الغابہ تذکرہ احمد بن حفص مخزومی۔

۲: اصابہ تذکرہ خولہ بنت مالک قرآن مجید کی یہ آیت قد سمع اللّٰه قول التی تجادلک الخ انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور حضرت عمرؓ کا اشارہ اسی آیت کی طرف ہے۔

برابر برابر تقسیم کر دیا اور چھوٹے بڑے، آزاد غلام، مرد اور عورت سب نے سات سات درہم سے کچھ زیادہ پایا، دوسرے سال اس سے زیادہ مال آیا اور ہر شخص کو بیس بیس درہم ملے، اللہ تعالی کے اس فضل و برکت کو دیکھ کر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے تمام لوگوں کو برابر کر دیا ،حالانکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے فضائل ان کی ترجیح کی سفارش کرتے ہیں، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ "فضائل کا ثواب خدا دے گا، یہ معاملہ معاش کا معاملہ ہے، اس میں مساوات ہی بہتر ہے"۔[1]

حضرت عمر ؓ نے اگرچہ فضائل کے لحاظ سے وظائف کے مختلف مدارج قائم کئے، تاہم ان کے دل میں بھی یہ ناہمواری ہمیشہ کھٹکتی رہتی تھی، چنانچہ اپنی خلافت کے اخیر زمانہ میں خود یہ الفاظ فرمائے۔

> انی كنت تالفت الناس بما صنعت في تفضيل بعض على بعض وان عشت هذه السنته ساديت بين الناس فلم افضل احمر على اسود ولا عربيا على عجمي وصنعت كماصنع رسول الله و ابوبكر۔[2]
>
> میں نے بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر جو ترجیح دی تھی اس کا مقصد صرف تالیف قلوب تھا، لیکن اگر اس سال زندہ رہا تو سب کے حقوق برابر کر دوں گا اور سرخ کو سیاہ پر، عربی کو عجمی پر کوئی ترجیح نہ دوں گا، اور وہی طرز عمل اختیار کروں گا جو رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر ؓ نے کیا تھا۔

رعایا کے حقوق کا اعلان

رعایا اور بادشاہ کے تعلقات اس قدر نازک، مشتبہ اور پیچیدہ ہوتے ہیں، کہ اگر وضاحت کے ساتھ ان کا اعلان نہ کر دیا جائے تو رعایا کے تمام حقوق و مطالبات پامال ہو جائیں، یہی وجہ ہے کہ ظالم سلطنتیں ان حقوق سے رعایا کو عموماً ناواقف رکھنا چاہتی ہیں اور ان کا تفصیلی اعلان تو عادل سے عادل سلطنت بھی نہیں کرتی، لیکن صحابہ کرام ؓ دنیا میں معیار عدل کے قائم کرنے کیلئے آئے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے دور خلافت میں نہایت بلند آہنگی کے ساتھ ان حقوق کا اعلان کیا، چنانچہ حضرت عمر ؓ نے خاص اس موضوع پر ایک خطبہ دیا، جس میں نہایت تفصیل کے ساتھ خلیفہ رعایا کے حقوق و اختیارات بتائے، انہوں نے فرمایا،

> صاحبو! کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ معصیت الٰہی میں اس کی اطاعت کی جائے صرف تین طریقے ہیں جن کے اختیار کرنے سے یہ مال مال صالح ہو سکتا

۱: کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف صفحہ ۲۴۔
۲: یعقوبی مطبوعہ یورپ جلد ۲ صفحہ ۱۷۶۔

ہے یہ کہ [1] حق کے ساتھ وصول کیا جائے، حق میں صرف کیا جائے اور ناجائز طریقے سے اس کو نہ خرچ کیا جائے، میری اور تمہارے مال کی مثال یتیم کے ولی کی مثال ہے، اگر میں متمول ہوں گا تو اس کے لینے سے احتراز کروں گا اور اگر محتاج ہوں گا تو نیکی کے ساتھ اس کو بقدر ضرورت اپنے اوپر صرف کروں گا، میں کسی کو یہ موقع نہ دوں گا کہ وہ کسی پر ظلم کرے، اگر کسی نے ایسا کیا تو میں اس کے چہرے کو اپنے پاؤں سے مسل دوں گا کہ راہ حق پر آ جائے۔

مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں، جن کو میں اس لئے بیان کرتا ہوں کہ تم مجھ سے ان کا مطالبہ کر سکو، میرا فرض ہے کہ میں خراج اور خمس کا مال جائز طریقہ سے وصول کروں، میرا فرض ہے کہ جب وہ مال میرے ہاتھ میں آ جائے تو اس کے مصارف صحیحہ میں صرف کروں، میرا فرض ہے کہ تمہارے وظائف کو بڑھاؤں اور سرحد کی حفاظت کروں اور میرا فرض ہے کہ تم کو خطرے میں نہ ڈالوں۔

لیکن ان حقوق کی عملی تشکیل زیادہ تر امراء و عمال کے ہاتھ میں تھی اس لئے ان کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اچھی طرح سن لو میں نے تم کو ظالم و جبار بنا کر نہیں بھیجا۔ میں نے تم کو ائمہ ہدیٰ بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہارے ذریعہ سے سیدھی راہ پائیں، پس فیاضی کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق دو، نہ ان کو مارو کہ وہ ذلیل ہو جائیں، نہ ان کی مدح و ستائش کرو کہ ان کو تمہارے ساتھ گرویدگی پیدا ہو۔ ان کے سامنے اپنے دروازے بند رکھو کہ قوی ضعیف کو نگل جائے اپنے آپ کو ان پر ترجیح دے کر ان پر ظلم نہ کرو، ان کے ساتھ جہالت سے نہ پیش آؤ، ان کے ذریعہ سے کفار کے ساتھ جہاد کرو لیکن اس معاملہ میں ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو، اگر وہ تھک جائیں تو رک جاؤ، لوگو تم گواہ رہو کہ میں نے ان امراء کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں، ان پر مال غنیمت تقسیم کریں ان کے مقدمات کے فیصلے کریں اور اگر کوئی مشکل مسئلہ پیش آ جائے تو اس کو میرے سامنے پیش کریں۔ [2]

مشورہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ خصوصیت بتائی ہے،

امرھم شوریٰ بینھم

1: یعقوبی مطبوعہ یورپ جلد ۲ صفحہ ۱۷۶۔
2: کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف صفحہ ۶۷۔

ان کے تمام کام مشورے سے چلتے ہیں۔

اور صحابہ کرام ؓ کا دور خلافت اس آیت کی عملی تفسیر تھا، حضرت ابو بکر ؓ سیاست کی مہمات مسائل کے علاوہ مقدمات کا فیصلہ بھی مشورہ کے بغیر نہیں کرتے تھے، مسند دارمی میں ہے،

کان ابوبکر اذاورد علیه الخصم نظر فی کتاب الله ثم فی السنته ثم استشار المومنین

حضرت ابو بکر ؓ کے پاس جب کوئی فریق مقدمہ لے کر آتا تو پہلے کتاب و سنت پر نظر ڈالتے، پھر تمام مسلمانوں سے مشورہ لیتے۔

انہوں نے مہاجرین وانصار کی ایک مجلس شوریٰ قائم کی تھی، جس میں حضرت عمر ؓ، حضرت عثمان ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ، حضرت معاذ بن جبل ؓ، حضرت ابی بن کعب ؓ، حضرت زید بن ثابت ؓ لازمی طور پر شریک کئے جاتے تھے۔[1] یہی مجلس شوریٰ تھی جس کو حضرت عمر ؓ نے دور خلافت میں نہایت وسیع، نہایت باضابطہ اور نہایت مکمل کر دیا، لیکن حضرت عمر ؓ کے زمانے میں فتوحات کی کثرت اور ملک کی وسعت کی بناء پر اس قدر کثرت سے بحث طلب مسائل پیدا ہوئے کہ ان کیلئے ایک دوسری مجلس کی ضرورت پیش آئی، اس لئے انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں ایک دوسری مجلس شوریٰ قائم کی جس میں صرف مہاجرین شریک ہوتے تھے۔

چنانچہ علامہ بلاذری فتوح البلدان میں لکھتے ہیں۔

کان للمهاجرین مجلس فی المسجد فکان عمر یجلس معهم فیه ویحدثهم عما ینتهی الیه من امراه فاق۔[3]

مسجد نبوی میں مہاجرین کی ایک مجلس قائم تھی جس میں حضرت عمر ؓ ان معاملات کے متعلق گفتگو کرتے تھے، جو ان کی خدمت میں اطراف ملک سے پیش ہوتے تھے۔

ان مجالس کے ذریعہ سے جو امور طے ہوئے وہ بہ تفصیل حدیث و تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

نبوت و خلافت میں تفریق و امتیاز

جس طرح عدم تفریق و امتیاز نے نبوت والوہیت کے ڈانڈے ملا دیئے تھے اور دنیا نے انبیاء کو صفات الٰہی کا مظہر قرار دے لیا تھا، اسی طرح اگر نبوت و خلافت میں تفریق و امتیاز قائم نہ کی

۱: کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف صفحہ ۲۲، ۲۳۔

۲: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۴ بحوالہ طبقات ابن سعد۔

۳: فتوح البلدان صفحہ ۴۷۶۔

جائے تو دونوں کے حدود باہم مل جائیں، خلیفہ پیغمبر کا قائم مقام ہوتا ہے، پیغمبر ہی کی طرح اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے، خدا خود فرماتا ہے۔

اطیعو اللّٰہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم

خدا کی، خدا کے رسول کی اور امراء کی اطاعت کرو۔

اس بناء پر اگر خلیفہ اور پیغمبر کی حیثیتیں الگ الگ نہ قائم کی جائیں تو کچھ دنوں میں دونوں ایک ہو جائیں اور شرک فی النبوۃ کی ایک جدید قسم پیدا ہو جائے، صحابہ کرام ﷡ نے خلافت الٰہی کو قائم کیا تو سب سے پہلے نبوت و خلافت میں تفریق و امتیاز قائم کر کے دنیا کو ایک عام غلط فہمی سے محفوظ رکھا، اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو مورد سب و شتم بنائے تو اس کی سزا موت ہے اور خود آپ کے عہد مبارک میں اس کی نظیر قائم ہو چکی ہے۔ خلیفہ کے ادب و احترام کا قائم رکھنا بھی اگرچہ امت کا فرض ہے، تاہم اس کو اس معاملہ میں وہ درجہ نہیں حاصل ہو سکتا، جو رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھا، حضرت ابو بکر ﷜ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس نکتہ کو سمجھا اور نبوت و خلافت میں فرق و امتیاز قائم کیا، ایک بار وہ کسی شخص کو سخت برہم ہوئے، سامنے ایک دوسرے صحابی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے تیور دیکھ کر کہا "ارشاد ہو تو اسکی گردن اڑا دوں"۔ غصہ فرو ہوا تو ان کو بلا کر پوچھا کہ اگر میں حکم دیتا تو تم واقعی اس کو قتل کر ڈالتے۔ "بولے "ہاں۔" فرمایا "خدا کی قسم محمد ﷺ کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے"۔[1]

ایک بار کسی نے انکو خلیفہ اللہ کہا بولے "میں خلیفہ اللہ نہیں خلیفۃ الرسول ﷺ ہوں"۔[2]

خانہ جنگی سے اجتناب

اخیر زمانے میں اگرچہ مسلمانوں کی تلواریں خود مسلمانوں کے خون سے سیراب ہونے لگیں، لیکن متعدد تربیت یافتگان عہد نبوت نے اپنے دامن کو اس کی چھینٹوں سے محفوظ رکھا سب سے پہلے حضرت عثمان ﷜ کے زمانہ میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکی، لیکن جب بعض لوگوں نے ان کو معرکہ آراء ہونے کا مشورہ دیا، تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ "مجھ سے یہ نہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ بنوں اور خود آپ ہی کی امت کا خون بہاؤں۔"[3]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں یہ شعلے بلند ہوئے تو حضرت احنف بن قیس ﷜ ان کی حمایت کیلئے اٹھے اتفاق سے حضرت ابو بکرہ ﷜ سے ملاقات ہو گئی، انہوں نے ان کو روکا

۱: ابو داؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبیؐ۔
۲: استیعاب تذکرہ حضرت ابو بکرؓ۔
۳: مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۶۷ مسند عثمانؓ۔

اور کہا کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر دو مسلمان باہم جنگ کریں تو دونوں جہنمی ہیں"۔[1]

جنگ صفین میں حامیان علی رضی اللہ عنہ نے جب حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا کہ وہ جنگ کرنے میں لیت و لعل کرتے ہیں تو بولے ہم نے جب کسی مہم کیلئے کندھے پر تلوار رکھی تو خدا نے اس مشکل کو آسان کر دیا، البتہ یہ جنگ ایسی ہے کہ ہم مشک کا ایک منہ بند کرتے ہیں تو دوسرا کھل جاتا ہے (یعنی ایک کے طرفدار ہو کر لڑتے ہیں تو فریق مخالف بھی مسلمان ہی ہوتا ہے۔ جس سے جنگ کرنا نا جائز ہے۔) کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیونکر شریک ہوں۔[2]

حجاج و حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خانہ جنگی ہوئی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دو شخص آئے اور کہا کہ لوگ تباہ ہو گئے، آپ عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، آپ کیوں نہیں اٹھتے۔ بولے "اسلئے کہ خدا نے میرے بھائی کا خون حرام کر دیا ہے۔" دونوں نے کہا کہ خدا تو خود کہتا ہے

فقاتلوهم حتى لاتكون فتنة

جہاد کرو تا کہ فتنہ و فساد نہ ہونے پائے۔

بولے اتنا تو ہم لڑ چکے کہ فتنہ دب گیا اور دین خدا کا ہو گیا اور اب تم لوگ اس لئے لڑنا چاہتے ہو کہ اور بھی فتنہ و فساد ہو اور دین خدا کے سوا دوسرے کا ہو جائے۔[3]

متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے تھے جو نہ صرف خود الگ رہتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس خانہ جنگی سے الگ رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ حجاج اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ میں جنگ ہوئی تو حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے عسعس بن سلامہ کے پاس قاصد بھیجا کہ تم لوگوں کو جمع کرو میں ان کے سامنے ایک حدیث بیان کروں گا۔ لوگ جمع ہوئے تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ بھیجا، مقابلہ ہوا تو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک کافر پر تلوار ماری، اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا، لیکن انہوں نے اس کا کام تمام کر دیا، آپ کو معلوم ہوا تو وہ ہزار عذر کرتے رہے، لیکن آپ یہی کہتے رہے کہ قیامت کے دن اس کے لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے۔[4]

عمرو بن سعید یزید کی جانب سے مدینہ کا گورنر تھا، حجاج اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ ہوئی تو اس نے مکہ کو فوج بھیجنا چاہی، لیکن حضرت ابو شریح انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "اگر اجازت ہو تو وہ حدیث بیان کروں جس کا آپ نے فتح مکہ کے دن اعلان کیا تھا، آپ

۱: بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاہلیۃ۔
۲: بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیۃ
۳: بخاری کتاب التفسیر باب قولہ قاتلوهم حتی لاتکون فتنۃ۔
۴: مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان من مات لایشرک باللہ شیئا دخل الجنۃ وان مات مشرکا دخل النار۔

نے فرمایا تھا کہ مکہ کو خدا نے حرم بنایا ہے نہ کہ آدمیوں نے، اس لئے کسی مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے۔[1] اگر عمرو بن سعید نے اس حدیث پر عمل کیا ہو تا تو اس آگ کے ایندھن میں کم از کم بہت کچھ کمی آجاتی۔ لیکن اس نے کہا "مجھے تم سے زیادہ اس کا علم ہے، مکہ نافرمانوں اور خونیوں کو اپنی دامن میں پناہ نہیں دے سکتا۔"[1]

جب ابن زیاد اور مروان نے شام میں اور حضرت ابن زبیر ﷛ نے مکہ میں اور قراء نے بصرہ میں یہ طوفان اٹھایا تو بعض لوگ حضرت ابو برزہ اسلمی ﷛ کے پاس آئے اور اس پر افسوس ظاہر کیا، بولے مجھے قریش پر سخت غصہ آتا ہے، اے گروہ عرب تم جس ذلت، جس گمراہی اور جس افلاس میں مبتلا تھے، وہ تم کو معلوم ہے، پھر خدا نے تم کو اسلام اور محمد ﷺ کے ذریعہ سے نجات دلائی یہاں تک کہ اس درجہ کو پہنچے، اب دنیا نے پھر تم کو برباد کر دیا، یہ جو کچھ شام میں ہو رہا ہے خدا کی قسم وہ صرف دنیا کیلئے ہے۔[2]

اگر رعایا میں کسی قسم کی بے چینی اور اضطراب کے آثار نمایاں ہوتے تو قبل اس کے کہ یہ چنگاریاں بھڑکیں صحابہ کرام ﷛ پند و نصیحت کے چھینٹوں سے ان کو بجھانے کی کوشش کرتے، حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷛، حضرت امیر معاویہ ﷛ کی جانب سے کوفہ کے گورنر تھے، ان کا انتقال ہوا تو رعایا میں بے چینی کے آثار نمودار ہوئے، حضرت جریر بن عبداللہ ﷛ نے اسی وقت ایک خطبہ دیا، جس کے الفاظ یہ ہیں۔

علیکم باتقاء للّٰہ وحدہ لاشریك له والوقار والسکینة حتی یاتیکم امیر فانما یاتیکم الان استعفوا لامیر فانه کان لیحب لعفو۔[3]

تمہارے لئے اس حالت میں تقویٰ، وقار اور سکون لازم ہے، یہاں تک کہ دوسرا امیر آئے اور وہ آنیوالا ہے۔ اپنے امیر کو معاف کرو، کیونکہ وہ معافی کو دوست رکھتا ہے۔

متعدد صحابہ ﷛ نے اس کشمکش سے الگ ہو کر عزلت گزینی اختیار کر لی تھی، حضرت ابن الحنظلیہ ﷛ دنیا سے قطع تعلق کر کے دمشق میں گوشہ نشین ہو گئے تھے اور شب و روز نماز اور تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے۔[4]

حضرت عثمان ﷛ کی شہادت کے بعد حضرت سلمہ بن اکوع ﷛ ربذہ میں چلے گئے اور عمر بھر وہیں مقیم رہے، صرف وفات سے دو چار روز پیشتر مدینہ میں آگئے تھے، وہاں انہوں نے

۱: بخاری کتاب العلم الیبلغ العلم الشاھد الغائب۔
۲: بخاری کتاب الفتن۔
۳: بخاری کتاب الایمان باب قول النبی الدین النصیحة
۴: ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار

شادی بھی کرلی تھی اور اولاد بھی ہوئی تھی، ایک بار حجاج نے ان سے کہا کہ "اس گوشہ گیری نے تم کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا"۔ بولے نہیں مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے اسکی اجازت دی تھی۔[۱]

حضرت سعد بن وقاص ؓ نے اگرچہ عمر بھر فوجی زندگی بسر کی تھی، تاہم حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے بعد جب خانہ جنگی ہوئی تو اس میں بالکل حصہ نہیں لیا اور خانہ نشین ہو گئے، ان کے لڑکے اور بھائی نے ترغیب دی کہ خود دعوی خلافت کریں، حضرت امیر معاویہ ؓ نے اعانت کی خواہش کی لیکن وہ اپنے گوشہ عزلت سے نہیں نکلے۔[۲]

حضرت سعید بن عاص ؓ نے بھی فتنہ کے خوف سے بالکل عزلت گزینی اختیار کر لی اور جنگ صفین و جمل کسی میں شریک نہیں ہوئے۔[۳]

چنانچہ حضرت ہیب ؓ اس زمانہ میں مصر کے ایک وادی میں گوشہ نشین ہو گئے اور وہیں وفات پائی، چنانچہ ان کے انتساب سے ان کا نام وادی ہیب پڑ گیا۔[۴]

یزید بن معاویہ ؓ نے حضرت ابو اشعث صنعانی ؓ کو حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے مقابلہ کیلئے بھیجا تو وہ مدینہ میں ایک صحابی کے یہاں اترے اور ان سے کہا کہ اس فتنہ سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ بولے میرے دوست ابو القاسم ﷺ نے مجھے وصیت کی ہے کہ اگر اس قسم کے واقعات پیش آئیں تو احد پر جا کر اپنی تلوار توڑ ڈالو اور خانہ نشین ہو جاؤ، اگر کوئی جنگجو تمہارے گھر میں گھس آئے تو بستر پر چلے جاؤ، اگر بستر کی طرف بھی بڑھے تو گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ اور کہو کہ اپنے اور میرے دونوں کے گناہوں کا وبال اپنے سر پر لو اور دوزخ میں چلے جاؤ اس لئے میں نے تلوار توڑ ڈالی ہے اور خانہ نشین ہو گیا ہوں۔[۵]

اطاعت خلفاء

معصیت الٰہی کے سوا ہر موقع پر صحابہ کرام ؓ کی گردنیں خلفاء کے سامنے جھک جاتی تھیں، صحابہ کرام ؓ کیلئے روایت حدیث سے زیادہ محبوب اور واجب العمل کوئی کام نہ تھا، تاہم جب حضرت عمار ؓ نے حضرت عمر ؓ کے سامنے ایک حدیث بیان کی اور انہوں نے اس پر ٹوک دیا، تو کمال اطاعت گذاری کے لہجے میں بولے کہ "اے امیر المومنین اگر آپ فرمائیں تو میں کبھی اس حدیث کی روایت نہ کروں"۔[۶]

۱: بخاری کتاب الفتن باب التعرب فی الفتنہ۔
۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن وقاص ؓ۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن عاص ؓ۔
۴: حسن المحاضرہ جلد اول صفحہ ۱۰۰۔
۵: مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۲۶۔ ۶: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب التیمم

ایک بار حضرت ابو بکر ؓ ایک شخص پر سخت برہم ہوئے، سامنے ایک صحابی بیٹھے ہوئے تھے، بولے ارشاد ہو تو اس کی گردن اڑادوں، غصہ فرد ہوا تو پوچھا کہ اگر میں حکم دیتا تو تم واقعی اس[1] کو قتل کرڈالتے؟ بولے ہاں۔

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے حج کے متعلق لوگوں کو فتویٰ دیا، لیکن ایک آدمی نے کہا ابھی آپ ٹھہر جائیے، کیونکہ امیر المومنین (حضرت عمر ؓ) نے دوسرا تغیر کیا ہے، انہوں نے فوراً لوگوں سے کہا کہ میں نے جو فتویٰ دیا ہے اس پر عمل نہ کرو، امیر المومنین آرہے ہیں، ان کی اقتداء کرو۔[2]

حضرت ابوذر ؓ اور امیر معاویہ ؓ میں ایک آیت کے متعلق اختلاف ہوا اور یہ اختلاف اس قدر بڑھا کہ امیر معاویہ ؓ نے حضرت عثمان ؓ کی خدمت میں ان کی شکایت کی، انہوں نے ان کو بلوا بھیجا اور کہا کہ اگر آپ دمشق سے منتقل ہو کر ربذہ میں آجاتے تو ہم سے قریب تر ہو جاتے، انہوں نے بخوشی ان کی اطاعت کی اور ربذہ میں آکر مقیم ہو گئے، وہ خود فرماتے ہیں۔

ولو امروا علی حبشیا سمعت و اطعت[3]

اگر لوگ مجھ پر حبشی کو بھی امیر بناتے تو میں اس کی اطاعت کرتا۔

حضرت عمر ؓ نے ایک انصاریہ سے نکاح کیا، اس سے بچہ پیدا ہوا اس کے بعد طلاق دے دی، ایک دن قبا میں آئے دیکھا کہ بچہ کھیل رہا ہے اٹھا کر اپنے سامنے اونٹ پر بٹھالیا۔ لڑکے کی نانی آئی اور بچے کو چھیننا چاہا، معاملہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو حضرت ابو بکر ؓ نے فرمایا بچے کو عورت کے حوالے کردو، حضرت عمر ؓ چپ چاپ[4] چلے گئے اور کچھ جواب نہ دیا۔

بنو امیہ نے اسلام کے نظام سلطنت کو بہت کچھ بدل دیا تھا، تاہم حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے عبدالملک بن مروان کو ایک خط میں لکھا کہ جہاں تک ممکن ہو گا میں تمہاری اطاعت سے دریغ نہ کروں گا۔[5]

یہ اطاعت صرف خلفاء کی زندگی ہی تک محدود نہ تھی بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی اس کا اثر ہوتا تھا۔

۱: ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبیؐ۔
۲: نسائی کتاب الحج باب ترک التسمیۃ عند الاہلال۔
۳: بخاری کتاب الزکوۃ باب ما ادی زکوۃ۔
۴: مؤطا امام مالک کتاب الاقضیہ باب ما جاء فی المونث من الرجال و من احق بالولد۔
۵: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب ما جاء فی البیعۃ۔

ایک جذامی عورت (غالباً صحابیہ ہو گی) خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھی، حضرت عمر بن الخطاب ﷛ کا گذر ہوا تو فرمایا لوگوں کو اذیت نہ دو، گھر میں جا کے بیٹھو، وہ جا کر خانہ نشین ہو گئی، حضرت عمر ﷛ کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے جا کر کہا، تمہارے روکنے والا تو مر گیا، اب گھر سے باہر نکلو، بولی میں ایسی نہیں ہوں کہ زندگی میں ان کی اطاعت اور مرنے کے بعد نافرمانی کروں۔[1]

جب تمام اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت کو فسخ کر دیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اہل و عیال اور نوکر چاکر سب کو جمع کیا اور کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ غدر کرنے والوں کیلئے قیامت کے دن جھنڈا قائم کیا جائے گا، ہم نے اس شخص کے ہاتھ پر اللہ اور رسول ﷺ کیلئے بیعت کی ہے اور میرے خیال میں اس سے بڑھ کر غدر نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص کے ہاتھ پر اللہ اور رسول کیلئے بیعت کی جائے اور پھر اس سے جنگ کی جائے جس شخص نے اس کی بیعت کو فسخ کیا ہے، میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق نہیں۔[2]

لا طاعۃ فی معصیۃ اللہ

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا مقصد چونکہ خلافت الٰہی کو دنیا کیلئے منبع خیر و برکات بنانا تھا، اسلئے آپ نے اطاعت امرا کی ایک خاص حد مقرر فرمادی تھی اور معاصی منکرات کو اطاعت کے دائرہ سے الگ رکھا تھا، اور ایک موقع پر صاف صاف فرمادیا تھا کہ اطاعت کا تعلق صرف نیک کاموں سے ہے۔[3]

صحابہ کرام ﷛ نے اطاعت خلفاء کے متعلق ہمیشہ اسی اصول پر عمل کیا یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد میں خلفاء جادۂ اعتدال سے سر مو تجاوز نہ کر سکے، ایک بار حضرت عمر ﷛ نے منبر پر چڑھ کے کہا، "صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا، تمہارا سر اڑادیں گے۔ حضرت عمر ﷛ نے اس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے اس نے کہاہاں تمہاری شان میں، بولے، الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو مجھے سیدھا کر دیں گے۔"

خلفائے راشدین ﷛ کے بعد جب خلافت نے سلطنت کا قالب اختیار کر لیا، تو اس وقت بھی صحابہ کرام ﷛ میں اس اصول کو محفوظ رکھا اور امراء کے ناجائز احکام کے سامنے اپنی گردن خم نہ کی۔

ایک بار مدینہ کی ایک مروانی گورنر نے حضرت سہل بن سعد ﷛ کی زبان سے حضرت

1: موطا امام مالک کتاب الحج باب جامع الحج۔
2: بخاری کتاب الفتین باب اذا قال عند قوم شیئا ثم خرج فقال بخلافہ۔
3: بخاری کتاب المغازی۔

علی ؓ کو برا بھلا کہلوانا چاہا، لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔[1]

ایک بار حضرت عبادہ بن الصامت ؓ نے حضرت امیر معاویہ ؓ کی اعلانیہ مخالفت شروع کی انہوں نے حضرت عثمان ؓ کو لکھ بھیجا کہ عبادہ نے شام میں سخت فتنہ و فساد پھیلا رکھا ہے آپ ان کو بلا لیجئے، ورنہ میں ان کو جلا وطن کر دوں گا، انہوں نے ان کو مدینہ میں بلا لیا اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے، بولے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد کچھ امراء ہوں گے، جو بدی کو نیکی اور نیکی کو بدی بتائیں گے، اس لئے جو لوگ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔[2]

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص مسجد میں حدیث بیان کر رہے تھے، حضرت عبدالرحمٰن ؓ ابن عبد رب الکعبہ آئے اور حلقہ میں شامل ہو گئے، جب وہ روایت کر چکے تو بولے کہ آپ کا بھتیجا معاویہ ہم کو حکم دیتا ہے کہ باہم ناجائز طور پر اپنا مال کھائیں اور اپنے بھائیوں کو قتل کریں، حالانکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

یا ایھا الذین امنو الا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارہ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما۔

مسلمانو! اپنے مال باہم ناجائز طور پر نہ کھاؤ بجز اس صورت کے جب تم میں باہم رضامندی کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم ہوں اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو خدا تم پر مہربان ہے۔

بولے خدا کی اطاعت میں ان کی اطاعت اور خدا کی نافرمانی میں ان کی نافرمانی کرو۔[3]

حضرت معاویہ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت لینا چاہی، تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ؓ نے سخت مخالفت کی اور کہا کیا ہرقل کی سنت جاری کی جائے گی، کہ جب ایک قیصر مرے گا تو دوسرا قیصر اس کا جانشین ہوگا، خدا کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے، امیر معاویہ ؓ نے ان کو دولت و مال دے کر ہموار کرنا چاہا اور اس غرض کے ان کی خدمت میں لاکھ روپے بھیجے لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں دین کو دنیا کے بدلے میں نہیں بیچ سکتا۔[4]

سلاطین و امراء کی عملی مخالفت

صحابہ کرام ؓ کے دل میں خدا اور رسول ﷺ کے سوا کسی کا خوف نہ تھا اسلئے وہ امراء و سلاطین کی دلیرانہ مخالفت کرتے تھے اور جو چیز اصول اسلام اور سنت نبوی کے خلاف ہوتی تھی،

۱: مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علی ابن ابی طالب ؓ۔

۲: مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۲۵۔

۳: مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بالوفاء ببیعۃ الخلفاء الاول فالاول۔

۴: اصابہ تذکرہ عبدالرحمان بن عبداللہ۔

اس سے ان کو روکتے رہتے تھے، حضرت عثمان ؓ نے مسجد نبوی ﷺ کا قدیم نقشہ بدلنا چاہا تو تمام صحابہ ؓ نے عام مخالفت کی، یہاں تک کہ ان کو ایک عام مجمع میں تمام صحابہ ؓ کو ہموار کرنا پڑا۔[1]

اخیر زمانہ میں جب خلافت نے حکومت کی شکل اختیار کر لی اس وقت بھی صحابہ کرام ؓ نے اس جوہر کو محفوظ رکھا۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے عرفات میں کہا کہ لوگ تلبیہ کیوں نہیں کہتے؟ حضرت سعید بن جبیر ؓ ساتھ تھے بولے کہ معاویہ کا خوف مانع ہے، یہ سننے کے ساتھ ہی خیمے سے نکلے اور تین بار لبیک کہا اور فرمایا کہ علی ؓ کے بغض سے انہوں نے سنت کو چھوڑ دیا ہے۔[2]

مروان مدینہ کا گورنر تھا، ایک بار حضرت ابو سعید خدری ؓ نماز پڑھ رہے تھے، مروان کا لڑکا سامنے سے گذرا اور انہوں نے پہلے اس کو ہٹایا، وہ نہ ہٹا تو مارا، وہ روتا ہوا مروان کے پاس آیا مروان نے ان سے کہا اپنے بھتیجے کو کیوں مارا ہے؟ بولے میں نے اس کو نہیں بلکہ شیطان کو مارا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص حالت نماز میں کسی کے سامنے سے گذر جائے تو پہلے اس کو ہٹائے اگر نہ ہٹے تو اس سے مقاتلہ کرے، کیونکہ وہ شیطان ہے۔[3]

ایک دن جمعہ کے روز مروان خطبہ دے رہا تھا، حضرت ابو سعید خدری ؓ آئے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، پولیس نے بٹھانا چاہا، لیکن وہ نہ بیٹھے لوگوں نے کہا خدا نے رحم کیا ورنہ وہ آپ کے ساتھ سختی سے پیش آنے والے تھے، انہوں نے کہا جب میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایسا کرتے ہوئے دیکھ چکا ہوں تو ان دو رکعتوں کو نہیں چھوڑ سکتا، آپ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی آیا آپ نے اسی حالت میں دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔[4]

تشتت و اختلاف سے اجتناب

صحابہ کرام ؓ اگرچہ آزادی کی بنا پر خلفاء سے مناظرہ کرتے تھے مباحثہ کرتے تھے، رد و قدح کرتے تھے، اختلاف کرتے تھے، لیکن اختلاف کو قائم نہیں رکھتے تھے، ایک بار حضرت عثمان ؓ نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھی، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے اختلاف

---

۱ مسلم کتاب الصلوۃ باب فضل بناء المسجد۔
۲ نسائی کتاب الحج باب التلبیہ بعرفۃ۔
۳ نسائی کتاب الدیات والقصاص باب من اقتص حقہ دون السلطان و بخاری کتاب الصلوۃ، بخاری میں ہے شاب من بنی ابی معیط۔
۴ ترمذی ابواب الجمعہ باب فی الرکعتین اذا جاء الرجل والامام یخطب۔

کیا اور کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہاں دو رکعت نماز پڑھی، حضرت ابو بکر ؓ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی، حضرت عمر ؓ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد تم نے اور راستے اختیار کر لئے ہیں تو چار رکعت پر دو ہی رکعت کو ترجیح دیتا ہوں، لیکن اس کے بعد خود چار رکعت ادا کی، لوگوں نے کہا یہ کیا؟ ابھی تو آپ نے حضرت عثمان ؓ پر ردو قدح کی اور پھر چار رکعت نماز پڑھتے ہیں، بولے اختلاف بری چیز ہے۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اگرچہ بے حد متبع سنت تھے اور اس وجہ سے جب منیٰ میں تنہا نماز پڑھتے تھے، تو قصر کرتے تھے، لیکن جب امام کے ساتھ نماز کا اتفاق ہوتا تو اختلاف کے خوف سے چار ۴ ہی رکعت ادا فرماتے تھے۔[2]

صحابہ کرام ؓ اختلاف و تشتت سے اس قدر ڈرتے تھے کہ جن احادیث سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو سکتا تھا۔ اس کی روایت سے بھی احتراز فرماتے تھے، رسول ﷺ نے جن صحابہ ؓ کی نسبت ناراضی کے کلمات فرمائے تھے ان کو حضرت حذیفہ ؓ مدائن میں بعض لوگوں سے بیان کرتے تھے تو وہ لوگ حضرت سلمان ؓ کے پاس آ کر ان کی تصدیق کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ حذیفہ ہی کو ان کا علم ہے، حضرت حذیفہ ؓ کو معلوم ہوا تو وہ ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ میری روایتوں کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ بولے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی خفا ہو جاتے تھے اور ناراضی کی حالت میں اپنے اصحاب کو کچھ کہہ دیا کرتے تھے، تو آپ ان کے ذریعہ سے دلوں میں بعض اصحاب کا بغض اور بعض اصحاب کی محبت پیدا کرتے ہیں اور اختلاف و تفریق کا سبب بنتے ہیں، اگر ان کی روایت سے باز نہ آئیں گے تو میں حضرت عمر ؓ کو لکھوں گا۔[3]

حقوق طلبی

جس طرح سلطنت کا فرض حقوق کا دینا ہے، اسی طرح رعایا کا فرض حقوق کا لینا ہے، جب کسی نظام حکومت میں یہ دونوں عنصر شامل ہو جاتے ہیں تو میزان عدل کے پلے برابر ہو جاتے ہیں، صحابہ کرام ؓ کے عہد میں خلافت جن عادلانہ اصول پر قائم رہی، اس کا سبب انہی دونوں عناصر کا اجتماع تھا، صحابہ کرام ؓ اگرچہ نہایت بے نیاز تھے تاہم سلطنت سے اپنے پورے حقوق کے لینے میں دریغ نہیں کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمر ؓ نے مال خمس میں سے اہل بیت کا حق دیا لیکن ان کو کمی معلوم ہوئی تو سب نے لینے سے انکار کر دیا۔[4]

۱: ابوداؤد کتاب المناسک باب الصلوۃ بمنیٰ۔ ۲: مسلم کتاب الصلوۃ باب قصر الصلوۃ بمنیٰ۔
۳: ابوداؤد کتاب السنۃ باب فی النہی عن سب اصحاب رسول اللہ ﷺ۔
۴: ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سہم ذی القربیٰ۔

صحابہ کرام ﷺ نہ صرف اپنے حقوق لیتے تھے۔ بلکہ جو گروہ ضعیف ہوتا تھا اس کے حقوق بھی طلب کرتے تھے، عہد نبوت میں آزاد شدہ غلاموں کا ایک لاوارث اور بیکس گروہ تھا، اس لئے جب کہیں سے مال آتا تو آپ سب سے پہلے اسی کس مپرس گروہ کو حصہ دیتے تھے، آپ کے بعد جب دفتر قائم ہوا اور تمام وظیفہ خواروں کے نام لکھ گئے تو یہ گروہ بالکل نظر انداز کر دیا گیا، حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نے ان کے حقوق کا مطالبہ کیا، اور خود حضرت امیر معاویہ ﷺ کے دربار میں جا کر ان کے وظیفے طلب کئے۔[1]

1: ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی قسم الفئ۔

امراء و عمال

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں صرف دو قسم کے عمال کا تقرر ہوا، حکام و ولاۃ اور محصلین زکوٰۃ، جو صحابہ ؓ محصل زکوٰۃ بنا کر روانہ کئے جاتے تھے ان کو۔

۱) ایک فرمان عطا ہوتا تھا، جس میں یہ تصریح ہوتی تھی کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں کتنی زکوٰۃ لینی چاہئے، انتخاب کرکے یا حق سے زیادہ مال لینے کی اجازت نہ تھی۔

۲) یہ لوگ جب زکوٰۃ وصول کرکے لاتے تھے تو آپ ان کا محاسبہ فرماتے تھے، کہ کہیں کوئی ناجائز رقم تو نہیں وصول کی ہے۔

۳) تمام عمال کو بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا اور مقدار ضرورت کی تصریح آپ نے خود فرمادی تھی۔

من كان لنا عاملا فليكتسب زوجه فان لم يكن لم خادم فليكتسب خادما وان لم يكن له مسكن فليكتسب مسكنا و من اتخذ غير ذالك فهم غال۔[1]

جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بی بی کر لینا چاہئے اگر اس کے پاس ملازم نہ ہو تو ایک ملازم رکھ لینا چاہئے اگر گھر نہ ہو تو ایک گھر بنا لینا چاہئے، لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا۔

صحابہ کرام ؓ نے جس صداقت، راستبازی، دیانت اور ایثار نفسی کے ساتھ ان احکام کی پابندی کی وہ ان کے محاسن اخلاق کا طغرائے امتیاز ہے، محصلین زکوٰۃ کو لوگ بہترین منتخب بلکہ بعض حالتوں میں اپنا کل مال دے دیتے تھے، لیکن وہ لوگ صرف وہی مال لیتے تھے، اور اسی قدر لیتے تھے جس کی رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی تھی، چنانچہ زکوٰۃ کے عنوان میں اس کی متعدد مثالیں پہلے حصے میں گذر چکی ہیں۔

خیانت کا ارتکاب تو ایک طرف بعض صحابہ ؓ خیانت کے خوف سے اس خدمت ہی کو قبول کرنا پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو مسعود انصاری ؓ کو مصدق بنا کر بھیجنا چاہا تو فرمایا کہ ایسا نہ کرنا کہ قیامت میں تمہاری پشت پر کوئی صدقہ کا اونٹ بلبلاتا ہوا نظر آئے (یعنی خیانت نہ کرنا) بولے کہ اب میں نہیں جاتا، ارشاد ہوا کہ میں تمہیں مجبور بھی نہیں کرتا۔[2]

۱: ابوداؤد کتاب الخراج باب فی ارزاق العمال۔

۲: ابوداؤد کتاب الخراج باب فی غلول الصدقہ۔

ایک بار آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

یا ایھاالناس من عمل منکم لنا علی عمل فکتمنا منه مخیطا فما فوقه فهو غل یاتی به یوم القیامة۔

لوگو! جو شخص ہمارا عامل ہو وہ اگر ایک دھاگہ یا اس سے بھی کم ہم سے چھپالے تو یہ خیانت کا مال ہے۔ اس کو قیامت میں حاضر کرنا پڑے گا۔

ایک صحابی جو عامل تھے، یہ سن کر بول اٹھے یارسول اللہ ﷺ مجھ کو اس خدمت سے سبکدوش فرمائے۔[۱] صحابہ کرام ؓ کو رشوت خوری سے اس قدر اجتناب تھا کہ جب حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ حسب معاہدہ یہود خیبر کے یہاں نصف پیداوار تقسیم کرنے کیلئے گئے اور یہودیوں نے رعایت کی غرض سے عورتوں کے زیور جمع کر کے ان کے رشوت میں دینا چاہا تو بولے یہ حرام ہے اور ہم حرام مال نہیں کھا سکتے۔[۲]

معاوضہ خدمت اگرچہ خود رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمادیا تھا، اور بہت سے صحابہ ؓ اسکو لیتے بھی تھے تاہم بعض اکابر صحابہ ؓ اپنی خدمت کا صلہ صرف خدا سے چاہتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عمر ؓ نے یہ خدمت انجام دی اور معاوضہ لینے سے انکار کر دیا، لیکن خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر بغیر سوال کئے کچھ مل جائے تو اسکو لے لو، کھاؤ پیو، صدقہ کر دو۔[۳]

حضرت ابوبکر ؓ کے زمانہ میں فتوحات کو وسعت ہوئی اور سلطنت کے کاروبار پھیلے تو انہوں نے صیغہ مال کو صیغہ فوج سے علیحدہ کر لیا اور ہر ایک کیلئے الگ الگ عمال مقرر فرمائے جو امیر الخراج اور امیر الثغور کے لقب سے ممتاز تھے۔[۴] ان میں ہر ایک کیلئے ایک ضلع مخصوص کر دیا۔ چنانچہ ابو عبیدہ بن عبداللہ بن جراح ؓ کو حمص میں، یزید بن ابی سفیان ؓ کو دمشق میں، شرجیل بن حسنہ کو اردن میں، عمرو بن عاص ؓ اور علقمہ بن مجزز کو فلسطین میں متعین کیا۔[۵]

۱) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو لوگ عامل مقرر ہوئے تھے ان کو اپنے عہدہ پر قائم رکھا، چنانچہ آپ کی وفات کے بعد جب متعدد صحابہ ؓ اپنے اپنے عہدے چھوڑ کر چلے آئے تو حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا تم لوگ کیوں چلے آئے، عمال رسول اللہ ﷺ سے زیادہ ملکی خدمت کا کون مستحق ہو سکتا ہے۔[۶]

۲) وہ عمال کے تقرر میں کسی قسم کی رورعایت پسند نہیں کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اس معاملہ

۱: ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب فی ہدایا العمال۔

۲: مؤطا امام مالک کتاب المساقات باب ماجاء فی المساقاہ۔

۳: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی الاستعفاف۔

۴: طبری صفحہ ۲۰۵۲۔ ۵: طبری صفحہ ۲۰۹۰۔

۶: استیعاب تذکرہ خالد بن سعید بن عاص ؓ۔

میں رشتہ داری کا لحاظ و مروت نہیں کرتے تھے، چنانچہ حضرت یزید بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو شام کا عامل مقرر کر کے بھیجا تو فرمایا کہ وہاں تمہاری قرابتیں ہیں، شاید امارت کیلئے تم ان کو ترجیح دو، تمہاری نسبت مجھے یہی خوف ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا والی ہو اور وہ رعایت سے ان پر امراء مقرر کرے تو اس پر خدا کی لعنت ہو گی۔[1]

۳) اہل بدر کے متعلق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل بالکل متضاد تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے ملکی اور مذہبی خدمت لیتے تھے۔ لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں کسی بدری صحابی کو عامل نہ بناؤں گا، اور ان کو موقع دوں گا کہ اپنے بہترین اعمال کے ساتھ خدا سے ملاقی ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے اور صلحاء کے ذریعہ سے امتوں کی مصیبت اور عذاب کو اس سے زیادہ دفع کرتا ہے، جتنی ان سے مدد حاصل ہو سکتی ہے۔[2]

۴) عمال کی تمام تر کامیابی کا دارو مدار اس پر ہے کہ ان کے رعب وداب اور اثر و اقتدار کو ہر ممکن طریقے سے قائم رکھا جائے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ امراء و عمال سے قصاص نہیں لیتے تھے بلکہ دیت دلواتے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی دستور تھا، ایک بار حضرت خالد رضی اللہ عنہ غلطی سے بہت سے لوگوں کو قتل کروادیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو قصاص لینے پر آمادہ کیا، لیکن انہوں نے کہا "جانے دو اور خاموش رہو"۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عہدوں کی ترتیب و تقسیم میں اور بھی وسعت پیدا ہوئی، صوبوں کی تقسیم جو پہلے ہو چکی تھی اس کے علاوہ انہوں نے ملک کی جدید تقسیم کی اور اس تقسیم کی رو سے مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین کو الگ الگ صوبہ قرار دیا اور ان میں حسب ذیل عمال مقرر فرمائے۔

والی	یعنی حاکم صوبہ
کاتب	یعنی میر منشی
کاتب دیوان	یعنی دفتر فوج کا میر منشی
صاحب الخراج	یعنی کلکٹر
صاحب احداث	یعنی افسر پولیس
صاحب بیت المال	یعنی افسر خزانہ
قاضی	یعنی صدر الصدور اور منصف

والی کا اسٹاف نہایت وسیع ہوتا تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی بنا کر روانہ فرمایا تو دس ۱۰ آدمی ان کے اسٹاف میں دیئے۔[4]

۱: مسند جلد ۱ صفحہ ۶۔ ۲: طبری صفحہ ۱۹۳۱۔
۳: طبری صفحہ ۱۹۲۶۔ ۴: اسد الغابہ تذکرہ قرظہ

۱) ان عمال کے تقرر میں حضرت عمر ؓ اکثر موقعوں پر اپنی فطری جوہر شناسی سے کام لیتے تھے، عرب میں جو لوگ کسی خاص وصف میں عام طور پر مشہور تھے، مثلاً حضرت امیر معاویہ ؓ حضرت عمرو بن العاص ؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کہ اپنی سیاست دانی کی وجہ سے دہاۃ العرب کہے جاتے تھے، یا حضرت عمرو معدی کرب ؓ اور حضرت طلحہ بن خالد ؓ کہ فن حرب میں بے نظیر خیال کئے جاتے تھے، ان لوگوں کو ملکی یا فوجی عہدوں کو دینے میں بہت زیادہ نکتہ شناسی کی ضرورت نہ تھی، ان کی شہرت نے خود ان کو ان عہدوں کا مستحق بنادیا تھا، لیکن ان کے علاوہ جن لوگوں میں ان کو کوئی خاص قابلیت نظر آئی ان کو اس قابلیت کے لحاظ سے مناسب عہدے عطا فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن ارقم ؓ ایک صحابی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے اور آپ کو ان کی دیانت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب وہ خط لکھ کے لاتے تھے تو آپ اس کو پڑھوا کے سنتے بھی نہیں تھے، ایک بار آپ ﷺ کی خدمت میں کہیں سے خط آیا آپ ﷺ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا؟ حضرت عبداللہ بن ارقم ؓ نے فرمایا کہ میں" چنانچہ خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے اور وہ آپ ﷺ کو نہایت پسند آیا، حضرت عمر ؓ بھی موجود تھے ان کو اس پر حیرت ہوئی، اور جب خلیفہ ہوئے تو ان سے میر منشی کا کام لیا اور تدین کے لحاظ سے بیت المال کا افسر بھی مقرر فرمایا۔[1]

ایک بار حضرت عمر ؓ بیٹھے ہوئے تھے، ایک عورت آئی اور کہا کہ میرے شوہر سے زیادہ افضل کون ہو سکتا ہے، رات بھر شب بیداری کرتا ہے گرمیوں کے دن میں برابر روزے رکھتا ہے، حضرت عمر ؓ نے بھی اس کی تعریف کی اور وہ شرما کر چلی گئی۔ حسن اتفاق سے حضرت کعب بن سور ؓ بھی موجود تھے بولے یا امیر المومنین آپ نے عورت کا انصاف شوہر سے نہیں دلوایا وہ شکایت کرتی ہے کہ میرا شوہر مجھ سے راہ و رسم نہیں رکھتا، حضرت عمر ؓ نے عورت کو واپس بلایا اور اس نے اب صاف صاف اس کا اقرار کیا، حضرت عمر ؓ نے کعب ہی سے اس کا فیصلہ کرادیا اور ان کو اسی وقت بصرہ کا قاضی مقرر کر کے بھیج دیا۔[2]

تمام عمال فاروقی میں صرف حضرت عمار بن یاسر ؓ ایک ایسے بزرگ تھے، جو فن سیاست سے بالکل ناآشنا تھے اور بایں ہمہ نہایت معزز ملکی عہدے پر ممتاز تھے، لیکن خود حضرت عمر ؓ نے جب ان کو معزول کیا تو صاف صاف فرمادیا۔

لقد علمت ما انت بصاحب عمل ولکنی تاولت و نرید ان نمن علی الذین

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ارقم ؓ۔
۲: اسد الغابہ تذکرہ کعب بن سور ؓ۔

استضعفو الا رض و نجعلھم آئمتہ و نجعلھم الوارثین۔[1]
میں خود جانتا تھا کہ تم ملکی خدمت کے اہل نہیں ہو لیکن میں نے اس آیت کے معنی کی عملی تشریح کی ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور تھے اور ان لوگوں کو امام اور وارث بنائیں۔

ذاتی قابلیت کی علاوہ خارجی اوصاف کے لحاظ سے بدوں پر ہمیشہ شہریوں کو ترجیح دیتے تھے۔[2] اور اپنے قبیلہ کے کسی شخص کو کوئی ملکی عہدہ نہیں دیتے تھے اپنے خاندان میں صرف نعمان بن عدی کو میسان کا عامل مقرر فرمایا، لیکن انکو بھی چند دنوں کے بعد ایک حیلہ سے معزول کر دیا۔[3]

ملکی عہدوں پر ہمیشہ صحیح اور تندرست لوگوں کو مامور فرماتے تھے، حضرت سعید بن عامر ﷜ کی نسبت معلوم ہوا کہ ان پر کبھی کبھی غشی طاری ہو جایا کرتی ہے، تو ان کو طلب فرمایا اور جب انہوں نے اس کی معقول وجہ بیان کی تو پھر ان کو خدمت مفوضہ پر واپس کر دیا۔[4]

غیر مذاہب کے لوگوں میں صرف ابو زید کی نسبت اصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر ﷜ نے ان کو عامل مقرر کیا اور اس کے سوا کسی عیسائی کو عامل نہیں بنایا۔

عمال کے انتخاب کی مختلف صورتیں تھیں۔

۱) کبھی حضرت عمر ﷜ خود صحابہ کرام ﷢ کو جمع فرماتے اور ان سے طالب اعانت ہوتے، چنانچہ ایک بار تمام صحابہ ﷢ کو جمع کر کے کہا کہ "اگر آپ لوگ میری مدد نہ کریں گے تو دوسرا کون کرے گا" تمام صحابہ ﷢ نے بخوشی آمادگی ظاہر فرمائی اور حضرت عمر ﷜ نے اسی وقت حضرت ابو ہریرہ ﷜ کو بحرین اور ہجر کا کلکٹر مقرر کر کے روانہ فرمایا، باایں ہمہ اس وقت ملکی خدمت زہد و تقدس کے خلاف سمجھی جاتی تھی، اس لئے حضرت ابو عبیدہ بن جراح ﷜ نے کہا کہ عمر! تم نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کو آلودہ دنیا کر دیا، حضرت عمر ﷜ نے فرمایا آخر میں نے اس کے سوا کس سے مدد لوں، بولے اگر ایسا ہی تو تنخواہ اس قدر مقرر کرو کہ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں۔

۲) بعض اوقات صوبوں یا ضلعوں کی طرف سے منتخب اشخاص کو طلب کرتے تھے، اور ان کو وہاں کا عامل مقرر فرماتے تھے، چنانچہ اسی طریقے کے مطابق حضرت عثمان بن فرقد ﷜ کوفہ کے، اور حضرت معین بن یزید ﷜ شام کے، اور حجاج بن علاط ﷜ بصرہ کے کلکٹر مقرر ہوئے۔[5]

۱: طبری صفحہ ۲۶۷۸۔ ۲: فتوح البلدان صفحہ ۳۵۱۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ نعمان بن عدیؓ۔
۴: استیعاب تذکرہ حضرت سعید بن عامرؓ۔
۵: کتاب الخراج صفحہ ۶۴، ۶۵۔

۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عمال کے انتخاب میں ایک بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ لوگ حق الخدمت لینا زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے۔ لیکن اگر اس ایثار پر سلطنت کے کاروبار کی بنیاد رکھ دی جاتی تو آئندہ چل کر مختلف دشواریاں پیش آتیں، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلطی کو ہر ممکن طریقے سے مٹانا چاہا، ایک بار حضرت عبداللہ بن سعدی رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کیا مجھے یہ خبر نہیں کہ تم بعض ملکی خدمتیں انجام دیتے ہو اور جب تم کو معاوضہ دیا جاتا ہے تو نا پسند کرتے ہو؟ انہوں نے کہا "ہاں میرے پاس گھوڑے ہیں اور میری حالت اچھی ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی خدمت حبۃً اللہ انجام دوں، بولے ایسا ہرگز نہ کرو میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا کیا تھا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اس مال کو لے کر دولت مند بنو اور صدقہ کرو، جو مال بغیر حرص و سوال کے مل جائے اس کو لے لو اور جو نہ ملے اس کے پیچھے نہ پڑو۔[1]

۴) ان کے زمانہ میں جب عمال کا تقرر ہوتا تھا۔ تو ان کو متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک فرمان عطا ہوتا تھا، جس میں ان کی تقرری اور فرائض کی تصریح ہوتی تھی، یہ عامل جس مقام پر پہنچتا تھا، تمام رعایا کے سامنے اس فرمان کو پڑھ کر سناتا تھا، چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو جب مدائن کا عامل مقرر کر کے بھیجا تو فرمان میں یہ الفاظ تھے،

سمعو اله و اطیعوہ و اعطوہ ماسالکم

ان کی سنو! ان کی اطاعت کرو، اور جو کچھ وہ مانگیں ان کو دو۔

انہوں نے یہاں آکر یہ فرمان پڑھا تو لوگوں نے کہا آپ جو چاہیں مانگیں، بولے جب تک تمہارے یہاں رہوں اپنا کھانا اور اپنے گدھے کا چارہ چاہتا ہوں۔[2]

۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر سخت اصرار تھا کہ امراء و عمال عیش و تنعم میں مبتلا نہ ہونے پائیں، حاکم و محکوم میں مساوات قائم رہے، غیر قوموں کی عادتیں ان میں سرایت نہ کرنے پائیں، حاکم تک ہر شخص بلا روک ٹوک پہنچ سکے، چنانچہ حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کو یہ تصریح لکھا۔

وایاکم و التنعم وزی اهل الشرك ولبوس الحریر۔

عیش و تنعم، اہل شرک کی وضع، اور حریر سے احتراز کرو۔

اس بنا پر جب کسی شخص کو عامل مقرر فرماتے تھے تو اس سے یہ معاہدہ لے لیتے تھے کہ

۱) ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا ۲) چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا

۳) باریک کپڑے نہ پہنے گا ۴) دروازے سے پر دربان نہ رکھے گا

۵) اہل حاجت کیلئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔[3]

۱: مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۷ و ابوداؤد کتاب الخراج باب رزق العمال۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمان و کتاب الخراج صفحہ ۶۰۔

۳: مشکوٰۃ صفحہ ۳۵۸ بروایت بیہقی۔

اور جو عمال ان شرائط کی خلاف ورزی کرتے تھے، ان کو فوراً معزول کر دیتے تھے، ایک دفعہ راستے میں جارہے تھے دفعتہً آواز آئی اے عمر! کیا یہ معاہدے تمہیں نجات دلا سکتے ہیں؟ حالانکہ تمہارا عامل عیاض بن غنم باریک کپڑے پہنتا ہے اور دربان رکھتا ہے، حضرت عمر ؓ نے محمد بن مسلمہ کو بھیجا کہ جس حال میں پاؤ ان کو پکڑ لاؤ، وہ آئے تو دیکھا کہ دروازے پر واقعی دربان ہے اندر گھس گئے تو دیکھا کہ جسم پر باریک قمیص ہے، انہوں نے کہا امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو، بولے بدن پر قبا ڈال لوں بولے نہیں، وہ اسی حالت میں حضرت عمر ؓ کے سامنے آئے تو انہوں نے قمیص اتروالی، اس کے بعد اون کا ایک کرتہ اور ایک عصا اور بکریوں کا ایک ریوڑ منگایا اور کہا کہ کرتہ پہنو یہ عصا لو اور یہ بکریاں چراؤ، انہوں نے کہا اس سے تو موت بہتر ہے، بولے گھبرانے کی بات نہیں تمہارے باپ کا نام غنم اسی لئے رکھا گیا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتا تھا[1] عربی میں غنم بکری کو کہتے ہیں۔

حضرت سعد ؓ نے جب کوفہ میں ایک عظیم الشان محل تعمیر کرلیا اور حضرت عمر ؓ کو معلوم ہوا، کہ ان کی وجہ سے ان تک فریادیوں کی آواز نہیں پہنچ سکتی تو محمد بن مسلمہ ؓ کو بھیج کر اس میں آگ لگوادی۔[2]

مصر میں حضرت خارجہ بن حذافہ ؓ نے ایک بالا خانہ تیار کر دیا اور حضرت عمر ؓ کو خبر ہوئی تو حضرت عمرو بن العاص ؓ کو لکھ بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ خارجہ نے ایک بالا خانہ تیار کر دیا ہے اور اس کے ذریعہ سے اپنے ہمسائیوں کی پردہ دری کرنا چاہتا ہے، میرا خط جس وقت پہنچے اس کو فوراً منہدم کر دو۔[3]

ایک بار حضرت بلال ؓ نے شکایت کی کہ امرائے شام پرند کے گوشت اور میدے کی روٹی کے سوا اور کچھ کھاتا ہی نہیں جانتے، حالانکہ عام لوگوں کو یہ کھانا میسر نہیں ہوتا، اس پر حضرت عمر ؓ نے سخت گرفت کی اور تمام عمال سے اقرار لیا کہ روزانہ فی کس دو روٹی اور زیتون کا تیل تقسیم کرنا ہوگا، اور مال غنیمت کی تقسیم بھی مساویانہ طور پر ہوگی۔[4]

ان کو اس پر اس قدر اصرار تھا کہ حضرت عتبہ بن فرقد ؓ نے انکے پاس کھانے کی کوئی عمدہ چیز ہدیۃً بھیجی تو انہوں نے پوچھا کیا کل مسلمان یہی کھاتے ہیں، بولے نہیں، اس وقت ان کو لکھا کہ یہ تمہاری یا تمہارے باپ کی کمائی نہیں جو خود کھاؤ وہی تمام مسلمانوں کو کھلاؤ۔[5]

اس دارو گیر کا نتیجہ یہ تھا کہ عمال نہایت سادہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرتے تھے، چنانچہ ایک بار

1: کتاب الخراج صفحہ ۶۶۔
2: مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۵۴۔
3: حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۵۹۔
4: یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۶۸۔
5: فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۴۱ و مسلم کتاب اللباس والزینۃ۔

حضرت عمر ﷺ نے ایک عامل کو طلب فرمایا وہ آئے تو ساتھ میں صرف ایک توشہ دان، ایک عصا اور ایک پیالہ تھا، حضرت عمر ﷺ نے دیکھا تو بولے کہ تمہارے پاس بس اسی قدر اثاثہ ہے بولے اس سے زیادہ اور کیا ہو گا؟ عصا پر توشہ دان ٹانگ لیتا ہوں اور پیالے میں کھا لیتا ہوں۔[1]

حضرت حذیفہ بن الیمان ﷺ مدائن کے عامل مقرر ہو کر آئے تو لوگوں نے کہا جو جی چاہے طلب فرمائیے بولے صرف اپنا کھانا اور اپنے گدھے کا چارہ چاہتا ہوں۔ وہاں سے پلٹے تو جس حالت میں گئے تھے، اس میں سر مو فرق نہ آیا تھا، حضرت عمر ﷺ نے دیکھا تو لپٹ گئے کہ تم میرے بھائی اور میں تمہارا بھائی ہوں۔[2]

حضرت عمر ﷺ شام میں آئے اور حضرت ابو عبیدہ ﷺ کا زہد و تقشف دیکھا تو فرمایا ابو عبیدہ تمہارے سوا ہم میں سے ہر ایک کو دنیا نے بدل دیا۔[3]

۶) جب کوئی عامل مقرر ہوتا اس کے تمام مال و اسباب کی فہرست تیار کرائی جاتی تھی اور اس کی مالی حالت میں اس سے زیادہ جس قدر اضافہ ہوتا تھا وہ تقسیم کرالیا جاتا تھا، چنانچہ اس قاعدے کی رو سے بہ کثرت عمال کے مال کی تقسیم کی گئی، حضرت عمرو بن العاص گورنر مصر کو لکھا کہ اب تمہارے پاس بہ کثرت اسباب، غلام برتن اور مویشی ہو گئے ہیں، حالانکہ میں نے جس وقت تمہیں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا، تمہارے پاس یہ سامان موجود نہ تھے، انہوں نے عذر کیا کہ مصر میں زراعت اور تجارت دونوں سے پیداوار ہوتی ہے۔ اسلئے ہمارے پاس بہت سی رقم پس انداز ہو جاتی ہے لیکن حضرت عمر ﷺ نے ان کی دولت تقسیم ہی کر والی۔[4]

حضرت ابو ہریرہ ﷺ بحرین سے واپس آئے تو اپنے ساتھ بارہ ہزار روپیہ لائے، حضرت عمر ﷺ نے یہ کل رقم لے لی اور کہا تم نے خدا کا مال چرا لیا ہے۔[5]

ایک بار ایک شخص نے ایک قصیدے میں بہت سے عمال کے نام گنائے اور لکھا کہ ان لوگوں کے مال و دولت کا حساب ہونا چاہئے، حضرت عمر ﷺ نے سب کی دولت تقسیم کروائی، یہاں تک کہ ان کے پاس صرف ایک جوتہ رہنے دیا اور ایک خود لے لیا۔[6]

طبری اور یعقوبی نے اس قسم کے متعدد واقعات نقل کئے ہیں اور یعقوبی نے ان عمال کے نام بھی ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں۔ جن کے مال تقسیم کرالئے گئے، اسد الغابہ تذکرہ محمد بن مسلمہ ﷺ میں بھی اجمالاً اس قدر لکھا ہے۔

۱: استیعاب تذکرہ حضرت سعید ابن عامرؓ۔
۲: اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمانؓ
۳: اسد الغابہ تذکرہ ابو عبیدہ بن جراحؓ
۴: فتوح البلدان صفحہ ۲۲۹۔
۵: فتوح البلدان صفحہ ۹۰۔
۶: فتوح البلدان صفحہ ۹۲ ۳۔

و ھو الذی ارسلہ عمر الی عمالہ لیاخذ شطر اموالھم لثقتہ بہ۔
حضرت عمر ؓ نے انہی کو اس لئے بھیجا تھا کہ عمال کا آدھا مال تقسیم کرلائیں، کیونکہ ان کے نزدیک وہ بہت زیادہ قابل اعتماد تھے۔

۷) عمال کی شکایتوں کی تحقیقات کیلئے حضرت محمد بن مسلمہ ؓ کو مامور فرمایا، جب کسی عامل کی شکایت پیش ہوتی تھی تو وہی تحقیقات کیلئے مامور کئے جاتے تھے، ایک بار کوفہ والوں نے حضرت سعد کی شکایت کی کہ وہ ٹھیک طور پر نماز نہیں پڑھاتے تو حضرت عمر ؓ، پہلے خود طلب فرما کر ان کا اظہار لیا، اس کے بعد ان کے ساتھ حضرت محمد بن مسلمہ ؓ کو بھیجا اور انہوں نے جاکر ایک ایک مسجد میں اس کی تحقیقات کی۔[1]

۸) اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو تمام عمال کو حکم دیا کہ حج کے زمانہ میں حاضر ہوں تاکہ مجمع عام میں ان کی شکایتیں پیش ہو سکیں، چنانچہ معمولی سے معمولی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور ان پر گرفت کی جاتی تھی، ایک بار حضرت عمر ؓ نے مجمع عام میں خطبہ دیا جس میں فرمایا،

انی لم ابعث عمالی لیضربوا ابشارکم ولا لیا خذوا اموالکم فمن فعل بہ ذالک فلیر فعہ الی اقصہ منہ

میں نے عمال کو اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ تمہارے منہ پر طمانچے ماریں نہ اس لئے کہ تمہارا مال چھین لیں، جس شخص کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے۔ اس کو اپنا معاملہ میرے سامنے پیش کرنا چاہئے تاکہ میں اس سے قصاص لوں۔

اس پر حضرت عمرو بن العاص ؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی عامل رعایا کو تادیباً سزا دے تب بھی آپ اس سے قصاص لیں گے، بولے "ہاں" "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کیوں نہ قصاص لوں گا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ سے خود قصاص لیا گیا ہے۔[2]

یہ محض الفاظ ہی الفاظ نہ تھے بلکہ عین حج کے مجمع میں اس پر عمل بھی ہوا، ایک بار انہوں نے حسب معمول تمام عمال کو طلب کیا اور ایک خطبہ میں کہا جس شخص کو عمال سے کوئی شکایت ہو وہ کھڑے ہو کر پیش کرے، ایک شخص اٹھا اور کہا کہ آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا کیا تم بھی سو کوڑے مارنا چاہتے ہو "اٹھو" حضرت عمرو بن العاص ؓ نے کہا کہ یہ امر عمال پر گراں ہوگا اور آئندہ کیلئے ایک نظیر قائم ہو جائے گی، لیکن حضرت عمر ؓ نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا خود رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا کہ بالآخر حضرت عمرو بن العاص ؓ نے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ فی تازیانہ دو اشرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔[3]

۱: صحیح بخاری باب وجوب القرآۃ للامام والماموم، بخاری میں محمد بن مسلمہ کا نام مذکور نہیں ہے۔ مگر فتح الباری میں ان کا نام لیا ہے۔
۲: ابوداؤد کتاب الحدود باب القود بغیر حدید۔ ۳: کتاب الخراج صفحہ ۶۶۔

۹) اس کے علاوہ عمال کے حالات دریافت کرنے کیلئے مختلف طریقے اختیار کئے، جب عمال کے پاس سے کوئی شخص آتا تو اس سے اس کا حال دریافت کرتے ایک بار حضرت جریر ؓ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کے یہاں سے آئے تو حضرت عمر ؓ نے ان کا حال پوچھا، انہوں نے نہایت انشاپردازانہ الفاظ میں ان کی تعریف کی۔[1]

عمال جب واپس آتے تو حضرت عمر ؓ آگے بڑھ کر کسی جگہ چھپ جاتے اور خفیہ طور پر ان کا معائنہ کرتے حضرت حزیفہ بن الیمان ؓ مدائن سے واپس آئے تو حضرت عمر ؓ آگے بڑھ کر راہ میں چھپ گئے اور جب ان کی قدیم حالت میں کوئی تغیر نہیں پایا تو ان سے بے اختیار لپٹ گئے، حضرت حذیفہ ؓ اعلم بالمنافقین تھے یعنی ان کو تمام منافقین کے نام معلوم تھے، اس لئے حضرت عمرؓ ان سے اپنے عمال کی نسبت بعض باتیں دریافت فرمایا کرتے تھے۔

ایک بار انہوں نے فرمایا کہ میرے عمال میں کوئی منافق بھی ہے؟ بولے ہاں! ایک ہے مگر نام نہ بتاؤں گا۔ بالآخر حضرت عمر ؓ نے اس کا خود پتہ لگا لیا اور اس کو معزول کر دیا۔[2]

عمال کی معزولی

حضرت عمر ؓ ہمیشہ ملکی عہدے ان لوگوں کو دیتے تھے، جو ایک طرف تو اس خدمت کے انجام دینے کی قابلیت رکھتے تھے دوسری طرف ان کا دامن اخلاق بالکل بیداغ ہوتا تھا اس لئے ان کو جس عامل میں ان اوصاف کی کچھ بھی کمی نظر آتی تھی اس کو فوراً معزول کر دیتے تھے۔

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے میر منشی نے حضرت عمر ؓ کے نام ایک خط لکھا جس کی ابتداء اعرابی طریقے کے موافق ان الفاظ میں کی من ابو موسیٰ چونکہ عربی قاعدے کی رو سے من ابی موسیٰ لکھنا چاہئے تھا اس لئے حضرت عمر ؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کو لکھا کہ جس وقت میرا خط پہنچے اپنے میر منشی کو ایک کوڑا مارو اور علیحدہ کر دو۔[3]

حضرت عمار ؓ کو ولی مقرر کیا تو ایک شخص نے کہا کہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ نے ان کو کہاں کا عامل مقرر فرمایا ہے، حضرت عمر ؓ نے ان سے اس قسم کے چند سوال کئے معلوم ہوا کہ واقعی یہ خیال صحیح تھا۔ اس لئے ان کو معزول کر دیا،[4] اس کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کا تقرر فرمایا لیکن کوفہ والوں نے ان کی شکایت کی کہ ان کا غلام تجارت کرتا ہے ان کو بھی وہاں سے ہٹا لیا۔[5]

۱: استیعاب تذکرہ جریر بن عبداللہ۔
۲: اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمانؓ۔
۳: فتوح البلدان صفحہ ۳۵۴۔
۴: طبری صفحہ ۲۶۷۷۔ ۵: طبری صفحہ ۲۶۷۸۔

حضرت نعمان بن عدی ؓ کو میسان کا عامل بنا کر بھیجا تو انہوں نے بی بی کو بھی ساتھ لے جانا چاہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ وہاں پہنچے تو بی بی کے نام ایک خط میں حسب ذیل اشعار لکھ بھیجے۔

فمن مبلغ حسناء ان حليلها
بميسان ليبقى في زجاج وحنتم

میری طرف سے اس پیکر حسن کو کون پیغام پہنچائے گا
کہ اسکا شوہر ہر میسان میں شیشے کے شیشے اور خم کے خم لنڈھا رہا ہے

اذا شئت غنتني دهاقين قرية
وصناجة تحدو على كل ميهم

جب میں چاہتا ہوں تو دیہاتی لوگ میرے لئے گیت گاتے ہیں
اور ستار ہر قسم کے سُر بجاتا ہے

اذا كنت ندماني فبالا كبر اسقني
ولا يسقني بالا صغر المتثلم

اور تو میری ہم نشین ہو تو بڑے پیالے سے پلا
نہ کہ چھوٹے اور ٹوٹے ہوئے پیالے سے

لعل امير المومنين يسوئه
تناد منافي الجوسق المتهدم

شائد امیر المومنین کو
ہماری مصاحبت ناگوار ہو

حضرت عمر ؓ کو اس خط وکتابت کا حال معلوم ہوا تو ان کو لکھا کہ میں نے تمہارا آخری شعر سنا در حقیقت مجھے اس قسم کی صحبت ناگوار ہے، اس کے بعد ان کو معزول کر دیا، وہ آئے تو کہا کہ خدا کی قسم یہ کچھ نہ تھا، صرف چند اشعار میری زبان پر جاری ہو گئے تھے ورنہ میں نے کبھی شراب نہیں پی، حضرت عمر ؓ نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے، لیکن بایں ہمہ اب تم کبھی میرے عامل نہیں ہو سکتے۔[1]

جو عمال غلاموں کی عیادت نہیں کرتے تھے یہاں تک کمزور لوگوں کا گذر نہیں ہو سکتا تھا وہ معزول کر دیئے جاتے تھے۔[2]

1: اسد الغابہ تذکرہ نعمان بن عدی ؓ۔ 2: کتاب الخراج صفحہ ۶۶۔

تنخواہ

تنخواہ کا کوئی خاص معیار نہ تھا، بلکہ حالات کے لحاظ سے تنخواہیں مختلف ہوتی تھیں مثلاً حضرت عیاض بن غنم ﷺ حمص کے والی تھے، اور ان کو روزانہ ایک اشرفی اور ایک بکری ملتی تھی[1] لیکن حضرت امیر معاویہ ﷺ اسی عہدے پر مامور تھے اور ان کو اس کے صلے میں ہزار دینار ماہوار ملتے تھے۔[2] جو تنخواہ تھی وہ ہر شخص کیلئے کافی ہوتی تھی۔

حضرت عثمان نے اگرچہ اس نظام میں اس قدر تغیر کیا کہ تمام بڑے بڑے عہدے بنوامیہ کو دے دیئے تاہم انہوں نے کسی قدیم عامل کو معزول نہیں کیا، طبری میں ہے کہ وہ بلا شکایت یا بغیر استعفا کے کسی عامل کو معزول نہیں کرتے تھے،[3] شام میں حضرت عمر ﷺ کے معزول کردہ جو عامل پہلے سے موجود تھے ان کو اپنے اپنے عہدوں پر قائم رہنے دیا۔[4] باقی اس نظام میں اور کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہوا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں اس معاملہ میں دو عظیم الشان انقلاب پیدا ہوئے، ایک تو یہ کہ انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے سوا تمام عمال عثمانی کو یک قلم موقوف کر دیا۔[5] دوسرے یہ کہ انہوں نے تمام عمال کے طرز عمل کی عام تحقیقات کرائی[6] اور غالباً یہ ایسی ترقی تھی، جو خود حضرت عمر ﷺ کے دور خلافت میں بھی نہیں ہوئی تھی۔

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عیاض بن غنمؓ۔

۲: استیعاب تذکرہ حضرت امیر معاویہؓ۔

۳: طبری صفحہ ۲۸۱۴۔ ۴: طبری صفحہ ۲۸۶۷۔

۵: یعقوبی صفحہ ۲۰۸۔ ۶: کتاب الخراج صفحہ ۶۷۔

صیغۂ عدالت

اسلام میں صیغہ قضاء اگرچہ عہد نبوت ہی میں قائم ہو گیا تھا، لیکن ابتداء میں یہ صیغہ اور صیغوں کے ساتھ مخلوط تھا، چنانچہ آپ نے حضرت علی ﷜ اور حضرت معاذ بن جبل ﷜ کو یمن کا عامل مقرر فرما کر بھیجا تو اور فرائض کے ساتھ یہ خدمت بھی ان کے متعلق کی اور اس کے آئین واصول بتائے حضرت عمر ﷜ کے زمانہ میں بھی مدتوں یہ خلط مبحث رہا لیکن انہوں نے اپنے وسط خلافت میں اس صیغہ کو اور صیغوں سے الگ کر دیا اور مستقل طور پر قضاۃ مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔[1]

اصول و آئین عدالت

اس باب میں سب سے مقدم چیز اصول و آئین عدالت کا منضبط کرنا تھا، حضرت ابو بکر ﷜ کے زمانے تک یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے قرآن مجید کی طرف پھر حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے اور سب سے اخیر میں مسلمانوں سے مشورہ لیتے تھے، اجتہاد اور قیاس کو بالکل دخل نہیں دیتے تھے۔[2]

لیکن حضرت عمر ﷜ کے عہد خلافت میں جب تمدن کو زیادہ وسعت ہوئی تو انہوں نے قضاۃ کو اجماع اور قیاس سے بھی مدد لینے کی ہدایت کی لیکن قیاس کو سب سے موخر رکھا۔[3] اس لئے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷜ کے نام آداب قضائت کے متعلق ایک مفصل فرمان لکھا جو کنز العمال اور دار قطنی میں[5] بلفظہ منقول ہے، اس فرمان میں قضائت کے متعلق جو احکام مذکور ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱) قاضی کو تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے۔
۲) بار ثبوت صرف مدعی پر ہے۔
۳) مدعا علیہ کے پاس اگر ثبوت یا شہادت نہیں ہے تو اس سے قسم لی جائے گی۔

۱: ابو داؤد کتاب القضاء
۲: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۵ و ۱۷۶۔
۳: دارمی صفحہ ۳۲ و ۳۳۔
۴: مسند دارمی صفحہ ۳۴۔
۵: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴ اور دار قطنی صفحہ ۵۱۲۔

۴) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن جو امر خلاف قانون ہے اس میں صلح نہیں ہو سکتی۔
۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصلے کرنے کے بعد اس پر نظر ثانی کر سکتا ہے۔
۶) مقدمہ کے پیشی کی ایک تاریخ مقرر ہونی چاہئے۔
۷) اگر مدعا علیہ تاریخ معینہ پر حاضر نہ ہو تو مقدمہ اس کے خلاف فیصل کیا جائے گا،
۸) ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے، لیکن جو سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں، ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں۔
۹) اخلاقی حیثیت سے قاضی کو غصہ کرنا اور گھبرانا نہیں چاہئے۔

آج اس تمدنی زمانے میں بھی عدالت کے اساسی قوانین یہی ہیں۔

قضاۃ کا انتخاب

قضائت کے متعلق سب سے اہم کام قابل اور متدین احکام کا انتخاب تھا، صحابہ ﷺ میں جو لوگ علم وفضل میں مسلم تھے، مثلاً حضرت زید بن ثابت ﷺ، حضرت عبادہ بن الصامت ﷺ، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ ان کے انتخاب کیلئے صرف یہی کافی تھا کہ وہ خود منتخب روزگار تھے، لیکن حضرت عمر ﷺ اور لوگوں کو عملی تجربہ اور ذاتی امتحان کے بعد منتخب کرتے تھے، چنانچہ حضرت کعب بن سور ازدی ﷺ جو بصرہ کے قاضی تھے ان کی تقرری کا شان نزول یہ ہے کہ وہ ایک بار حضرت عمر ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک عورت آئی اور کہا کہ میں نے اپنے شوہر سے بہتر آدمی نہیں دیکھا، وہ رات بھر نماز پڑھتا ہے اور دن بھر روزے رکھتا ہے، حضرت عمر ﷺ نے عورت کی تعریف کی اور اس کیلئے استغفار کیا، وہ شرمندہ ہو کر چلی گئی تو حضرت کعب ﷺ نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ نے عورت کا انصاف اس کے شوہر سے نہیں دلوایا، وہ مستغیث ہو کر آئی تھی، اب حضرت عمر ﷺ نے اس کو بلوا بھیجا اور کہا کہ یہ کہتے ہیں کہ تم کو یہ شکایت ہے کہ تمہارا شوہر تم سے تعلق نہیں رکھتا، اس نے کہا "سچ ہے" حضرت عمر ﷺ نے اس کے شوہر کو بلوا بھیجا اور حضرت کعب ﷺ سے اصرار کیا کہ تم ہی نے اس مقدمہ کو سمجھا ہے اور تمہی اس کا فیصلہ کرو، انہوں نے فیصلہ کیا تو اس قدر خوش ہوئے کہ ان کو بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا۔[1]

قضائت کی ذمہ داریوں کا احساس

حدیث شریف میں آیا ہے،

من ولی القضاء فقد ذبح بغیر سکین۔

جو شخص قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا (ابوداؤد کتاب القضاء

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت کعب بن سورؓ۔

اس حدیث کی بنا پر بعض صحابہ ﷺ جو بہت زیادہ محتاط تھے، وہ سرے سے عہدۂ قضاہی کو قبول نہیں کرتے تھے، چنانچہ حضرت عثمان ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کو قاضی مقرر کرنا چاہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔[1] لیکن جن صحابہ ﷺ کو اس عہدے کے قبول کرنے سے انکار نہ تھا وہ بھی شدت کے ساتھ اس کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے تھے، حضرت ابوالدرداء ﷺ بیت المقدس کے قاضی تھے ایک بار انہوں نے لکھا کہ زمین کسی کو مقدس نہیں بنا سکتی، انسان کو صرف اس کا عمل مقدس بناتا ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم طبیب (قاضی) مقرر کئے گئے ہو، اگر تم سے لوگ شفایاب ہوں تو کیا کہنا ورنہ اگر جعلی طبیب ہو تو کسی انسان کو مار کر دوزخ میں نہ داخل ہو، حضرت ابوالدرداء پر اس خط کا یہ اثر پڑا کہ مقدمہ فیصل ہونے کے بعد فریقین واپس جاتے تھے تو احتیاطاً بلا کر دوبارہ اظہار لیتے تھے۔[2]

عدل وانصاف

خلفاء مقدمات کے فیصل کرنے میں کسی قسم کی رعایت کو جائز نہیں رکھتے تھے ایک بار حضرت عمر ﷺ حضرت زید بن ثابت ﷺ کے یہاں خود فریق مقدمہ بن کر آئے تو انہوں نے ان کو اپنے پاس بٹھانا چاہا، لیکن انہوں نے کہا کہ یہ پہلا ظلم ہے جو تم نے کیا، میں اپنے فریق کے ساتھ بیٹھوں گا۔[3]

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں ایک مہمان آیا اور انہوں نے اس کو کئی دن تک مہمان رکھا لیکن ایک دن جب وہ فریق مقدمہ ہو کر آیا اور ان کے سامنے حاضر ہوا تو بولے اب آپ تشریف لے جائیے، ہم فریق کو صرف فریق کے ساتھ ٹھہرا سکتے ہیں۔[4]

ایک بار ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہوا، حضرت عمر ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کیا تو وہ بے ساختہ اٹھا آپ نے انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا۔[5]

رشوت ستانی کی روک ٹوک

حضرت عمر ﷺ نے صیغہ عدالت قائم کیا تو رشوت ستانی کے انسداد کیلئے سخت بندشیں قائم کیں اور عام طور پر تمام حکام کو لکھ بھیجا۔

۱: مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۶۶۔
۲: مؤطا امام مالک کتاب الاقضیہ باب جامع القضاء۔
۳: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴۔
۴: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴۔
۵: مؤطا امام مالک کتاب الاقضیہ باب الترغیب فی القضاء بالحق۔

اجعلو الناس عند کم فی الحق سواء قریبھم کبعید ھم و بعیدھم کقریبھم وایا کم والسرشی۔[1]

انصاف میں تمام لوگوں کو برابر سمجھو، قریب و بعید میں فرق و امتیاز نہ کرو اور رشوت سے بچو۔

اس کے ساتھ قضاۃ کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں اور قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص معزز اور دولت مند نہ ہو وہ قاضی نہ مقرر کیا جائے اس کی وجہ یہ تھی، کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کا رعب و داب کا اثر نہ پڑے گا۔

علانیہ رشوت خواری کے علاوہ بہت سے مخفی طریقے ہیں جن کے ذریعہ سے رشوت دی جا سکتی ہے، مثلاً حکام کو اگر تجارت کی اجازت دی جائے تو وہ اس کے ذریعہ سے بہت کچھ ذاتی فوائد حاصل کر سکتے ہیں، ہدیہ بھی رشوت خواری کا ایک مہذب ذریعہ بن سکتا ہے اور بنتا ہے، حضرت عمر ؓ نے ان تمام طریقوں کا سدباب کیا چنانچہ قاضی شریح کو جب قضائت کے عہدے پر مامور کیا تو فرمایا۔

لا تشترو لا تبع ولا ترتش۔[2]

نہ کچھ خرید دو، نہ کچھ بیچو اور نہ رشوت لو

ہدیہ کی طرف ایک واقعہ کے اثر سے ان کی توجہ مبذول ہوئی، ایک شخص معمولاً ہر سال ان کی خدمت میں اونٹ کی ایک ران ہدیۃً بھیجا کرتا تھا، ایک بار وہ فریق مقدمہ ہو کر دربار خلافت میں حاضر ہوا تو کہا کہ امیر المومنین! ہمارے مقدمہ کا ایسا دوٹوک فیصلہ کیجئے جس طرح اونٹ کے ران کی بوٹیاں ایک دوسرے سے جدا کی جاتی ہیں، حضرت عمر ؓ اس ناجائز اشارے کو سمجھ گئے اور اسی وقت تمام عمال کو لکھ بھیجا کہ ہدیہ نہ قبول کرو کیونکہ وہ رشوت ہے۔[3]

ماہرین فن کی شہادت

مقدمات میں شہادت کی توثیق و اعتبار کا ایک بڑا ذریعہ یہ ہے کہ ماہرین فن کی شہادت لی جائے، یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا ہے، اس کے متعلق اس فن کے ماہرین کا اظہار لے کر فیصلہ کیا جائے، حضرت عمر ؓ نے اس اصول پر نہایت کثرت سے عمل کیا، ایک بار حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو کہی اور اس نے دربار خلافت میں مقدمہ دائر کیا، تو حضرت عمر ؓ نے پہلے حسان بن ثابت ؓ سے مشورہ لیا، اس کے بعد حطیہ کو سزا دی۔[4]

۱: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴۔
۲: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۵۔
۳: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۷۔
۴: اسد الغابہ تذکرہ زبرقان بدر۔

ایک بار ایک بیوہ عورت نے عدت کے دن گذار کے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا، لیکن وہ پہلے سے حاملہ تھی۔ اسلئے دوسرے شوہر کے پاس ساڑھے چار مہینے کے بعد اسکے بچہ پیدا ہوا۔ حضرت عمر ؓ کی خدمت میں معاملہ پیش ہوا تو انہوں نے زمانہ جاہلیت کی پرانی عورتوں کا اظہار لیا اور انہوں نے اسکی ایک ایسی معقول وجہ بیان کی جس سے عورت بے قصور ثابت ہوئی۔ اسلئے حضرت عمر ؓ نے بچہ کو پہلے شوہر کی طرف منسوب کیا اور دونوں میاں بی بی سے کہا "اس میں تمہارا کوئی قصور نہ تھا" ایک اور مقدمہ پیش ہوا، جس میں دو شخص ایک بچے کے باپ ہونے کے مدعی تھے اس کی نسبت حضرت عمر ؓ نے ایک قیافہ شناس کا اظہار لیا۔[1]

تحریری فیصلے

اس زمانہ کے تمدن کے لحاظ سے اگرچہ مقدمات کا فیصلہ نہایت سادہ طور پر کیا جاتا تھا، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تمام مقدمات کے فیصلے لکھے جاتے تھے تاہم تفحص و جستجو سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اہم مقدمات کے فیصلے لکھے جاتے تھے جو آئندہ چل کر فریق مقدمہ کے کام آتے تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت رباب بن حذیفہ ؓ نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کے بطن سے تین اولاد پیدا ہوئی، ان کے مرنے کے بعد حضرت عمرو بن العاص ؓ نے جو ان کے عصبہ تھے ان تمام بچوں کو شام بھیج دیا اور وہ وہاں جا کر مر گئے ان کے بعد وراثت کے متعلق نزاع ہوئی تو حضرت عمر ؓ نے عصبہ کو وراثت دلوائی اور تحریر لکھوا دی جس میں تین شخص یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ حضرت زید بن ثابت ؓ اور ایک اور شخص کے دستخط بطور شاہد کے ثبت تھے، چنانچہ ایک موقع پر جب ان لوگوں میں نزاع ہوئی تو عبدالملک نے اسی تحریر کے مطابق فیصلہ کیا۔[2]

حضرت عمر ؓ نے حضرت علی ؓ اور حضرت عباس ؓ کے مقابلہ میں صفایائے نبوی کی نسبت جو فیصلہ کیا تھا۔ وہ بھی ایک شخص کے پاس لکھا ہوا محفوظ تھا۔[3]

اخلاق کا اثر مقدمات پر

مقدمات کی کثرت و قلت کو ایک بہت بڑا اخلاقی معیار قرار دیا جا سکتا ہے جس ملک، جس قوم اور جس خاندان کی اخلاقی حالت نہایت پست ہو جاتی ہے اس میں ذرا ذرا سی بات پر نزاع

۱: موطا امام مالک کتاب الاقضیۃ باب الشہادات۔
۲: ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی الولاء۔
۳: ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی صفایا رسول اللہ۔

ہوتی ہے، مقدمات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ہر معاملہ کی نسبت لوگ جھوٹی سچی شہادت دینے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں، چنانچہ ایک بار جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون لوگ بہتر ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

خیر امتی القرن الذین یلونی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجی قوم تبدر شھادہ احدھم یمینہ و تبدر یمینہ شھادۃ (مسلم کتاب المناقب)

سب سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر صحابہ ؓ کا پھر تابعین کا اس کے بعد ایک ایسی قوم پیدا ہو گی جو شہادت سے پہلے قسم کھائے گی، اور قسم سے پہلے شہادت دے گی۔

لیکن صحابہ کرام ؓ کے زمانہ تک جھوٹی شہادت ایک ایسا جرم خیال کی جاتی تھی کہ لوگ بچوں کو اس سے بچنے کی ہدایت کرتے تھے، اسی حدیث میں ہے۔

قال ابراھیم کانوا ینھو ننا و نحن غلمان عن العھدو الشھادات

ابراہیم کہتے ہیں کہ بچپن میں لوگ ہم کو شہادت اور عہد سے منع کرتے تھے،

ایک بار عراق کا ایک شخص حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں ایک ایسے معاملہ کیلئے آیا ہوں جس کا نہ تو سر ہے نہ دم، ہمارے ملک میں جھوٹی شہادتوں کا رواج ہو چلا ہے، حضرت عمر ؓ نے نہایت تعجب سے کہا کہ "ہاں ایسا ہے"۔[1]

مقدمات کی قلت کا یہ حال تھا کہ حضرت سلیمان بن ربیعہ ؓ باہلی جو کوفہ کے قاضی تھے ان کی نسبت ابو وائل کا بیان ہے، کہ میں مستقل چالیس دن تک ان کے پاس آتا جاتا رہا، لیکن ان کے یہاں کسی فریق مقدمہ کو نہیں دیکھا۔[2]

۱: مؤطا امام مالک کتاب الاقضیہ باب الشہادت۔
۲: اسد الغابہ تذکرہ سلمان بن ربیعہؓ باہلی۔

صیغۂ محاصل و خراج

فتوحات کا سلسلہ اگرچہ حضرت ابو بکر ﷺ کے زمانہ خلافت میں شروع ہو گیا تھا، لیکن خراج کا باقاعدہ نظام حضرت عمر ﷺ کے عہد خلافت میں قائم ہوا، چنانچہ سب سے پہلے عراق کی فتح کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی تو بہت سے صحابہ ﷺ نے کہا کہ مال غنیمت کی طرح زمین اور جائدادیں بھی مجاہدین پر تقسیم کر دی جائیں لیکن حضرت عمر ﷺ کا خیال تھا کہ اگر زمین بھی تقسیم کر دی گئی تو آئندہ نسل کیلئے کیا رہ جائے گا؟ سرحد کی حفاظت کیونکر ہو سکے گی؟ یتیموں اور بیواؤں کی پرورش کا کیا انتظام ہو گا؟ اس غرض سے انہوں نے تمام قدماء مہاجرین کو مشورہ کیلئے جمع کیا اور ان لوگوں میں حضرت علی ﷺ، حضرت طلحہ ﷺ، حضرت عثمان ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نے حضرت عمر ﷺ کی رائے سے اتفاق کیا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ نے مخالف گروہ کی تائید کی۔ بالآخر حضرت عمر ﷺ نے ایک عام اجلاس کیا جس میں شرفائے انصار سے دس، اوس سے پانچ اور خزرج سے پانچ بزرگ شریک ہوئے، حضرت عمر ﷺ نے کھڑے ہو کر ایک نہایت پرزور تقریر کی اور سب نے ان کی رائے سے اتفاق کر لیا۔[1]

اس مرحلہ کے طے ہو جانے کے بعد حضرت عمر ﷺ نے بندوبست کی طرف توجہ کی اور صحابہ ﷺ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس خدمت کیلئے کون موزوں ہے؟ تمام صحابہ ﷺ نے حضرت عثمان بن حنیف ﷺ کا نام لیا اور کہا کہ وہ اس سے بھی اہم خدمات کے انجام دینے کی قابلیت رکھتے ہیں۔[2] حضرت عمر ﷺ نے پانچ درہم اور ایک جراب آٹا روزانہ کر کے حساب سے تنخواہ مقرر کی، حضرت حذیفہ بن الیمان ﷺ کو ان کا شریک کار مقرر فرمایا[3] اور حکم دیا کہ ٹیلوں، جنگلوں، گڈھوں اور ان زمینوں کی جن کی آب پاشی ناممکن ہے پیائش نہ کی جائے اور ناقابل برداشت جمع نہ تشخیص کی جائے، اس اصول کے مطابق ان بزرگوں نے پیائش کا کام ختم کیا تو کل رقبہ طول میں تین سو پچھتر ۳۷۵ میل اور عرض میں ۲۴۰ میل یعنی کل تیس ہزار ۳۰،۰۰۰ میل مکسر[ف] ٹھہرا، اس میں پہاڑ صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین

۱: کتاب الخراج صفحہ ۱۴۔
۲: استیعاب تذکرہ حضرت عثمان بن حنیف۔
۳: یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۷۔
ف: ل مربع میل

تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی، خاندان شاہی کی جاگیر، آتش کدوں کے اوقاف، لاوارثوں، مفروروں اور باغیوں کی جائداد دریابرآورد جنگل اور ان زمینوں کو جو سڑکوں کی تیاری اور ڈاک کے مصارف کیلئے مخصوص تھیں، حضرت عمر ﷺ نے خالصہ قرار دیا۔[1] باقی تمام زمینیں مالکان قدیم کے قبضے میں دے دی گئیں اور ان پر حسب ذیل مالگذاری مقرر کی گئی۔

گیہوں	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	دو ۲ درہم سالانہ
جو	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	ایک درہم سالانہ
نیشکر	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	چھ درہم سالانہ
روئی	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	پانچ درہم سالانہ
انگور	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	دس درہم سالانہ
نخلستان	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	دس درہم سالانہ
تل	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	آٹھ درہم سالانہ
ترکاری	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	تین درہم سالانہ

جمع تشخیص ہو گئی تو دونوں بزرگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے جمع سخت تو تشخیص نہیں کی؟ انہوں نے کہا "ابھی تو اس میں اضافہ کی اور بھی گنجائش ہے" بولے "پھر غور کر لو جمع نا قابل برداشت تو تشخیص نہیں کی گئی" انہوں نے کہا "نہیں۔" اب فرمایا کہ اگر زندہ رہا تو اپنے بعد عراق کی بیواؤں کو کسی دوسرے کا محتاج نہ ہونے دوں گا۔[2]

خراج کی تشخیص میں سب سے زیادہ عادلانہ طریقہ یہ اختیار کیا ذمی رعایا سے اس میں مشورہ لیا چنانچہ انہوں نے عراق کا بندوبست کرنا چاہا تو مشورہ کیلئے وہاں سے دو چوہدری طلب کئے جن کے ساتھ ایک ترجمان بھی تھا، اسی طرح مصر کی عامل کو لکھا کہ خراج کے معاملے میں مقوقس سے رائے لے لو، زیادہ واقفیت کیلئے ایک واقف کار قبطی کو مدینہ میں طلب فرمایا اور اسکا اظہار لیا۔[3]

عراق کے سوا حضرت عمر ﷺ نے اور کسی صوبے کی پیائش نہیں کرائی، البتہ قدیم طریقہ بندوبست میں جہاں جہاں غلطی دیکھی اس کی اصلاح کر دی، مثلاً مصر سے رومی خراج کے علاوہ غلے کی ایک مقدار کثیر وصول کرتے تھے جو سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کیلئے روانہ کی جاتی تھی اور خراج میں محسوب نہیں ہوتی تھی، حضرت عمر ﷺ نے یہ دونوں جابرانہ طریقے موقوف کر دیئے۔

---

۱ فتوح البلدان صفحہ ۲۷۱۔
۲ بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان۔
۳ مقریزی ج اص ۷۶،۷۵۔

زمینداری اور ملکیت کے متعلق انہوں نے سب سے بڑی اصلاح یہ کی کہ زمینداری کے متعلق قدیم جابرانہ قانون کو بالکل مٹادیا، مثلاً جب رومیوں نے شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں کے قبضہ سے نکال کر اراکین دربار کو دے دیں، کچھ خالصہ قرار دیا اور کچھ گرجوں پر وقف کر دیں، لیکن حضرت عمر ﷛ نے اس قاعدہ کو مٹا کر یہ قاعدہ بنادیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے، یعنی اگر قیمت دے کر بھی خریدنا چاہیں تو خرید نہیں سکتے یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا، چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین خریدی تو بڑے بڑے پیشوایان مذہبی مثلاً امام مالکؒ، نافع بن یزید وغیرہ نے ان پر سخت اعتراض کیا۔[1]

حضرت عمر ﷛ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام فوجی افسروں کے نام حکم بھیج دیا کہ لوگوں کیلئے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں، اس لئے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے، چنانچہ شریک غطفی نامی ایک شخص نے مصر میں کچھ زراعت کرلی تو حضرت عمر ﷛ نے بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ "تجھ کو ایسی سزا دوں گا جو دوسروں کیلئے عبرت انگیز ہوگی۔[2]

ایک دفعہ عبداللہ بن الحر العنسی نے شام میں کھیتی کی اور حضرت عمر ﷛ کو معلوم ہوا تو اس کی کل جائداد برباد کروادی۔[3]

بندوبست کے ساتھ حضرت عمر ﷛ نے ترقی زراعت کی طرف خود توجہ کی اور لوگوں کی توجہ دلائی، ایک مرتبہ ایک شخص سے پوچھا تمہارا وظیفہ کیا ہے؟ اس نے کہا ڈھائی ہزار، فرمایا قبل اس کے قریش کے لونڈے سر یر آرائے حکومت ہوں کھیتی کرلو ورنہ ان کے بعد وظیفہ کوئی چیز نہ رہ جائے گا۔[4] عام حکم دے دیا کہ جو آفتادہ زمینیں ہیں ان کو جو شخص آباد کریگا اسکی ملک ہو جائیں گی لیکن اگر کوئی شخص تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو اسکے قبضہ سے نکل جائیں گی۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال ﷛ کو ایک قطعہ بطور جاگیر کے دیا تھا، لیکن انہوں نے اسکو آباد نہیں کیا تو حضرت عمر ﷛ نے اسکو ان کے قبضے سے نکال لیا۔[5] اسطرح ان کے زمانے میں زرعی پیداوار میں اسقدر اضافہ ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ تک صدقۂ فطر میں صرف جو، کھجور اور منقی وغیرہ دیا جاتا تھا، لیکن جب ان کے عہد خلافت میں گیہوں کی پیداوار میں غیر معمولی اضافہ ہوا، تو انہوں نے ان چیزوں کے عوض نصف صاع گیہوں مقرر کردیا۔[6]

۱: مقریزی ۲۹۵۔ ۲: حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۶۸۔
۳: اصابہ تذکرہ عبداللہ بن الحر العنسی۔
۴: ادب المفرد باب الابل غرلاھلہ۔
۵: وفاء الوفاء صفحہ ۱۹۰۔ ۶: ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب کم یودی فی صدقۃ الفطر۔

وصولی خراج کا طریقہ

وصولی خراج میں حضرت عمر ﷛ نے سب سے زیادہ آسانی یہ پیدا کی کہ خود رعایا کو اختیار دیا کہ وہ وصولی خراج کیلئے بہترین اشخاص منتخب کر کے دربار خلافت میں روانہ کرے چنانچہ کوفہ والوں نے عثمان بن فرقد کو، شام والوں نے معن بن یزید کو، بصرہ والوں نے حجاج بن علاط کو، منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمر ﷛ نے ان کو عامل خراج مقرر کر دیا۔[۱] خراج وصول ہو کر آتا تھا تو دس ثقہ آدمی کوفہ سے، اور اسی قدر بصرہ سے طلب کرتے تھے اور ان کا حلفیہ اظہار لیتے تھے کہ مالگذاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔[۲]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی وصولی خراج میں نہایت نرمی اختیار کی، چنانچہ ایک بار کسی عامل کو وصولی خراج کیلئے مقرر فرمایا تو یہ وصیتیں کیں۔

لا تضربن رحلا سو طافی جبایة درهم ولا تتبعن لهم ازقاولا كسوه شتاء ولا صيفاء ولا دابته تصعلون عليها ولا تقيمن رحلا قائما في طلب درهم۔

کسی شخص کو، مالگذاری کے وصول کرنے میں کوڑا نہ مارو ان کی روزی، ان کے گرمی اور جاڑے کے کپڑے اور بار برداری کے جانور نہ لو اور کسی کو کھڑا نہ کرو۔

اس نے کہا "تو اے امیر المومنین! یہ کہئے کہ میں یوں ہی خالی ہاتھ واپس آؤں" فرمایا یہ بھی سہی ہم کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ فاضل مال سے مالگذاری وصول کریں۔[۳]

جزیہ

جزیہ بھی خراج کی طرح نہایت نرمی کے ساتھ وصول کیا جاتا تھا، جو لوگ لاپچ اور بیکار ہو جاتے تھے، ان کا جزیہ معاف کر دیا جاتا تھا، اور ان کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا۔ چنانچہ قاعدہ حضرت ابو بکر ﷛ ہی کے زمانہ میں مقرر ہو گیا تھا، اور حضرت عمر ﷛ نے بھی اس کو قائم رکھا ذمیوں کو کسی قسم کی اذیت دے کر جزیہ وصول کرنے کی اجازت نہ تھی، ایک دفعہ حضرت عمر ﷛ نے دیکھا کہ دھوپ میں کھڑا کر کے کچھ لوگوں کے سر پر زیتون کا تیل ڈالا جا رہا ہے، وجہ پوچھی تو معلوم ہوا، کہ جزیہ ادا نہ کرنے کے جرم میں یہ سزا دی جارہی ہے، فرمایا ان کو چھوڑ دو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا میں بندوں کو تکلیف دیتے ہیں خدا قیامت میں ان کو عذاب دیتا ہے۔

۳: کتاب الخراج صفحہ ۶۴۔
۴: کتاب الخراج صفحہ ۶۵۔
۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

عشر

غیر قوموں سے ایک اور تجارتی ٹیکس لیا جاتا تھا، جس کا نام عشر تھا، یہ اسلام کی کوئی جدید ایجاد نہ تھی بلکہ جاہلیت ہی کے زمانے میں اسکا رواج تھا اور حضرت عمر ﷛ نے اسی کو قائم رکھا[1]
اسکے وصول کرنے کا طریقہ نہایت آسان تھا، کسی کے اسباب کی تلاشی نہیں لی جا سکتی تھی۔ دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا، شام کے نبطی چونکہ گیہوں کی تجارت کرتے تھے۔ اسلئے حضرت عمر ﷛ ان سے نصف عشر لیتے تھے کہ مدینہ میں اسکی درآمد زیادہ ہو۔[2]

زکوٰۃ عشور

زکوٰۃ کے وصول کرنے میں بھی ہر قسم کی آسانیاں ملحوظ رکھی جاتی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے عمال کو حکم دیا تھا کہ زکوٰۃ میں بہترین مال نہ لیا جائے، خلفائے راشدین ﷛ بھی نہایت شدت کے ساتھ اس حکم کی پابندی کرتے تھے، ایک بار حضرت عمر ﷛ نے اموال صدقہ میں ایک بڑے تھن والی بکری دیکھی تو فرمایا "اس کے مالک نے اس کو بخوشی نہ دیا ہو گا، اس طرح مسلمانوں کو نہ بدکاؤ"۔[3]

دیوان، دفتر، بیت المال

جزیہ، خراج، عشور اور زکوٰۃ سے جو رقم وصول ہوتی تھی، حضرت ابو بکر ﷛ کے زمانے تک علی السویہ تمام مسلمانوں پر تقسیم ہو جاتی تھی لیکن حضرت عمر ﷛ کے زمانے میں جب باقاعدہ نظام سلطنت قائم ہوا، تو اس کیلئے دیوان، دفتر اور بیت المال قائم کیا گیا، خراج کا دفتر جیسا کہ قدیم زمانہ میں فارسی، شامی اور قبطی زبان میں تھا حضرت عمر ﷛ کے زمانے میں بھی قائم رہا کیونکہ ابھی تک اہل عرب نے اس فن میں اس قدر ترقی نہیں کی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو سکتا۔

بیت المال کے رجسٹر نہایت صحت اور تفصیل کے ساتھ مرتب کئے جاتے تھے چنانچہ صدقہ و زکوٰۃ کے مویشی آتے تھے تو ان کے رنگ، حلیہ اور سن تک لکھے جاتے تھے۔[4] بیت المال میں جو رقم جمع ہوتی تھی اس کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے وظیفے میں صرف ہو جاتا تھا، جن کے سالانہ وظائف علی قدر مراتب حسب ذیل تھے۔

شرکائے غزوہ بدر	پانچ ہزار درہم سالانہ
مہاجرین حبش اور شرکائے غزوہ احد	چار ہزار درہم سالانہ

۱، ۲: مؤطا امام مالک کتاب الزکوۃ باب عشور اہل الذمہ۔
۳: مؤطا امام مالک کتاب الزکوۃ باب النہی عن التضییق علی الناس فی الصدقۃ۔
۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت فاروق۔

مہاجرین قبل از فتح مکہ	تین ہزار درہم سالانہ
جو لوگ فتح مکہ میں اسلام لائے	دو ہزار درہم سالانہ
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے	دو ہزار درہم سالانہ
اہل یمن	چار ہزار درہم سالانہ
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	تین سو درہم سالانہ
بلا امتیاز مراتب	دو سو درہم سالانہ

ان لوگوں کے اہل عیال بلکہ غلاموں کے وظائف بھی مقرر تھے، چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کا وظیفہ دو سو ۲۰۰ سے چار سو ۴۰۰ درہم تک اہل بدر کے اولاد ذکور کا وظیفہ دو ۲ دو ۲ ہزار درہم مقرر تھا ان مصارف کے بعد صوبجات اور اضلاع کے بیت المال میں جو رقم بچ جاتی تھی، وہ مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔[1] جن لوگوں کے وظیفے ملتے تھے ان کے نام مع ولدیت درج رجسٹر ہوتے تھے [2] اور ان کی ترتیب کیلئے بڑے بڑے قابل لوگ مثلاً حضرت عقیل بن ابی طالب ﷺ، مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم وغیرہ مامور تھے۔

۱: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۶۳ بحوالہ ابن سعد۔
۲: مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۱۔

پبلک ورک
یا
نظارت نافعہ

اصطلاحی حیثیت سے اگرچہ اس صیغہ میں صرف نہریں، سرکاری عمارتیں، پل، بند شفاخانے اور کنوئیں وغیرہ داخل ہیں لیکن ہم نے اس میں صحابہ کرام ؓ کے اوقاف وصدقات جاریہ کو بھی شامل کر لیا ہے، کیونکہ اوقاف وصدقات کا مقصد بھی رفاہ عام کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

کنوئیں

رفاہ عام کی چیزوں میں اگرچہ کنوئیں اب نہایت معمولی درجے کی چیز خیال کئے جاتے ہیں لیکن عرب میں وہ نہایت گراں قیمت چیز سمجھے جاتے تھے، اسی بنا پر حدیث میں آیا ہے کہ "سب سے اچھا صدقہ پانی ہے" اسلام میں رفاہ عام کے کاموں کی ابتدا سب سے پہلے اسی صدقہ جاریہ سے ہوئی چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی تو مدینہ میں آب شیریں کی نہایت قلت محسوس ہوئی، آب شیریں کا صرف ایک کنواں تھا، جس کا نام بیر رومہ تھا اس لئے آپ نے تمام مسلمانوں کی طرف خطاب کر کے کہا کہ اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کیلئے اس کو کون خریدتا ہے؟ حضرت عثمان ؓ کو یہ سعادت نصیب ہوئی اور انہوں نے اس کو اپنے صلب مال سے خرید کر تمام مسلمانوں پر وقف کر دیا۔[1]

حضرت عثمان ؓ نے اور بھی متعدد کنویں، مثلاً بیر سائب، بیر عامر، بیر اریس، کھدوائے اور مسلمانوں پر وقف کئے۔[2]

اس کے بعد اور صحابہ ؓ نے بھی متعدد کنویں کھدوائے، حضرت سعد بن عبادہ ؓ کی والدہ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ ان کیلئے کون سا صدقہ بہتر ہوگا؟ ارشاد ہوا "پانی" چنانچہ انہوں نے ماں کی یادگار میں ایک کنواں کھدوایا،[3] مدینہ میں ایک اور کنواں جس کا نام بیر ملک تھا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے وقف تھا۔[4]

۱: نسائی کتاب الاحباس۔ ۲: وفاء الوفا ص ۲۵۲۔
۳: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ فی فضل سقی الماء لیکن نسائی کتاب الاحباس میں ہے کہ انہوں نے بطور صدقہ کے متعدد باغ وقف کئے تھے۔ ۴: وفاء الوفاء ص ۲۵۸۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد جب صحابہ کرام ؓ کے سر پر خلافت الٰہی کا تاج رکھا گیا تو اس صدقہ جاریہ کی طرف اور بھی توجہ ہوئی اگرچہ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اس زمانے میں کتنے کنوئیں کھودے گئے تاہم بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء کو اس کا نہایت اہتمام تھا، معجم البلدان ذکر تبوک میں ہے کہ وہاں ایک کچا کنواں تھا جو ہمیشہ گر گر پڑتا تھا حضرت عمر ؓ کے حکم سے ابن عریض نامی ایک یہودی نے اس کو پختہ کرادیا۔

چوکیاں اور سرائیں

عرب کے لوگ اکثر سفر کیا کرتے تھے، بالخصوص سال میں ایک بار تمام عرب کو حج کا احرام باندھنا پڑھتا تھا باینہمہ راستہ میں مسافروں کے آرام و آسائش کا بہت کم سامان تھا لیکن خلفاء کے عہد میں مسافروں کے آرام و آسائش کے تمام سامان مہیا ہو گئے چنانچہ جو لوگ راستے میں مسافروں کو پانی پلایا کرتے تھے، انہوں نے حضرت عمر ؓ سے اجازت طلب کی اور مکہ اور مدینہ کے درمیان سرائیں بنوانا چاہیں، حضرت عمر ؓ نے اس شرط پر اجازت دی کہ مسافر پانی اور سایہ کے سب سے زیادہ مستحق ہوں گے۔[1]

شاہ ولی اللہ صاحب کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے اسی سلسلہ میں متعدد کنوئیں بھی کھودوائے اور جو کنوئیں پٹ گئے تھے ان کو صاف کروایا۔[2]

انہوں نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ایسے اشخاص بھی مقرر کئے جو گم گشتگان قافلہ کو سیراب راستوں سے لے جاکر منزل مقصود تک پہنچا آتے تھے،[3]

مہمان خانے

اول اول حضرت عمر ؓ نے مسافروں کیلئے کوفہ میں ایک مہمان خانہ قائم کیا، فتوح البلدان میں ہے۔

امر عمر ان یتخذ لمن یرو من الآفاق دارا فکانوا ینزلونھا۔[4]

حضرت عمر ؓ نے حکم دیا کہ جو لوگ اطراف ملک سے مسافر خانہ وارد ہوتے ہیں ان کیلئے ایک مہمان خانہ قائم کیا جائے چنانچہ جو مسافر آتے تھے اسی مہمان خانے میں اترتے تھے۔

اس کے بعد حضرت عثمان ؓ نے کوفہ میں ایک اور مہمان خانہ قائم کیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ باہر سے لوگ تجارت کا غلہ لے کر آتے تھے وہ عموماً پرائیویٹ مکانوں میں قیام کرتے

۱: فتوح البلدان ص ۶۰۔ ۲: ازالۃ الخفاء
۳: مقریزی جلد اول صفحہ ۴۹۱۔
۴: فتوح البلدان صفحہ ۲۸۶۔

تھے اس غرض سے بعض فیاض طبع لوگوں نے یہ انتظام کیا تھا کہ بازار میں منادی کروا دیتے تھے کہ جس کے قیام کا بندوبست نہ ہو وہ ہمارے مکان میں قیام کر سکتا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے ان لوگوں کیلئے ایک مہمان خانہ قائم کر دیا۔[1]

حوض اور نہریں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رفاہ عام کی غرض سے جابجا مکہ اور مدینہ میں بہ کثرت حوض اور چشمے تیار کرائے، حضرت عثمان نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا تو انہوں نے عرفات میں بہت سے حوض بنوائے اور متعدد نہریں جاری کیں۔[2] حمی قید کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک نہر کھدوائی جس کا نام عین النخل تھا۔[3] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی متعدد نہریں وقف عام کی تھیں، چنانچہ مقام ینبع میں ان کے ذاتی ملک میں بہت سی چھوٹی چھوٹی نہریں تھیں، انہوں نے سب کو وقف عام کر دیا۔[4] اسی طرح اور دو نہروں کو انہوں نے فقرائے مدینہ پر وقف کر دیا تھا، چنانچہ ایک بار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر قرض ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک نہر کے بدلے دو لاکھ دینار دینا چاہے مگر انہوں نے کہا کہ میں اپنے باپ کا وقف فروخت کرنا نہیں چاہتا۔[5]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہروں کے جاری کرنے کا خاص اہتمام تھا، خلاصۃ الوفاء میں ہے۔

كان بالمدينة الشريفة وما حولها عيون كثيرته و كان لمعاوية اهتمام بهذا الباب۔[6]

مدینہ شریف اور اس کے متصل بکثرت نہریں تھیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس باب میں خاص اہتمام تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو نہریں جاری کرائیں ان میں نہر کظامہ،[7] نہر ازرق،[8] نہر شہداء[9] وغیرہ کا نام وفاء الوفاء اور خلاصۃ الوفاء میں مذکور ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہاڑوں کی بعض گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر ان کو بھی تالاب کی صورت میں بدل دیا تھا، جس میں پانی جمع ہوتا تھا۔[10]

خلفاء کے علاوہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی پانی کے چشمے وقف عام کئے تھے، مثلاً حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک چشمہ خرید کر راہیوں پر وقف کر دیا تھا۔[11]

1: حسن المحاضرہ جلد ا صفحہ ۹۲۔
2: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ۔
3: خلاصۃ الوفاء ص ۲۵۷۔
4: وفاء الوفاء ص ۹۴۳۔
5: معجم ذکر عین ابی نیزر۔
6: خلاصۃ الوفاء ص ۲۴۳۔
7: وفاء الوفاء ص ۱۱۷۔
8: خلاصۃ الوفاء صفحہ ۲۳۶۔
9: خلاصۃ الوفاء صفحہ ۲۳۷۔
10: وفاء الوفاء صفحہ ۳۲۱۔
11: وفاء الوفاء صفحہ ۳۶۰۔

نہر سعد

مکہ اور مدینہ کے علاوہ صحابہ کرام ﷺ نے مختلف شہروں میں نہریں جاری کیں انبار والوں کو مدت سے ایک نہر کی ضرورت محسوس ہورہی تھی، چنانچہ اس کیلئے حضرت عمر ﷺ کے عہد خلافت میں ان لوگوں نے حضرت سعد وقاص ﷺ سے درخواست کی تو انہوں نے حضرت سعد بن عمرو بن حرام ﷺ کو اس کام پر مامور کیا، انہوں نے بڑے اہتمام سے کام جاری کیا لیکن کچھ دور پہنچ کر بیچ میں ایک پہاڑ آگیا، اس لئے کام وہیں تک پہنچ کر رک گیا، بعد کو حجاج نے اس کی تکمیل کی لیکن الفضل للمتقدم کی بنا پر یہ نہر حضرت سعد بن عمرو ﷺ ہی کے نام سے مشہور تھی۔[1]

نہر ابی موسی

بصرہ والوں کو آب شریں کی سخت تکلیف تھی، ایک بار انکا ایک وفد حضرت عمر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور وفد کے ایک ممبر یعنی حنیف بن قیس نے نہایت پر اثر تقریر میں حضرت عمر ﷺ کو اس طرف توجہ دلائی، حضرت عمر ﷺ نے اسی وقت حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ کے نام ایک تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ والوں کیلئے ایک نہر کھدوادی جائے، چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ نے اس نہر کو دجلہ سے نکال کر نہر ابلہ سے ملادیا اخیر میں اس کا کچھ حصہ پٹ گیا لیکن حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز ﷺ نے جو حضرت عثمان ﷺ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے اس کی مرمت واصلاح کروادی۔[2]

نہر معقل

یہ نہر بھی حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ نے حضرت عمر ﷺ کے حکم سے بصرہ میں کھدوائی، چونکہ اس کی تیاری کا کام حضرت معقل ﷺ کے سپرد کیا گیا تھا، اس لئے انہی کے نام سے مشہور ہوگئی، حضرت امیر معاویہ ﷺ کے زمانہ میں زیاد نے دوبارہ اس نہر کو کھدوایا اور تبرکاً حضرت معقل ﷺ ہی سے اس کا افتتاح کروایا افتتاح کرنے کے بعد ایک آدمی کو ہزار درہم دیئے اور کہا کہ دجلہ کے کنارے گھوم آؤ اگر ایک شخص بھی اس نہر کو زیاد کی نہر کہتا ہوا ملے تو اس کو یہ رقم دے دو، لیکن بچے بچے کی زبان سے معقل کا نام سن کر اس نے کہا ذالك فضل الله یو تیه من یشاء۔[3]

1: فتوح البلدان صفحہ ۲۸۳۔
2: فتوح البلدان صفحہ ۳۶۵۔
3: فتوح البلدان صفحہ ۳۶۶۔

نہر امیر المومنین

سن ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمر ؓ نے تمام صوبوں سے غلہ منگوایا لیکن شام و مصر سے چونکہ خشکی کا راستہ بہت دور تھا اس لئے غلہ کی روانگی میں کسی قدر دیر ہوئی، ان دقتوں کی بنا پر حضرت عمر ؓ نے حضرت عمرو بن العاص ؓ کو طلب کیا اور کہا کہ "اگر دریائے نیل سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط و گرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہو ورنہ خشکی کی راہ سے غلہ آنا وقت سے خالی نہیں۔" حضرت عمرو بن العاص نے پلٹ کر فوراً کام شروع کرا دیا اور ایک سال میں یہ نہر بن کر تیار ہو گئی یہ تفصیل حسن المحاضرہ میں ہے،[1] لیکن طبری میں ہے کہ جب حضرت عمر ؓ نے تمام امراء و عمال کے نام غلہ کیلئے تحریر حکم بھیجا تو خود حضرت عمرو بن العاص ؓ نے جواب میں لکھا کہ "پہلے بحر شام بحر عرب میں گرتا تھا لیکن رومیوں اور قبطیوں نے اس کو بند کر دیا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ مصر کی طرح مدینہ میں بھی غلہ کا نرخ ارزاں ہو تو میں اس غرض سے نہر تیار کرا کے اس پر پل بند ھواؤں "مصر والوں نے اگرچہ اپنے ذاتی مصالح کی بنا پر بہت کچھ واویلا کیا لیکن حضرت عمر ؓ نے اس معاملہ میں کسی کی نہ سنی چنانچہ جب یہ نہر بن کر تیار ہوئی تو عرب ہمیشہ کیلئے قحط کی مصیبت سے نجات پا گیا۔[2]

حضرت امیر معاویہ ؓ کے زمانے میں بھی بعض نہریں تیار ہوئیں مثلاً انہوں نے عبید اللہ بن زیاد کو خراسان کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو اس نے جبال بخاری کو کاٹ کر ایک نہر نکالی۔[3] انہی کے زمانے میں حکم بن عمرو نے ایک نہر جاری کی جس کا افتتاح نہ ہو سکا۔[4]

زرعی نہریں

حضرت عمر ؓ کے زمانے میں زرعی ترقی کا جو مستقل انتظام ہوا اس کے سلسلہ میں انہوں نے نہایت اہتمام کے ساتھ آب پاشی کیلئے نہریں کھدوائیں، چنانچہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور ان کے تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔[5]

حضرت امیر معاویہ ؓ کے زمانے میں اس صیغے کو اور بھی زیادہ ترقی ہوئی، ان کے زمانے میں صرف مدینہ اور اس کے آس پاس جو زرعی نہریں تھیں ان کے ذریعہ سے ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیہوں پیدا ہوتا تھا۔[6]

۱: حسن المحاضرہ سیوطی جلد ۱ صفحہ ۶۸۔
۲: طبری صفحہ ۲۵۷۷۔
۳: طبری صفحہ ۱۶۹ واقعات سن ۵۴ھ۔
۴: طبری صفحہ ۱۵۹ واقعات سن ۵۱ھ
۵: حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۶۳
۶: خلاصۃ الوفا صفحہ ۲۴۳۔

بند

مکہ میں جو چار مشہور سیلاب مختلف زمانوں میں آئے ان میں ایک سیلاب جو ام نہشل کے نام سے مشہور ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آیا اور مسجد حرام تک پہنچ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نیچے اوپر دو بند بندھوائے، جس نے مسجد حرام کو سیلاب کی زد سے محفوظ رکھا۔[1]

مدینہ میں ایک چشمہ تھا، جس کا نام مہزور تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس میں طغیانی آئی اور تمام مدینہ ڈوب گیا، اس لئے انہوں نے اس سے بچنے کیلئے ایک بند بندھولیا۔[2]

پل اور سڑک

خلفاء کے زمانے میں مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ صلح ہوتا تھا ان میں تمام شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی طے کرلی جاتی تھی کہ سڑکوں اور پلوں کا بنانا ان کے متعلق ہوگا، چنانچہ کتاب الخراج میں ایک معاہدہ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے،

وبناء القناطر علی الانہار من اموالھم۔[3]

نہروں پر ان کو اپنے صرف سے پل باندھنا ہوگا۔

تاریخ طبری واقعات ۱۶ھ میں ایک معاہدہ کے حسب ذیل فقرے نقل کئے ہیں:

فکان الفلاحون للطرق والجسور والاسواق والحرث والدلالۃ۔[4]

کاشتکاروں کا یہ فرض قرار دیا گیا کہ سڑک بنائیں، پل باندھیں، بازار لگائیں، کھیتی کریں اور مسلمانوں کو راستہ بتائیں۔

سرکاری عمارتیں

سرکاری عمارتوں کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی اور سرکاری کاموں کیلئے جس قدر عمارتوں کی ضرورت ہوتی ہے غالباً کل وجود میں آگئیں۔

دار الامارۃ

صوبجات اور اضلاع کے حکام کیلئے دار الامارۃ تعمیر کئے گئے جو گویا اس زمانے کے گورنمنٹ ہاؤس تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں غالباً سب سے پہلے بصرہ کا دار الامارۃ تیار ہوا۔

۱: فتوح البلدان صفحہ ۶۰۔ ۲: فتوح البلدان صفحہ ۱۷۔

۳: کتاب الخراج صفحہ ۸۰۔

۴: طبری صفحہ ۲۴۷۰ لیکن علامہ سیوطی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ خود بیت المال کے مصارف سے بھی پل وغیرہ بنوائے جاتے ہیں، چنانچہ حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۶۳ میں لکھتے ہیں۔

کانت فریضۃ مصر لحضر خلیجھا واقامۃ جسورھا وبناء قناطرھا وقطع ذائرھا مایۃ الف و عشرین الفا معھم الطود والمساحی والاداۃ یعتقبون ذالک لایدعون ذالک شتاء و لا صیفا۔

چنانچہ جب عتبہ بن غزوان نے فوجی ضرورت سے بصرہ کو آباد کیا تو اسکے ساتھ مقام ذہناء میں جس کو اب رحبہ بنی ہاشم کہتے ہیں، سادہ طور پر ایک مسجد، ایک جیل خانہ اور ایک دار الامارہ بھی تعمیر کرو لیا۔ بصرہ اول اول گویا چھپروں کا مجموعہ تھا، لیکن بعد کو حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ نے کچے مکانات بنوائے تو دار الامارۃ کو بھی کچی اینٹ سے تعمیر کر دیا اور چھت گھاس سے پٹوائی۔ حضرت امیر معاویہ ﷺ نے زیاد کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا تو اس نے مسجد میں بہت کچھ اضافہ کیا اور دار الامارۃ کو ہٹا کر مسجد کے سامنے قبلہ رخ کر دیا اور اس کی عمارت پہلے سے بھی مستحکم بنوائی۔[1]

اس کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ نے کوفہ کو آباد کیا تو اس کے ساتھ دار الامارۃ بھی تعمیر کر لیا۔ زیاد نے اس کی عمارت بھی دوبارہ مستحکم طور پر بنوائی۔[2]

مکہ میں ایک نہایت قدیم یادگار تھی جس کو دار الندوہ کہتے تھے، یہ عمارت قریش کا گویا دار الامارۃ تھی۔ جس میں وہ تمام اہم قومی معاملات کا فیصلہ کرتے تھے اخیر میں حضرت امیر معاویہ ﷺ نے اس کو خرید کر دار الامارۃ بنا لیا۔[3]

جیل خانے

حضرت عمر ﷺ نے اپنے عہد خلافت میں متعدد جیل خانے بنوائے۔ اول اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید کر کے جیل خانہ بنوایا۔[4] پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے، بصرہ کا جیل خانہ عتبہ بن غزوان نے تعمیر کروایا تھا، جو بالکل دار الامارۃ کے متصل تھا، کوفہ کا جیل خانہ بانس یا نرسل سے بنا تھا۔[5]

غلہ خانے

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ﷺ نے تمام سرکاری ضروریات کیلئے الگ الگ مکانات تعمیر کروائے تھے ہم کو تاریخوں میں دار الدقیق اور دار الرقیق کا اکثر نام ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدیان جنگ کے رہنے کیلئے کوئی مستقل مکان تعمیر کیا گیا تھا۔ اس طرح سرکاری آٹا کسی مستقل عمارت میں رکھا جاتا تھا، عام الرمادۃ میں مدینہ کی بندرگاہ جار پر جو غلہ آتا تھا اس کو رکھنے کیلئے حضرت عمر ﷺ نے دو بڑے بڑے محل بنوائے تھے۔[6]

بیت المال

اگرچہ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر ﷺ کے عہد خلافت

۱: فتوح البلدان صفحہ ۳۵۵۔ ۲: فتوح البلدان صفحہ ۲۸۵۔
۳: فتوح البلدان صفحہ ۵۹۔ ۴: مقریزی جلد دوم صفحہ ۱۸۷۔
۵: فتوح البلدان صفحہ ۳۶۸۔ ۶: یعقوبی صفحہ ۱۷۷۔

میں بیت المال قائم ہو چکا تھا لیکن در حقیقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کیلئے مستقل اور شاندار عمارتیں تعمیر کروائیں۔ چنانچہ کوفہ کا بیت المال ایک عظیم الشان محل کی صورت میں تعمیر ہوا تھا۔ جس کیلئے شاہان فارس کی عمارت سے اینٹیں منگائی گئی تھیں اور جس کو روزبہ ایک مشہور مجوسی معمار نے تیار کیا تھا۔[۱]

بازار

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں اگرچہ عرب کے تمام قدیم بازار مثلاً عکاظ، ذوالجنہ وغیرہ قائم تھے تاہم خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی متعدد بازار قائم کئے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو ایک کھلی ہوئی جگہ بازار کیلئے مخصوص کرلی گئی۔[۲]

مصر فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ "ہم مسجد جامع کے متصل آپ کیلئے ایک مکان تعمیر کرانا چاہتے ہیں۔" انہوں نے لکھا کہ "میں تو حجاز میں ہوں اور میرے لئے مصر میں مکان تعمیر ہوگا؟ اس جگہ ایک بازار قائم کردو۔" چنانچہ وہ بازار قائم کیا گیا اور اس میں غلام فروخت کئے جاتے تھے۔[۳]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا تو انہوں نے بہت سے مکانات خرید کر منہدم کروا دیئے اور اس جگہ ایک بازار قائم کیا۔[۴]

شفاخانے

اگرچہ ہم کو اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حفظان صحت کا نہایت خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضرہ کے باشندوں نے شکایت کی کہ ہمارا گاؤں وبائی امراض میں مبتلا رہتا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو۔ لوگوں نے کہا کہ وہ ہمارا وطن ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرب کے مشہور طبیب حارث بن کلدہ سے کہا کہ اب کیا تدبیر ہے؟ اس نے کہا کہ "زمین مرطوب ہے اور وہاں پسو اور مچھر بہت لگتے ہیں جو وباء کا سبب ہیں اس لئے ان لوگوں و قرب وجوار میں نکل جانا چاہئے، گھی اور کراث کھانا چاہئے، خوشبو لگانا چاہئے، ننگے پاؤں نہ چلنا چاہئے، دن کو سونا نہ چاہئے۔" چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ان تدبیروں پر عمل کرنے کا حکم دیا[۵] اور اگرچہ ہم کو اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بکثرت اطباء موجود تھے اور ان سے وہ کام لیتے تھے، چنانچہ حضرت معیقب دوسی رضی اللہ عنہ کو جذام ہوا تو ان کے علاج

---

۱ طبری صفحہ ۲۴۸۹۔　　۲: طبری صفحہ ۲۴۹۱۔
۳ حسن المحاضرہ جلد اول صفحہ ۵۹۔　　۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ۔
۵ خلاصۃ الوفاء صفحہ ۲۰۷۔

کیلئے انہوں نے مختلف اطباء بلوائے[۱] لیکن بااینہمہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء نے شفاخانے کیلئے کوئی عمارت تعمیر نہیں کروائی۔

چھاؤنیاں اور قلعے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں چونکہ فتوحات کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا اس لئے بکثرت فوجی چھاؤنیاں اور بکثرت قلعے تعمیر ہوئے۔ عام دستور یہ تھا کہ جب کوئی غیر محفوظ یا ساحلی مقام فتح ہوتا تو وہاں بقدر ضرورت فوج متعین کردی جاتی تھی جس سے ہر قسم کی شورش و بغاوت کا سدباب ہو جاتا تھا۔[۲] لیکن ان عارضی انتظامات کے علاوہ مستقل فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں اور تمام ساحلی مقامات قلعوں سے مستحکم کیے گئے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ میں شام کا سفر کیا تو تمام سرحدی مقامات کا دورہ کر کے فوجی چھاؤنیاں قائم کروائیں، ساحلی مقامات کا مستقل انتظام کیا اور حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو اس کا افسر مقرر فرمایا۔[۳] ۱۹ھ میں جب یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ سواحل شام کے استحکام کی زیادہ ضرورت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً حکم بھیجا تمام قلعوں کی مرمت کی جائے اور ان میں فوجیں رکھی جائیں۔ جتنے دریائی مناظر ہیں ان میں پہرہ دینے والے متعین کیے جائیں اور ہمیشہ آگ روشن رکھنے کا سامان کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر وغیرہ میں بھی اس قسم کی بہ کثرت چھاؤنیاں قائم کی، حضرت عثمان نے اس کو اور ترقی دی اور متعدد قلعے اور چھاؤنیاں بنوائیں۔ ایک گاؤں جس کا نام جسر منبج تھا، موسم گرما میں فوج کے قیام کیلئے آباد کرلیا۔[۴] اور جو ساحلی قلعوں میں اقامت گزین ہونا پسند کرتے تھے ان کو جاگیریں عطا کیں۔[۵] حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بحریات کا بہت زیادہ خیال تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں طرابلس فتح ہوا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بڑا قلعہ بنوایا جس کا نام حصن سفیان رکھا، اس قلعہ کے تعمیر ہونے سے ہر قسم کے بحری حملہ کا اندیشہ جاتا رہا۔[۶]

لاذقیہ، جبلہ اور انطرطوس کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تو قدیم دستور کے موافق حفاظت کیلئے کچھ فوجیں متعین کردیں لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام ساحلی استحکامات کے ساتھ یہاں بھی قلعے بنوائے۔[۷]

جزیرہ روڈس فتح ہوا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں بھی ایک قلعہ تعمیر کروالیا۔[۸]

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت معیقب دوسیؓ۔ ۲: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۴۔
۳: طبری صفحہ ۲۵۲۳۔ ۴: فتوح البلدان صفحہ ۱۵۷۔
۵: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۴۔ ۶: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۳۔
۷: فتوح البلدان صفحہ ۱۴۰۔ ۸: فتوح البلدان صفحہ ۲۴۴۔

حضرت امیر معاویہ ؓ نے بحری استحکامات کے علاوہ خاص اہل مدینہ کیلئے بھی ایک قلعہ بنوایا جس کا نام قصر خل تھا۔[1]

مقبرہ

حضرت عمر ؓ نے جبل مقطم پر جو مصر میں واقع ہے مسلمانوں اور عیسائیوں کا الگ الگ مقبرہ تعمیر کروایا، چنانچہ حضرت عمرو بن العاص ؓ، حضرت عبداللہ بن حارث زبیدی ؓ، حضرت عبداللہ بن حذافۃ السہمی ؓ، حضرت عقبہ بن عامر ؓ اسی مقبرے میں مدفون ہوئے۔[2]

حمام

مصر میں اگرچہ بہ کثرت حمام تھے لیکن وہ نہایت گندے و نجس رہتے تھے۔ اسلئے حضرت عمرو بن العاص ؓ نے ایک چھوٹا سا حمام تعمیر کروایا، جس کو رومی حمام الفار یعنی چوہوں کا حمام کہتے ہیں۔[3]

وصیت

نزع کا عالم بھی عجیب کشمکش کا عالم ہوتا ہے۔ ایک طرف تو آل و اولاد کی، ماں باپ کی، بھائی بند کی محبت دامن پکڑتی ہے، دوسری طرف عالم قدس کی کشش گریباں گیر ہوتی ہے۔ اس لئے دین و دنیا کی محبت کے موازنہ کیلئے اس سے بہتر زمانہ نہیں مل سکتا، اگر انسان دنیا کا شیدائی ہے تو وہ اپنا تمام مال و دولت صرف اعزہ و اقارب کو تفویض کر دیتا ہے اور اگر وہ اپنا رشتہ خدا کے ساتھ جوڑنا چاہتا ہے تو اپنی جائیداد کا معظم ترین حصہ خدا کی راہ میں صرف کرتا ہے اور آل و اولاد کو صرف اسی قدر دیتا ہے جس قدر ان کا حصہ اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیا ہے۔ صحابہ کرام ؓ اللہ تعالیٰ کے صالح بندے تھے۔ اسلئے وہ اس عالم میں جو کچھ دیتے تھے خدا ہی کو دیتے تھے۔ آل و اولاد کا صرف اسی قدر خیال رکھتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا۔ حضرت ابی وقاص ؓ مرض الموت میں بیمار ہوئے اور رسول اللہ ﷺ عیادت کیلئے تشریف لائے تو عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس دولت بہت ہے اور ورثاء میں صرف ایک لڑکی ہے، چاہتا ہوں کہ دو ثلث مال صدقہ کر دوں، آپ ﷺ نے اجازت نہیں دی، بولے تو نصف۔ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں ثلث، بہت ہے"۔[4]

1: وفاء الوفاء صفحہ ۳۶۱۔
2: معجم البلدان ذکر مقطم۔
3: حسن المحاضرہ جلد اول صفحہ ۵۹۔
4: ابوداؤد کتاب الوصایا باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ۔

حضرت سعد بن مالک ﷺ بیمار ہوئے اور آپ عیادت کیلئے تشریف لائے تو انہوں نے کہا "میں خدا کی راہ میں اپنا کل مال دیتا ہوں۔" فرمایا "بچوں کیلئے کیا چھوڑتے ہو؟" بولے۔ "خدا کے فضل سے وہ آسودہ حال ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں، صرف دسویں حصہ کی وصیت کرو"۔ انہوں نے بہت اصرار کیا تو آپ ﷺ نے ثلث کی اجازت دی۔[1]

اوقاف

غربت وافلاس، تنگدستی اور فاقہ مستی سب کچھ تھیں، لیکن ان میں کوئی چیز صحابہ ﷺ کو انفاق فی سبیل اللہ سے باز نہیں رکھ سکتی تھی، صدقہ و خیرات تو تمام صحابہ ﷺ کے اعمال صالحہ کا نمایاں جزو تھا، اسی بناء پر قرآن مجید نے ان کی یہ مشترک خصوصیت بیان فرمائی۔

و مما رزقنا هم ینفقون

اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ صرف کرتے ہیں۔

لیکن ان میں متعدد بزرگ ایسے تھے جو خدا کی راہ میں کچھ دینا نہیں چاہتے تھے، بلکہ سب کچھ دینا چاہتے تھے، مثلاً حضرت عمر ﷺ نے ایک بار خیبر میں ایک نہایت عمدہ قطعہ زمین پایا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں نے ایک نہایت عمدہ جائیداد پائی ہے اسکی نسبت کیا حکم ہے؟ ارشاد ہوا کہ اسکو خدا کی راہ میں وقف کردو، چنانچہ انہوں نے اس کو وقف کر دیا۔[2]

لیکن اسکے علاوہ انہوں نے اور بھی متعدد جائیدادیں وقف کیں جنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ثمغ[3]	ایک نخلستان تھا جو اسلام کی تاریخ میں پہلا وقف تھا۔
صرامہ ابن اکوع	باغ کے ساتھ باغبان میں وقف تھا۔
سو درخت	نسائی میں ہے کہ انہوں نے ان کو سو غلاموں کے بدلے خریدا تھا۔
سو درخت	خود رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائے تھے۔

حضرت عمر ﷺ نے اس وقف کے متعلق ایک وقف نامہ بھی لکھا تھا جس میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو متولی قرار دیا تھا۔[4]

حضرت سعد بن عبادہ ﷺ کی والدہ نے انتقال کیا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میری والدہ نے انتقال کیا، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ثواب حاصل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں۔" بولے تو ایک باغ ان کے نام پر وقف کرتا ہوں اور آپ ﷺ کو گواہ بناتا ہوں۔[5]

1: ترمذی کتاب الجنائز باب ماجاء فی الوصیت بالثلث والربع۔ 2: بخاری کتاب الوصایا باب الوقف۔
3: بخاری کتاب الوصایا۔ 4: ابوداؤد کتاب الوصایا باب فی الرجل یوقف الوقف۔
5: ابوداؤد کتاب الوصایا باب فیمن مات من غیر وصیۃ یتصدق عنہ و بخاری کتاب الوصایا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے اس مسرت میں اپنی تمام جائیداد وقف کرنا چاہی لیکن آپ کے اصرار سے خیبر کا حصہ اپنے لئے محفوظ رکھا۔[1]

جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی،

من ذالذی یقرض اللّٰہ قرضا حسنا

وہ کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دیتا ہے

تو حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے باغ میں مقیم تھے، فوراً بی بی کے پاس آئے اور کہا کہ "ام دحداح رضی اللہ عنہا باغ سے نکلو میں نے باغ خدا کو قرض دے دیا۔" یہ کہہ کر اس کو مساکین وفقراء پر وقف کر دیا۔[2]

شہروں کی آبادی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو جدید شہر آباد کرائے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

بصرہ

خریبہ ایک غیر آباد مقام تھا جہاں اکل وشرب کا کافی سامان موجود تھا، وہاں حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ آئے تو اس کو فوجی ضروریات کیلئے موزوں خیال کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کو آباد کرنے کی اجازت طلب کی انہوں نے زمین کے نقشہ اور موقع و محل سے اطلاع دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو پسند فرمایا اور ان کو اس کے آباد کرنے کی اجازت دی۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو خود آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا، بہر حال عتبہ نے نرسل کے مکانات بنوائے اور ایک مسجد تعمیر کروائی، سرکاری کاموں کیلئے قید خانہ، دارالامارۃ اور دفتر بھی نرسل ہی نے تعمیر کروائے، ایک مدت تک یہ حال رہا کہ جب لوگ جہاد کیلئے روانہ ہوتے تھے تو نرسل کو گرا کر ڈھیر لگا دیتے تھے، پھر جب لوٹتے تھے تو اس کو مکان کی صورت میں ترتیب دے لیتے تھے، اس کے بعد لوگوں نے الگ الگ مکانات بنوائے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے مسجد اور دارالامارۃ کو کچی اینٹ سے تعمیر کر وایا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زیاد نے مسجد میں بہت کچھ اصلاح اور اضافہ کیا۔[3]

کوفہ

مدائن فتح ہوا تو وہاں مسلمان آباد ہو گئے اور مسجدیں تعمیر کر لیں لیکن آب وہوا ناموافق آئی

۱: ابوداؤد کتاب الایمان والنذور باب فیمن نذر ان یتصدق بمالہ۔
۲: استیعاب تذکرہ حضرت ابوالدحداحؓ۔
۳: فتوح البلدان از صفحہ ۳۵۴ تا ۳۵۸۔

تو حضرت سعد بن وقاص ﷺ نے حضرت عمر ﷺ کو اس کی اطلاع دی، انہوں نے لکھا کہ لوگ دوسری جگہ آباد کرائے جائیں، کوفہ کی زمین جس کو اہل عرب خدالعذراء یعنی عارض محبوب کہتے تھے، اس غرض کیلئے انتخاب کی گئی اور چالیس ہزار آدمیوں کے رہنے کیلئے مکانات بنوائے گئے جن میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے، عمارتیں اول اول نرسل کی بنی ہوئی تھیں لیکن ایک بار آتش زنی ہوئی تو حضرت عمر ﷺ کی اجازت سے اینٹ اور گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں۔

مسجد جامع کے علاوہ ہر قبیلے کیلئے الگ مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷺ اور زیاد کے زمانے میں بھی کوفہ کی آبادی میں بعض تغیرات کئے گئے۔[1]

فسطاط

اسکندریہ فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاص ﷺ نے وہاں مسلمانوں کو آباد کرنا چاہا لیکن چونکہ اسکندریہ کے بیچ میں دریائے نیل حائل تھا جس کو حضرت عمر ﷺ ناپسند فرماتے تھے اس لئے انہوں نے اجازت نہیں دی۔

حضرت عمرو بن العاص ﷺ اسکندریہ کی فتح کیلئے روانہ ہوئے تھے تو خیمہ کو خالی چھوڑ گئے تھے، جو اسی طرح کھڑا رہا، وہ پلٹ کر اسی خیمہ میں اترے اور وہیں شہر کی بنیاد ڈالی۔ اسی مناسبت کے لحاظ سے اس کا نام فسطاط پڑ گیا جس کے معنے خیمے کے ہیں۔

قبائل میں باہم جگہ کے انتخاب میں نزاع واقع ہوئی تو حضرت عمرو بن العاص ﷺ نے معاویہ بن خدیج، شریک بن سمی، عمرو بن مخزم اور جبرئیل بن ناشرہ مغافری کو متعین کیا کہ ہر قبیلے کو مناسب مقامات پر آباد کریں۔[2] تمام قبائل نے دریا اور قلعے کے سامنے مویشیوں کیلئے کچھ خالی زمینیں چھوڑ دی تھیں، لیکن امیر معاویہ ﷺ کے عہد میں وہاں بھی مکانات تعمیر ہو گئے۔[3]

موصل

یہ شہر اگرچہ پہلے سے آباد تھا، لیکن حضرت عمر ﷺ کے زمانے میں حضرت ہرثمہ بن عرفجہ ﷺ نے ایک قلعہ، عیسائیوں کے چند گرجے اور ان گرجوں سے متصل چند مکان اور یہودیوں کے ایک محلے کو ملا کر ایک مستقل شہر آباد کیا اور وہاں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کروائی۔[4]

۱: کوفہ کی آبادی کا حال معجم البلدان فتوح البلدان اور طبری میں بہ تفصیل مذکور ہے۔
۲: معجم ذکر فسطاط۔ ۳: حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۵۸۔
۴: فتوح البلدان صفحہ ۳۳۲

جیزہ

حضرت عمرو بن العاص ﷜ اسکندریہ سے واپس آئے تو اس خیال سے کہ دشمن کہیں دریا کی راہ سے چڑھ نہ آئے اس مقام پر تھوڑی سی فوج متعین کر دی۔ جس میں قبائل حمیر، ہمدان، آل رعین، ازد بن حجر اور حبشہ کے لوگ شامل تھے، لیکن جب امن وامان قائم ہو گیا تو انہوں نے ان قبائل کو بلا کر فسطاط میں آباد کرانا چاہا مگر ان لوگوں نے انکار کر دیا، حضرت عمرو بن العاص ﷜ نے حضرت عمر ﷜ کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے کہا اچھا ان کیلئے ایک قلعہ بنادیا جائے۔ ان لوگوں نے اس کو بھی ناپسند کیا اور کہا کہ "ہمارا قلعہ خود ہماری تلوار ہے۔" ان ہی لوگوں کی مجموعی آبادی سے جیزہ نے ایک مختصر شہر کی صورت اختیار کر لی، پہلے ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے الگ آباد ہوا تھا اس لئے بیچ بیچ میں زمین خالی تھی۔ لیکن حضرت عثمان ﷜ کے زمانہ میں جب کثرت سے اہل عرب یہاں آئے تو ہر قبیلہ نے اپنے قبیلے کے آدمیوں کو اپنی طرف کھینچا اس وجہ سے یہ خالی مقامات بھی آباد ہو گئے۔[1]

اردبیل

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں حضرت اشعث بن قیس ﷜ والی آذربائیجان نے اس شہر کو آباد کیا اور بہت سے عرب لا کر یہاں بسائے اور ایک مسجد بھی تعمیر کی۔[2]

مرعش

حضرت امیر معاویہ ﷜ نے فوج کیلئے اس شہر کو آباد کرایا اور یزید کے زمانے تک آباد رہا یزید کی موت کے بعد رومیوں نے پیہم غارت گری شروع کی تو یہاں کے باشندے اجڑ کر دوسرے دوسرے مقامات پر آباد ہو گئے۔[3]

قیروان

حضرت امیر معاویہ ﷜ کے عہد میں سب سے بڑا شہر جو آباد ہوا وہ یہی تھا، اس کی آبادی کی تاریخ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ ﷜ نے معاویہ بن خدیج کندی کو معزول کر کے عقبہ بن نافع فہری کو افریقہ کا گورنر مقرر فرمایا تو انہوں نے ایک فوج گراں کے ساتھ حملہ کر کے افریقہ کے تمام بڑے بڑے شہر فتح کر لئے اور یہاں سے لے کر افریقہ تک اسلام پھیل گیا۔ اس موقع پر حضرت عقبہ ﷜ نے اپنے تمام رفقاء کو جمع کر کے کہا کہ یہ لوگ مسلمان تو ہو جاتے

1: معجم ذکر جیزہ و حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۵۹۔

2: فتوح البلدان صفحہ ۳۲۷۔

3: فتوح البلدان صفحہ ۱۹۶

ہیں، لیکن جب مسلمان یہاں سے واپس جاتے ہیں تو پھر مرتد ہو جاتے ہیں، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ میں یہاں مسلمانوں کا ایک شہر آباد کر دوں۔ لوگوں نے ان کی رائے کو پسند کیا تو انہوں نے سب سے پہلے دارالامارۃ کی بنیاد ڈالی اور لوگوں نے اس کے گرد مکانات بنوائے، انہوں نے ایک جامع مسجد بھی تعمیر کروائی اور اس کے علاوہ اور مسجدیں بھی تعمیر ہوئیں۔[1]

حضرت امیر معاویہ ﷺ نے اور بھی بعض شہر آباد کرائے، مثلاً جزیرہ قبرص فتح ہوا تو وہاں مسجدیں تعمیر کرائیں، عرب کو لا کر بسایا اور ایک شہر آباد کیا جس کو یزید نے ویران کر دیا۔[2]

۱: معجم البلدان ذکر قیروان۔

۲: فتوح البلدان ص ۱۶۰۔

تعزیر وحدود

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اگرچہ بعض صحابہ ؓ پولیس کی خدمت پر مامور تھے۔ تاہم اس وقت تک پولیس کا کوئی محکمہ قائم نہیں ہوا تھا، حضرت ابو بکر ؓ نے اس پر صرف اسقدر اضافہ کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو پہرہ داری کی خدمت پر مامور فرمادیا اور بعض جرائم کی سزائیں متعین کردیں، مثلاً خمر کی نسبت رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل نہایت مختلف تھا، ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کرام ؓ آپ کی خدمت میں ایک شرابی کو پکڑ کر لائے، تو آپ ﷺ نے تمام صحابہ ؓ کو حکم دیا کہ مارتے جاؤ، سب نے جوتے، ڈنڈے اور کھجور کی شاخوں سے مارنا شروع کیا، اخیر میں آپ ﷺ نے اسکے منہ میں خاک جھونک دی۔[1]

لیکن ابوداؤد کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک شرابی جھومتا ہوا جارہا تھا، صحابہ کرام ؓ نے اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کرنا چاہا، وہ حضرت عباس ؓ کے دروازے کے سامنے آیا تو ان سے لپٹ گیا اور بھاگ نکلا، آپ کو خبر ہوئی تو ہنس پڑے اور کوئی سزا نہیں دی۔[2]

صحیح مسلم کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ایک شرابی کو انجیر کی چھڑی سے ۴۰ ضرب[3] کی سزا دی اور حضرت ابو بکر ؓ نے اپنے دور خلافت میں اسی کو لازمی کردیا، اور حضرت عمر ؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانے تک اسی پر عملدر آمد ہوتا رہا۔[4]

حضرت ابو بکر ؓ کے عہد خلافت میں بعض جدید جرائم بھی پیدا ہوئے، مثلاً حضرت خالد بن ولید ؓ نے ان کو لکھا کہ حوالی مدینہ میں ایک شخص...... میں مبتلا ہے، چونکہ اہل عرب کیلئے یہ ایک جدید جرم تھا، اسلئے حضرت ابو بکر ؓ نے تمام صحابہ ؓ سے مشورہ کیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جلانے کی رائے دی اور تمام صحابہ ؓ نے اس پر[5] اتفاق کیا۔

۱: ابوداؤد کتاب الحدود باب اذا تتابع فی شرب الخمر۔

۲: ابوداؤد باب الحد فی الخمر۔ ۳: مسلم کتاب الحدود باب حد الخمر۔

۴: ابوداؤد کتاب الحدود باب اذا تتابع فی شرب الخمر لیکن بخاری کتاب الحدود میں جو روایت ہے وہ اس کے بالکل مخالف ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ کنا نوتی بالشارب علی عھد رسول اللّٰہ ﷺ وامرة ابی بکر وصدرا من خلافة عمر فنقوم الیه بایدینا و نعالنا۔

۵: الترغیب والترہیب جلد ۳ صفحہ ۱۱۲ الترہیب من اللواط لبذ جید۔

تعزیر وحدود کے متعلق حضرت ابو بکر ؓ کے زمانے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا، لیکن حضرت عمر ؓ نے پولیس کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا، اور اس صیغہ میں متعدد چیزیں ایجاد فرمائیں۔ مثلاً

۱) رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر ؓ کے زمانے تک جیل خانے کی کوئی عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی، لیکن حضرت عمر ؓ نے جیل خانے بنوائے، اول اول مکہ معظمہ میں حضرت صفوان بن امیہ ؓ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اس کو جیل خانہ بنوایا۔[۱] پھر اور اضلاع میں جیل خانے بنوائے۔ چنانچہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا، معین بن زائدہ نے بیت المال سے کچھ روپیہ کا غبن کیا تو ان کو اسی جیل خانہ میں[۲] قید کیا گیا۔

۲) رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر ؓ کے زمانے تک کسی کو سولی کی سزا نہیں دی گئی تھی، لیکن حضرت عمر ؓ نے بعض اشخاص کو سولی کی سزا دی، چنانچہ حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا کو ان کے غلاموں نے قتل کر ڈالا، تو حضرت عمر ؓ نے ان کو سولی کا حکم دیا اور یہ پہلی سولی تھی جو مدینہ[۳] میں دی گئی۔ ایک ذمی نے بجبر ایک مسلمان عورت کی آبروریزی کی، تو اس کو بھی سولی کی سزا دی اور فرمایا کہ ہم نے اس پر کوئی معاہدہ نہیں کیا ہے۔[۴]

۳) مجرمین کی گرفتاری کیلئے اعلان واشتہار دیا، چنانچہ جن غلاموں نے حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو شہید کیا تھا وہ اعلان واشتہار ہی کے ذریعہ سے گرفتار ہو کر آئے تھے۔

۴) تعزیر وحدود کیلئے اشخاص متعین کئے جو مجرمین کو سزا دیتے تھے، اصابہ میں ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن ملیکہ ؓ کو اقامت حدود کی خدمت پر مامور کیا تھا۔[۵]

۵) جلاوطنی کی سزا اگرچہ اسلام میں کوئی جدید سزا نہ تھی، تاہم حضرت عمر ؓ کے عہد میں اس پر اس کثرت سے عمل ہوا کہ گویا وہ ان کی اولیات میں قرار پائی۔[۶]
لیکن ایک بار جب انہوں نے ایک شخص کو جلاوطن کیا اور وہ شام میں جا کر عیسائی ہو گیا تو اس وقت سے جلاوطنی کی سزا موقوف کر دی۔

۶) بعض سزائیں سخت کر دیں، مثلاً حضرت ابو بکر ؓ کے عہد خلافت میں شراب پینے کی سزا ۴۰ درے تھی، ان کے زمانے میں شراب نوشی کی کثرت ہوئی تو انہوں نے صحابہ کرام ؓ کے مشورے سے اسی درے کر دیئے۔[۷]

۱: مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۸۷۔ ۲: فتوح البلدان صفحہ ۴۶۸۔
۳: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب امامۃ النساء۔ ۴: کتاب الخراج صفحہ ۱۰۹۔
۵: اصابہ تذکرہ عبیداللہ بن عبداللہ بن ابی ملیکہؓ۔
۶: بخاری کتاب المحاربین میں ہے۔ ان عمر بن الخطاب غرب ثم لم تزل تلك السنة
۷: مسلم کتاب الحدود باب حد الخمر۔

۷) احتساب کے متعلق جو کام ہیں، مثلاً کوئی شخص بیع وشرا میں خدع وفریب نہ کرے، شراب اعلانیہ بکنے نہ پائے، کوئی شخص سڑک پر مکان وغیرہ نہ بنوانے پائے ان کی طرف خاص طور پر توجہ کی، اگرچہ پتہ نہیں چلتا کہ انہوں نے احتساب کا کوئی مستقل صیغہ قائم کیا تھا، تاہم یہ صحیح طور پر معلوم ہے کہ انہوں نے اس کام کیلئے افسر متعین کئے تھے، موطائے امام مالک میں ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عتبہ ؓ کو بازار کی نگرانی کیلئے مقرر فرمایا تھا اور حضرت سائب بن یزید ؓ کو ان کا مددگار بنایا تھا۔[1] ان کے علاوہ اور بھی متعدد اہلکار تھے جو ناجائز تجارت کی روک ٹوک کرتے تھے۔[2]

حضرت عمر ؓ کے بعد حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں یہ محکمہ اسی حالت میں قائم رہا، لیکن حضرت امیر معاویہ ؓ کے زمانہ میں زیاد نے اس صیغہ کو نہایت ترقی دی اس نے چار ہزار آدمی پولیس میں بھرتی کئے جن کے افسر عبداللہ بن حصن تھے۔ پانچ سو آدمی خاص طور پر مسجد کا پہرہ دیتے تھے اور وہاں سے کبھی نہیں ٹلتے تھے۔ اس انتظام کا مقصد کچھ ہی کیوں نہ ہو تاہم اس کی وجہ سے ملک کے امن وامان میں اس قدر ترقی ہوئی کہ کوئی شخص اگر راستہ میں کوئی گری پڑی چیز پا جاتا تھا، تو لا کر براہ راست اس کے مالک کے حوالے کرتا تھا، زیاد خود کہتا تھا کہ "اگر کوفہ اور خراسان کے درمیان ایک رسی بھی گم ہو جائے تو مجھ کو اس کے لینے والے کے نام کی خبر ہو جائے گی۔" ایک دن اس نے ایک گھر میں گھنٹے کی آواز سنی، پوچھا تو معلوم ہوا کہ لوگ پہرہ دے رہے ہیں، بولا اس کی ضرورت نہیں، اگر کوئی مال چوری ہو جائے گا تو میں اس کا ضامن ہوں۔"

اسکے زمانے میں عشاء کی نماز کے بعد اگر کوئی شخص گھر سے نکلتا تھا تو قتل کر دیا جاتا تھا۔[3]

حضرت امیر معاویہ ؓ نے اس محکمہ میں ایک جدید ایجاد یہ کی کہ مشتبہ چال وچلن کے لوگوں کی جانچ پڑتال کروائی، اور ان کے نام لکھوائے، چنانچہ انہوں نے دمشق میں حضرت ابودرداء ؓ کے نام حکم بھیجا تھا کہ وہاں کے بدمعاشوں کے نام لکھ بھیجو۔[4]

صحابہ کرام ؓ کے عہد خلافت میں پولیس کے محکمہ میں عہد بہ عہد جو ترقیاں ہوئیں، یہ ایک سادہ تاریخ ہے۔ اب ہم کو اس پر اخلاقی اور مذہبی حیثیت سے نگاہ ڈالنی چاہئے، کیونکہ صحابہ کرام ؓ کے دور خلافت کا طغرائے امتیاز صرف سیاست نہیں، بلکہ اخلاق ومذہب ہے۔

پولیس کا محکمہ اخلاقی اور مذہبی روح کی سب سے بڑی قربان گاہ ہے، لیکن صحابہ کرام ؓ نے اپنے دور خلافت میں اس کو اخلاقی اور مذہبی روح کی سب سے بڑی نمائش گاہ بنادیا تھا اور جہاں

۱: موطا امام مالک کتاب البیوع۔ ۲: موطا امام محمد باب الشرکۃ فی البیوع۔

۳: طبری صفحہ ۷۷ واقعات ۵۳ھ۔ ۴: ادب المفرد باب الظن۔

کہیں سیاست اور اخلاق میں باہم تصادم ہوتا تھا وہاں اخلاق کو سیاست پر مقدم رکھتے تھے، ایک بار ایک مجرم نے حضرت عمر ؓ کے سامنے اقرار کیا کہ اس نے اپنی بی بی کے ساتھ ایک شخص کو ملوث پایا اس لئے دونوں کو قتل کر دیا، حضرت عمر ؓ نے اپنے عامل کو لکھا کہ قصاص لیا جائے، لیکن مخفی طور پر ہدایت کی کہ دیت لے کر مجرم کو چھوڑ دیا جائے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خاص طور پر تجسس کی ممانعت فرمائی ہے۔

لاتجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضاہ۔

عیوب کی جستجو میں نہ رہو اور اگر تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔

بالخصوص امراء وعمال کیلئے تو حدیث شریف میں خاص طور پر تجسس کی ممانعت آئی ہے۔[2]

قال ان الامیر اذا ابتغی الریبة فی الناس افسدھم۔

امیر اگر لوگوں کی برائیاں ڈھونڈھے گا تو ان کو خراب کر دے گا۔

ہمارے زمانے میں اگر اس پر عمل کیا جائے تو دفعتاً پولیس کا نظام درہم برہم ہو جائے، لیکن صحابہ کرام ؓ کے عہد میں حدود اللہ سے آگے کیونکر قدم بڑھایا جا سکتا تھا؟ اس لئے انہوں نے پولیس کے فرائض بھی انجام دیئے اور اس آیت پر بھی عمل کیا۔

ایک بار لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی خدمت میں ایک شرابی کو پکڑ لائے، اور کہا کہ اس کی ڈاڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے۔ "بولے تم کو تجسس کی ممانعت کی گئی ہے، ہم صرف ظاہری باتوں پر دارو گیر کرتے ہیں"۔[3]

حضرت ابو محجن ثقفی ؓ شراب کے سخت عادی تھے، ایک بار حضرت عمر ؓ کی خدمت میں آئے اور ان کو محسوس ہوا کہ انہوں نے شراب پی ہے، لوگوں سے کہا ان کا منہ تو سونگھو، لیکن سب نے کہا یہ تجسس ہے، آپ کو اس کی ممانعت کی گئی ہے، حضرت عمر ؓ فوراً رک گئے۔[4]

ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کے ساتھ رات کو پہرہ دینے نکلے، ایک جگہ چراغ کی روشنی نظر آئی، پاس جا کر دیکھا کہ ایک گھر کا دروازہ بند ہے اور اندر لوگ شور و شغب کر رہے ہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ سے فرمایا کہ "یہ لوگ شراب پی رہے ہیں، تمہاری کیا رائے ہے؟" بولے "اللہ تعالیٰ نے ہم کو تجسس کی ممانعت فرمائی ہے۔" اسلئے وہاں سے فوراً واپس آئے۔[5]

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ ہلال بن حرام۔ ۲: ابوداؤد کتاب الادب باب فی النہی عن التجسس

۳: ابوداؤد کتاب الادب باب فی النہی عن التجسس ۴: اصابہ تذکرہ ابو محجن ثقفی۔

۵: اصابہ تذکرہ ربیعہ بن امیہ۔

ایک بار حضرت عقبہ بن عامر ﷺ کے پرائیویٹ سیکرٹری نے ان سے کہا کہ میرے پڑوسی شراب پیتے ہیں، میں نے ان کو منع کیا، لیکن نہیں مانتے، اب میں پولیس کو بلاتا ہوں"۔ بولے جانے بھی دو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو لوگ عیوب پر پردہ ڈالتے ہیں وہ گویا زندہ درگور لڑکی کو جلا لیتے ہیں۔[1]

پولیس بجبر جرائم کا اقرار کرواتی ہے، لیکن صحابہ کرام ﷺ کے سامنے لوگ خود جرائم کا اقرار کرتے تھے، اور وہ ان سے انکار کرواتے تھے، ایک بار ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں آکر کہا کہ "میں نے چوری کی ہے۔" انہوں نے پہلی بار ڈانٹا، دوسری بار اس نے پھر اقرار کیا تو بولے تم نے خود اپنے اوپر کامل شہادت دے دی۔ ایک بار ایک عورت نے حضرت عمر ﷺ کے سامنے چار بار زنا کا اقرار کیا تو بولے اگر وہ انکار کر دیتی تو ہم اس پر حد نہ جاری کرتے۔[2]

پولیس کا محکمہ عفوودر گذر کا مذبح ہے، لیکن صحابہ کرام ﷺ اکثر مجرمین سے عفوودر گذر فرماتے تھے، حضرت عمر ﷺ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت سخت تھے، لیکن ایک بار حضرت حاطب ﷺ کے غلاموں نے کسی کی اونٹنی چرائی اور اس کو ذبح کر ڈالا، حضرت عمر ﷺ کی خدمت میں مقدمہ پیش ہوا تو انہوں نے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، پھر فرمایا، یہ بھوکوں مر جائیں گے اس لئے ان کا تاوان دلوا دیتا ہوں۔ اونٹنی کے مالک سے پوچھا کہ اس کی قیمت کیا تھی؟ اس نے کہا چار سو درہم ملتے تھے، مگر میں نہیں فروخت کرتا تھا، حضرت عمر ﷺ نے آٹھ سو درہم دلوا کر غلاموں کو رہا کر دیا۔[3]

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ﷺ، اگر ذرا سا بھی حیلہ پا جاتے تھے تو سزا نہیں دیتے تھے، بیت المال اگرچہ خلیفہ وقت کی ذمہ داری اور حفاظت میں رہتا ہے، تاہم چونکہ وہ مسلمانوں کا مشترکہ خزانہ تھا اس لئے اس میں بہر حال یہ احتمال قائم رہتا ہے کہ اگر اس میں کسی نے تصرف کیا ہوگا تو اپنا حق سمجھ کر کیا ہوگا، اس بناء پر جب کوفہ کے بیت المال میں چوری ہوئی تو حضرت عمر ﷺ نے مجرم کا ہاتھ نہیں کاٹا۔[4] غلام اور آقا کے مال میں بھی یہی اشتباہ قائم رہتا ہے، اس لئے جب ان کے سامنے ایک شخص نے اپنے غلام کو پیش کیا کہ اس نے میری بی بی کا آئینہ چرا لیا ہے جس کی قیمت ۶۰ درہم تھی تو حضرت عمر ﷺ نے اس کو یہ کہہ کر رہا کر دیا کہ تمہارا غلام تھا

۱: ابوداؤد کتاب الادب باب فی الستر علی المسلم۔
۲: کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف صفحہ ۱۰۳۔
۳: موطا امام مالک کتاب الاقضیہ باب القضاء فی الضواری والحریسۃ۔
۴: کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف صفحہ ۱۰۴۔

اور تمہارا ہی مال چرلیا۔[1]

عام الرمادہ میں جب تمام عرب سخت قحط میں مبتلا تھا تو عام حکم دیا تھا کہ کسی چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں، لیکن باوجود اس عفو و درگذر کے جب جرم ثابت ہو جاتا تھا اور تمام حیلوں کی رگ کٹ جاتی تھی، تو کوئی چیز صحابہ کرام ﷺ کو اقامت حدود سے باز نہیں رکھ سکتی تھی ان معاملات میں انسان فطرتاً ذاتی تعلقات سے متاثر ہوتا ہے، لیکن صحابہ کرام ﷺ کی اخلاقی طاقت نے اللہ تعالیٰ کی راہ سے اس سنگ گراں کو بالکل ہٹادیا تھا۔

ولید حضرت عثمان ﷺ کے بھائی اور کوفہ کے گورنر تھے، انہوں نے ایک بار شراب پی اور تحقیقات کرنے پر جرم ثابت ہوا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ ان کو اسی کوڑے لگائیں۔[2]

حضرت قدامہ بن مظعون ﷺ بڑے رتبے کے صحابی اور حضرت عمر ﷺ کے سالے تھے، انہوں نے شراب پی تو حضرت عمر ﷺ نے ان پر حد جاری کرنی چاہی، تمام صحابہ ﷺ نے اس کی مخالفت کی تو انہوں نے فرمایا۔

لان يلقي الله تحت السياط احب الى ان القاه وهو في عنقي ائتوني بسوط[3] تام

اگر وہ کوڑوں کے نیچے مر جائیں تو یہ مجھے گوارا ہے، لیکن یہ گوارا نہیں کہ میں خدا سے ملوں اور اس کی ذمہ داری میری گردن پر ہو، لاؤ مضبوط کوڑا۔

یہود نے اقامت حدود میں رذیل و شریف کے درمیان سخت ناگوار تفریق قائم کر رکھی تھی، لیکن صحابہ کرام ﷺ نے اس پر ہمیشہ عزیز و ذلیل کو برابر سمجھا، صحابہ کرام ﷺ میں سب سے زیادہ معزز خود خلیفہ وقت تھا، لیکن اگر اس سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تھا تو رعایا کا ہر فرد اسکی پیٹھ پر کوڑا مار سکتا تھا، ایک بار حضرت ابو بکر ﷺ نے اعلان فرمایا کہ "میں صدقے کے اونٹ تقسیم کروں گا۔" سب لوگ آئیں مگر ہمارے پاس کوئی بلا اجازت نہ آئے۔" لیکن ایک بدو ہاتھ میں مہار لیئے ہوئے آیا اور بلا اجازت ان کے پاس چلا آیا، انہوں نے اسی مہار سے اسے مارا ،جب اونٹ کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو اس کو بلایا اور کہا کہ "اسی مہار سے اپنا قصاص لو"۔ حضرت عمر ﷺ نے کہا، یہ سنت نہ قائم کیجئے۔" بولے۔ "قیامت میں خدا کو کیا جواب دوں گا۔[4]

ایک بار حضرت عمر ﷺ امور خلافت میں مشغول تھے، ایک شخص فریاد لے کر آیا، انہوں

1: موطا امام مالک کتاب الحدود باب مالا قطع فیہ۔
2: بخاری کتاب المناقب فضائل عثمانؓ، اگرچہ نفس حدیث میں شراب نوشی کی تصریح نہیں ہے لیکن حواشی میں تصریح ہے۔
3: اسد الغابہ تذکرہ حضرت قدامہ بن مظعونؓ۔
4: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۲۷۔

نے غصے میں اس پر کوڑا اٹھایا وہ ناراض ہو کر چلا تو خود بلا کر اس کے سامنے اپنا کوڑا ڈال دیا اور کہا: "مجھ سے قصاص لے"[1]

خلیفہ کے بعد امراء و عمال کا درجہ تھا۔ انکی نسبت حضرت عمر ؓ نے عام اعلان فرما دیا تھا۔

انی لم ابعث عمالی لیضربوا ابشارکم ولا لیاخذوا اموالکم فمن فعل به ذالك فلیرفعه الی اقصه منه۔[2]

میں نے اپنے عمال کو اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو ماریں پیٹیں یا جبر ان کا مال لے لیں، اگر کسی کے ساتھ ایسا کیا جائے تو وہ مجھ سے استغاثہ کرے میں اس کا قصاص لوں گا۔

یہ صرف اعلان نہ تھا بلکہ اس پر عمل بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ جب یہ اعلان ہوا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ "اے امیر المومنین آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔" فرمایا تم بھی سو کوڑے مارنا چاہتے ہو، اٹھو اور مارو۔" حضرت عمرو بن العاص ؓ پر یہ واقعہ نہایت گراں گذرا اور بولے کہ اگر یہ طریقہ جاری ہوا تو عمال کو سخت ناگوار ہوگا اور آئندہ کیلئے عام شاہراہ ہو جائے گی۔ لیکن انہوں نے کہا کہ "اس سے کیونکر اغماض کیا جاسکتا ہے، جب کہ خود رسول اللہ ﷺ اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے قصاص کیلئے پیش کرتے تھے۔" بالآخر حضرت عمرو بن العاص ؓ نے اس کو دو سو دینار دے کر راضی کیا۔[3]

غیر قومیں جب حلقہ اسلام میں داخل ہوتی تھیں تو عدم تعود کی بناء پر ان کو اس مساوات پر سخت تعجب اور تعجب کے ساتھ ناگوار ہوتی تھی، جبلہ بن ایہم غسانی شام کا ایک رئیس تھا جو مسلمان ہو گیا تھا، اس نے ایک بار کسی شخص کی آنکھ پر تھپڑ مارا، حضرت عمر ؓ نے اس سے قصاص لینا چاہا تو اس نے کہا، کیا اس کی آنکھ اور میری آنکھ برابر ہے؟ میں اس ملک میں رہنا پسند نہ کروں گا جہاں مجھ کو بھی کوئی دبا سکے۔" چنانچہ مرتد ہو کر روم کی طرف بھاگ نکلا۔[4]

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ۔
۲: ابوداؤد کتاب الحدود باب القود بغیر حدید۔
۳: کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف صفحہ ۶۶۔
۴: فتوح البلدان صفحہ ۱۴۲۔

ذمی رعایا کے حقوق

تعصب کی انتہاء تو یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ سرے سے تعلقات ہی نہ رکھے جائیں، لیکن تعصب کی اس سے بھی زیادہ بدنما اور تکلیف دہ شکل یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ تعلقات قائم کئے جائیں، لیکن ان تعلقات کو نہایت ذلیل اور بیہودہ طریقے پر قائم رکھا جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد تک تاریخ نے صرف یہی دو قسم کی مثال قائم کی تھی، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غیر قوموں کے ساتھ ہر قسم کے مذہبی، تمدنی اور سیاسی تعلقات قائم کئے اور ان کو اس بے تعصبی کے ساتھ نباہا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

مذہبی تعلقات

مذہبی حیثیت سے قرآن مجید نے اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور مذاہب کی کتابوں سے بے نیاز کر دیا تھا، تاہم متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جنہوں نے قرآن مجید کیطرح توراۃ اور انجیل کو پڑھا تھا۔ چنانچہ علامہ ذہبی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حال میں لکھتے ہیں۔

و کان اصاب جملة من کتب اهل الکتاب و ادمن النظر فیها و رای فیها عجائب و کان فاضلاعالما قرء القران ولکتب المتقدمته۔[1]

انہوں نے اہل کتاب کی تمام کتابیں حاصل کی تھیں اور بالا تصال ان کا مطالعہ کیا تھا اور ان میں ان کو عجائبات نظر آئے تھے وہ عالم فاضل تھے اور قرآن کو اور اگلی کتابوں کو پڑھا تھا۔

مسند دارمی میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ توراۃ کا ایک نسخہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور کھول کر پڑھنے[2] لگے، اسد الغابہ میں ہے کہ توراۃ کا یہ نسخہ ان کے ایک یہودی دوست نے جو بنو قریظہ کا تھا اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیا تھا۔[3]

صحیح بخاری میں ہے کہ اہل کتاب عبرانی میں توراۃ کو پڑھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے عربی میں اس کی تفسیر کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب، بلکہ یہ کہو کہ ہم خدا پر، اور اس کی کتاب پر، جو ہم پر اور نیز اس کتاب پر جو تم پر نازل ہوئی ایمان لائے۔[4]

1: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص۔ 2: مسند دارمی صفحہ ۱۲۔

3: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ثابت انصاری۔

4: صحیح بخاری باب مایجوز من تفسیر التوراۃ و کتب اللہ، بالعربیہ کتاب الرد علی الجہمیہ۔

حضرت زید بن ثابت ؓ نے خود رسول اللہ ﷺ کے حکم سے عبرانی زبان سیکھی تھی اور اس میں خط و کتابت کرتے تھے۔[1]

اسلام میں مذہبی حیثیت سے یہ حکم ہے کہ اگر جنازہ سامنے سے گذرے تو کھڑا ہو جانا چاہئے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ حکم صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے لیکن ایک بار قادسیہ میں ایک ذمی کا جنازہ گذرا تو حضرت سہل بن حنیف ؓ اور قیس بن سعد ؓ فوراً کھڑے ہو گئے، ایک شخص نے ٹوکا کہ "یہ تو ذمی کا جنازہ ہے۔" بولے۔"آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی یہی واقعہ پیش آیا تو آپ نے فرمایا آخر وہ بھی تو ایک جان ہے"۔[2]

ان تمام مثالوں سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام ؓ نے مذہبی حیثیت سے غیر قوموں کی ساتھ کسی قسم کا تعصب جائز نہیں رکھا۔

تمدنی تعلقات

تمدنی حیثیت سے صحابہ کرام ؓ کے زمانے میں اگرچہ مسلمانوں اور غیر قوموں میں کوئی فرق و امتیاز موجود نہ تھا، صحابہ کرام ؓ یہودیوں سے قرض لیتے تھے ان سے بیع و شرح کرتے تھے اور ان سے ہر قسم کے معاملات رکھتے تھے لیکن ان تعلقات سے بالاتر ایک چیز حسن معاشرت ہے جو تمدن کی روح ہے اور صرف اسی سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ تعلقات خلوص پر مبنی تھے یا خود غرضانہ نفاق پر، لیکن واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر مذہبی عقائد و اعمال کو الگ کر دیا جائے تو صحابہ کرام ؓ کے غیر متعصبانہ طرز عمل نے مسلمانوں اور غیر قوموں کو ہر حیثیت سے ایک کر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ ایک بار انہوں نے ایک بکری ذبح کی تو گھر والوں سے پوچھا کہ تم نے ہمارے یہودی ہمسایہ کے پاس گوشت ہدیتاً بھیجا یا نہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ مجھ کو جبرئیل نے ہمسایوں کے ساتھ سلوک کرنے کی اس شدت سے وصیت کی کہ میں نے سمجھا کہ اس کو شریک وراثت بنا دیں گے۔[3]

ایک بار ایک یہودیہ عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور کوئی چیز مانگی انہوں نے بخوشی دی اور اس نے اس کے بدلے ان کو دعا دی۔[4]

1: بخاری کتاب الاحکام باب ترجمہ الحکام۔
2: بخاری کتاب الجنائز باب القیام الجنازۃ اہل شرک و بخاری کتاب الجنائز۔
3: ابوداؤد کتاب الادب باب فی حق الجوار۔
4: نسائی کتاب الجنائز باب التعوذ من عذاب القبر۔

سیاسی تعلقات

غیر قوموں کے ساتھ سیاسی تعلقات کی ابتداء خود آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں ہوئی، چنانچہ جب خیبر فتح ہوا تو آپ نے ایک معاہدہ صلح کیا۔ جس کے ذریعہ سے زراعت کا معاملہ بٹائی پر طے ہو گیا،اس معاہدہ کے رو سے جب فصل تیار ہوئی تو آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ کو بھیجا کہ پیداوار تقسیم کرالائیں،انہوں نے پیداوار کے دو حصے لگائے اور کہا کہ "اگر تم چاہو تو یہ تمہارا ہے ورنہ میرا۔ لیکن یہود اس سے زیادہ طالب رعایت تھے،اس لئے انہوں نے عورتوں کے زیور جمع کئے اور ان کو بطور رشوت کے دینا چاہا،ایک متدین مذہبی شخص کی یہ سب سے بڑی توہین تھی، لیکن بایں ہمہ انہوں نے کہا کہ "اے گروہ یہود! تم میرے نزدیک مبغوض ترین مخلوق ہو، لیکن یہ بغض مجھ کو ظلم اور ناانصافی پر آمادہ نہیں کر سکتا،باقی یہ رشوت تو وہ حرام ہے اور ہم حرام مال نہیں کھا سکتے۔" یہودیوں پر اس کا یہ اثر پڑا کہ بے ساختہ چیخ اٹھے کہ آسمان وزمین اسی عدل وانصاف کے بل پر قائم ہیں۔[1] اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے ایک معاہدہ صلح کیا جس کے آخری الفاظ یہ تھے۔

علی ان لایھدم لھم بیعة ولا یخرج لھم قس ولایفتنوا عن دینھم مالم یحدثوا حدثا او یاکلوا الربا۔[2]

اس شرط پر کہ ان کا کوئی گرجا نہ گرایا جائے گا،ان کے پادری کو جلا وطن نہ کیا جائے،ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ نہ کیا جائے گا جب تک کہ وہ کوئی فتنہ انگیزی نہ کریں یا سود نہ کھائیں۔

کتاب الخراج میں اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

علی اموالھم وانفسھم وارضھم وملتھم وغائبھم وشاھدھم وعشیرتھم وبیعھم وکل ماتحت ایدیھم من قلیل او کثیر لایغیر اسقف من اسقفته ولا راھب من رھبانیته ولا کاھن من کھانته۔[3]

یہ معاہدہ ان کے مال، جان، زمین، مذہب، حاضر، غائب، قبیلہ، گرجا غرض ہر تھوڑی بہت چیز کی حفاظت پر جو ان کے قبضہ میں ہے، شامل ہے، کسی پادری کو، کسی راہب کو کسی کاہن کو اس کے عہدے سے الگ نہ کیا جائے گا۔

حضرت ابو بکر ؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس معاہدہ کی تجدید کی،اور اس کیلئے ایک

1: مؤطا امام مالک کتاب المساقاۃ وابوداؤد کتاب البیوع باب ماجاء فی المساقات۔
2: ابوداؤد کتاب الخروج باب فی اخذ الجزیہ۔
3: کتاب الخراج صفحہ ۴۱۔

ایک حرف کو قائم رکھا۔

ان کے زمانے میں حیرہ کے عیسائیوں کے ساتھ حضرت خالد ؓ نے ایک اور معاہدہ کیا جس میں سب سے زیادہ قابل لحاظ شرط یہ تھی۔

ایما شیخ ضعف عن العمل او اصابه آفة من الآفات او کان غنیا فافتقر و صار اهل دینه یتصدقون علیه طرحت جزیته و عیل من بیت مال المسلمین و عیاله۔[1]

جو بوڑھا شخص بیکار ہو جائے گا یا اس کا جسم ماؤف ہو جائے گا یا کوئی متمول شخص اس قدر محتاج ہو جائیگا کہ اسکے ہم مذہب لوگ اس پر صدقہ کرنے لگیں گے تو اسکا جزیہ معاف کر دیا جائے گا اور اسکی اور اسکے اہل و عیال کی کفالت بیت المال سے کی جائے گی۔

حضرت خالد ؓ نے اسی سلسلہ میں اور بھی متعدد معاہدے کئے اور ان معاہدوں کو حضرت ابوبکر ؓ، حضرت عمر ؓ، حضرت عثمان ؓ، اور حضرت علی ؓ نے قائم رکھا، ان معاہدوں میں اگرچہ باہم اختلاف ہے لیکن سب میں قدر مشترک یہ ہے۔

لا یهدم لهم بیعة و لا کنیسة و علی ان یضربوا نواقیسهم فی ای ساعة شاؤا من لیل او نهارا الا فی اوقات الصلوة و علی ان یخرجوا الصلبان فی ایام عیدهم۔[2]

ان لوگوں کے گرجے نہ گرائے جائیں گے اور وہ رات دن میں بجز اوقات نماز کے ہر وقت ناقوس بجا سکیں گے اور اپنے تہوار کے دن صلیب نکالیں گے۔

حضرت ابوبکر ؓ کے بعد حضرت عمر ؓ کے زمانے میں بکثرت معاہدے ہوئے۔ ان سب میں سب سے زیادہ مفصل، سب سے زیادہ جامع، اور سب سے زیادہ فیاضانہ وہ معاہدہ ہے جو حضرت ابوعبیدہ ؓ نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ کیا اس معاہدے کے الفاظ یہ ہیں۔

و اشترط علیهم حین دخلها علی ان تترك کنائسهم و بیعهم علی ان لا یحدثوا ابناء بیعة و لا کنیسة و علی ان علیهم ارشاد الضال و بناء القناطر علی الانهار من اموالهم و ان یضیفوا من مربهم من المسلمین ثلاثة ایام و علی ان لا یشتموا مسلما و یضربوه و لا یرفعوا فی نادی اهل الاسلام صلیباً و لا یخرجوا خنزیرا من منازلهم الی افنیة المسلمین و ان یوقدوا النیران للغزاة فی سبیل الله و لا یدلوا للمسلمین علی عورة و لا یضربوا نوا قیسهم قبل اذان المسلمین و لا فی اوقات اذانهم و لا یخرجوا الرایات فی ایام عیدهم و لا یلبسوا السلاح یوم عیدهم و لا یتخذوه فی بیوتهم۔

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۸۵۔ ۲۔ کتاب الخراج صفحہ ۹۱۔

جب وہ شام میں داخل ہوئے تو یہ شرط کرلی کہ ان کے گرجوں سے کچھ تعرض نہ کریں گے بشرطیکہ نئے گرجے نہ تعمیر کریں بھولے بھٹکے مسلمانوں کو راستہ دکھائیں، اپنے مال سے نہروں میں پل باندھیں، جو مسلمان ان کے پاس سے ہو کر گذریں، تین دن تک ان کی مہمانی کریں، کسی مسلمان کو نہ گالی دیں نہ ماریں نہ مسلمانوں کی مجلس میں صلیب اور نہ مسلمانوں کے احاطہ میں سور نکالیں، مجاہدین کیلئے راستوں میں آگ جلائیں، مسلمانوں کی جاسوسی نہ کریں، اذان سے پہلے اور اذان کے اوقات میں ناقوس نہ بجائیں، اپنے تہواروں کے دن جھنڈے نہ نکالیں، ہتھیار نہ لگائیں اور اسکو اپنے گھروں میں بھی نہ رکھیں۔

ان لوگوں نے تمام شرطیں منظور کرلیں، صرف یہ درخواست کی کہ سال میں ایک بار بغیر جھنڈیوں کے صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے، حضرت ابوعبیدہ ؓ نے ان کی یہ درخواست منظور کی۔

قاضی ابویوسف نے لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ ؓ نے یہ نرمی اور یہ فیاضی اس لئے اختیار کی تھی کہ اور لوگوں کو صلح کی ترغیب ہو۔ چنانچہ اس معاہدے کے بعد جب رومیوں سے جنگ ہوئی اور فتح کے بعد اطراف و حوالی کے تمام عیسائیوں نے صلح کرلی تو ان لوگوں نے ایک شرط یہ پیش کی کہ جو رومی مسلمانوں کی جنگ کیلئے آئے تھے اور اب وہ عیسائیوں کے پناہ گزین ہیں ان کو امن دیا جائے کہ اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کے ساتھ واپس چلے جائیں اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے، حضرت ابوعبیدہ ؓ نے یہ شرط بھی منظور کرلی۔[1] یہ معاہدہ اور یہ پوری تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۸۰ اور ۸۱ میں ہے۔

اب ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان معاہدوں کی پابندی کی گئی یا نہیں؟ اور کی گئی تو کیونکر؟ اسلام میں معاہدے کی پابندی فرض ہے اور اس میں کسی مذہب کی تخصیص نہیں بلکہ خود معاہدہ کی اخلاقی عظمت کا یہی اقتضاء ہے۔ اس بناء پر صحابہ کرام ؓ نے ذمیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا ان کا پورا کرنا ان کا مذہبی فرض تھا، چنانچہ شام کی فتح کے بعد حضرت عمر ؓ نے حضرت ابوعبیدہ ؓ کو جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے،

وامنع المسلمين من ظلمهم والا ضراربهم واكل اموالهم ووف لهم بشرطهم الذى شرطت لهم فى جميع ما اعطيتهم ۔[2]

مسلمانوں کو ان کے ظلم و نقصان سے روکو اور ان کے مال کھانے سے منع کرو، اور ان کو جو حقوق تم نے جن شرائط پر دیئے ہیں ان کو پورا کرو۔

---

[1] یہ معاہدہ اور پوری تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۸۰۔۸۱ میں ہے۔
[2] کتاب الخراج صفحہ ۸۲۔

وفات کے وقت جو وصیت کی اس میں یہ الفاظ فرمائے۔

واوصية بذمة الله وذمة رسوله ان يوفى لهم بعهدهم وان يقاتل من ورائهم وان لايكلفوا فوق طاقتهم۔[1]

اور میں اپنے جانشین کو خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے ذمہ کی وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے معاہدے کو پورا کرے اور ان کی حمایت میں لڑے اور ان کو تکلیف مالا یطاق نہ دے۔

ذمیوں کے معاہدے کی پابندی کا جس قدر خیال رکھا جاتا تھا، اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار ایک عیسائی رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دے رہا تھا، حضرت غرفہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا، اس نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں استغاثہ کیا تو انہوں نے غرفہ کو بلا کر کہا کہ ہم نے اس سے معاہدہ کیا ہے، حضرت غرفہ رضی اللہ عنہ نے کہا (نعوذ باللہ) کیا ہم نے ان سے یہ معاہدہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو علانیہ گالیاں دیں، ہم نے صرف یہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ اپنے گرجوں میں جو چاہیں کہیں، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا یہ سچ ہے۔[2]

خود ذمیوں کو اس پابندی معاہدہ کا اعتراف تھا، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ذمیوں کا ایک وفد آیا تو انہوں نے پوچھا کہ غالباً مسلمان تم لوگوں کو ستاتے ہوں گے سب نے ہمزبان ہو کر کہا،

مانعلم الا وفاء و حسن ملكة ۔[3]

ہم پابندی عہد اور شریفانہ اخلاق کے سوا کچھ نہیں جانتے۔

لیکن صرف اسی قدر کافی نہیں، یہ جو کچھ ہے، قول ہے ہم عملاً دکھانا چاہتے ہیں کہ ذمیوں کو جو جو حقوق دیے گئے ان کو عملاً پورا کیا گیا۔

جان کی حفاظت

رعایا کے تمام حقوق میں سب سے مقدم چیز جان ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں مسلمانوں اور ذمیوں کی جانیں یکساں عزیز تھیں ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک یہودی قتل کر دیا گیا تو انہوں نے اس کو نہایت اہم واقعہ خیال کیا اور کہا کہ "میرے دور خلافت میں انسانوں کا خون ہو گا میں خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ جس کو اس کا حال معلوم ہو مجھے

۱: بخاری کتاب المناقب باقصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت غرفہ بن حارث الکندی۔

۳: طبری صفحہ ۲۵۶۰۔

بتائے"۔ حضرت بکر بن شداخ ؓ نے کہا کہ "اس کا قاتل میں ہوں" بولے (اللہ اکبر) تم سے اس کا قصاص لیا جائے گا اپنی برأت ثابت کر سکتے ہو تو کرو"۔ انہوں نے کہا فلاں شخص شریک جہاد ہوا اور مجھ کو اپنے گھر کا محافظ بنا گیا میں اس غرض سے اس کے دروازے پر ایک روز آیا تو اس یہودی کو اس کے گھر میں یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا۔

واشعث غره الاسلامه منی
خلوت بعرسه لیل التمامه

ایک پراگندہ مو شخص جس کو اسلام نے مجھ سے غافل کر رکھا ہے
اس کی بی بی کے ساتھ میں نے شب بھر خلوت میں بسر کی

ابیت علی ترائبها ویمشی
علی قود الاعنة والحزامه

میں اس کی بی بی کے سینے پر شب بسر کرتا ہوں
اور وہ گھوڑے کی باگ کھینچے کھینچے پھر رہا ہے

اب حضرت عمر ؓ نے ان کو رہا کر دیا۔[1]

ایک بار قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا تو حضرت عمر ؓ نے قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا اور انہوں نے اس کو قتل دیا۔

حضرت عمر ؓ کی شہادت کی نسبت شبہ تھا کہ یہ ایرانیوں کی سازش کا نتیجہ ہے اس خیال سے حضرت عبیداللہ بن عمر ؓ نے ہرمزان کو قتل کر دیا، حضرت عثمان ؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کے قصاص میں ان کو قتل کرنا چاہا لیکن حضرت عمرو بن العاص ؓ نے کہا کہ یہ قتل اس وقت ہوا جب کوئی خلیفہ نہیں مقرر ہوا تھا، اس لئے وہ بچ گئے، حضرت علی ؓ کا دور خلافت آیا تو انہوں نے بھی ان سے قصاص لینا چاہا لیکن وہ بھاگ گئے۔

ایک بار ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش ہوا تو انہوں نے اس کے قتل کا حکم دیا لیکن مقتول کے بھائی آئے اور کہا کہ ہم نے معاف کر دیا، اس پر فرمایا کہ "تمہیں کسی کی دھمکی دے کر تو معاف کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا"۔[2]

ذمیوں کی دیت بھی بالکل مسلمانوں کے برابر مقرر کی گئی تھی، دار قطنی میں ہے،

ان ابا بکر و عمر کانا یجعلان دیة الیهودی و النصرانی اذا کان معاهدین

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت بکر بن شداخ ؓ۔
۲: نصب الرایہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۲۵۹، ۲۶۰۔

دیۃ الحر المسلم ۔[۱]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ذمی یہودی اور عیسائی کی دیت آزاد مسلمان کے برابر قرار دیتے تھے۔

اب اس سے زیادہ ذمیوں کی جان کا کیا احترام ہو سکتا ہے؟

مال و جائداد کی حفاظت

مال و جائداد کی حفاظت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ ممالک مفتوحہ کی زمینیں غیر قوموں کے ہاتھ میں رہنے دی گئیں اور ان کا خریدنا بھی مسلمانوں کیلئے ناجائز قرار دیا گیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں اس قدر مبالغہ کیا کہ اہل عرب کو زراعت سے بالکل روک دیا اور تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ ان لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں اس لئے کوئی زراعت نہ کرنے پائے، مصر میں شریک غطفی نامی ایک شخص نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے سخت مواخذہ کیا اور کہا کہ "میں تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ دوسروں کو عبرت ہو۔"[۲]

عدالت میں جائداد وغیرہ کے متعلق جو مقدمات دائر ہوتے تھے ان میں مسلمانوں کے مقابل میں بلا تکلف غیر قوموں کو ڈگری دی جاتی تھی، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودی ہی کے حق میں فیصلہ کیا۔[۳]

مذہبی آزادی

غیر قوموں کو جو مذہبی آزادی حاصل تھی ان کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عیسائی غلام اسحق کو دعوت اسلام دی اور اس نے انکار کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین یعنی مذہب میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔[۴]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام سے تمام شام لرزتا تھا لیکن جب انہوں نے دمشق کی مسجد میں کینسہ یوحنا کو شامل کرنا چاہا اور عیسائیوں نے اس پر نارضامندی ظاہر کی تو ان کو مجبوراً اس کو چھوڑ دینا پڑا۔[۵]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ جو یہ شرط کی تھی لا یحدثوا ابنائیبعۃ

۱: دار قطنی کتاب الحدود صفحہ ۳۴۳۔
۲: حسن المحاضرہ صفحہ ۹۳۔
۳: موطا کتاب الاقضیہ باب الترغیب فی القضاء بالحق۔
۴: کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۴۹۔
۵: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۱۔

ولا کنیسۃ اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کی آبادی میں نئے گرجے نہ بنائے جائیں۔ خود عیسائیوں کو اپنی آبادی میں گرجا بنانے کی ممانعت نہ تھی، چنانچہ جب قسطاط مصر میں عیسائیوں نے ایک نیا گرجا بنایا اور فوج نے اس کی مخالفت کی تو حضرت سلمہ بن مخلد ﷜ نے یہ استدلال کیا کہ یہ تمہاری آبادی سے باہر ہے اور اس پر تمام فوج نے سکوت اختیار کیا۔[1]

ہارون الرشید کی زمانہ خلافت میں مصر کے گورنر عامر بن عمر نے جب عیسائیوں کو گرجوں کے بنانے کی عام اجازت دینا چاہی تو لیث بن سعد اور عبید اللہ بن لہیعہ سے مشورہ لیا ان بزرگوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا اور یہ استدلال پیش کیا کہ مصر کے تمام گرجے صحابہ ﷡ اور تابعین ہی کے زمانے کے بنے ہوئے ہیں۔[2]

جزیہ کے وصولی میں رعایت و نرمی

ان تمام حقوق کے مقابل میں مسلمانوں کو جزیہ کی ایک خفیف سی رقم ملتی تھی جو فوجی حفاظت کا معاوضہ تھی، لیکن صحابہ کرام ﷡ اس معاوضہ کو بھی نہایت لطف و مراعات کے ساتھ وصول کرتے تھے، چنانچہ جو لوگ نادار اور اپاہج ہو جاتے تھے ان کا جزیہ سرے سے معاف ہو جاتا تھا اور ان کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا، حضرت ابو بکر ﷜ کے عہد خلافت میں حضرت خالد ﷜ نے حیرہ کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس میں یہ شرط داخل تھی اور حضرت عمر ﷜ نے اس کو اپنے زمانے میں عملاً قائم رکھا، چنانچہ ایک بار ان کو چند جذامی عیسائی نظر آئے تو بیت المال سے انکا وظیفہ مقرر کر دیا۔[3]

ایک روز کسی بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو بیت المال سے اسکا وظیفہ مقرر کر دیا اسکے جزیہ کی رقم معاف کر دی اور عام حکم دے دیا کہ اس قسم کے تمام لوگوں کا جزیہ معاف کر دیا جائے۔[4]

جن لوگوں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا ان پر بھی کسی قسم کی سختی روا نہیں رکھی جاتی تھی، ایک بار حضرت ہشام بن حکیم ﷜ نے حمص میں دیکھا کہ کچھ قیدی دھوپ میں کھڑے کئے گئے ہیں، بولے یہ کیا ظلم ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے،

ان اللہ یعذب الذین یعذبون الناس فی الدنیا[5]

خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔

حضرت عمر ﷜ شام کے سفر سے واپس آرہے تھے، راستے میں دیکھا کہ کچھ لوگ دھوپ میں کھڑے کئے گئے ہیں اور ان کے سر پر زیتون کا تیل ڈالا جا رہا ہے، وجہ پوچھی تو معلوم

۱: حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۵۔ ۲: ولاۃ مصر صفحہ ۱۳۲۔
۳: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۶۔ ۴: کتاب الخراج صفحہ ۷۲۔
۵: ابوداؤد کتاب الخراج باب التشدید فی الجزیہ۔

ہوا کہ ناداری کی وجہ سے جزیہ نہیں دیتے، فرمایا چھوڑ دو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

لا تعذبوا الناس فان الذين يعذبون الناس فى الدنيا يعذ بهم الله يوم القيامة۔[1]

لوگوں کو تکلیف نہ دو کیونکہ جو لوگ لوگوں کو تکلیف دیتے ہیں، خدا ان کو قیامت میں تکلیف دیتا ہے۔

ملکی حقوق

رعایا کو سب سے بڑا حق جو حاصل ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کو ملکی انتظامات میں شریک کیا جائے اور صحابہ کرام ؓ کے زمانے میں غیر قوموں کو یہ حق حاصل تھا یعنی جن معاملات کا تعلق غیر قوموں کے ساتھ ہوتا تھا ان میں ان کی رائے مقدم خیال کی جاتی تھی، چنانچہ عراق کا بندوبست ہوا تو حضرت عمر ؓ نے وہاں سے چودھری طلب کئے اور ان سے مال گذاری کے متعلق رائے لی۔[2]

غیر قوموں میں بہت سے لوگوں کو ملکی عہدے دیئے گئے اور ذمہ داری کی خدمتیں ان کے متعلق کی گئیں، ایک بار بہت سے عیسائی قیدی آئے تو حضرت عمر ؓ نے بعض کو مکتب میں داخل کر دیا اور بعض کے متعلق ایک ملکی کام کیا۔[3] اصابہ میں ہے کہ ابو زید نامی ایک عیسائی کو انہوں نے عامل بھی مقرر فرمایا تھا، حضرت عثمان ؓ نے بھی ایک عیسائی کو تعلیم دے کر اپنا میر منشی بنایا تھا۔[4] حضرت امیر معاویہ ؓ کے دربار میں سب سے زیادہ باقتدار اور باوثر شخص ابن آثال نصرانی تھا جو ان کا طبیب بھی تھا مترجم بھی تھا، اور حمص کا کلکٹر بھی تھا۔[5]

آزادی تجارت

صحابہ کرام ؓ کے فیاضانہ طرز عمل نے کبھی غیر قوموں کی تجارتی آزادی میں خلل نہیں ڈالا بلکہ اس کو اور ترقی دی، چنانچہ شام کے نبطی جو روغن زیتون اور گیہوں کی تجارت کرتے تھے حضرت عمر ؓ نے ان کے عشر کو نصف کر دیا تھا کہ مدینہ میں کثرت سے غلہ آئے، مصر کے قبطی بھی مال تجارت لے کر آتے تھے، لیکن ان سے پورا عشر لیا جاتا تھا۔[6]

۱: کتاب الخراج صفحہ ۷۱۔ ۲: کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔

۳: فتوح البلدان صفحہ ۱۴۹۔ ۴: فتوح البلدان صفحہ ۳۶۰۔

۵: یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۶۵ و استیعاب۔

۶: مؤطا امام مالک کتاب الزکوۃ باب عشور اہل الذمہ۔

سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک

غیر قومیں تو بالکل بیگانہ ہوتی ہیں، سازش اور بغاوت کی حالت میں مہذب سے مہذب سلطنت خود اپنی قوم سے کوئی مراعات نہیں کر سکتی لیکن صحابہ کرام ﷺ نے اس حالت میں بھی ذمیوں کے ساتھ نہایت نرم برتاؤ کیا، شام کی انتہائی سرحد پر ایک شہر عربسوس تھا جہاں کے عیسائیوں سے معاہدہ صلح ہو گیا تھا لیکن یہ لوگ درپردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور مسلمانوں کی خبریں ان تک پہنچایا کرتے تھے، حضرت عمیر بن سعد ﷺ نے جو وہاں کے والی تھے حضرت عمر ﷺ کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ان کے تمام مال و متاع کا شمار کر کے ہر چیز کا دوگنا معاوضہ دے دیا جائے اور اس کے بعد وہ جلاوطن کر دیئے جائیں اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو ایک سال کی مہلت کے بعد جلاوطن کئے جائیں چنانچہ ایک سال کے بعد وہ لوگ جلاوطن کر دیئے گئے۔[1]

ان مراعات کا ذمیوں پر اثر

ذمیوں پر ان تمام لطف و مراعات کا یہ اثر ہوا کہ وہ خود مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے، قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

فلمارای اھل الذمۃ وفاء المسلمین لھم وحسن السیرۃ فیھم صاروا اشداء علی عدو المسلمین وعونا للمسلمین علی اعدائھم۔

جب ذمیوں نے مسلمانوں کی وفاداری اور ان کے نیک سلوک کو دیکھا تو مسلمانوں کے دشمنوں کے سب سے بڑے دشمن اور ان کے مقابل میں مسلمانوں کے حامی و مددگار بن گئے۔

رومی اگرچہ خود عیسائیوں کے ہم مذہب تھے، لیکن جب رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں ایک عظیم الشان فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کیں تو ان ہی ذمی عیسائیوں نے ہر جگہ سے جاسوس بھیجے کہ رومیوں کی خبر لائیں، حضرت ابو عبیدہ ﷺ نے ہر شہر پر جو حکام مقرر کئے تھے ان کے پاس ہر شہر کے عیسائی رئیس آئے اور اس جنگی تیاری کی خبر دی، حضرت ابو عبیدہ ﷺ کو تمام حکام نے اس کی اطلاع دی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ذمیوں سے جس قدر جزیہ اور خراج وصول کیا گیا ہے سب واپس کر دیا جائے کیونکہ معاہدے کے رو سے ہم پر انکی حفاظت واجب ہو گی اور ہم اس وقت اس کی طاقت نہیں رکھتے، ان حکام نے جب یہ رقمیں واپس دیں تو یہ لوگ سخت متاثر ہوئے اور بے اختیار بول اٹھے کہ "خدا تم کو واپس لائے اگر خود رومی ہوتے تو اس حالت میں ہم کو کچھ واپس نہ دیتے، بلکہ ہمارے پاس جو کچھ ہوتا لے لیتے"۔ مسلمانوں کی فتح

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۱۶۳۔

ہو گئی تو عیسائیوں نے خود واپس شدہ رقم حضرت ابو عبیدہ ﷺ کے پاؤں پر ڈال دی۔[1] کہ دوبارہ اس ابر کرم کے سائے کے نیچے آ جائیں۔

اس موقعہ کے علاوہ ہر موقع پر ذمیوں کا طرز عمل نہایت مخلصانہ اور وفادارانہ رہا، حضرت عمر ﷺ شام میں آئے تو اذرعات کے عیسائی ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے پھول برساتے ہوئے اور باجا بجاتے ہوئے ان کے استقبال کیلئے نکلے، حضرت عمر ﷺ نے روکنا چاہا لیکن حضرت ابو عبیدہ ﷺ نے کہا یہ ان کا دستور ہے اگر روک ٹوک کی گئی تو سمجھیں گے کہ معاہدہ ٹوٹ گیا"۔[2] شام کے ایک اور عیسائی رئیس نے ان کی دعوت کرنا چاہی اور کہا کہ "اگر حضور چند اکابر صحابہ ﷺ کے ساتھ غریب خانہ پر تشریف لائیں تو میری عزت افزائی ہو گی" لیکن حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ "ان گرجوں میں جن میں یہ تصویریں ہیں ہم قدم نہیں رکھ سکتے۔[3]

عیسائیوں اور یہودیوں کی جلاوطنیاں

مخالفین نے ذمیوں کے متعلق صحابہ کرامؓ ﷺ پر جو اعتراضات کئے ہیں، ان میں یہودیوں اور عیسائیوں کی جلاوطنی کا مسئلہ خاص طور پر قابل بحث ہے۔

یہود خیبر

سب سے پہلے حضرت عمر ﷺ کے عہد خلافت میں یہود خیبر کی جلاوطنی عمل میں آئی، لیکن اس کی کیفیت یہ ہے کہ خیبر جب فتح ہوا تو اسی وقت وہاں کے یہودیوں سے کہہ دیا گیا تھا کہ جب مناسب ہو گا تم کو جلاوطن کر دیا جائے گا، ایک حدیث بھی پہلے سے موجود تھی۔

لایجتمع دینان فی جزیرۃ العرب۔

جزیرۂ عرب میں ایک ساتھ دو مذہب نہیں رہ سکتے۔

بایں ہمہ حضرت عمر ﷺ نے ان کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہیں کیا، لیکن یہ لوگ ابتدا ہی سے مسلمانوں پر مخفی حملہ کرنے کے عادی تھے، خود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جب انصار کی ایک جماعت وہاں گئی تو یہود نے موقع پا کر ایک انصاری کو مخفی طور پر قتل کر دیا تھا تاہم چونکہ ان لوگوں کے پاس کوئی شہادت نہ تھی اور ان کو یہود کے حلف پر بھی اطمینان نہ تھا۔ اسلئے یہود بالکل بری ہو گئے اور خود آپ نے صدقے کے اونٹوں سے ان کی دیت دلوائی۔[4]

حضرت عمر ﷺ کے زمانے میں انہوں نے اور بھی شرارتیں کیں، ایک انصاری شام سے چند غلاموں کو لا رہے تھے۔ راہ میں خیبر میں قیام کیا تو یہودیوں نے شہ دے کر ان غلاموں

1: کتاب الخراج صفحہ ۸۰۔ 2: فتوح البلدان صفحہ ۱۴۶۔
3: ادب المفرد باب دعوۃ الذمی۔
4: بخاری کتاب الدیات باب القسامہ۔

سے ان کو قتل کروا ڈالا اور ان کو زور لادے کر شام کی طرف واپس کر دیا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو ان کو جلاوطن کر دیا۔[1] یہ روایت اسد الغابہ میں ہے لیکن مسند ابن حنبل میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی جائدادیں خیبر میں تھیں اس غرض سے یہ لوگ آئے اور اپنی اپنی جائداد کی دیکھ بھال کیلئے منتشر ہو گئے رات کے وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر حالت خواب میں حملہ ہوا اور ان کا ہاتھ توڑ دیا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ "یہ یہود کا کام ہے" اس کے بعد ایک خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ "رسول اللہ ﷺ نے جب یہود سے مصالحت کی تھی تو کہہ دیا تھا کہ ہم جب چاہیں گے تم کو نکال دیں گے، اب انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور ان کا ہاتھ توڑ ڈالا ہے، اس کے پہلے بھی انہوں نے انصار پر حملہ کیا تھا، تم میں سے خیبر میں جس کا جس کا مال ہو لے لیں یہود خیبر کو جلاوطن کروں گا۔[2] فتوح البلدان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ان کو جلاوطن کرنا چاہا تو لا یجتمع دینان والی حدیث کی کافی تحقیقات کر لی، اور ان کو اس کی صحت کا کامل یقین ہو گیا، تب ان کو جلاوطن کیا۔[3]

نصارائے نجران

رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں ایک شرط یہ تھی کہ سود نہ کھائیں گے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس شرط کی خلاف ورزی کی گئی۔[4] اس کے ساتھ انہوں نے درپردہ جنگ کی تیاریاں بھی شروع کیں اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار بھی جمع کئے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکو جلاوطن کر دیا۔[5] طبری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں نے ان کو جلاوطنی کی وصیت کی تھی۔[6]

نصارائے عربسوس

ان لوگوں نے رومیوں سے درپردہ سازش کی، حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے جو وہاں کے حاکم تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی تو انہوں نے ان کو جلاوطن کروا دیا۔[7]

ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو جلاوطنیاں عمل میں آئیں ان کا سبب مذہبی تعصب نہ تھا، بلکہ اس قسم کے پولیٹیکل اسباب جمع ہو گئے تھے کہ کوئی سلطنت اس کے دوسرا طرز عمل اختیار ہی نہیں کر سکتی تھی، البتہ یہ دیکھنا چاہئے کہ اس قسم کے موقعوں پر دوسری

۱: اسد الغابہ تذکرہ مظہر بن رافع۔ ۲: مسند جلد ۱ صفحہ ۱۵۔
۳: فتوح البلدان صفحہ ۳۴۔
۴: ابوداؤد کتاب الخراج باب فی الجزیہ و فتوح البلدان صفحہ ۶۲۔
۵: کتاب الخراج صفحہ ۴۲۔ ۶: طبری صفحہ ۲۶۲۔ ۷: فتوح البلدان صفحہ ۱۶۳۔

سلطنتیں کیا کرتیں اور صحابہ کرام ﷺ نے کیا کیا؟

حضرت عمر ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو جلاوطن کیا تو یہ حکم دیا کہ جو لوگ جلاوطن کئے جائیں ان کی زمین کی پیائش کرلی جائے تاکہ اسی کے مثل ان کو معاوضہ دیا جائے اور ان کو اختیار دیا جائے کہ جہاں چاہیں چلے جائیں،[1] وہ لوگ جلاوطن ہو کر عراق عرب کو چلے تو ان کو جو پروانہ لکھا اس میں یہ فیاضانہ الفاظ رکھے۔

۱) یہ لوگ شام یا عراق کے جس رئیس کے پاس جائیں اس کا فرض ہوگا کہ وہ زراعت کیلئے ان کو زمین دے۔

۲) ہر مسلمان کو چاہئے کہ اگر کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ ان کی مدد کریں۔

۳) چوبیس ۲۴ مہینے تک ان کا جزیہ معاف کردیا جائے۔[2]

فدک کے یہودیوں کو جلاوطن کیا تو ان کی زمین و جائداد کی قیمت کا تخمینہ کروایا اور جب قیمت متعین ہوگئی تو بیت المال سے دلوا دی۔[3] کیا کوئی دوسری قوم ان پولیٹیکل جرائم کے باوجود غیر قوموں کے ساتھ اس قسم کا فیاضانہ برتاؤ کرسکتی ہے؟

۱: طبری صفحہ ۲۱۶۲۔

۲: کتاب الخراج صفحہ ۱۴۔

۳: فتوح البلدان صفحہ ۳۶۔

غلاموں کے حقوق

غلامی کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ایک بد قسمت شخص میدان جنگ میں گرفتار ہو جاتا ہے گرفتاری کے بعد مال غنیمت کے ساتھ اس کی تقسیم ہوتی ہے اور وہ ایک خاص شخص کی ملک بن جاتا ہے اس کے بعد اپنے آقا کی شخصی حکومت کے ساتھ اس کو سلطنت کے عام قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرنا ہوتی ہے اس لئے اگر کسی قوم کی نسبت یہ سوال ہو کہ غلاموں کے متعلق اس کا کیا طرز عمل تھا؟ تو یہ ترتیب حسب ذیل عنوانات میں یہ سوال کیا جاتا ہے۔

۱۔ حالت قید میں ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا۔

۲۔ آقا نے غلام کو غلام بنا کر رکھا یا آزاد کر دیا۔

۳۔ غلاموں کو کیا کیا ملکی حقوق دیئے اور بادشاہ کا غلاموں کے ساتھ کیا طرز عمل رہا۔

صحابہ کرام ﷺ کے زمانے میں جو لوگ غلام بنائے گئے ہم ان کے متعلق اسی ترتیب سے بحث کرتے ہیں۔

اسیران جنگ کا قتل نہ کرنا

اسلام سے پہلے مہذب سے مہذب ملکوں میں غلاموں کو قید کر کے بیدریغ قتل کر دیا جاتا تھا، چنانچہ تاریخ قدیم میں اس کی بہ کثرت مثالیں ملتی ہیں، لیکن قرآن مجید میں اسیران جنگ کے متعلق یہ حکم ہے۔

حتی اذا اثخنتمو ھمہ فشدوا الوثاق فامامنا بعد و امافداء۔

جب تم لوگ خوب خونریزی کر چکو تو قیدی بناؤ ان کے بعد صرف دو صورتیں ہیں یا احساناً ان کو آزاد کر دو یا فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو۔

اور صحابہ کرام ﷺ نے شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی، چنانچہ ایک بار حجاج کے پاس ایک اسیر جنگ آیا، اور اس نے حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کو اسکے قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن انہوں نے کہا "ہم اس پر مامور نہیں ہیں۔" اسکے بعد قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت پڑھی۔[۱]

اسیران جنگ کو کھانا کھلانا اور انکے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا

صحابہ کرام ﷺ اسیران جنگ کو اپنے آپ سے بہتر کھانا کھلاتے تھے اور ان کے آرام و

۱: کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف۔

آسائش کے ضروری سامان بہم پہنچاتے تھے۔ خود قرآن مجید نے صحابہ کرامؓ کی اس فضیلت کو نمایا کیا ہے۔

و یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا۔

باوجود یہ کہ ان لوگوں کو خود کھانے کی خواہش ہو پھر بھی وہ مسکین کو، یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

معجم طبرانی میں ہے کہ صحابہ کرامؓ اسیران جنگ کے ساتھ اس قدر لطف و مراعات کرتے تھے کہ خود کھجور کھا لیتے تھے، مگر ان کو جو کی روٹی کھلاتے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں جب مالک بن نویرہ اپنے رفقا کے ساتھ گرفتار ہوا تو رات کو ان کو سخت سردی محسوس ہوئی، حضرت خالد بن ولیدؓ کو خبر ہوئی تو عام منادی کرا دی۔

ادفئوا اسراکم۔[1]

اپنے قیدیوں کو گرم کپڑے اوڑھاؤ۔

شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ

اگرچہ صحابہ کرامؓ تمام قیدیوں کے ساتھ نہایت عمدہ برتاؤ کرتے تھے، لیکن شاہی خاندان کے قیدی اور بھی لطف و مراعات کے مستحق ہوتے تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے جب جنگ مصر میں بلبیس پر حملہ کیا اور مقوقس شاہ مصر کی بیٹی ارمانوسہ گرفتار ہو کر آئی تو انہوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کو مقوقس کے پاس بھیج دیا اور مزید احتیاط کیلئے اسکے ساتھ ایک سردار کو کر دیا کہ بحفاظت تمام اسکو پہنچا آئے۔[2]

اسیران جنگ کو اعزہ و اقارب سے جدا نہ کرنا

رسول اللہ ﷺ کا عام حکم یہ تھا کہ قیدی اپنے اعزہ و اقارب سے جدا نہ کئے جائیں، صحابہ کرامؓ اس حکم پر نہایت شدت کے ساتھ عمل فرماتے تھے ایک بار حضرت ابو ایوب انصاریؓ کسی فوج پر تھے، اسیران جنگ کی تقسیم ہوئی تو بچوں کو ماں سے علیحدہ کر دیا گیا، بچے رونے لگے تو انہوں نے ان کو ماں کی آغوش میں ڈال دیا اور کہا کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ماں سے بچوں کو جدا کرے گا خدا قیامت کے دن اس کو اس کے اعزہ و اقارب سے جدا کر دے گا۔[3]

۱: طبری صفحہ ۱۹۲۵۔ ۲: مقریزی جلد ۱ صفحہ ۱۸۴۔
۳: مسند دارمی کتاب الجہاد باب النہی عن التفریق بین الوالدہ وولدہا۔

لونڈیوں کے ساتھ استبراء کے بغیر جماع کرنا

عرب میں وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ جو لونڈیاں گرفتار ہو کر آتی تھیں، ان سے استبراء رحم کے بغیر مباشرت کرنا جائز سمجھتے تھے اور اس میں حاملہ وغیر حاملہ کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس طریقہ کو بالکل ناجائز قرار دیا اور ان لونڈیوں کو مطلقہ عورتوں کے حکم میں شامل کر لیا یعنی جب تک غیر حاملہ لونڈیوں پر عدت حیض نہ گذر جائے اور حاملہ لونڈیوں کا وضع حمل نہ ہو جائے ان سے اس قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہو سکتا، صحابہ کرام ﷺ غزوات میں اس حکم کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے، ایک بار حضرت رویفع بن ثابت انصاری ﷺ نے مغرب کے ایک گاؤں پر حملہ کیا، مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو فوج کو یہ ہدایت فرمائی۔

من اصاب من هذا ابسى فلا يطؤها حتى تحيض۔

یہ لونڈیاں جن لوگوں کے حصے میں آئیں، جب تک ان کو حیض نہ آجائے، ان سے جماع نہ کریں۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا،

ايها الناس انی لااقول فيكم الا ماسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول قام فينا يوم حنين فقال لا يحل لا مری یومن بالله واليوم الآخر ان سيقى ماء زرع غيره يعني اتيان الحبالى من السبايا وان يصيب امراه ثيبا من ابسى حتى يستبرئها۔

لوگو! میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے آپ ﷺ نے حنین کے دن فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا، اس کیلئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کی کھیتی میں آبپاشی کرے یعنی حاملہ اور ثیبہ لونڈیوں سے بغیر استبراء رحم جماع کرے۔

غلاموں کی آزادی

یہ وہ احسانات تھے جو صحابہ کرام ﷺ حالت قید میں غلاموں کے ساتھ کرتے تھے لیکن ان کا اصلی احسان یہ ہے کہ جو لوگ قید کر کے غلام بنا لئے جاتے تھے، اکثر ان کو بھی مختلف طریقوں سے آزاد کر دیتے تھے۔

حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، جنہوں نے دو غلام مدبر

1: مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹۔

2: مدبران غلاموں کو کہتے ہیں جن کی آزادی آقا کی موت کے ساتھ مشروط ہوتی ہے۔

گئے تھے، جنہوں نے ان کو شہید کر دیا تھا کہ جلد آزاد ہو جائیں۔[۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو آزاد کرنا چاہا، مگر چونکہ دونوں کا نکاح ہو گیا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پہلے شوہر کو آزاد کر دو تاکہ بی بی کو طلاق لینے کا اختیار باقی نہ رہے۔[۲]

ایک بار وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں اور ان سے بول چال کی قسم کھائی عفو تقصیر کے بعد کفارہ یمین میں ۴۰ غلام آزاد کئے۔[۳]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ دفعتہً حالت خواب میں مر گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی جانب سے[۴] بکثرت غلام آزاد کئے، ان کے پاس اسیران قبیلہ بنو تمیم میں سے ایک لونڈی تھی، آپ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد میں سے ہے۔[۵]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی تھی، جس کو انہوں نے آزاد کر دیا، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خدا تم کو اس کا اجر دے گا، لیکن اگر اپنے ماموں[۶] کو دے دیتیں تو اس سے زیادہ ثواب ملتا۔

سفینہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی تھی، انہوں نے اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت گذاری کیلئے آزاد کر دیا۔[۷]

ایک صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں بیان کیا کہ میری ایک لونڈی دامن کوہ میں بکریاں چرا رہی تھی، بھیڑیا آیا اور ایک بکری کو اٹھا لے گیا، اس پر میں نے اس کو طمانچے مارے، یہ واقعہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی اور اس کو بلوا کر پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے کہا "آسمان پر"۔ پھر پوچھا میں کون ہوں؟ بولی "رسول اللہ ﷺ" ارشاد ہوا کہ اس کو آزاد کر دو یہ تو مسلمان ہے۔[۸]

مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جسکو ایک رقم معین کے ادا کرنے کے بعد آزادی کا حق حاصل ہو جاتا ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے غلاموں کو مکاتب بناتی تھیں، لیکن قبل اسکے کہ

۱: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء۔
۲: ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی المملوکین یعتقان معاً ہل تخیر امراتہ۔
۳: بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ۔
۴: مؤطا امام مالک کتاب العتق والولاء باب عتق الحی عن المیت۔
۵: مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل غفار واسلم۔
۶: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی صلۃ الرحم و بخاری کتاب الہبۃ۔
۷: ابوداؤد کتاب العتق باب فی العتق علی شرط۔
۸: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تشمیت العاطس فی الصلوٰۃ۔

پورا معاوضہ یعنی بدل کتابت ادا کریں اس سے کسی قدر رقم لیکر جلد سے جلد آزاد کر دیتی تھیں۔[1]

ایک صحابی نے انتقال کیا تو وارث کی جستجو ہوئی، معلوم ہوا کہ کوئی نہیں ہے، ان کا صرف ایک آزاد کردہ غلام ہے، آپ ﷺ نے اسی کو ان کی وراثت دلوادی۔[2]

ایک غلام دو صحابیوں کے درمیان مشترک تھا، ایک صحابی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا "خدا کا کوئی شریک نہیں" اور اس غلام کو آزاد کر دیا۔[3]

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں سو غلام آزاد کئے تھے، اسلام لائے تو زمانہ اسلام میں بھی سو غلام آزاد کئے۔[4] ان غلاموں کی آزادی نہایت شان و شوکت کے ساتھ عمل میں آئی، چنانچہ وہ حج کو آئے تو عرفہ کے دن ان غلاموں کے گلے میں چاندی کے طوق ڈال کر لائے جن پر عتقاء اللہ عن حکیم بن حزام لکھا ہوا تھا، یعنی یہ حکیم بن حزام کی جانب سے خدا کی راہ میں آزاد ہیں۔[5]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا وقت آیا تو ۲۰ غلام آزاد کئے۔[6]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتقال کے وقت جو وصیتیں کیں ان میں ایک یہ تھی، حسن ادرک وفاتی من سبی العرب فھو حر من مال اللہ یعنی غلامان عرب میں سے جو لوگ میری وفات کا زمانہ پائیں وہ خدا کے مال سے آزاد ہیں۔[7]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک غلام کو آزاد کیا تو غلام کے پاس جو مال تھا اگرچہ وہ اس کے مالک ہو سکتے تھے، لیکن مال بھی اسی کو دے دیا۔[8]

حضرت ابو مذکور رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی تھے، ان کی جائیداد کی کل کائنات ایک غلام سے زیادہ نہ تھی، لیکن انہوں نے اس کو بھی مدبر کر دیا، لیکن خود رسول اللہ ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور فروخت کر کے اس کو ان کی قیمت دلا دی۔[9]

ایک اور صحابی کی ملک میں صرف ۶ غلام تھے جن کو انہوں نے مرتے وقت آزاد کر دیا،

۱: مؤطا امام مالک کتاب العتق والولاء باب القطاعۃ فی الکتابتہ۔
۲: ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام۔
۳: ابوداؤد کتاب العتق باب فیمن اعتق نصیبالہ من مملوک۔
۴: مسلم کتاب الایمان باب بیان حکم عمل الکافر اذا سلم بعدہ۔
۵: نزہتہ الابرار تذکرہ حکیم ابن حزام۔
۶: مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۷۳، مسند عثمانؓ۔
۷: مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۲۰۔ ۸: سنن ابن ماجہ ابواب العتق باب من اعتق عبدا ولہ مال۔
۹: ابوداؤد کتاب العتق باب فی بیع المدبر۔

لیکن وصیت کے قاعدے کے موافق آپ نے صرف دو غلاموں کی آزادی کو جائز رکھا۔[1]

اسیران ہوازن میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک لونڈی تھی، رسول اللہ ﷺ نے انکو آزاد کیا تو انہوں نے بھی حکم دیا کہ یہ لونڈی بھی انہی آزاد شدہ لوگوں کے ساتھ کر دی جائے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے غلام اور آقا کو بھائی بھائی بنایا تھا اسلئے اگر صحابہ رضی اللہ عنہم غلاموں کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آجاتے تھے تو اس جرم کے کفارے میں ان کو آزاد کر دیتے تھے۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح ایک ایک غلام آزاد کئے تھے۔[3]

ایک صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے دو غلام ہیں جو نہایت خائن، کذاب اور نافرمان ہیں، میں جرائم میں ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور سزا دیتا ہوں، اس معاملہ میں میرا کیا انجام ہوگا؟ ارشاد ہوا ان کی خیانت، کذب، نافرمانی اور تمہاری سزا کا حساب ہوگا، اگر تمہاری سزا ان کے جرائم سے زیادہ ہوگی تو اس زیادتی کا تم سے بدلہ لیا جائے گا۔ یہ سن کر وہ رونے پیٹنے لگے اور کہا کہ بہتر یہی ہے کہ میں ان کو اپنے پاس سے علیحدہ کر دوں، آپ گواہ رہئے کہ وہ آزاد ہیں۔[4]

ایک بار آپ ﷺ نے ابو الہیثم بن التیہان انصاری رضی اللہ عنہ کو ایک غلام عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ اس کے ساتھ سلوک کرنا، ان کی بی بی نے کہا "تم سے یہ نہ ہوسکے گا، بہتر یہ ہے کہ اس کو آزاد کردو۔" انہوں نے اس کو آزاد کر دیا۔[5]

ایک بار آپ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ایک غلام دیا اور کہا کہ "اس کے ساتھ نیکی کرو۔" انہوں نے یہی نیکی کی کہ اس کو آزاد کر دیا۔[6]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام لانے کیلئے چلے تو ساتھ میں غلام بھی تھا، وہ موقع پا کر راستے ہی میں بھاگا یا بھٹک گیا، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تو اسی حالت میں غلام بھی آیا، آپ ﷺ نے فرمایا "ابو ہریرہ! لینا تمہارا یہ غلام ہے۔" بولے "کہ آپ گواہ رہئے یہ خدا کی راہ میں آزاد ہے۔"[7]

ایک بار کسی شخص نے اپنے غلام سے کسی کام کو کہا وہ سو گیا، وہ آیا تو اس کے چہرے پر آگ ڈال دی، غلام گھبرا کر اٹھا تو کنوئیں میں گر پڑا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے چہرے کی حالت

---

۱ ابوداؤد کتاب العتق باب فیمن اعتق عبیداً لہ لم یبلغہم الثلث۔
۲ ابوداؤد کتاب الصیام باب المعتکف یعود المریض کتاب الجہاد میں ہے کہ دو لونڈیاں تھیں۔
۳ ابوداؤد کتاب الادب باب فی حق المملوک
۴ ترمذی ابواب تفسیر القرآن تفسیر سورہ انبیاء۔
۵ ترمذی ابواب الزہد۔ ۶ ادب المفرد باب العفو عن الخادم
۷ بخاری ابواب الشرکۃ باب اذا قال لعبدہ ہو للہ ونوی العتق والاشہاد فی العتق۔

دیکھی تو اس کو آزاد کر دیا۔[۱]

صرف یہی نہیں تھا کہ صحابہ کرام ؓ اپنے مملوکہ لونڈی غلام کو آزاد کرتے تھے، بلکہ یہ اس قدر افضل کام خیال کیا جاتا تھا کہ دوسروں کے غلاموں کو صرف آزاد کرنے کیلئے خرید تے تھے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی کو اس لئے خریدنا چاہا کہ اس کو آزاد کر دیں۔[۲] ابتدائے اسلام میں حضرت ابو بکر ؓ نے بھی سات غلام خرید کر آزاد کئے تھے۔

حضرت زبیر بن عوام ؓ نے ایک غلام خریدا اور اس کو آزاد کر دیا۔[۳] ان کے علاوہ بکثرت غلاموں کو صحابہ کرام ؓ نے آزاد کیا۔

میر اسماعیل نے بلوغ المرام کی شرح میں نجم الوہاج سے ایک فہرست نقل کی ہے جس کی رو سے صحابہ کرام ؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد انتالیس ہزار دو سو سینتیس ۳۹۲۳۷ تک پہنچتی ہے چنانچہ ان صحابہ ؓ کے نام اور ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد حسب ذیل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۶۷	حضرت عباس ؓ	۷۰
حضرت حکیم بن حزام ؓ	۱۰۰	حضرت عبداللہ بن عمر ؓ	۱۰۰۰
ذوالکلاع حمیری ؓ	۸۰۰۰	حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ	۳۰۰۰۰

اس کتاب میں حضرت ابو بکر ؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد نہیں بتائی ہے، لیکن لکھا ہے کہ انہوں نے بکثرت غلام آزاد کئے۔[۴]

سیاسی حیثیت سے صحابہ کرام ؓ نے غلاموں کو جو حقوق، عطا کئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

عرب کا غلام نہ بنانا

اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس قبیلہ تمیم کی ایک لونڈی تھی رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ اسکو آزاد کر دو کیونکہ یہ اسمٰعیل کی اولاد میں سے ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آپ ﷺ اہل عرب کا غلام بنانا پسند نہیں فرماتے تھے لیکن حضرت عمر ؓ نے عام قانون بنا دیا کہ عرب کا کوئی شخص غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر ؓ کے عہد خلافت میں قبائل مرتدہ کے جو لوگ گرفتار ہوئے تھے۔ ان کو انہوں نے اسی بنا پر آزاد کرا دیا۔[۵]

اسلام کے پہلے عرب کے جو لوگ لونڈی یا غلام بنائے گئے تھے، ان کو نسبت یہ حکم دیا کہ اگر

۱۔ ادب المفرد باب حسن الملکہ۔
۲۔ ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی الولاء۔
۳۔ مؤطا امام مالک کتاب العتق والولاء باب جر العبد الولاء۔
۴۔ سبل السلام صفحہ ۳۳۵ کتاب العتق۔ ۵۔ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۵۸۔

کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی قبیلہ میں غلام بنالیا گیا ہو تو وہ اس کے بدلے میں دو غلام بطور فدیہ کے دے کر آزاد کراسکتا ہے، اسی طرح ایک لونڈی کے عوض میں دو لونڈی دے کر آزاد کرائی جاسکتی ہے۔[1]

غیر قومیں اگرچہ غلام بنائی جاسکتی تھی، تاہم حضرت عمر ﷛ نے ان کو بھی بہت کم غلام بنایا مصر فتح ہوا تو چھ لاکھ مرد اور عورت مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، فوج کے اکثر حصہ کا اصرار تھا کہ ان کو لونڈی غلام بنا کر تمام فوج پر تقسیم کر دیا جائے، لیکن حضرت عمر ﷛ نے جزیہ مقرر کر کے ان کو بالکل آزاد کر دیا، چند گاؤں کے لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تھی وہ گرفتار ہوئے تو لونڈی غلام بنا کر مدینہ میں بھیج دیئے گئے۔ لیکن حضرت عمر ﷛ نے ان کو بھی واپس کر دیا۔[2]

حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷛ کے نام عام حکم بھیج دیا کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔[3]

حضرت عمر ﷛ کی عہد میں زراعت کو جو ترقی ہوئی اور اس کی وجہ سے محاصل و خراج میں جو اضافہ ہوا اس کی اصل وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اکثر مفتوح قوموں کو آزاد رکھا اور وہ آزادی کے ساتھ زراعت کے کاروبار میں مصروف رہیں۔

غلاموں کو مکاتب بنانا

غلاموں کی آزادی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان سے یہ شرط کرلی جائے کہ اتنی مدت میں وہ اس قدر رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہیں، یہ حکم خود قرآن مجید میں مذکور ہے۔

فکاتبوھم ان علمتھم فیھم خیرا۔

اگر تم کو غلاموں میں بھلائی نظر آئے تو ان سے مکاتبت کرلو۔

لیکن حضرت عمر ﷛ کی خلافت سے پہلے یہ حکم وجوبی نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن آقا کو معاہدہ مکاتبت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا، لیکن حضرت عمر ﷛ نے عملاً اس حکم کو وجوبی قرار دیا چنانچہ جب سیرین نے اپنے آقا حضرت انس ﷛ سے مکاتبت کی درخواست کی اور انہوں نے اس کو منظور کرنے سے انکار کر دیا، تو حضرت عمر ﷛ نے ان کو بلوا کر کوڑے لگوائے اور قرآن مجید کی اس آیت کے رو سے ان کو معاہدہ کتابت کرنے پر مجبور کر دیا۔[4]

حضرت عمر ﷛ ہمیشہ اس قسم کے غلاموں کی آزادی میں آسانیاں پیدا کرتے رہتے تھے

---

1. طبقات ابن سعد تذکرہ ریاح بن حارث۔
2. حسن المحاضرہ جلد ا صفحہ ۸۳۔
3. کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۱۲۔
4. صحیح بخاری کتاب المکاتب

ایک بار ایک مکاتب غلام نے مال جمع کر کے بدل کتابت ادا کرنا چاہا، لیکن آقا نے ایک بار اس رقم کے لینے سے انکار کر دیا اور باقساط لینا چاہا، وہ حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے کل رقم لے کر بیت المال میں داخل کروادی اور کہا "تم شام کو آنا میں تمہیں آزادی کا فرمان لکھ دوں گا، اس کے بعد لینے یا نہ لینے کا تمہارے آقا کو اختیار ہوگا، آقا کو خبر ہوئی تو اس نے آکر یہ رقم وصول کرلی۔[1]

ام ولد کے بیع وشراء کی ممانعت

آقا سے جس لونڈی کے اولاد پیدا ہو جاتی ہے، اس کو ام ولد کہتے ہیں، حضرت عمر ؓ کے عہد خلافت سے پہلے اس قسم کی لونڈیاں عام لونڈیوں کے برابر سمجھی جاتی تھیں، لیکن حضرت عمر ؓ نے یہ عام قاعدہ مقرر فرمادیا کہ اس قسم کی لونڈیاں نہ فروخت کی جاسکتیں نہ ان میں وراثت جاری ہوسکتی، نہ ان کا ہبہ ہوسکتا، بلکہ وہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گی۔[2]

اس طرح لونڈیوں کی آزادی کا نیا راستہ نکل آیا۔

اسیران جنگ سے اعزہ واقارب کو جدا نہ کرنا

اگرچہ صحابہ کرام ؓ مذہباً اور اخلاقاً خود ہی قیدیوں کو ان کے اعزہ واقارب سے جدا کرنا ناجائز سمجھتے تھے، لیکن حضرت عمر ؓ نے قانوناً وحکماً اس کی ممانعت فرمادی چنانچہ تمام امرائے فوج کے نام فرمان بھیجے کہ بھائی کو بھائی سے اور لڑکی کو ماں سے جدا نہ کیا جائے ایک بار بازار میں شور سن کر حضرت عمر ؓ نے اپنے دربان یرقاء کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ ایک لونڈی کی ماں فروخت کی جارہی ہے انہوں نے تمام مہاجرین وانصار کو جمع کیا اور آیات "ولا تقطعوا ارحامکم" کو پڑھ کر کہا کہ اس سے بڑھ کر کیا قطع رحم ہوسکتا ہے۔ کہ لڑکی کو ماں سے جدا کیا جائے، چنانچہ اس کے بعد تمام امراء کے نام فرمان بھیج دیا کہ اس قسم کا قطع رحم جائز نہیں۔[3]

غلاموں کے وظیفے

بیت المال سے مسلمانوں کو جو وظیفہ ملتا تھا، اس میں غلام برابر کے شریک تھے اول اول حضرت ابو بکر ؓ نے غلاموں کو بیت المال میں تمام مسلمانوں کا شریک بنایا، ابوداؤد کتاب الخراج میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

کان ابی یقسم للحرو العبد۔

1: طبقات ابن سعد تذکرہ ابو سعید المقبری۔

2: مؤطا امام محمد باب بیع امہات الاولاد۔

3: کنزالعمال جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ و ۲۲۷

میرے باپ غلام اور آزاد کو مال تقسیم فرمادیتے تھے۔

حضرت عمر ﷺ نے جب باضابطہ طور پر تمام مسلمانوں کے وظائف مقرر فرمائے تو آقا کے برابر غلاموں کو وظائف بھی مقرر فرمائے۔[۱] ان کو اس بات میں اس قدر کد تھی کہ جب ایک عامل نے غلاموں کو وظیفہ نہیں دیا، تو اس کو لکھ بھیجا کہ کسی مسلمان کا اپنے بھائی مسلمان کو حقیر سمجھنا نہایت بری بات ہے۔[۱] حضرت عمر ﷺ نے اور مختلف طریقوں سے غلاموں کو مالی اعانتیں دیں۔ اہل عوالی کے مزدوری پیشہ غلاموں کی مردم شماری کرائی اور ان کے روزینے جاری کئے، حضرت عثمان ﷺ نے اس کو اور ترقی دی اور خوراک کے ساتھ کپڑے بھی مقرر فرمائے، حضرت عمر ﷺ کا معمول تھا کہ ہفتہ کے روز عوالی کو جاتے اور جو غلام ازکار رفتہ نظر آتے ان کے ٹیکس معاف کردیتے۔

حضرت عثمان ﷺ نے عام طور پر یہ ہدایت کی کہ جو لونڈی کوئی پیشہ نہیں جانتی اور جو غلام صغیر السن ہیں ان کو کسی پیشہ کی تکلیف نہ دی جائے ورنہ ناجائز طریقے سے وہ روزینہ پیدا کریں گے، لیکن اس کے ساتھ ان کو عمدہ کھانا دیا جائے۔[۲]

غلاموں کی تعلیم

سب سے بڑھ کر یہ کہ صحابہ کرام ﷺ نے غلاموں کو تعلیم بھی دلائی، ایک بار چند عیسائی غلام پکڑ کر آئے، تو حضرت عمر ﷺ نے ان کو مکتب میں داخل کردیا۔[۴]

حضرت عثمان ﷺ نے حمران بن ابان کو خرید کر لکھنا سکھایا اور اپنا میر منشی بنایا۔[۵] بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتب میں آزاد بچوں کے ساتھ بہت سے غلاموں کے لڑکے بھی تعلیم پاتے تھے چنانچہ ایک بار حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اون صاف کرنے کیلئے مکتب سے لڑکے طلب کئے تو کہلا بھیجا کہ آزاد بچے نہ بھیجے جائیں۔[۶]

غلاموں کو امان دینے کا حق دینا

امان دینے کا حق صرف فاتح قوم کو حاصل ہوتا ہے لیکن خلفاء نے یہ حق خود غلاموں کو بھی دیا، چنانچہ ایک بار مسلمانوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا تو ایک غلام نے محصور فوج کو امان دے دی، تمام مسلمانوں نے کہا اس کا اعتبار نہیں ہے لیکن ان لوگوں نے کہا ہم آزاد اور غلام

۱: فتوح البلدان صفحہ ۴۵۵۔ ۲: فتوح البلدان صفحہ ۴۶۲۔
۳: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب الامر بالرفق بالمملوک۔
۴: فتوح البلدان صفحہ ۱۴۹۔
۵: فتوح البلدان صفحہ ۳۶۰۔
۶: بخاری کتاب الہبات باب من استعار عبداً وصبیاً۔

کو نہیں جانتے"اب اس باب میں حضرت عمر ﷺ سے استصواب کیا گیا تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ مسلمانوں کے غلاموں کا معاہدہ خود مسلمانوں کا معاہدہ ہے۔[1]

غلاموں کی عزت و آبرو کی حفاظت

خلفاء راشدین لونڈیوں اور غلاموں کی عزت و آبرو کا اسی قدر پاس کرتے تھے، جس قدر ایک آزاد مرد یا آزاد عورت کا کیا جا سکتا ہے، ایک بار ایک غلام نے کسی لونڈی کی ناموس پر ناجائز کیا اور حضرت عمر ﷺ کو خبر ہوئی تو غلام کو جلاوطن کر دیا۔[2]

مساوات

ان حقوق کے علاوہ ذاتی طور پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہما غلاموں کو عام مسلمانوں کے برابر سمجھتے تھے، چنانچہ اس کی بعض مثالیں حسن معاشرت کے عنوان میں گذر چکی ہیں۔

ان تمام مراتب کے پیش نظر ہو جانے کے بعد صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرام ﷺ کے زمانے میں شخصی اور ملکی دونوں حیثیتوں سے غلام غلام نہیں رہے تھے بلکہ مسلمانوں کے ایک فرد بن گئے تھے۔

۱: فتوح البلدان صفحہ ۹۸۔

۲: موطاامام محمدؒ باب الاشکر اہ فی الزنا۔

رعایا کی آسائش کا انتظام

حضرت ابو بکر ﷺ کے زمانے تک یہ معمول تھا کہ خراج وغیرہ کی جو رقم وصول ہوتی تھی، ہر شخص پر تقسیم کر دی جاتی تھی اور اس میں غلام و آزاد کی کوئی تخصیص نہ تھی، ابو داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

کان ابی یقسم للحرو العبد [1]

میرے باپ غلاموں اور آزاد دونوں پر مال تقسیم کر دیتے تھے۔

لیکن حضرت عمر ﷺ نے اسکے ساتھ لوگوں کی خوراک بھی مقرر فرمائی، اول اول جب انتظام قائم کرنا چاہا تو دونوں وقت ایک ایک جریب آٹا پکوایا اور ۳۰، ۳۰ آدمیوں کو کھلایا، سب کافی ہوا تو ماہوار مرد، عورت اور غلام سب کیلئے دو جریب آٹا مقرر کیا، اعلان عام کیلئے پیمانہ ہاتھ میں لے کر منبر پر چڑھے اور فرمایا کہ "میں نے تم لوگوں کیلئے اس قدر ماہوار خوراک مقرر کر دی ہے، جو شخص اسکو گھٹائے گا اسکو خدا سمجھے گا" یہ طریقہ اس قدر مقبول عام ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو بددعا دیتا تھا تو کہتا تھا کہ "خدا تمہاری جریب موقوف کر دے یعنی تمہیں موت دے"۔ [2]

حضرت عمر ﷺ نے وظائف میں خاص موقعوں پر قومیت کی تفریق و امتیاز کو بھی بالکل اٹھا دیا، چنانچہ ایک بار مقام جابیہ میں گئے، وہاں چند عیسائی جذامیوں کو دیکھا تو حکم دیا کہ بیت المال سے ان کے وظیفے مقرر کر دیے جائیں، [3] ایک بار ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اس کو خود اپنے گھر لائے، اور جو کچھ ہو سکا دیا، پھر بیت المال کے خزانچی کو لکھ بھیجا کہ اس قسم کے لوگوں کا خاص لحاظ رکھا جائے، قرآن مجید میں صدقہ کے جو حصہ دار ہیں ان میں فقراء سے مسلمانوں اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔ [4]

ان کے علاوہ جو معزز لوگ کسی وجہ سے مفلوک الحال ہو جاتے تھے، ان کیلئے بھی وہ وظیفے مقرر فرما دیتے تھے، چنانچہ ایک موقعہ پر خود فرمایا

انما فرضت لقوم احجفت بھم الفاقۃ وھم سادۃ عشائرھم لما نیو بھم من الحقوق۔ [5]

1: ابو داؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی قسم الفئی۔ 2: فتوح البلدان ۴۶۵ و ۴۶۶۔
3: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۶۔ 4: کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف صفحہ ۷۲۔
5: مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۵۰۔

میں نے چند فاقہ زدہ لوگوں کیلئے وظیفہ مقرر کردیا ہے جو اپنے قبیلہ کے سردار تھے لیکن قومی حقوق کی گراں باری نے ان کو مفلوک الحال بنادیا۔

شیر خوار بچوں کے وظیفے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مجاہدین کے بچوں کیلئے بھی دس دس درہم وظیفے مقرر فرمائے، پہلے یہ معمول تھا کہ بچے دودھ چھوڑتے تھے تو ان کے وظیفے جاری کئے جاتے تھے، لیکن بعد کو جب معلوم ہوا کہ لوگ حصول وظیفہ کیلئے قبل از وقت بچوں کا دودھ چھڑا دیتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام اعلان کروادیا کہ قبل از وقت بچوں کا دودھ نہ چھڑاؤ ہم روز ولادت ہی سے بچوں کے وظائف مقرر کردیں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اور خلفاء نے اس کو اس قدر ترقی دی کہ اس میں وراثت جاری ہوتی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے وراثت کے طریقے کو موقوف کرنا چاہا، لیکن پھر رک گئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہی قدیم انتظام پھر قائم کردیا، یعنی بچے جب دودھ چھوڑ دیتے تھے، اس وقت سے ان کے وظیفے جاری کرتے تھے، اخیر میں عبدالملک ابن مروان نے اس فیاضانہ طریقے کو کلیتہً موقوف کردیا۔[1]

لاوارث بچوں کے وظیفے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن ۱۸ھ میں یہ حکم دیا کہ جو لاوارث بچے شاہراہ وغیرہ پر پڑے ہوئے ملیں ان کے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے، چنانچہ یہ وظیفہ سو درہم سے شروع ہوتا تھا، پھر سال بسال اس میں ترقی ہوتی جاتی تھی۔[2] موطا نے امام مالک میں ہے کہ قبیلہ بنو سلیم کا ایک شخص اسی قسم کا ایک بچہ اٹھالایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کو لے جاؤ، اس کے نفقہ کا بار ہم پر رہے گا۔[3]

قحط کا انتظام

قحط رعایا کیلئے سب سے بڑی مصیبت ہے، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قحط پڑا، تو انہوں نے اپنے اوپر گھی اور دودھ کو حرام کرلیا اور رعایا کے آرام و آسائش کیلئے ہر ممکن تدبیر کی، تمام امراء و عمال کو لکھ بھیجا کہ اہل مدینہ کی مدد کریں، چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے۔[4]

۱: فتوح البلدان صفحہ ۴۶۴۔ ۲: یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۷۱ و فتوح البلدان صفحہ ۴۵۰۔
۳: موطا امام مالک کتاب الاقضیہ باب القضاء فی المنبوذ۔
۴: طبری صفحہ ۲۵۷۶۔

حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ گورنر مصر کو لکھا کہ خراج میں جو غلہ وصول ہو وہ مدینہ کو روانہ کیا جائے چنانچہ انہوں نے روغن زیتون اور ۲۰ جہاز غلہ روانہ کیا جن میں کم و بیش ہر جہاز میں ۳ ہزار اردب غلہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بذات خود ملاحظہ کیلئے بندرگاہ پر گئے جس کا نام جار تھا وہاں پہنچ کر ان غلوں کے رکھنے کیلئے دو مکان تعمیر کرائے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ قحط زدوں کے نام لکھے جائیں چنانچہ جن لوگوں کے نام لکھے گئے ان کو ایک ایک چیک ملتی تھی، جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مہر ہوتی تھی۔[1]

اسکے علاوہ ہر جگہ سے اونٹ، گیہوں اور روغن زیتون منگوا کر بدوؤں میں تقسیم کیا، جب یہ تمام سامان ختم ہو چکا تو یہ انتظام کرنا چاہا کہ جو لوگ صاحب مقدرت ہوں ان کے گھروں میں جس قدر آدمیوں کی تعداد ہو، اسی تعداد میں محتاجوں کی کفالت ان کے متعلق کی جائے کیونکہ ایک آدمی کا کھانا دو شخصوں کی سدرمق کیلئے کافی ہوتا ہے، لیکن اس کے پہلے باران رحمت کی دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول کر لیا اس لئے اس انتظام کی ضرورت پیش نہیں آئی۔[2]

رعایا کی شکایتوں سے واقف ہونے کے وسائل

ہمارے سلاطین و امراء میں کتنے لوگ ہیں جن کے پردہائے گوش فریادیوں کی کرخت آواز کے متحمل ہو سکتے ہیں، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمہ وقت رعایا کی آرام و آسائش کی فکر میں مصروف رہتے تھے، اس لئے ان کے درد و دکھ سے واقفیت حاصل کرنے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرتے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مختصر عہد خلافت میں حج کے موقع پر تمام لوگوں سے عام طور پر پوچھ لیا تھا کہ کسی کو کوئی شکایت تو نہیں؟[3] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اور بھی ترقی دی اور خفیہ طور پر متعدد لوگوں کو مقرر فرمایا جو ان تک تمام جزئیات کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے کنز العمال میں ہے۔

کان لعمر عیون علی الناس۔[4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں پر جاسوس مقرر فرمائے تھے۔

تمام امراء و عمال کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کے سامنے دروازے بند نہ کریں تاکہ ہر شخص بلا روک ٹوک اپنی شکایتیں پیش کر سکے، اخیر میں تمام ملک کے دورہ کا بھی ارادہ کیا تھا، لیکن شام کے سوا موت نے دوسرے مقامات کے دورہ کا موقع نہیں دیا۔

---

۱ فتوح البلدان صفحہ ۲۲۳ و یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۷۷۔
۲ ادب المفردات باب المواسات فی السنۃ والمجاعۃ۔
۳ کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۱۔ ۴ کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۳۱۴۔

حضرت عثمان ؓ کو رعایا کی خبر گیری کا اس قدر خیال تھا کہ عین خطبہ کی حالت میں لوگوں سے ان کے حالات اور بازار کا نرخ دریافت فرماتے تھے۔

موذی جانوروں کا قتل

مہذب سلطنتیں رعایا کے آرام و آسائش کا جو انتظام کرتی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ موذی جانوروں کو ملک سے فنا کرنے کی کوشش کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے جانوروں کے قتل پر انعام دیا جاتا ہے، صحابہ کرام ؓ نے بھی اس قسم کا انتظام کیا تھا، نصیبین میں بچھو بکثرت تھے، جس سے وہاں کے مسلمانوں کو اذیت پہنچتی تھی، وہاں کے عامل نے حضرت امیر معاویہ ؓ کی خدمت میں اس کی شکایت کی تو انہوں نے لکھا کہ تمام شہر کے لوگوں پر بچھوؤں کی ایک تعداد مقرر کر دی جائے کہ ہر رات کو پکڑ لائیں، چنانچہ وہ لوگ ان کے پاس پکڑ لاتے تھے اور وہ مار ڈالے جاتے تھے، اس طرح بچھوؤں کی تعداد میں بہت کچھ کمی ہوگئی۔[1]

بجستان میں بکثرت سانپ رہتے تھے، جب حضرت عبدالرحمان بن سمرہ ؓ نے حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں اس کو بصلح فتح کیا تو چونکہ نیولے اور خار پشت سانپ کھا جاتے ہیں، اسلئے معاہدہ صلح اس شرط پر کیا کہ کوئی شخص ان دونوں جانوروں کو نہ مار سکے گا۔[2]

۱: معجم البلدان ذکر نصیبین۔

۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ۔

مذہبی خدمات

اشاعتِ اسلام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آغاز اسلام ہی سے اس نیک کام کو شروع کیا اور اخیر تک اس کو قائم رکھا، سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کے اخلاقی اثر سے متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، جن میں پانچ بزرگ عشرہ مبشرہ میں سے تھے، اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میں ہے۔

اسلم علی یدہ جماعة لمحبتهم و میلهم الیه حتی انه اسلم علی یه خمسة من العشرة۔

ان کے ہاتھ پر ایک جماعت جس کو ان کے ساتھ محبت تھی اسلام لائی یہاں تک کہ عشرہ مبشرہ میں سے بھی پانچ بزرگ ان کے ہاتھ پر اسلام لائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تذکرے میں صاحب اسد الغابہ نے بعض ناموں کی تفصیل بھی کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

کان رجال قریش یاتونه و یالفونه نعیرواحد من الا مرلعلمه و تجاربه و حسن مجالسة فجعل یدعوالی الاسلام من وثق به من قومه ممن یغشاه و یجلس الیه فاسلم علی یدیه فیمابلغنی الذبیر بن العوام و عثمان بن عفان و طلحة بن عبیداللّٰه۔

قریش کے لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آتے تھے اور متعدد وجوہ مثلاً علم، تجربہ اور حسن مجالست کی بنا پر ان سے محبت کرتے تھے، چنانچہ ان آنے والوں اور ساتھ بیٹھنے والوں میں جن لوگوں پر ان کو اعتماد تھا ان کو انہوں نے دعوت اسلام دی اور، جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے ان کے ہاتھ پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔

تاریخ خمیس میں ان بزرگوں کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ اور ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا ہے۔[1]

1: تاریخ خمیس صفحہ ۲۸۷۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کی کوششوں سے قریش میں اسلام پھیلا، حضرت عمیر رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو ابتداء میں اسلام کے سخت دشمن تھے، غزوہ بدر میں ان کا ایک لڑکا گرفتار ہوا تو وہ اس کی رہائی کے بہانے سے مدینہ میں آئے کہ چل کر (نعوذ باللہ) خود رسول اللہ ﷺ کا خاتمہ کر دیں، لیکن توفیق ایزدی نے یاوری کی اور یہاں آکر مسلمان ہو گئے، پلٹے تو قریش کو دعوت اسلام دی اور ان کے اثر سے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔[1]

مردوں کے ساتھ عورتیں بھی اس شرف سے محروم نہ رہیں، چنانچہ حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں جو مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیتی تھیں۔ قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔[2]

ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ کا اثر اگرچہ صرف مکہ بلکہ صرف قریش تک محدود رہا لیکن اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالی نے توفیق عطا فرمائی اور وہ باہر سے آکر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام لائے اور آپ کی خدمت سے واپس جا کر اپنے اپنے حلقہ اثر میں اشاعت اسلام کی مقدس خدمت انجام دی، ان بزرگوں میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ، حضرت اکثم رضی اللہ عنہ، حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ اور انصار کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فطرۃً نیکی کے قبول کرنے کا مادہ رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی ملاقات سے پہلے پابند نماز ہو چکے تھے، ایک بار حسن اتفاق سے ان کے بھائی حضرت انیس رضی اللہ عنہ مکہ میں آئے اور پلٹ کر ان کو خبر دی کہ "مکہ میں تمہارا ایک ہم مذہب پیدا ہوا ہے جو اپنے آپ کو خدا کا رسول کہتا ہے لوگ اگرچہ اس کو شاعر، کاہن اور ساحر کہتے ہیں، لیکن مجھ کو اسکا کلام ان سب سے مختلف معلوم ہوتا ہے" یہ سن کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی شوق پیدا ہوا اور تحقیق کیلئے خود مکہ تشریف لائے ایک دن رات کو رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھے، آپ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے آکر اسلامی طریقہ کے موافق سلام کیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے مختلف حالات پوچھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ آج کی رات مجھے ان کی دعوت کا شرف حاصل ہو، رسول اللہ ﷺ بھی ساتھ تشریف لے گئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے گھر کا دروازہ کھولا، اور طائف کے منقے پیش کئے اس کے بعد وہ دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا "مجھے مدینہ کی ہجرت کا حکم ہوا ہے، تم میری طرف سے اپنی قوم کو اسلام کا پیغام پہنچا سکتے ہو؟ شائد تمہاری وجہ سے

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمیر بن وہب۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا۔

خدا ان کو نفع پہنچائے اور تمہیں ثواب دے" وہ پلٹے تو اپنے بھائی انیس کو دعوت اسلام دی اور انہوں نے بخوشی لبیک کہا اس کے بعد ماں کو مائل بہ اسلام کیا وہ بھی بخوشی حلقہ اسلام میں داخل ہوئیں، پھر تمام قوم کو اسلام کی طرف بلایا، نصف لوگ اسی وقت مسلمان ہو گئے اور نصف لوگوں نے کہا کہ "رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد ہم لوگ اسلام لائیں گے" چنانچہ جب آپ مدینہ آئے تو وہ لوگ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے، قبیلہ غفاری کے متصل اسلم کا قبیلہ آباد تھا، وہ لوگ بھی حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ "یارسول اللہ ﷺ! جس چیز پر ہمارے بھائی اسلام لائے ہیں اس پر ہم بھی اسلام لاتے ہیں آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔

غفار غفر اللّٰہ لها و اسلم سلمها اللّٰہ[1]

خدا غفار کی مغفرت کرے اور اسلم کو سلامت رکھے۔

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پہلے ہی سے دل نور ایمان سے لبریز تھا، چاہا کہ خود ان کے وطن کو دارالہجرت بننے کا شرف حاصل ہو، اس غرض سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ ایک محفوظ قلعہ میں پناہ گزین ہونا پسند فرماتے ہیں؟ یہ قلعہ خود ان کی قوم کا تھا، لیکن آپ ﷺ نے انکار کیا، اس لئے وہ واپس گئے اور جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہ ایک مہاجر کو ساتھ لے کر مدینہ میں آئے اور شرف ہجرت حاصل کیا[2] یہ صحیح مسلم کی روایت ہے جس سے فی الجملہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اثر سے بعض لوگوں نے اسلام قبول کیا لیکن اسد الغابہ میں ہے کہ وہ آپ کی خدمت سے پلٹ کر متصل اشاعت اسلام کی خدمت انجام دیتے رہے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو انہوں نے بھی قبیلہ دوس کے ستر ۷۰ یا اسی ۸۰ گھرانوں کے ساتھ ہجرت کی جو سب کے سب ان ہی کے اثر سے مسلمان ہوئے تھے۔[3]

حضرت اکثم رضی اللہ عنہ کو ظہور اسلام کی خبر ہوئی تو دو شخصوں کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ تحقیق حال کریں، وہ دونوں خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو یہ آیت سنائی۔

ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینهی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون۔

خدا، عدل، احسان اور قرابت داروں کے دینے کا حکم کرتا ہے اور فحاشی، برائی اور ظلم سے منع فرماتا ہے خدا تم کو یہ نصیحت کرتا ہے، شاید تم سمجھو اور سوچو۔

1: صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ابی ذرؓ۔
2: صحیح مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان قاتل نفس لا یکفر۔
3: اسد الغابہ تذکرہ حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ۔

ان لوگوں نے جاکر ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے تمام قوم کی طرف خطاب کر کے کہا کہ "اے قوم میری رائے میں یہ پیغمبر مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے اور ذمائم اخلاق سے روکتا ہے، تو لوگ قبول اسلام میں دم نہ بنو، سر بنو، مقدم ہو، موخر نہ ہو، اس کے بعد تادم مرگ اس کوشش میں مصروف رہے انتقال ہو تو اہل و عیال کو تقویٰ اور صلہ رحمی کی وصیت کی۔[1]

حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ قبیلہ ثقیف کے سردار اور ان میں نہایت ہر دلعزیز تھے، رسول اللہ ﷺ غزوہ طائف سے فارغ ہو کر مدینہ کو پلٹے تو انہوں نے راستہ ہی میں جاکر اسلام قبول کیا اور وہاں سے آکر اپنے قبیلہ کو دعوت اسلام دی ان کو اگرچہ اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی بلکہ ان کو خود ان کی قوم نے اشاعت اسلام کے جرم میں قتل کر دیا، تاہم انہوں نے اپنا مذہبی فرض ادا کر دیا۔[2]

انصار میں اولاً چھ شخص مکہ میں آئے اور اسلام قبول کیا، مکہ سے پلٹ کر انہوں نے خود تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرنا شروع کیا اور ان کو اس قدر کامیابی ہوئی کہ انصار کا کوئی گھر کلمہ توحید کی آواز اور رسول ﷺ کے ذکر خیر سے ناآشنا نہ رہا، دوسرے سال بارہ آدمی آئے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، جو بیعت عقبہ اولی کے نام سے مشہور ہے۔[3] رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تعلیم قرآن کیلئے کر دیا اور انہوں نے اس خدمت کے ساتھ اشاعت اسلام کا مقدس فرض بھی ادا کیا، چنانچہ ان کی کوششوں سے بکثرت لوگ مسلمان ہوئے، جن میں انصار کے گل سرسبد حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، مسلمانوں کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوا تو انہوں نے ان کے ساتھ باجماعت جمعہ کی نماز ادا کی۔[4]

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اپنے قبیلہ سے کہا کہ اب مجھ پر تم سے بات چیت کرنا حرام ہے، چنانچہ اسی روز ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا۔[5]

ان بزرگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے اپنے اپنے قبائل میں اشاعت اسلام کی، چنانچہ ان کے حالات میں ان کوششوں کا ذکر جابجا آیا ہے۔ مثلاً صاحب اسد الغابہ حضرت قیس بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت اکثم بن صیفیؓ۔
۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عروہ بن مسعودؓ۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت رافع بن مالکؓ و مسند ابن حنبل ص ۳۱۷۔
۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت مصعب بن عمیرؓ و تاریخ خمیس صفحہ ۳۱۷۔
۵: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن معاذؓ۔

دعاقومه الی الاسلام۔[1]

اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔

حضرت قیس بن یزید ﷜ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں۔

فدعا قومه الی الاسلام فاسلموا۔

انہوں نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔

حضرت قیس بن نُشیہ ﷜ اسلمی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

اسلم ورجع الی قومه فقال یابنی سلیم سمعت ترجمة الروم و فارس واشعار العرب والکهان ومقاول حمیر وما کلام محمد یشبه من کلامهم فاطیعونی فی محمد فانکم اخواله۔

وہ اسلام لا کر پلٹے تو کہا کہ اے بنو سلیم میں نے روم و فارس کے تراجم اور عرب اور کہان اور حمیر کے بہادروں کے اشعار سنے لیکن محمد کا کلام ان سب سے الگ ہے، پس محمد ﷺ کے معاملے میں میری اطاعت کرو کیونکہ تم ان کے ماموں ہو۔

فتح مکہ کے بعد اس سلسلہ کو اور ترقی ہوئی اور تمام قبائل کے سرداروں نے اشاعت اسلام میں حصہ لیا، چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

ان مکة لما فتحت بادرت العرب باسلامهم فکان کل قبیلة ترسل کبراها یسلمو او یتعلموا و یرجعو الی قومهم فیدعوهم الی الاسلام۔

فتح مکہ کے بعد تمام عرب نے اسلام کی طرف نہایت تیزی سے قدم بڑھایا، ہر قبیلہ اپنے سرداروں کو بھیجتا تھا کہ جا کر اسلام لائیں اور تعلیم دین حاصل کر کے پلٹیں تو اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیں۔

اس بناء پر تمام قبائل کا اسلام ان سرداروں کے اسلام اور تبلیغ و دعوت پر موقوف تھا۔ ابوداؤد میں ہے کہ قبیلہ ہمدان نے حضرت عامر بن شہر ﷜ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ جو تمہاری رائے قرار پائے، اس کو ہم سب منظور کر لیں گے، وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور ان کے بعد ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا۔[2]

ایک صحابی کسی چشمے کے مالک تھے جب ان تک دعوت اسلام پہنچی تو انہوں نے اپنی قوم کو اسلام لانے کیلئے سو اونٹ دیئے، لیکن یہ اسلام کا حقیقی معاوضہ نہ تھا، چنانچہ جب وہ لوگ اسلام میں پختہ ہو گئے تو انہوں نے اونٹوں کو واپس لینا چاہا اور مشورہ کیلئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیجا، آپ ﷺ نے فرمایا ان کو واپس لینے یا نہ لینے کا اختیار ہے۔[3]

۱: فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۲۔ ۲: ابوداؤد کتاب الخراج باب فی حکم ارض الیمن۔

۳: ابوداؤد کتاب الخراج باب فی العرافة۔

جن لوگوں کو خود رسول اللہ ﷺ نے اشاعت اسلام کیلئے بھیجاان کے نام رجال و سیر کی کتابوں میں بکثرت ملتے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں۔

حضرت مالک بن مرارہ الرہاوی رضی اللہ عنہ ...... انہوں نے عک اور ذی خیوان کو دعوت اسلام دی اور اس کے ساتھ ان کی قوم نے بھی اسلام قبول کیا۔

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ ...... رسول اللہ ﷺ نے ان کو قبیلہ بنولیث کی تبلیغ و ہدایت کیلئے بھیجا۔

حضرت عبداللہ بن عوسجۃ البجلی رضی اللہ عنہ ...... آپ ﷺ نے ان کو قبیلہ بنی حارثہ کے پاس بھیجا۔

حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ...... آپ ﷺ نے ان کو اہل فدک کی ارشاد و ہدایت کیلئے بھیجا۔

حضرت مسعود بن وائل رضی اللہ عنہ ...... آپ ﷺ نے ان کے متعلق خود ان کی قوم کی تبلیغ و ہدایت فرمائی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ...... ان کی ننہال قبیلہ بلی میں تھی جو بدووں کا ایک قبیلہ ہے اور اس تعلق سے بدوان سے مانوس تھے آپ ﷺ نے ان کو بدوں کی تبلیغ و ہدایت کیلئے منتخب فرمایا۔

حضرت مالک بن احمر رضی اللہ عنہ ...... یہ اسلام لائے اور خود درخواست کی کہ مجھے ایک فرمان لکھ دیا جائے کہ اس کے ذریعے میں اپنی قوم کو دعوت اسلام دوں۔

حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ ...... آپ ﷺ نے ان کے ذریعہ سے عبید و جعفر کو دعوت اسلام دی۔ وہ دونوں اسلام لائے اور وہاں کی تمام عرب کو دعوت اسلام دی جس کو سب نے بخوشی قبول کیا۔

حضرت علاء بن عبیداللہ الحضرمی رضی اللہ عنہ ...... آپ ﷺ نے انکو بحرین میں بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو دعوت اسلام دیں اور منذر بن ساوی اور سیبخت کے نام خصوصیت کے ساتھ خط دیا۔ وہ دونوں مسلمان ہو گئے اور انکے اثر سے وہاں کے تمام عرب اور بعض عجم نے اسلام قبول کیا۔

حضرت وبر بن تحنس کلبی رضی اللہ عنہ ...... آپ ﷺ نے ان کو یمن میں بھیجا وہ نعمان بن بزرخ کی صاحبزادیوں کے یہاں اترے اور وہ سب مسلمان ہو گئیں، انہوں نے فیروز دیلمی اور مرکنود کو پیغام اسلام دیا اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔[1]

---

[1] یہ مختصر فہرست اسد الغابہ اور فتوح البلدان سے تیار کی گئی ہے۔ ابوداؤد کتاب الخراج میں بھی ان بزرگوں کے نام ملتے ہیں اگر رجال کی کتابوں کا استفسار کیا جائے تو ایک طویل فہرست تیار ہو سکتی ہے۔

وعظ وپند، ارشاد وہدایت اور تبلیغ ودعوت کے علاوہ صحابہ کرام ﷺ کے حسن اخلاق کی خاموش زبان نے بھی بعض قبائل کو اسلام کی طرف مائل کیا اور وہ لوگ بطیب خاطر مسلمان ہوئے۔ایک غزوہ میں صحابہ کرام ﷺ پیاس سے بے تاب ہو کر پانی کی تلاش میں نکلے تو حسن اتفاق سے ایک عورت مل گئی جسکے ساتھ پانی کا مشکیزہ تھا، صحابہ ﷺ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ ﷺ کی اجازت سے پانی کو استعمال کیا۔اگرچہ آپ ﷺ نے اسی وقت اسکو پانی کا معاوضہ دلوادیا تاہم صحابہ کرام ﷺ پر اس کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب اس عورت کے گاؤں کے آس پاس حملہ کرتے تھے تو خاص اسکے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے۔اس پر اس منت پذیری کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنے تمام خاندان کو قبول اسلام پر آمادہ کیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔[1]

صحابہ کرام ﷺ کے یہ وہ مساعی جمیلہ تھے جن کے اثر سے متعدد قبائل نے اسلام قبول کیا۔لیکن ان قبائل کے علاوہ اور بھی متفرق لوگ ہیں جو صحابہ کرام ﷺ کے ذریعہ سے اسلام لائے، حضرت ام حکیم بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی شادی عکرمہ بن ابی جہل ﷺ سے ہوئی تھی، وہ خود فتح مکہ کے دن اسلام لائیں، لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن میں چلے آئے ،حضرت ام حکیم ﷺ نے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ان کو دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے، بدن پر چادر تک نہ تھی، لیکن ان سے اسی حالت میں بیعت لی۔[2]

حضرت ابوطلحہ ﷺ نے حالت کفر میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا چاہا، لیکن انہوں نے کہا کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟ اگر اسلام قبول کرلو تو وہی میرا مہر ہوگا اس کے سوا تم سے کچھ نہ مانگوں گی۔ چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا۔[3]

حضرت جبار سلمی ﷺ نے حالت کفر میں شہدائے بیر معونہ میں سے ایک قاری کو نیزہ مارا تو انہوں نے زخم کھانے کے ساتھ ہی نہایت موثر لہجے میں کہا۔

فزت و اللہ۔ خدا کی قسم میں کامیاب ہوا۔

حضرت جبار ﷺ کو تعجب ہوا کہ میں نے تو ان کو قتل کردیا آخر ان کو کامیابی کیونکر ہوئی؟ بعد کو معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ﷺ شہادت ہی کو اپنی کامیابی سمجھتے تھے چنانچہ اسی اثر سے انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔[4]

۱: بخاری کتاب الغسل باب الصعید الطیب وضوء المسلم۔
۲: موطا امام مالک کتاب النکاح المشرک اذا اسلمت زوجہ قبلہ۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت زید بن سہل بن اسودؓ۔ ۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت جبار بن سلمیؓ۔

حضرت ابوہریرہ ؓ اگرچہ خود مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے لیکن ان کی ماں کافرہ تھیں اس لئے ان کو برابر دعوت اسلام دیتے رہتے تھے۔ ایک روز ان کو اسلام کی ترغیب دی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا، ان کو یہ کیونکر گوارا ہو سکتا تھا، روتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ ﷺ میری ماں کیلئے دعائے ہدایت فرمائیے، آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ خداوند ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے، پلٹے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور پانی گرنے کی آواز آرہی ہے، ان کی ماں نے پاؤں کی آہٹ پائی تو کہا "ابوہریرہ آگے نہ بڑھو۔" نہا دھو کر فوراً کپڑے پہن کر دروازہ کھولا اور کلمہ توحید پڑھا، حضرت ابوہریرہ ؓ کو اس قدر مسرت ہوئی کہ خوشی کے مارے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ خدا نے آپ ﷺ کی دعا قبول کر لی۔[1]

وفد بنو تمیم آیا تو رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے؟ سب نے جواب دیا کہ "ہم اپنے شاعر اور اپنے خطیب کو لائے ہیں کہ آپ ﷺ سے مفاخرت کریں۔" ارشاد ہوا کہ "ہم نہ شاعری کیلئے مبعوث ہوئے نہ ہم کو خدا نے مفاخرت کا حکم دیا۔ تاہم آؤ، اور مفاخرت کرو"۔ اقرع بن حابس ساتھ تھے۔ انہوں نے ایک جوان کی طرف اشارہ کیا اس نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور اپنی قوم کے تمام مفاخر گنائے، حضرت ثابت بن قیس ؓ آپ ﷺ کے خطیب تھے آپ ﷺ نے ان کو مقابلے کیلئے کھڑا کیا تو انہوں نے اس کا جواب دیا اسکے بعد زبرقان بن بدر کے حکم سے ایک نوجوان کھڑا ہوا اور اپنی قوم کی مدح میں چند اشعار سنائے۔ آپ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت ؓ کو جواب دینے کا حکم دیا اور انہوں نے ایک قصیدے میں انصار کے اسلامی کارنامے گنائے، ابھی قصیدہ ختم نہیں ہوا تھا کہ اقرع نے کہا "یارسول اللہ میرا مقصد ان سب سے الگ ہے۔" یہ دو شعر سن لیجئے، اس نے شعر پڑھے تو آپ ﷺ کے حکم سے حضرت حسان ؓ نے اسکی تردید کی یہ کل دو شعر تھے جس کا آخری مصرع یہ تھا۔

لنا خول من بين ظير و خادمٌ

تمہارا قبیلہ ہمارا نوکر تھا، عورتیں دایہ اور مرد خادم تھے

آپ ﷺ نے یہ سنا تو فرمایا کہ "اے بنودارم کے بھائی (اقرع کا قبیلہ تھا) جب کہ تمام لوگ اس کو بھول گئے تھے مجھ کو اس کی یاد تازہ کرانے کی ضرورت نہ تھی ان لوگوں پر اس کا سخت اثر ہوا، اس جملہ معترضہ کے بعد حضرت حسان بن ثابت ؓ نے پھر اپنا قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ آخر کار اقرع بول اٹھا کہ "خدا جانے کیا بات ہے کہ ان کا خطیب ہمارے خطیب سے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ثابت ہوا، یہ کہہ کر آپ ﷺ کے قریب آیا اور کلمہ توحید پڑھ کر

[1] مسلم [illegible]

مسلمان ہو گیا۔[۱]

خلفائے راشدین ﷺ کے زمانے میں اور بھی کثرت سے اسلام پھیلا، حضرت ابو بکر ﷺ کے عہد خلافت میں مثنی بن حارثہ شیبانی ایک نہایت مشہور اور بہادر شخص تھا جو خود بخود مسلمان ہو گیا اور اسکے ساتھ اس کی قوم کے بہت سے لوگ بھی اسلام لائے وہ پہلے عراق میں غارتگری کیا کرتا تھا، اب وہ خود حضرت ابو بکر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میری قوم کے جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں مجھ کو ان کا امیر العسکر مقرر فرما دیجئے ان کے ذریعہ سے ایرانیوں پر حملہ کروں گا۔ حضرت ابو بکر ﷺ نے اس کو ایک اجازت نامہ لکھ دیا۔ وہ وہاں سے چل کر مقام خفان میں آیا اور بقیہ قوم کو دعوت اسلام دی اور تمام لوگ بخوشی مسلمان ہو گئے۔[۲]

حضرت عمر ﷺ کے عہد خلافت میں فتوحات کے ساتھ ساتھ اور بھی وسعت سے اسلام کی اشاعت ہوئی، جب جنگ قادسیہ میں رستم مارا گیا تو اس کے ساتھ دیلم کی جو چار ہزار منتخب فوج تھی اور خسرو پرویز کی باڈی گارڈ ہونے کی وجہ سے چند شہنشاہ کے لقب سے ممتاز تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی اور مسلمان ہونے کے بعد مدائن اور جلولاء کے معرکہ میں نمایاں حصہ لیا۔[۳] قادسیہ کی جنگ میں ضخم، مسلم، رافع اور عشق بھی اپنے تمام رفقاء کے ساتھ مسلمان ہوئے اور انہی کے مشورے سے مسلمانوں نے جنگی ہاتھیوں پر قابو پایا۔[۴] اصفہان کے حملہ کے بعد جب جے فتح ہوا تو آس پاس کے تمام رؤسا جو اپنے قلعوں میں پناہ گزین تھے مسلمان ہو گئے۔[۵] قزوین پر حملہ ہوا تو دیلم کی جو قوم وہاں آباد تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی۔[۶]

سیاہ اسواری یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا ایک بڑا افسر تھا، یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر سردار تھے اصطخر کی طرف روانہ کیا اور حکم دیا کہ ہر شہر سے اپنے ساتھ سپاہی منتخب کر کے لیتا چلے وہ اصطخر پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ نے سوس کا محاصرہ کیا ہے اس لئے یزدگرد نے سیاہ کو سوس بھیج دیا، وہ جب فتح ہو گیا تو سیاہ نے تمام سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ "ہم پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ قوم اس سلطنت پر غالب ہو جائے گی اور اصطخر کے محل ان کے گھوڑوں کے اصطبل بن جائیں گے۔ اب بہتر یہی ہے کہ ہم لوگ ان کے مذہب میں داخل ہو جائیں، چنانچہ وہ سب کے سب چند شرائط پر

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت اقرع بن حابسؓ۔
۲: فتوح البلدان صفحہ ۲۵۰۔
۳: فتوح البلدان صفحہ ۲۸۹ طبری صفحہ ۲۲۶۱ میں ہے کہ ان میں کچھ لوگ جنگ سے پہلے اور کچھ جنگ کے بعد مسلمان ہو کر شریک جنگ ہوئے اور انکو مال غنیمت سے حصہ دیا گیا اور دو دو ہزار کا وظیفہ مقرر ہوا۔

مسلمان ہو گئے اور ان کے ساتھ سیا، بچہ، زط اور اندغار نے بھی جو ہندوستانی قومیں تھیں اسلام قبول کر لیا۔[1]

جلولاء کی فتح کے بعد اس اطراف کے تمام بڑے بڑے رؤسا مثلاً جمیل ابن بصھری بسطام بن ترسی، رفیل اور فیروز مسلمان ہو گئے۔[2]

تستر کا محاصرہ ہوا تو ہرمزان نے اطاعت قبول کر لی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا اور وہ ان کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔ تستر سے فارغ ہو کر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جندیسار پور کا رخ کیا تو وہاں سے کچھ لوگ بھاگ کر کلبانیہ چلے گئے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ربیع بن زیاد کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا اور انہوں نے جا کر کلبانیہ کو فتح کر لیا، وہاں کے اسادرہ نے امان طلب کیا اور امان حاصل ہونے کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔[3]

یہ وہ لوگ ہیں جو جماعت کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے لیکن ان کے علاوہ تاریخوں میں اور بھی بہت سے نو مسلموں کے نام ملتے ہیں، جو متفرق طور پر اسلام لائے، فتوح البلدان میں ہے کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں میرا خراج معاف کر دیجئے۔[4]

تستر کی جنگ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عجمی نے آ کر امان طلب کی اور مسلمان ہو گیا۔[5]

روزبہ بن برزجمہر بن ساسان ایرانی فوج کا ایک افسر تھا جو رومیوں سے مل گیا تھا، لیکن اس کو رومیوں پر اعتماد نہیں تھا، بالآخر حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک خط کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا جس میں اس کے حالات سے اطلاع دی، وہ دربار خلافت میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔[6]

دمشق فتح ہوا تو وہاں کا پادری جس کا نام اور کون تھا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔[7]

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سفر بیت المقدس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔[8]

شریح بن ہانی شیبانی ایک شخص تھا جس کی بی بی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائی اور

1: فتوح البلدان صفحہ ۳۸۲۔ 2: فتوح البلدان صفحہ ۲۷۴۔
3: فتوح البلدان صفحہ ۳۸۹۔ 4: فتوح البلدان صفحہ ۲۷۷۔
5: فتوح البلدان صفحہ ۳۸۸۔ 6: طبری صفحہ ۲۴۵۴۔
7: معجم البلدان ذکر قطر وسنان۔ 8: وفاء الوفاء صفحہ ۴۰۹۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں میں تفریق کرادی۔[1]

مصر اور افریقہ میں بھی بکثرت اسلام پھیلا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو لونڈی غلام بنا کر عرب میں بھیجا اور وہ فروخت ہو کر عرب میں پھیل گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ہر جگہ سے بلا کر مصر بھیج دیا اور لکھا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔

چنانچہ ان میں بلہیب کے رہنے والے کل کے کل مسلمان[2] ہو گئے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے قیدیوں نے اسلام قبول کیا۔ تاریخ طبری میں ہے کہ جب تمام قیدی اکٹھا کئے گئے تو عیسائیوں کے سامنے ایک ایک قیدی کو لایا گیا اور اس کو عیسائیت پر قائم رہنے یا اسلام قبول کرنے کا اختیار دیا گیا، جب کوئی قیدی اسلام قبول کرتا تھا مسلمان اس زور سے تکبیر کا نعرہ مارتے تھے کہ کسی شہر کے فتح پر بھی تکبیر کی صداؤں میں یہ غلغلہ انگیزی نہیں پائی جاتی تھی، لیکن اگر وہ عیسائیت پر قائم رہتا تھا تو مسلمانوں کو اس قدر صدمہ ہوتا تھا کہ گویا کوئی آدمی خود ان کی جماعت سے نکل گیا ہے، بعض واقعات نے اسلام اور عیسائیت کی اس کشمکش کو نہایت دلچسپ بنا دیا تھا ،ابو مریم ایک عیسائی تھا جس کے سامنے یہ دونوں مذہب پیش کئے تھے، توفیق ایزدی نے اعانت کی اور اس نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمانوں نے فوراً اس کو اپنی جماعت میں شامل کر لیا۔ لیکن ابو مریم کے باپ، ماں اور بھائی بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس کو اپنی طرف کھینچا اور باہم اس قدر کشمکش ہوئی کہ اس کے کپڑے پرزے پرزے ہو گئے۔[3]

دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقارہ اور وراوہ سے لے کر عسقلان تک ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔[4]

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے، وہاں کا رئیس پہلے ہی سے مسلمانوں کی طرف مائل تھا، جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ نکل کر مسلمانوں سے جا ملا اور مسلمان ہو گیا۔[5]

ان نو مسلموں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ وہ الگ الگ محلوں میں آباد کرائے گئے، چنانچہ فسطاط میں تین محلے قائم کئے گئے جن میں دو محلے یونانی نو مسلموں کے اور ایک یہودی نو مسلموں کا تھا، اور ان کا خاندان اس قدر وسیع تھا کہ ایک ایک معرکہ میں ان کے ہزار ہزار آدمی شریک ہوتے تھے۔[6]

۱: وفاء الوفاء صفحہ ۲۱۴۔ ۲: مقریزی صفحہ ۱۶۹ جلد اول۔
۳: طبری صفحہ ۲۵۸۳۔ ۴: مقریزی صفحہ ۱۸۴۔
۵: مقریزی جلد ۱، صفحہ ۲۲۶۔ ۶: مقریزی جلد اول صفحہ ۲۹۸۔

حضرت عثمان ﷺ کے عہد خلافت میں بھی بہت کچھ اسلام کی اشاعت ہوئی، انکے زمانے میں جب آذر بائیجان والوں نے بغاوت کی اور اشعث بن قیس نے اسکو فتح کر کے انکے ساتھ معاہدہ صلح کیا تو وہاں بہت سے عرب آباد کرا دیئے کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، ان لوگوں کی ہدایت وارشاد کا یہ اثر ہوا کہ اشعث بن قیس دوبارہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے آذر بائیجان کے گورنر مقرر ہو کر آئے تو ان میں اکثر لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید پڑھ چکے تھے۔[1]

ایک بار بہت سی رومی لونڈیاں گرفتار ہو کر آئیں تو حضرت عثمان ﷺ نے ان کو دعوت اسلام دی اور ان میں سے دو اسلام لائیں۔[2]

حضرت امیر معاویہ ﷺ کے عہد خلافت میں بھی بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ چنانچہ جب انہوں نے افریقہ کو فوج روانہ کی تو نافع بن قیس قریشی نے جو برقہ اور زویلہ کے گورنر تھے اس میں ان برابرہ کو بھی داخل کیا جو اسلام لا چکے تھے، اس فوج گراں کے ساتھ جب نافع نے افریقہ کے شہروں پر حملہ کیا تو اور بھی بہت سے بربر اسلام لائے، معجم البلدان میں ہے۔

> واسلم علي يده بخلق من البربر وفشافيهم دين الله حتى اتصل ببلاد السودان۔[3]
>
> ان کے ہاتھ پر بہت سے بربر اسلام لائے اور ان میں خدا کا دین پھیل گیا، یہاں تک کہ سوڈان تک پہنچ گیا۔

غیر قوموں کے علاوہ عرب نے ابتداء ہی سے نہایت ذوق وشوق کے ساتھ اسلام قبول کرنا شروع کیا، چنانچہ حضرت ابو بکر ﷺ کے عہد خلافت میں جب حضرت خالد بن ولید ﷺ نے عراق پر حملہ کیا تو ربیعہ وغیرہ کے جو قبائل وہاں آباد تھے سب کے سب مسلمان ہو گئے۔[4]

حضرت عمر ﷺ کے زمانے میں جب حضرت ابو عبیدہ ﷺ نے قنسرین پر حملہ کیا تو قبیلہ تنوج کے بہت لوگ مسلمان ہو گئے، جو لوگ عیسائیت پر قائم رہے ان میں بھی ایک جماعت نے خلیفہ مہدی کے زمانے میں اسلام قبول کر لیا، قبیلہ طے کے جو لوگ یہاں آباد تھے ان میں بھی بہت سے لوگ اسلام لائے، جن لوگوں نے جزیہ پر مصالحت کر لی تھی وہ بھی کچھ دنوں کے بعد دائرہ اسلام میں شامل ہو گئے، حلب کے آس پاس جو عرب آباد ہو گئے تھے اسی سلسلہ میں انہوں نے پہلے تو جزیہ پر مصالحت کر لی پھر بعد کو اسلام قبول کر لیا۔[5] اسی طرح جب مسلمان شام میں آئے تو بہت سے شامی عرب مسلمان ہو گئے۔[6]

۱: فتوح البلدان صفحہ ۳۳۲۔ ۲: ادب المفرد باب خفض المراۃ۔
۳: معجم البلدان ذکر قیروان۔ ۴: طبری صفحہ ۲۱۲۲۔
۵: فتوح البلدان صفحہ ۱۵۲۔ ۶: فتوح البلدان صفحہ ۱۵۷۔

تکریت پر حملہ ہوا تو تغلب، ایاد، نمر وغیرہ کے جو قبائل وہاں آباد تھے سب کے سب اسلام لائے اور مسلمانوں نے انہی کی جاسوسی سے تکریت کو فتح کیا۔[1]

ابتدائے اسلام سے خلفاء کے زمانے تک جن قوموں اور جن ملکوں میں اسلام پھیلا۔ یہ اس کی نہایت سادہ تاریخ ہے، اب تاریخی حیثیت سے صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے عہد میں اسلام کیونکر پھیلا؟ یورپ کے نزدیک اس سوال کا جواب ہمیشہ تلوار کی زبان نے دیا ہے، لیکن ہم نے جو واقعات جمع کر دیئے ہیں ان میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جس سے جبری اسلام کی شہادت مہیا کی جا سکی، عہد نبوت میں صحابہ کرام ؓ کے مساعی جمیلہ سے اسلام کی جو کچھ اشاعت ہوئی، وہ محض ان کے وعظ و پند، ہدایت وارشاد، فضائل اخلاق اور ذاتی رسوخ واقتدار کے بدولت ہوئی، عہد خلافت میں بے شبہ فتوحات کے ساتھ ساتھ اشاعت اسلام نے بھی وسعت و عمومیت حاصل کی لیکن اس زمانہ میں بھی کسی سے تلوار کی زبان سے کلمہ نہیں پڑھوایا گیا۔

۱) بلکہ چند لوگوں نے تو صرف صحابہ ؓ کے فضائل اخلاق کی بناء پر اسلام قبول کیا۔ چنانچہ جنگ قادسیہ میں ایک ایرانی گرفتار ہو کر آیا اور مسلمان ہو گیا، اس کو مسلمانوں کی وفاداری، راست بازی اور ہمدردی کا زمانہ نظر آیا تو بے ساختہ کہنے لگا کہ "جب تک تم میں یہ اوصاف موجود ہیں تم شکست نہیں کھا سکتے، اب مجھے ایرانیوں سے کچھ مطلب نہیں"۔[2]

شطا جو مصر کا ایک بہت بڑا رئیس تھا، مسلمانوں کی اخلاقی حالت کا چرچا سن کر گرویدہ اسلام ہو گیا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ اسلام قبول کر لیا، تاریخ مقریزی میں ہے۔

فخرج شطا فی الفین من اصحابه و الحق بالمسلمین وقد کان قبل ذالك یحب الخیر و یمیل الی مایسمعه من سیر ۃاهل الاسلام۔

شطا دو ہزار آدمیوں کے ساتھ نکلا اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گیا، وہ پہلے نیکی کو دوست رکھتا تھا اور مسلمانوں کے محاسن اخلاق کو سن کر ان کی طرف مائل تھا۔

صحابہ ؓ کے محاسن اخلاق میں مساوات ایک ایسا وصف تھا جو خود قلوب کو اپنی طرف مائل کرتا تھا، بالخصوص جب مسلمانوں کی مساویانہ طرز معاشرت کا ایرانیوں کی ناہموار طرز معاشرت سے مقابلہ ہوتا تھا تو یہ وصف خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہو جاتا تھا اور حق پسند لوگ خواہ مخواہ ہندوؤں کی غلامی سے رہائی حاصل کرنا چاہتے تھے، چنانچہ ایک بار زہرہ نے رستم سے دوران گفتگو میں اسلام کے جو محاسن بتائے ان میں ایک یہ تھا۔

اخراج العباد من عباد ۃالعباد الی عبادۃ اللّٰه تعالی۔

1: طبری صفحہ ۲۴۷۷۔ 2: طبری صفحہ ۲۳۶۱۔

بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر خدا کی غلامی میں داخل کرنا اسلام کا اصلی مقصد ہے۔
رستم نے یہ سن کر کہا لیکن ایرانیوں نے تو اردشیر کی زمانے سے طبقہ سافلہ کے پیشے متعین کردیئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ اس دائرے سے نکلے تو شرفاء کے حریف بن جائیں گے۔ رفیل ایک شخص ابتداء ہی سے اس گفتگو کو سن رہا تھا اس پر اس کا یہ اثر ہوا کہ رستم چلا گیا تو اس نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔[1]

۲) بہت سے لوگ دعوت و تبلیغ سے اسلام لائے، مثلاً مثنی بن حارثہ شیبانی کی کل قوم اس کی دعوت سے اسلام لائی۔ ایک بار بہت سے رومی لونڈیاں آئیں، حضرت عثمان ﷺ نے ان کو دعوت اسلام دی اور ان میں سے دو مسلمان ہوئیں۔ قنسرین اور حلب پر حملہ ہوا تو وہاں کے عرب قبائل حضرت ابو عبیدہ ﷺ کی دعوت سے اسلام لائے۔

جب اشعث بن قیس نے حضرت عثمان ﷺ کے عہد خلافت میں آذربائیجان کو فتح کیا تو وہاں اہل عرب کی ایک جماعت مقرر کردی کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، چنانچہ اس مقدس جماعت کے اثر سے چند ہی دنوں میں بہت سے لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید کی تعلیم سے بہرہ اندوز ہو گئے۔

۳) بہت سے لوگوں نے بطوع و رضا خود اسلام قبول کیا، چنانچہ جنگ اسکندریہ کے بعد جب اسیران جنگ کو اختیار دیا گیا کہ وہ خواہ اسلام قبول کریں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں، تو ان میں بہت سے قیدیوں نے خود بخود اسلام قبول کرلیا۔

۴) بعض لوگ بے شبہہ مغلوب ہو کر اسلام لائے لیکن ان کو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا گیا بلکہ ان کو خود نظر آیا کہ اب ان کی بھلائی اسی میں ہے کہ اسلام کے دائرے میں داخل ہو جائیں۔ چنانچہ جنگ قادسیہ میں رستم کے قتل کے بعد پرویز کی باڈی گارڈ فوج نے کہا کہ ”ہماری حالت ایرانیوں سے مختلف ہے، اب ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں، ہم نے ایرانیوں کیلئے کوئی نمایاں کام نہیں کیا۔ اسلئے بہتر یہی ہے کہ ہم مسلمانوں کے دین میں داخل ہو کر انکے ذریعہ سے عزت حاصل کریں۔[2] سیاہ اسواری نے اپنے رفقاء کے ساتھ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو کہا کہ ”ہم سب لوگ پہلے ہی سے کہتے تھے کہ یہ لوگ (مسلمان) اس سلطنت پر غالب ہو جائیں گے اور اصطخر کے محل ان کے گھوڑوں کے اصطبل بن جائیں گے، اب تم ان کا غلبہ اعلانیہ دیکھ رہے ہو، سوچو اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ۔

نو مسلموں کا تکفل

اسلام کی ابتداء نہایت غربت کے ساتھ ہوئی اور اس کے ساتھ وہ ابتداء میں اس قدر مبغوض تھا کہ جو شخص اس کو قبول کرتا تھا اس کو مجبوراً اپنے گھر بار، اہل و عیال اور دولت و مال

1: طبری۔ 2: فتوح البلدان صفحہ ۲۸۹۔

سے کنارہ کش ہونا پڑتا تھا، اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جو لوگ اسلام کے دائرہ میں داخل ہوتے تھے، اسلام ہی کو ان کے سدرمق کا متکفل ہونا پڑتا تھا اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس خاص خدمت پر مامور کر دیا تھا کہ جو محتاج آئیں قرض لے کر ان کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کر دیں، اس کے بعد جب کہیں سے مال آتا تو وہ قرض ادا کر دیا جاتا۔[1] لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کی ذاتی فیاضیاں بھی بہت کچھ اس کار خیر میں حصہ لیتی تھیں، بالخصوص حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اکثر اس کی توفیق ہوتی تھی ان کو تجارتی کاروبار نے نہایت دولتمند بنادیا تھا اور ان کی دولت کا بڑا حصہ مسلمانوں کی دستگیری اور اعانت میں مصرف ہوتا تھا، اصابہ میں ہے۔

وعنده اربعون الفافكان يعتق منها و يعول لمسلمين۔

ان کے پاس چالیس ہزار..... تھے جن سے وہ غلاموں کو آزاد کراتے تھے اور مسانوں کا تکفل فرماتے تھے۔

حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا ایک نہایت دولت مند اور فیاض صحابیہ تھیں، اس لئے ان کا گھر گویا مسلمانوں کا مہمان خانہ بن گیا تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بن قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے یہاں صرف اس بناء پر عدت بسر کرنے کی اجازت نہیں دی کہ ان کے گھر میں مہمانوں کی کثرت سے پردہ کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔[2] حضرت درہ رضی اللہ عنہا بنت لہب بھی نہایت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں۔[3] کبھی کبھی خود رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نومسلموں کی اعانت کی طرف متوجہ فرماتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بخوشی انکا تکفل فرماتے، ایک بار قبیلہ بنو عذرہ کے تین شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، آپ ﷺ نے فرمایا ان کا بار کون اٹھائے گا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا "میں"۔[4]

مہاجرین میں جو لوگ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کیلئے آتے تھے، آنحضرت ﷺ ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے کر دیتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم ان کو تعلیم دیتے تھے اور ان کی معاش کے متکفل ہوتے تھے، چنانچہ تعلیم قرآن کے عنوان میں ان کی مثالیں آئیں گی۔

۱: ابوداؤد کتاب الخراج باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین۔
۲: صحیح مسلم کتاب الطلاق باب المطلقہ ثلاثا لا نفقہ لہا و کتاب الفتن و اشراط الساعۃ باب فی خروج الدجال۔
۳: اصابہ تذکرہ درۃ۔ ۴: مسند جلد ۱ صفحہ ۱۶۳۔

اقامتِ دین

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عقائدو اعمال کی جو سطح قائم ہو چکی تھی، صحابہ کرام ؓ نے نہایت مستعدی و سرگرمی کے ساتھ اس کو قائم رکھا۔

عقائد

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب عرب میں ارتداد کی عام ہوا چل گئی تو حضرت ابو بکر ؓ نے اس کے دفعیہ کیلئے اپنی پوری طاقت صرف کر دی اور ان کے مساعی جمیلہ نے جو نیک نتائج پیدا کئے، تاریخ میں ان کی تفصیل پڑھ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کے عہد میں اسلام مر کے دوبارہ زندہ ہوا اور کلمہ توحید کی صدا خاموش ہو کر دوبارہ غلغلہ انداز عالم ہوئی۔

حضرت ابو بکر ؓ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اور بھی متعدد صحابہ ؓ کو اس نیک خدمت کے انجام دینے کی توفیق عطا فرمائی، اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو قعر ضلالت سے گرنے سے بچلیا۔ چنانچہ جب تمام مکہ عرب کے اس عالمگیر ارتداد کی خبروں سے گونج اٹھا تو حضرت سہیل ؓ بن عمرو کو خوف ہوا کہ کہیں خود قریش بھی اس باء میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس لئے انہوں نے خصوصیت کے ساتھ قریش کی طرف خطاب کر کے ایک طویل خطبہ دیا جس کے چند فقرے یہ ہیں۔

یامعشر قریش لاتکونوا اخرمن اسلم واول من ارتد واللّٰہ ان ھذا الدین لیمتدن امتداد الشمس والقمر من طلوعھما الی غروبھما۔

اے گروہ قریش یہ نہ ہو کہ تم سب کے اخیر میں تو اسلام لائے اور سب سے پہلے مرتد ہو جاؤ، خدا کی قسم یہ دین وہاں تک پھیلے گا جہاں تک چاند اور سورج کے طلوع و غروب کی حد ہے۔

اس خطبے کا یہ اثر ہوا کہ تمام قبیلہ قریش اسلام پر قائم رہا۔[1]

حضرت ثمامہ بن آثال ؓ یمامہ کے رئیس تھے، آپ کے وصال کے بعد اگرچہ تمام یمامہ مرتد ہو گیا، لیکن ان کے زیر اثر جو لوگ تھے وہ عقیدہ توحید پر قائم رہے اور وہ تمام اہل یمامہ کو مسلمہ کی تقلید سے روکتے رہے، لیکن جب ان کے ارشاد ہدایت کا ان پر اثر نہ ہوا تو ان سے الگ ہو کر ہجرت کا عزم کر لیا۔[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے بھی بہت سے لوگوں کو اس گمراہی سے نجات دلائی،

1: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمروؓ۔ 2: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ثمامہ بن آثالؓ۔

چنانچہ ایک بار وہ بنو حنفیہ کی مسجد سے گذرے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ مسیلمہ کے پیرو ہیں، سب کو طلب کیا اور ان سے توبہ کروائی، ابن النواحہ نے انکار کیا تو سر بازار اس کی گردن اڑادی اور فرمایا جو شخص اس عبرت انگیز منظر کو دیکھنا چاہے وہ بازار میں جا کر دیکھ سکتا ہے۔[1]

نماز

خلفاء نے نماز کی تمام جزئیات و خصوصیات کے قائم رکھنے کیلئے جو انتظامات کئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱) حضرت عمر ﷺ نے تمام عمال کے نام ایک فرمان لکھا، جس میں نماز کے اوقات کی تفصیل فرمائی اور ان کی پابندی کی طرف توجہ دلائی اس فرمان کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

ان ھم امرکم عندی الصلو ۃفمن حفظھا و حافظ علیھا حفظ دینہ و من ضیعھا فھو لما سواھا اضیع۔

میرے نزدیک تمہارا سب سے زیادہ اہم کام نماز ہے جس شخص نے اس کی محافظت کی، اس نے اپنے دین کی محافظت کی اور جس شخص نے اس کو ضائع کر دیا وہ اس کے سوا اور چیزوں کو بھی ضائع کرے گا۔

اخیر میں نماز عشاء کا وقت لکھا تو اس کے ساتھ یہ فقرے لکھے۔

فمن نام فلانامت عینہ فمن نام فلانامت عینہ فمن نام فلانامت عینہ ۔[2]

جو شخص بغیر نماز عشاء پڑھے ہوئے سو گیا تو اس کی آنکھ نہ سوئے نہ سوئے نہ سوئے۔

۲) جمعہ کے غسل کے متعلق اختلاف ہے کہ واجب ہے یا سنت، بہر حال جو کچھ بھی ہوا۔ لیکن حضرت عمر ﷺ نہایت شدت سے لوگوں کو اس کی پابندی پر مجبور کرتے تھے، ایک بار حضرت عثمان ﷺ دیر کر کے آئے اور شریک جمعہ ہوئے، حضرت عمر ﷺ خطبہ دے رہے تھے، فرمایا یہ کون سا وقت ہے؟ بولے "ابھی بازار سے پلٹا تھا کہ اذان سنی اور وضو کر کے حاضر ہو گیا۔" بولے "صرف وضو، رسول اللہ ﷺ تو غسل کا حکم بھی دیتے تھے"۔[3]

۳) حضرت عمر ﷺ جماعت کی پابندی کا نہایت خیال رکھتے تھے، ایک دن سلیمان بن ابی خیثمہ ﷺ کو صبح کی جماعت میں نہیں دیکھا تو ان کے گھر گئے اور پوچھا کہ میں نے ان کو نماز صبح میں نہیں پایا۔ معلوم ہوا کہ وہ تہجد کی نماز پڑھتے پڑھتے سو گئے اور صبح کی آنکھ نہ کھلی، بولے۔ "مجھے شہادت دیتا ہوں کہ جماعت کے ساتھ فجر کی نماز رات بھر کی نماز سے زیادہ مجھے محبوب ہے"۔[4]

۱: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الرسل۔ ۲: مؤطا امام مالک کتاب وقوت الصلوٰۃ۔
۳: مؤطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب العمل فی غسل یوم الجمعہ۔
۴: مؤطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی العتمۃ والصبح۔

حضرت سعید بن یربوع ؓ ایک صحابی تھے جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں، حضرت عمر ؓ نے ان کیلئے ایک غلام مقرر کر دیا تھا کہ ان کو مسجد میں لا کر باجماعت نماز پڑھلیا کرے۔

۴) جن اوقات میں نماز ممنوع ہے ان میں اگر کوئی نماز پڑھتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے۔[۱]

۵) حضرت عمر ؓ صف کی ہمواری کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ خاص اس غرض کیلئے متعدد اشخاص مقرر کر دیئے تھے، جن کا کام صرف صف کو سیدھا کرنا تھا۔[۲]
حضرت عثمان ؓ کے عہد میں بھی اس قسم کے اشخاص مقرر تھے۔[۳]

۶) نماز مفروضہ کی امامت اگرچہ خود خلفاء کرتے تھے، لیکن تراویح کی امامت کیلئے حضرت عمر ؓ نے دو مستقل امام مقرر فرمادیئے تھے جو لوگوں کو باجماعت تراویح پڑھاتے تھے، عورتوں کی تراویح کیلئے ایک مستقل امام مقرر فرمایا تھا جن کا نام سلیمان بن ابی خثیمہ ؓ تھا لیکن حضرت عثمان ؓ نے مردوں اور عورتوں کی ایک مشترک جماعت قائم کی اور حضرت سلیمان بن ابی خثیمہ ؓ کو دونوں کا امام مقرر فرمایا۔ البتہ یہ انتظام تھا کہ جماعت ہو جانے کے بعد جب مرد مسجد سے نکل جاتے تھے تو عورتوں کو نکلنے کی اجازت دی جاتی تھی۔[۴]

زکوٰۃ

اسلام کے ارکان خمسہ میں زکوٰۃ ایک نہایت ضروری رکن ہے، لیکن حضرت ابوبکر ؓ کے عہد خلافت میں ارتداد کی وباء عام پھیلی تو متعدد قبائل نے زکوٰۃ دینا موقوف کر دیا، اس موقع پر اگر انہوں نے اس ستون کو نہ تھاما ہوتا تو اسلام کا یہ رکن اعظم قائم نہ رہتا، لیکن انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں، اگرچہ حضرت عمر ؓ نے اول اول اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ کلمہ گویوں سے کیونکر جہاد کیا جا سکتا ہے؟ لیکن حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا

و اللّٰہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ و الزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال و اللّٰہ لو منعونی عقالا کانوا ابودونہ الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لقاتلتھم علی منعہ۔

خدا کی قسم جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کریں گے میں ان سے جہاد کروں گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے اگر وہ ایک بکری کا بچہ بھی جو رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے روک رکھیں گے تو میں اس کے روکنے پر ان سے جہاد کروں گا۔

بالآخر حضرت عمر ؓ کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ انہوں نے جو کچھ کیا حق تھا۔[۵]

۱: مؤطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب النہی عن الصلوٰۃ بعد الصبح والعصر۔
۲: طبری صفحہ ۲۷۴۳۔ ۳: مؤطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی تسویۃ الصفوف۔
۴: طبقات ابن سعد تذکرہ سلیمان بن ابی خثیمہ۔
۵: ابوداؤد بخاری کتاب الزکوٰۃ۔

حج

خلفائے راشدین نے حج اور مناسک حج کو نہایت مستعدی کے ساتھ قائم رکھا، بیت الحرام اگرچہ خود مکہ میں تھا لیکن خود اہل مکہ میں حج کا وہ ذوق و شوق نہیں پایا جاتا تھا، جس کے نشہ میں باہر والے مدہوشانہ آتے تھے۔

ایک بار حضرت عمر ﷛ نے یہ حالت دیکھی تو اہل مکہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا "اے اہل مکہ یہ کیا ہے کہ لوگ پراگندہ مو آتے ہیں اور تمہارے سر پر تیل پڑا ہوا ہے، جب پہلی کا چاند دیکھو تو فوراً احرام باندھ لو"۔[1]

جب حج کا زمانہ آتا تو خود قافلہ سالار ہوتے اور تمام لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم فرماتے، موطاء امام مالک میں ہے۔

ان عمر بن الخطاب خطب الناس بعرفة و علمهم امر الحج۔[2]

حضرت عمر بن الخطاب نے عرفہ میں خطبہ دیا اور لوگوں کو مسائل حج کی تعلیم دی۔

حج کے زمانے میں بہت سے لوگوں کو اس خدمت پر مامور فرمادیتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منا میں عقبہ کے پار پہنچا آئیں۔[3] کیونکہ عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جانا مناسک حج میں محسوب نہ تھا۔

جو لوگ احکام حج کی خلاف ورزی کرتے، ان پر عموماً گرفت فرماتے، ایک بار حضرت طلحہ بن عبید اللہ ﷛ نے حالت احرام میں رنگین کپڑے پہنے تھے، حضرت عمر ﷛ کی نگاہ پڑی تو فرمایا "آپ لوگ دنیا کیلئے نمونہ و مثال ہیں اگر کوئی جاہل اس کپڑے کو دیکھے گا تو کہے گا کہ حالت احرام میں طلحہ بن عبید اللہ ﷛، نے رنگین کپڑے پہنے تھے، اس قسم کا کوئی کپڑا ہرگز نہ پہنو۔[4]

ایک بار ایک شخص طواف رخصت کئے بغیر چلا گیا، حضرت عمر ﷛، کو معلوم ہوا تو اس کو خود پکڑ کر واپس لائے۔[5]

روزہ

روزہ ایک نہایت خشک اور بے آب ورنگ عبادت ہے، لیکن حضرت عمر ﷛ نے اس کو نہایت شاندار اور بارونق بنادیا، تراویح کا خاص اہتمام کیا اور اس کو باجماعت کر دیا۔ مسجدوں میں روشنی کروائی اور روزہ داروں کے روزینے مقرر کئے، جس کی مقدار ایک درہم روزانہ

---

۱ موطا کتاب الحج باب اہلال اہل مکہ و من غیرہم۔
۲ موطا امام مالک کتاب الحج باب الوقوف بعرفۃ۔
۳ موطا امام محمد کتاب الحج باب البیتوتۃ بمکۃ لیالی منی۔
۴ موطا امام مالک کتاب الحج باب لبس الثیاب المصبغۃ فی الاحرام۔
۵ موطا امام مالک کتاب الحج باب وداع البیت۔

تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ترقی دیکر اس مقدار کو دوگنا کردیا۔[1] آج رمضان میں جو رونق و شان نظر آتی ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے فیض و برکت کا نتیجہ ہے۔

تحریم مدینہ

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا، یعنی حدود مدینہ کے اندر جانور، درخت اور گھاس بالکل محفوظ تھے اور ان کو کوئی شخص ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ بذات خود اس کی حرمت کا لحاظ رکھتے تھے، تاہم حضرت عمر نے اس کی نگرانی کیلئے ایک خاص عامل مقرر کردیا تھا، تاکہ ملجاء ایمان کا ادب واحترام ہمیشہ قائم رہے۔

نکاح وطلاق

نکاح وطلاق کے تمام شرائط واحکام کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہایت سختی کے ساتھ قائم رکھا اور اس کی پابندی کرائی، ایام عدت میں نکاح حرام ہے، لیکن ایک عورت نے ایام عدت ہی میں نکاح کرلیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو میاں بیوی دونوں کو سزا دی۔[2]

جو عورتیں بیوہ ہو جائیں، ان کیلئے قبل انقضائے عدت گھر سے نکلنا ناجائز ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سختی کے ساتھ اس حکم کی پابندی کرواتے تھے کہ اس قسم کی عورتوں کو حج کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے۔[3]

نکاح متعہ اگرچہ خود رسول اللہ ﷺ ہی کے زمانے میں حرام ہو چکا تھا تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں شدت کے ساتھ اس کی روک ٹوک کی گئی، ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ کسی شخص نے ایک لونڈی کے ساتھ متعہ کیا، گھبرا کر اٹھے اور چادر گھسیٹتے ہوئے پہنچے اور فرمایا کہ "یہ متعہ ہے۔ اگر میں نے پہلے سے اس کا اعلان کیا ہوتا تو اس شخص کو سنگسار کرتا"۔[4]

غرض احادیث کی کتابوں میں عبادات ومعاملات کے سینکڑوں احکام اس قسم کے موجود ہیں کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے استحکام بقاء میں کچھ بھی مداہنت کی ہوتی تو تمام معالم دین مٹ گئے ہوتے اور آج جو حالت قائم ہے وہ آج سے بہت پہلے قائم ہو چکی ہوتی۔

جمع وترتیب قرآن

اسلام کا قیام وبقاء تمام تر قرآن مجید کے قیام وبقاء پر موقوف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد

---

1. طبری صفحہ ۲۸۴۴۔
2. موطا کتاب النکاح باب جامع مالا یجوز من النکاح۔
3. موطا کتاب الطلاق باب مقام المتوفی عنہا زوجہا فی بیتہا حتی تحل۔
4. موطا کتاب النکاح باب نکاح المتعہ۔

مبارک میں جو آیتیں نازل ہوتی تھیں وہ اگرچہ الگ الگ سورتوں میں لکھ لی جاتی تھیں، لیکن قرآن مجید منظم شکل میں مرتب نہیں ہوا تھا۔[1]

حضرت ابو بکر ﷛ کے عہد خلافت میں جب غزوہ یمامہ پیش ہو آیا اور اس میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے تو حضرت عمر ﷛ کو قرآن مجید کے جمع وترتیب کی طرف خاص توجہ ہوئی اور انہوں نے حضرت ابو بکر ﷛ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن لڑائیوں میں شہید ہوئے تو قرآن مجید کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا، اس لئے میری رائے ہے کہ آپ جمع وترتیب قرآن کا حکم صادر فرمائیے، لیکن چونکہ یہ ایک نئی بات تھی، یعنی رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ کام نہیں ہوا تھا، اس لئے اول اول حضرت ابو بکر ﷛ نے تامل کیا، لیکن بالآخر حضرت عمر ﷛ کے اصرار سے راضی ہو گئے اور حضرت زید بن ثابت ﷛ کو جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کاتب وحی تھے طلب فرمایا اور یہ خدمت ان سے متعلق کی ، اول اول انہوں نے بھی اس جدید کام کے شروع کرنے میں تامل کیا ، لیکن بعد کو حضرت ابو بکر ﷛ کی طرح اللہ تعالی نے ان کے دل کو بھی کھول دیا اور انہوں نے اس آفتاب ہدایت کے ذرہ ہائے پریشاں کو جمع کرنا شروع کیا، فتح الباری میں ہے کہ حضرت ابو بکر ﷛ کا حکم تھا کہ صرف وہ آیتیں اور وہ سورتیں جمع کی جائیں جو لکھی ہوئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت ﷛ نے سورہ براۃ کی آخری آیتوں کے لکھنے میں تامل کیا[2] کیونکہ وہ لکھی ہوئی موجود نہ تھیں، لیکن خود بخاری میں حضرت زید بن ثابت ﷛ کا قول موجود ہے۔

فتبعت القرآن اجمعه من العسب واللخاف وصدور الرجال

میں نے قرآن مجید کی جستجو کی اور کھجور کی چھال وغیرہ اور صحابہ کرام ﷛ کے سینوں سے اس کو جمع کیا۔

بہر حال قرآن مجید کی جمع وترتیب میں نہایت تثبت واحتیاط سے کام لیا گیا۔ حضرت ابو بکر ﷛ نے حضرت عمر ﷛ اور حضرت زید بن ثابت ﷛ کو حکم دیا کہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ جائیں اور جو لوگ قرآن مجید کی آیتوں کو پیش کریں وہ جب تک دو گواہ نہ لائیں وہ قبول نہ کی جائیں۔[3] اس پر نہایت شدت کے ساتھ عمل ہوا، چنانچہ ایک شخص نے حضرت عمر ﷛ کی خدمت میں آیت رجم پیش کی تو چونکہ اس کا کوئی گواہ نہ تھا ، انہوں نے اس کو نہیں لکھا۔[4] اسکے بخلاف حضرت خزیمہ انصاری ﷛ نے ایک آیت کا پتہ دیا تو چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی شہادت کو دو شخصوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا۔ اس لئے وہ قبول کر لی گئی اس حزم واحتیاط

۱: فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۰ و ۲۰۔ ۲: فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۰۔
۳: فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۲۔ ۴: اتقان صفحہ ۷ ۱۳۔

کے ساتھ تمام آیتیں جمع ہو کر الگ الگ سورتوں میں کاغذ پر لکھ لی گئیں، لیکن اس مجموعہ میں سورت کی ترتیب کا لحاظ نہیں[1] رکھا گیا۔

یہ مجموعہ حضرت ابوبکر ؓ کے پاس محفوظ رہا، جب ان کی وفات ہوئی تو حضرت عمر ؓ کے ہاتھ آیا، ان کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس کو محفوظ رکھا۔

حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں قرآن مجید کی قرات میں اختلاف پیدا ہوا تو حضرت حذیفہ بن یمان ؓ نے ان کو اس طرف توجہ دلائی اور کہا کہ قبل اس کے کہ یہود و نصاری کی طرح یہ امت اپنی کتاب میں اختلاف کرے آپ اس کا تدارک فرمایئے، انہوں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں سے اس مجموعہ کو منگوایا اور حضرت زید بن ثابت ؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ، حضرت سعید بن العاص ؓ اور حضرت عبدالرحمان بن حارث بن ہشام ؓ کو حکم دیا کہ اس کو قریش کی زبان میں لکھیں۔ ان لوگوں نے اب سورتوں میں بھی ترتیب[2] قائم کی، اس طرح جب قرآن مجید کے چند مجموعے تیار ہو چکے تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا مصحف واپس کر دیا اور تمام صوبوں میں اس کا ایک ایک نسخہ روانہ فرمایا، صحیح بخاری میں ان مصاحف کی تعداد مذکور نہیں، اور کتابوں میں مختلف تعدادیں مذکور ہیں، ایک روایت میں ہے کہ ان کی تعداد سات تھی، ایک کو مدینہ میں محفوظ رکھا تھا، بقیہ کو مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ کو روانہ کر دیا تھا اور صوبوں کی تعداد کے لحاظ سے یہ روایت[3] قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

۱: فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۳ و ۱۶۔
۲: فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۶۔
۳: یہ پوری تفصیل صحیح بخاری کتاب ابواب فضائل القرآن میں مذکور ہے، اس کے علاوہ جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کے حوالے الگ الگ دے دیے ہیں۔

احتساب

جو چیز مذہب و اخلاق کو صحیح اصول پر قائم رکھتی ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام احتساب ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس کے مختلف مدارج قائم کر دیے ہیں۔

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالك اضعف الایمان ۔ (مسلم)

تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے۔ اگر اس میں اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں چونکہ تمام اخلاقی طاقتیں زندہ تھیں۔ اس لئے اس مقدس دور میں آخری درجہ کے سوا احتساب کے اور تمام مدارج قائم تھے۔

ایک روز جمعہ کی صف بندی میں اس قدر کشمکش ہوئی کہ آگے کے لوگ پیچھے اور پیچھے کے لوگ آگے ہو گئے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ بے ترتیبی دیکھی تو فرمایا کہ "ہم لوگ عہد نبوت ﷺ میں اس سے احتراز کرتے تھے"۔[1]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے امام تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی جماعت کا ثواب بھی ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے پہلے آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے۔ پھر آ کر اپنی مسجد میں امامت کرتے تھے۔ ایک روز اسی طرح امامت کی اور سورہ بقرہ پڑھنا شروع کیا۔ ایک کاروباری صحابی جو تھک کر چور ہو گئے تھے۔ جماعت سے علیحدہ ہو گئے اور الگ نماز پڑھ لی۔ ایک صحابی نے فوراً ٹوکا "تم منافق ہو گئے"۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دفعہ ایک گھر میں مہمان اتریں۔ صاحب خانہ کی دو لڑکیوں کو جو اب جوان ہو چلی تھیں دیکھا کہ بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں۔ تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے نماز نہ پڑھے۔ آنحضرت ﷺ نے یہی فرمایا ہے۔[3]

ایک بار زیاد بن صبیح الحنفی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھ کر

1: ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب الصفوف بین السواری۔
2: ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب تخفیف الصلوۃ۔
3: مسند جلد ٦ صفحہ ٩٦۔

کھڑے ہوئے۔ بولے کہ نماز میں یہ پھانسی کی وضع؟[1] رسول اللہ ﷺ اس سے منع فرماتے تھے۔[2]

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور معمولی طرح سے جھٹ پٹ وضو کر کے چلے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ٹوکا کہ "عبدالرحمان وضو اچھی طرح کیا کرو۔ آنحضرت ﷺ کو میں نے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگے اس پر جہنم کی پھٹکار ہو"۔[3]

علی بن عبدالرحمان المعادی کا بیان ہے کہ ایک بار میں نماز میں کنکریوں سے کھیل رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو منع کیا اور فرمایا کہ "رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اختیار کرو"۔[4] ایک بار انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ نماز میں بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہے بولے کہ "اس طرح نہ بیٹھو، یہ ان لوگوں کی نشست ہے جن کو عذاب دیا جائے گا"۔[5]

حضرت ابو تمیمہ جہنی ایک تابعی تھے۔ ان کا معمول تھا کہ نماز صبح کے بعد بیٹھ کر کچھ وعظ و پند کرتے تھے اور اس میں آیات قرآن کی تلاوت فرماتے تھے اور جب کوئی آیت سجدہ آجاتی تھی تو سجدہ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو بار بار منع کیا وہ باز نہ آئے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ وہ طلوع آفتاب کے پہلے کوئی سجدہ نہیں کرتے تھے۔[6]

ایک بار ایک صحابیہ خوب خوشبو لگا کر مسجد میں گئیں۔ پلٹیں تو راہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سامنا ہو گیا۔ خوشبو آئی تو پوچھا کہ یہ خوشبو مسجد میں جانے کے واسطے لگائی تھی۔ بولیں "ہاں"۔ فرمایا "میں نے اپنے حبیب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو عورت مسجد میں جانے کیلئے خوشبو لگائے اسکی نماز اسوقت تک مقبول نہیں ہوتی جب تک پلٹ کے غسل جنابت نہ کر لے"۔[7]

عرب میں یہ وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ اسیران جنگ کو باندھ کر قتل کر ڈالتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسکی ممانعت فرمائی اور عملاً اسکو مٹا دیا۔ ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس چار کافر گرفتار ہو کر آئے اور انہوں نے ان کو اسی طرح قتل کر ڈالا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ "آپ ﷺ نے اسکی ممانعت فرمائی ہے۔ اگر مرغیاں بھی ہوتیں تو میں ان کو اس طرح نہ مرواتا"۔[8]

1: جب پھانسی دی جاتی ہے تو مصلوب کے ہاتھ اسی طرح باندھ دیئے جاتے ہیں۔
2: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب التخصر والاقعاء۔
3: مسند جلد ۶ صفحہ ۲۸۵۔ 4: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الاشارۃ فی التشہد۔
5: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب کراہیۃ الاعتماد علی الید فی الصلوۃ۔
6: ابوداؤد کتاب الصوم فیمن یقرا السجدۃ بعد الصبح۔
7: ابوداؤد کتاب الرجل باب فی طیب المراۃ 8: ابوداؤد کتاب الجہاد باب قتل الاسیر بالنبل۔

ایک بار حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کابل میں ایک فوج کے ساتھ تھے۔ اہل فوج نے مال غنیمت پایا اور باہم لوٹ مار کر کھا گئے۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ سب نے اپنا اپنا حصہ واپس کر دیا اور دوبارہ انہوں نے انکو تقسیم کیا۔[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حکم بن ایوب کے پاس آئے دیکھا کہ چند نوجوان مرغی کو باندھ کر تیر کا نشانہ لگا رہے ہیں۔ فرمایا "رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے ہوئے۔ دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو۔ آنحضرت ﷺ ایسے کپڑوں کو دیکھتے تو پھاڑ ڈالتے۔[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرتے دم تک بھی فرض احتساب سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر آثار موت طاری ہوا تو ان کی بی بی رونے لگی۔ فرمایا کہ "رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تمہیں خبر نہیں۔" فوراً چپ ہو گئیں۔

ایک بار حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مدائن میں ایک چبوترے پر چڑھ کر امامت کی۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کا دامن پکڑ کر کھینچ لیا اور وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کیا تمہیں خبر نہیں کہ عہد نبوت میں لوگ اس سے روکے جاتے تھے۔ بولے "تم نے دامن کھینچا تو مجھے یاد آیا"۔

مدائن ہی میں ایک دوسرے موقع پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور وہ چبوترے سے نیچے اتر آئے۔[5]

ایک بار حضرت امام حسن نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بھی حسن اتفاق سے آ گئے۔ دیکھا کہ ان کے بال گندھے ہوئے ہیں۔ فوراً ہاتھ سے کھول دیئے۔ انہوں نے برہم ہو کر ان کی طرف دیکھا۔ بولے کہ "نماز پڑھئے، برہم نہ ہو جیے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ چوٹی شیطانی کاٹھ ہے"۔ ایک بار اسی وضع کے ساتھ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ پیچھے کھڑے ہو گئے اور بال کھولنے لگے۔ وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کہ میرے سر نے آپ کا کیا قصور کیا تھا؟ بولے کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس طرح نماز پڑھتا ہے، اس کی حالت بالکل اس شخص کی سی

1: ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی النہی عن النہبی اذا کان فی الطعام قلۃ فی ارض العدو۔
2: ابو داؤد کتاب الضحایا باب فی الرفق بالذبیحہ۔ 3: مسند جلد ۶ صفحہ ۲۲۵۔
4: ابو داؤد کتاب الجنائز باب فی النوح۔
5: ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الامام یقوم مکانا ارفع من مکان القوم۔

ہوتی ہے جو نماز پڑھے اور اس کی مشکیں کسی ہوئی ہوں"۔[1]

ایک بار ایک شخص نے جمعہ پڑھا اور اسی جگہ دو رکعت سنت بھی ادا کی۔ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نے دیکھا تو دھکیل دیا اور کہا کہ "چار رکعت جمعہ پڑھتے ہو"۔ اس سرزنش کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں سنت پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ بھی اسی کا اتباع کرتے تھے۔[2]

حضرت قیس بن عبادہ ﷺ کا بیان ہے کہ میں پہلی صف میں نماز پڑھ رہا تھا کہ حضرت ابی ابن کعب ﷺ نے مجھے پیچھے سے کھینچ کر ہٹا دیا اور خود میری جگہ کھڑے ہو گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ "برا نہ مانو، رسول اللہ ﷺ نے ہم کو یہی وصیت فرمائی ہے۔" اس کے بعد قبلہ رو کھڑے ہو کر تین بار فرمایا "خدائے کعبہ کی قسم اہل عقد ہلاک ہو گئے۔ خدا کی قسم میں عام لوگوں پر افسوس نہیں کرتا۔ ان پر افسوس کرتا ہوں جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا ہے"۔ قیس ابن عباد ﷺ نے پوچھا اہل عقد کون لوگ ہیں؟ بولے امراء۔[3]

ایک بار حضرت ہشام بن حکیم بن حرام ﷺ سورہ فرقان پڑھ رہے تھے۔ حسن اتفاق سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر ﷺ کو بھی یہی سورت پڑھائی تھی۔ حضرت عمر ﷺ نے سنا تو ان کو قرأت میں اختلاف معلوم ہوا۔ چنانچہ ان کو چادر سے باندھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور کہا کہ "آپ ﷺ نے مجھ کو پڑھایا ہے ان کی قرات اس کے مخالف ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے جس طرح ہو سکے پڑھو۔[4]

ایک بار صحابہ کرام ﷺ کسی جنازہ کے ساتھ آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔ حضرت ابو بکر ﷺ آئے اور کوڑا اٹھا کر کہا کہ "ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ جنازے میں دوڑتے ہوئے چلتے تھے"۔[5]

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نے بازار میں زیتون کا تیل خریدا، اسی جگہ ایک شخص نے اس کو خریدنا چاہا، نفع ملتا تھا، انہوں نے اس کے ہاتھ فروخت کر دیا، اسی حالت میں پیچھے سے ایک شخص نے ان کی کلائی پکڑلی۔ مڑ کر دیکھا تو حضرت زید بن ثابت ﷺ تھے۔ فرمایا کہ "جہاں خریدا ہے وہیں نہ بیچو، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے"۔[6]

حضرت ابو مسعود انصاری ﷺ حلقہ قائم کر کے بیٹھے تھے، دو آدمیوں نے کہا اس حلقہ میں کون ہے، جو ہمارا فیصلہ کرے گا؟ ایک شخص نے کہا "میں"۔ حضرت ابو مسعود انصاری ﷺ

1: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الرجل یصلی عاقصا شعرہ۔
2: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ بعد الجمعہ۔ 3: نسائی کتاب القبلہ۔
4: ابوداؤد ابواب کتاب الصلوۃ باب نزول القرآن علی سبعۃ احرف۔
5: ابوداؤد کتاب الجنائز باب الاسراع بالجنازۃ۔ 6: ابوداؤد کتاب البیوع باب فی الطعام قبل ان یستوفی۔

نے کنکری اٹھا کر ماری اور کہا "چپ[1] قضات کو جلدی سے قبول کرنا مکروہ ہے"۔

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بچے کے پاؤں میں گھونگھرو دیکھا تو کاٹ ڈالا اور فرمایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "ہر گھونگھرو کے ساتھ شیطان رہتا ہے"۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایک لڑکی کے گھونگرو کٹوا دیئے۔[2]

ایک بار ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمان رضی اللہ عنہا نہایت باریک ڈوپٹہ اوڑھ کر سامنے آئیں، دیکھنے کے ساتھ ہی غصہ سے دوپٹہ چاک کر دیا۔ پھر فرمایا، "تم نہیں جانتیں کہ سورۂ نور میں خدا نے کیا احکام نازل کیئے ہیں؟" اسکے بعد گاڑھے کا دوسرا دوپٹہ منگوا کر اوڑھایا۔[3]

ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کی۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے اس کے منہ میں خاک اٹھا کر جھونک دی اور کہا کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مدح کرنے والوں کے منہ میں خاک جھونک دو"۔[4]

سلاطین و امراء کا احتساب در حقیقت جان کی جوکھوں ہے۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہایت دلیری اور حق گوئی کے ساتھ اس فرض کو ادا فرمایا۔

عہد نبوت ﷺ میں یہ دستور تھا کہ عید گاہ میں ساتھ منبر نہیں جاتا تھا اور آپ نماز عید کے بعد خطبہ پڑھتے تھے۔ بنوامیہ نے یہ دونوں طریقے بدل دیئے۔ چنانچہ ایک بار مروان نے نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا چاہا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ "مروان تم نے سنت کی مخالفت کی۔ عید گاہ پر منبر ساتھ لائے اور خطبہ نماز سے پہلے پڑھا"۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ بولے "یہ کون ہے؟ اس نے اپنا حق ادا کر دیا"۔[5]

ایک بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت نماز ادا کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ٹوکا کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس جگہ صرف دو رکعت نماز پڑھی ہے۔ اس کے بعد تم لوگوں نے اور اور طریقے اختیار کر لئے میں تو دو رکعت کو محبوب رکھتا ہوں"۔[6]

ایک بار حضرت یحییٰ بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے بی بی کو طلاق باین دی۔ مروان بن الحکم نے جو مدینہ کا گورنر تھا ان کو گھر سے رخصت کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو کہلا بھیجا کہ "خدا سے ڈرو، عورت کو سسرال ہی میں رہنے دو۔ "مروان بن

۱: ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب فی طلب القضاء والتسرع الیہ۔
۲: ابوداؤد کتاب الخاتم باب ماجاء فی الجلاجل۔ ۳: موطائے امام مالک کتاب اللباس
۴: ابوداؤد کتاب الادب باب فی الکراہیۃ التمادح۔
۵: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الخطبہ۔
۶: ابوداؤد کتاب المناسک باب الصلوٰۃ بمنیٰ۔

الحکم نے جواب دیا کہ "طلاق باین کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تو حضرت فاطمہ بن قیس رضی اللہ عنہا کو گھر میں نہیں رہنے دیا تھا۔ "بولیں کہ "اگر تم فاطمہ کی حدیث پر عمل نہ کرو تو کوئی حرج نہیں"۔[1]

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ ابھی مدت معاہدہ گذرنے نہ پائی تھی کہ حملہ کی تیاری کر دی کہ مدت معاہدہ گذرنے کے ساتھ ہی حملہ شروع کر دیا جائے۔ فوج روانہ ہوئی تو حضرت عمرو بن عنبہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور کہا "اللہ اکبر، اللہ اکبر، وفائے عہد کرنے چاہئے بد عہدی جائز نہیں"۔[2]

ایک بار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروان کے گھر میں گئے۔ دیکھا کہ مصور تصویر بنا رہا ہے۔ بولے "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کہتا ہے کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے؟ جو میری طرح مخلوق کو پیدا کرتا ہے، وہ ایک ذرہ، ایک دانہ اور ایک جو تو پیدا کر لے"۔[3]

۱: ابوداؤد کتاب الطلاق باب من انکر ذلک، یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دی جائے اس کو سکنی کا حق حاصل ہے یا نہیں۔ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ اس کو گھر ہی میں عدت گزارنی چاہئے، لیکن فاطمہ بن قیس کی حدیث اس کے معارض ہے، لیکن حضرت عائشہؓ کا خیال یہ تھا کہ فاطمہ کا گھر نہایت سنسان اور الگ تھلگ تھا اسلئے رسول اللہ نے ان کو دوسرے گھر میں عدت بسر کرنے کا حکم دیا تھا اور نہ قرآن مجید کا اصل حکم اب تک باقی ہے۔

۲: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الایام یکون بینہ وبین العدو عہد فیسر نحوہ۔

۳: مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولا صورۃ۔

تجدید و اصلاح

عقائد و اعمال کی تجدید اور مذہب اور اخلاق کی اصلاح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سب سے بڑا فرض تھا اور انہوں نے ہر موقع پر نہایت سرگرمی کے ساتھ اس مقدس فرض کو ادا کیا۔

رسوم جاہلیت کا انسداد

رسول اللہ ﷺ نے زمانہ جاہلیت کے جن عقائد و اعمال کو مٹا دیا تھا۔ جب وہ کبھی رونما ہوتے تھے۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت سختی کے ساتھ ان کی مخالفت کرتے تھے۔ جاہلیت کے زمانہ میں بچوں کے سرہانے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کے ذریعے سے بچے جنوں کے آسیب سے محفوظ رہیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار کسی بچے کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا کہ "رسول اللہ ﷺ ٹوٹکے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔"[1]

عرب میں قاعدہ تھا کہ مردے کی لاش پر نوحہ کرتے تھے۔ اسلام نے اس کی ممانعت کی لیکن بعد کو کوفہ والوں نے جاہلیت کی اس رسم کو تازہ کیا اور قرظہ بن کعب کی لاش پر اسی طریقہ سے نوحہ و بکاء کیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

من ینح علیه فانه یعذب بما ینح علیه یوم القیامه[2]

جس شخص پر نوح کیا گیا اس پر قیامت کے دن اس کی وجہ سے عذاب کیا جائے گا۔

ایک بار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو دیکھا کہ خاموش ہے۔ وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ اس نے خاموش حج کیا ہے اس کو فوراً ممانعت کی اور کہا کہ "یہ جائز نہیں ہے یہ جاہلیت کا کام ہے۔[3] حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت سے واپس ہو کر اپنے وطن طائف آئے تو ان کے قبیلے کے تمام لوگ ملاقات کو آئے اور جاہلیت کے طریقے پر سلام کیا انہوں نے اس پر سختی سے اعتراض کیا اور کہا کہ "تم کو اہل جنت کی طرح سلام کرنا چاہیے۔"[4]

1: ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن۔
2: مسلم کتاب الجنائز باب المیت یعذب ببکاء اہلہ علیہ۔
3: بخاری باب ایام الجاہلیۃ۔
4: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عروہ بن مسعودؓ۔

شرک وبدعت کا استیصال

خلفائے راشدین ؓ کے عہد تک یہ معلوم تھا کہ خطبہ عیدین نماز کے بعد دیا جاتا تھا لیکن جب مروان نے اس سنت کو بدل دیا اور خطبہ کے بعد نماز پڑھانا شروع کی تو اسی وقت ایک شخص نے مخالفت کی اور حضرت ابو سعید خدری ؓ نے اس کی تائید کی۔ دوسرے سال مروان عید گاہ میں حضرت ابو سعید خدری ؓ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے آیا اور ان کو پہلے منبر کی طرف لے جانا چاہا لیکن انہوں نے اس کو نماز کیلئے گھسیٹا اور کہا کہ ابتداء نماز کیا ہوئی؟ اس نے کہا آپ کو اس مسئلہ میں جو کچھ معلوم ہے وہ تو ترک کر دیا گیا لیکن انہوں نے تین بار فرمایا کہ مجھ کو جو کچھ معلوم ہے تم اس سے بہتر روش قائم نہیں کر سکتے۔[1]

صحابہ کرام ؓ کو بدعات و محدثات کے استیصال کا اس قدر خیال تھا کہ نہایت چھوٹی چھوٹی باتوں پر وار دگیر کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن مغفل ؓ کے صاحبزادے نے نماز میں سورہ فاتحہ کے ابتداء میں بسم اللہ پڑھ لیا۔ انہوں نے سنا تو فوراً بول اٹھے کہ "بیٹا یہ بدعت ہے اس سے بچو"۔

شرک و بدعات کی تولید اکثر مذہبی عظمت سے ہوتی ہے۔ جس کے مظہر صحابہ کرام ؓ کے زمانہ میں نہایت کثرت سے موجود تھے لیکن جب کبھی صحابہ کرام ؓ کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اس عظمت کا عملی اعتراف شرک و بدعت کی صورت اختیار کر لے گا تو فوراً اس کی مخالفت کی۔ ایک بار حضرت عمر ؓ سفر حج سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں دیکھا کہ لوگ ایک مسجد کی طرف دوڑے ہوئے جارہے ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا "ایک مسجد ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی"۔ بولے "تم سے پہلے اہل کتاب اسی طرح مشرک ہوگئے۔ جسکو نماز پڑھنا ہو وہ نماز پڑھ لے ورنہ آگے بڑھے"۔[2]

حضرت عمر ؓ کے زمانے تک شجرۃ الرضوان قائم تھا اور لوگ متبرک سمجھ کر اس کی زیارت کو آتے تھے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اس کو جڑ سے کٹوا دیا۔[3] مسلمانوں میں غلاف کعبہ کی جو عزت وحرمت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے تو پرانا غلاف چرا چھپا کر، خادموں کچھ کچھ دے دلا کر لے لیتے ہیں اور اسکو تبرک سمجھ کر گھر لے آتے ہیں، اسکو مکانوں میں رکھتے ہیں دوستوں کو بطور سوغات کے تقسیم کرتے ہیں، قرآن میں رکھتے ہیں مسجدوں میں لٹکاتے ہیں اور مریض کو اس سے ہوا دیتے ہیں لیکن قرن اول میں یہ حالت نہ تھی، متولی کعبہ صرف یہ کرتا تھا کہ غلاف کو زمین میں دفن کر دیتا تھا کہ وہ ناپاک انسانوں کے مصرف کا نہ

1: مسلم کتاب الصلوٰۃ العیدین و بخاری کتاب العیدین۔

2: وفاء الوفاء صفحہ ۴۹۹ ۔ 3: ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۹۱۔

رہے، شیبہ بن عثمان نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے، خدا اور رسول نے اس کا حکم نہ دیا اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے سوءاعتقاد اور بدعات کا سرچشمہ پھوٹے، اسلئے شیبہ سے کہا "یہ تو اچھی بات نہیں تم برا کرتے ہو، جب غلاف کعبہ سے اتر گیا اور کسی نے اس کو ناپاکی کی حالت میں استعمال بھی کر لیا تو کوئی مضائقہ نہیں، تم کو چاہئے کہ بیچ ڈالا کرو اور اس کی قیمت غریبوں اور مسافروں کو دیدیا کرو۔[۱]

اصلاح اخلاق

اسلام میں ہر مصلح اخلاق کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ خالص اسلامی اخلاق کو قائم رکھے، اور ان کو غیر قوموں کے اخلاق کے ساتھ مخلوط نہ ہونے دے، دوسرے یہ کہ جو اخلاق اصول مذہب، اصول انسانیت اور اصول شرافت کو صدمہ پہنچاتے ہیں، ان کا استیصال کرے، صحابہ کرام ﷺ نے اپنے دور خلافت میں یہ دونوں فرض نہایت مستعدی کے ساتھ ادا کئے، حضرت عمر ﷺ نے تمام عمال کو تحفظ اخلاق عرب کی ہدایت فرمائی اور لکھا کہ ادنوا انحیل وانتضلوا وایا کم واخلاق الا عاجم وان لا تجلسوا علی مائدہ یشرب علیہا الخمرو لا یحل لمومن ولا مومنۃ تدخل الحمام الا بمیز رالا من سقم[۲] گھوڑوں کو قریب رکھو، تیر اندازی کرو اور اخلاق عجم کے اختیار کرنے، اور ایسے دستر خوان پر بیٹھنے سے جو شراب پی جائے احتراز کرو، کسی مسلمان مرد یا عورت کیلئے یہ جائز نہیں کہ بغیر کسی بیماری کے حمام میں بلا تہ بند باندھے نہائے۔

فتوحات عجم کے بعد نردبازی، شطرنج بازی و مرغ بازی وغیرہ تضیع اوقات کے کھیل ملک میں پھیلے تو صحابہ کرام ﷺ نے اس پر اس شدت سے دارو گیر کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کچھ کرایہ دار رہتے تھے، ان کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں، تو سخت برافروختہ ہوئیں۔ اور کہلا بھیجا کہ اگر نرد کی گوٹیوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے تو میں اپنے گھر سے نکلوادوں گی، حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ اپنے خاندان میں کسی کو نرد کھیلتے ہوئے دیکھتے تو اس کو مارتے اور نرد توڑ ڈالتے۔[۳] ایک بار کچھ لوگ شطرنج کھیل رہے تھے، حضرت علی ﷺ نے دیکھا تو فرمایا

۱۔ عین الاصابہ بحوالہ سنن بیہقی۔

۲۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

۳۔ ادب المفرد باب الادب و اخراج الذین یلعبون باضرو د مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی النرو۔

ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون۔[۱]

یہ تصویریں کیا ہیں جن کے سامنے تم نے سر جھکالیا ہے

فتح عجم کے بعد اہل عرب شراب کے جدید اقسام و نام سے آشنا ہو گئے تھے جن میں سے ایک باذق نامی بادہ تھا، چونکہ عربی میں شراب کو خمر کہتے ہیں اور اس کا اطلاق صرف انگوری شراب پر ہوتا ہے اس بنا پر لوگوں کو شبہہ تھا کہ ان شرابوں کا کیا حکم ہے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی مجلس میں بالا علان کہہ دیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوہارے تک نہ بھگوئے جائیں پھر عورتوں کی طرف خطاب کر کے کہا "اگر تمہارے خم کے پانی سے نشہ آئے تو وہ بھی حرام ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ہر نشئی چیز کو منع فرمایا "۔[۲]

ایک دفعہ شام کی چند عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کو آئیں، رومیوں کے اختلاط سے وہاں کی عورتیں بھی حمام میں برہنہ غسل کرتی تھیں، فرمایا کہ "تم ہی وہ عورتیں ہو جو حماموں میں جاتی ہو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو عورت اپنے گھر سے باہر کپڑے اتارتی ہے وہ اپنے اور خدا کے درمیان پردہ دری کرتی ہے۔[۳]

قدیم زمانے میں یہودیہ عورتوں میں جو بداخلاقیاں پھیل گئی تھیں، ان میں ایک یہ تھی کہ جن عورتوں کے بال گر پڑتے تھے وہ مصنوعی بال لگا لیتی تھیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمادی تھی، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں عربی عورتوں نے بھی یہ روش اختیار کر لی۔ وہ حج کو آئے تو ایک سپاہی کو اس مصنوعی بال کا ایک گچھا دے دیا اور منبر پر خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور اس گچھے کو ہاتھ میں لے کر فرمایا

یا اھل المدینہ این علماء کم؟ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن مثل ھذہ ویقول انما ھلکت بنو اسرائیل حین اتخذھذہ نساءھم۔[۴]

اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ بنو اسرائیل اسی وقت برباد ہوئے جب ان کی عورتوں نے اس کو اختیار کیا۔

ایک دفعہ کسی عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا "کہ میری بیٹی دلہن بنی ہے، لیکن بیماری سے اس کے بال گر گئے ہیں کیا مصنوعی بال جوڑ دوں؟" فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔[۵]

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ میسرہ بن حبیب۔
۲: سنن نسائی کتاب الخمر۔ ۳: جلد ۶ صفحہ ۱۷۳ مسند۔
۴: بخاری کتاب بدالخلق و کتاب الادب۔
۵: مسند جلد ۶ صفحہ ۱۱۱۔

عرب میں جو بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں، وہ بہت کچھ تو خود بخود اسلام کے اثر سے مٹ گئیں اور جو رہ گئی تھیں، ان کو صحابہ کرام ﷺ نے بالکل مٹا دیا، مثلاً "فخر و غرور" کہ اس کے اظہار کی ایک صورت یہ تھی کہ لوگ لڑائیوں میں قبائل کی جے پکارتے تھے، حضرت عمر ﷺ نے اس کو حکماً منع کر دیا[1]

اس سلسلے میں سب سے مقدم چیز شاعری کی اصلاح تھی، کیونکہ شعراء لوگوں کی ہجویں لکھتے تھے اور ان سے سینکڑوں اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی تھیں، حضرت عمر نے اس کو جرم قرار دیا، اور ہجو گوئی پر شعرا کو سزا دی، چنانچہ ایک بار نجاشی نے تمیم بن مقبل کی ہجو لکھی، انہوں نے حضرت عمر ﷺ کی خدمت میں استغاثہ کیا تو حضرت عمر ﷺ نے اور اشعار پر تو کوئی گرفت نہیں کی لیکن جب یہ شعر سنا

اولیك اولاد الهجين واسره
اللیم ورهط العاجز المتذلل

یعنی یہ لوگ دوغلے کمینہ خاندان اور عاجز اور ذلیل قبیلہ کے ہیں۔

تو فرمایا کہ "اب اس شعر پر معاف نہیں رکھ سکتا" چنانچہ اس کو قید کیا اور کوڑے لگائے[2]
حطیہ مشہور ہجو گو شاعر تھا ایک بار اس نے زبرقان بن بدر کی ہجو کہی جسکا ایک شعر یہ تھا

دع المکارم لا ترحل لبغتیها
واقعد فانك انت الطاعم الکاسی

فضائل چھوڑ دے، اس کے حاصل کرنے کیلئے سفر نہ کر اور بیٹھ جا کیونکہ تو صرف کھانے اور پہننے والا آدمی ہے۔

زبرقان نے حضرت عمر ﷺ سے شکایت کی تو انہوں نے حضرت ابن عباس ﷺ سے پوچھا کہ "یہ ہجو ہے" انہوں نے کہا "ہاں" اس پر انہوں نے حطیہ کو تہ خانہ میں قید کر دیا، اور جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ اور حضرت زبیر ﷺ نے سفارش کی تو یہ قول لے کر چھوڑا کہ پھر کسی کی ہجو نہ کہے گا[3]

ہجو کے علاوہ شعراء میں علانیہ اپنے معشوقوں کے نام لیتے تھے اور انکے حسن کی تعریف کرتے تھے، جس کو عربی میں تشبیب کہتے ہیں، حضرت عمر ﷺ نے تمام شعراء کو حکم دیا

لا یشبیب احد بامراه الا جلده۔[4]

کوئی شخص کسی عورت کی تشبیب نہ کرے ورنہ اس کو سزا دی جائے گی۔

۱: کنزالعمال۔ ۲: اصابہ تذکرہ تمیم بن مقبل۔ ۳: اسد الغابہ تذکرہ زبرقان۔
۴: اسد الغابہ تذکرہ حمید بن ثور۔

اصلاح بین الناس

اسلام نے عرب کے قدیم بغض وکینہ کو مٹا کر تمام مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کی جس سنہری زنجیر میں جکڑ دیا تھا، صحابہ کرام ؓ نے حتی المقدور کبھی اس کی کڑیوں کو جدا نہیں ہونے دیا، حضرت عروہ بن مسعود ؓ کے قبیلے کے لوگوں نے جب ان کے خون کا بدلہ لینا چاہا تو انہوں نے خود نہایت ایثار نفسی کے ساتھ فرمایا

لاتقتلو انی قد تصدقت بدمی علی صاحبه لا صلح بذالك بینکم۔[1]

میرے بارے میں جنگ و جدل نہ کرو، میں نے اپنا خون معاف کر دیا تاکہ اس ذریعہ سے تم لوگوں میں مصالحت ہو جائے۔

ان کے اصل قاتل حضرت اوس بن عوف ؓ تھے، اسلئے مدت تک انکو عروہ کے بیٹے حضرت ابوملیح بن عروہ ؓ اور انکے بھتیجے حضرت قارب بن اسود ؓ کی طرف سے انتقام کا کھٹکا لگا رہا، چنانچہ انہوں نے حضرت ابو بکر ؓ سے اسکی شکایت کی تو انہوں نے ان دونوں صاحبوں کو انتقام سے روکا اور ان سب کو باہم ملا دیا اور سب نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔[2]

حضرت عمر ؓ نے ہجو یہ اشعار کہنے پر اس قدر سختی اس لئے کی تھی کہ باہم لوگوں میں ناچاقی نہ ہونے پائے، چنانچہ حضرت حسان بن ثابت ؓ نے قریش کی ہجو میں جو اشعار خود رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے کہے تھے، قریش کے اسلام لانے کے بعد ان کے پڑھنے کی ممانعت کر دی کہ اس سے پرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں۔[3]

اصلاح معاش

اصلاح معاش کے یہ معنی ہیں کہ معاش کے ناجائز طریقوں کو مٹا کر جائز طریقوں کو ترقی دی جائے، اور صحابہ کرام ؓ نے یہ دونوں فرض ادا کئے۔

ایک بار حضرت فضالہ بن عبید ؓ کو ایک مجمع میں معلوم ہوا کہ کچھ لوگ گوبہ کھیل رہے ہیں، برہم ہو کر اٹھے اور فرمایا کہ جو لوگ اس کی کمائی کھاتے ہیں سور کا گوشت کھاتے ہیں اور خون سے وضو کرتے ہیں۔[4]

ایک بار دو شخصوں نے ایک مرغ پر بازی لگائی، حضرت عمر ؓ کو خبر ہوئی تو مرغ کو مار ڈالنا چاہا، ایک شخص نے کہا ایسی امت کو قتل کرتے ہو جو خدا کی تسبیح خواں ہے اسلئے چھوڑ دیا۔[5]

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عروہ بن مسعودؓ۔
۲: طبقات ابن سعد تذکرہ اوس بن عوف۔
۳: اغانی تذکرہ حضرت حسانؓ بن ثابت۔
۴: ادب المفرد باب الغناء واللہو۔
۵: ادب المفرد باب قمار الدیک۔

ایک شخص کا یہ معمول تھا کہ جب اس کی گھوڑیاں بچھڑے جنتیں تو اس خیال سے ذبح کر دیا کہ جب تک یہ سواری کے قابل ہوں گے میں زندہ کب رہوں گا۔ حضرت عمر ؓ کو خبر ہوئی تو ایک تحریری حکم بھیجا کہ

اصلحوا مارزقکم اللّٰہ فان فی الا برتقسا۔

خدا تم کو جو کچھ دے اس کی اصلاح کرو کیونکہ زندگی میں بڑی وسعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام ؓ نے ایک شخص کو ہدایت کی کہ اگر تم سنو کہ دجال نمودار ہو گیا ہے اور تمہارے ہاتھ میں کھجور کا ایک پودا ہو تو اطمینان سے اس کو لگاؤ کیونکہ اس کے بعد بھی لوگ زندہ رہیں گے۔[1]

[1] ادب المفرد باب اصطناع المال۔

ارشاد وہدایت

دنیا اندھیرے میں بھٹک رہی تھی، نیکی کا چراغ گل ہو گیا تھا، بدی کی گھٹا افق عالم پر چھا گئی تھی کہ اسی حالت میں غار حرا سے ایک چاند نکلا اور دنیا اجالی ہو گئی لیکن یہ جو کچھ ہوا صرف اللہ رسول ﷺ کی تعلیم وتربیت، وعظ وپند اور ارشاد وہدایت کا نتیجہ تھا اس لئے آپ ﷺ کے بعد دنیا پھر اندھیرہ ہو جاتی اگر صحابہ کرام ﷺ نے اس سلسلہ کو قائم نہ رکھا ہوتا۔

پند ونصیحت

رسول اللہ ﷺ اگرچہ ہمہ وقت ارشاد وہدایت میں مصروف رہتے تھے تاہم یہ ایک ایسا اہم فرض تھا کہ اس کیلئے ایک وقت مخصوص کر لیا تھا، اور ایک روز کا ناغہ دیکر مستمر اصحابہ کرام ﷺ کو وعظ وپند فرمایا کرتے تھے، آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام ﷺ نے بھی یہ روش قائم رکھی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نے بھی جمعرات کے دن کو وعظ وپند کیلئے مخصوص کر دیا تھا۔[1]

نمونہ ومثال

آفتاب کسی کو اندھیرے میں بھٹکنے نہیں دیتا، لیکن بااینہمہ زبان سے کچھ نہیں کہتا بلکہ اپنی شعاعوں کو بھیج دیتا ہے، جو نہایت خاموشی کے ساتھ ہر شخص کی انگلی پکڑ کر سیدھی راہ پر لگا دیتی ہیں، خلفاء راشدین بھی آفتاب نبوت کا پرتو تھے، اس لئے وہ ارشاد وہدایت کیلئے دنیا کے سامنے ایسی روشن مثالیں پیش کرنا چاہتے تھے، جن کو دیکھ کر ہر شخص خود بخود سیدھی راہ پالے۔

ایک دفعہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ ﷺ حالت احرام میں رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے حضرت عمر ﷺ نے دیکھا تو فرمایا "تم لوگ امام ہو اور تمام دنیا تمہاری تقلید کرتی ہے اس لئے اگر کوئی جاہل آدمی اس کپڑے کو دیکھے گا تو کہے گا کہ طلحہ بن عبید اللہ ﷺ حالت احرام میں رنگین کپڑے پہنتے تھے پس اے لوگو اس قسم کا کپڑا ہرگز نہ پہنو"۔[2]

وعظ گوئی

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تو اسکی ضرورت ہی نہ تھی، حضرت ابو بکر ﷺ کے عہد خلافت میں بھی اس کا رواج نہیں ہوا، حضرت عمر ﷺ پہلے شخص تھے، جنکے عہد خلافت میں

1: مسلم کتاب المنافقین واحکامہم باب الاقتصاد فی الموعظۃ و بخاری کتاب العلم۔

2: مؤطا امام مالک کتاب الحج باب لبس الثیاب المصبوغۃ فی الاحرام۔

اسکی ایجاد ہوئی اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ان کی اجازت سے کھڑے ہو کر وعظ کیا۔[1] چنانچہ اس طریقہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص وعظ کو محض گرمی محفل کا ذریعہ بنانا چاہتا اور اس میں تکلف و تصنع سے کام لیتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت سختی کے ساتھ روک ٹوک کرتے واعظین گرمی مجلس کیلئے مقفی و مسجع دعائیں بنا بنا کر پڑھا کرتے اور اپنے تقدس کے اظہار کیلئے موقع بے موقع، ہر وقت وعظ کیلئے آمادہ رہتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں ابن ابی السائب تابعی نے یہ طریقہ اختیار کیا تو انہوں نے ان سے خطاب کر کے کہا "تم مجھ سے تین باتوں کا عہد کرو ورنہ بزور تم سے باز پرس کروں گی" عرض کیا "ام المومنین رضی اللہ عنہا! وہ کیا باتیں؟" "فرمایا دعاؤں میں مسجع عبارتیں نہ بناؤ، اس لئے کہ آپ اور آپ کے اصحاب ایسا نہیں کرتے تھے، ہفتہ میں صرف ایک دن وعظ کہا کرو، اگر یہ کافی نہ ہو تو دو ۲ دن اور اس سے بھی زیادہ چاہو تو تین ۳ دن، لوگوں کو خدا کی کتاب سے اکتانہ دو، ایسا نہ کرو کہ جہاں لوگ بیٹھے ہوں آ کر بیٹھ جاؤ اور قطع کلام کر کے اپنا وعظ سنانا شروع کر دو، بلکہ جب ان کی خواہش ہو اور وہ درخواست کریں تب کہو۔[2]

کلمات طیبہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے جو کلمات طیبہ نکل گئے وہ بھی ارشاد و ہدایت کے سلسلے میں داخل ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "لوگوں میں اس طرح رہو جس طرح اڑنے والی شہد کی مکھی کہ اس کو ہر چڑیا اپنے آپ سے کمزور سمجھتی ہے، لیکن اگر اس کو معلوم ہو تا کہ اس کے پیٹ میں کیا برکت بھری ہوئی ہے تو وہ ایسا نہ کرتی، لوگوں کے ساتھ جسم اور زبان سے ملے جلے رہو لیکن دل اور عمل سے الگ رہو۔[3]

ایک بار حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ "علم ایک چشمہ ہے جس پر لوگ آتے ہیں اور اس سے نالیاں نکالتے ہیں اور خدا اس سے بہتوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، لیکن اگر کوئی حکمت خاموش ہو تو وہ جسم بے روح ہے، اگر کوئی علم لٹایا نہ جائے تو وہ مدفون خزانہ ہے، عالم کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تاریک راستے میں چراغ دکھاتا ہے، تاکہ لوگ اس سے روشنی حاصل کریں اور اس کو دعا دیں۔[4]

اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اور بھی بہ کثرت مقولے ہیں، جن کو ہم تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

1: مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۴۹۔ 2: مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۱۷۔
3: دارمی باب فی اجتناب الاہواء۔ 4: دارمی باب البلاغ رسول اللہ و تعلیم السنن۔

جہاد

جہاد کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خدمات کی تفصیل حسب ذیل عنوانات میں کی جا سکتی ہے۔

۱۔ جہاد کی حقیقت کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا خیال تھا؟

۲۔ عہد نبوت کے نظام فوجی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذہبی اور اخلاقی سرگرمیوں کا کس قدر حصہ شامل تھا؟

۳۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اس نظام کو کس قدر ترقی دی؟

جہاد کی حقیقت

مورخین یورپ کے نزدیک جہاد اسلام کی حقیقت کا لازمی جزو ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک اسلام کی حقیقت اس سے بالاتر تھی کہ اس کے مایہ خمیر میں خون کے اجزاء شامل کئے جائیں، چنانچہ کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ جہاد کیوں نہیں کرتے؟ بولے "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، کلمہ توحید، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج" یعنی جہاد اسلام کی حقیقت سے خارج ہے، اس کا جزو نہیں ہے۔

عہد نبوت ﷺ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فوجی نظام

عام خیال ہے کہ عہد نبوت ﷺ تک اسلام میں کوئی فوجی نظام نہیں قائم ہوا تھا، یہ صرف رسول اللہ ﷺ کی روحانی آواز کا معجزانہ اثر تھا کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ایک جھنڈے کے نیچے آکر جمع ہو جاتے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک بھی یہی حالت قائم رہی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے ایک باضابطہ نظام فوج قائم کیا، لیکن درحقیقت یہ ایک عظیم الشان غلطی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں آنے کے ساتھ ہی ایک مستقل نظام فوج قائم کر لیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مذہبی جوش اور اخلاقی طاقت نے اسکو نمایاں ترقی دی تھی۔

تمام قوم کا فوج بنانا

رسول اللہ ﷺ ہر سال انصار کے نوخیز لوگوں کا جائزہ لیتے تھے، اور پانزدہ سالہ نوجوان کو فوج میں داخل کرتے تھے، آج اس تمدنی زمانہ میں بھی جبکہ ہر شخص قومیت و وطنیت کا ترانہ گا رہا

1: مسلم کتاب الایمان باب قول النبیؐ، بنی الاسلام علی خمس۔

ہے اکثر لوگ اس قسم کی جبری خدمت سے انکار کرتے ہیں، لیکن صحابہ کرام ؓ کے جوش مذہبی کے یہ حال تھا کہ بچہ بچہ بشوق فوج میں شامل ہونا چاہتا تھا اور اگر کسی کو اس مذہبی خدمت کے انجام دینے کی اجازت نہیں ملتی تھی تو اس کو سخت ملال ہوتا تھا، ایک بار آپ ﷺ نے انصار کے نوجوانوں کا جائزہ لیا اور ایک نوجوان کو شریک فوج ہونے کی اجازت عطا فرمائی، حضرت سمرہ ؓ نے بھی اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن آپ ﷺ نے کمسنی کی وجہ سے ان کی درخواست منظور نہیں کی، اس بنا پر ان کو سخت صدمہ ہوا اور مایوسی کے لہجہ میں کہا "یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے اس لونڈے کو اجازت دے دی اور مجھے نہیں قبول فرمایا، حالانکہ اگر کشتی ہو تو میں اس کو پچھاڑ دوں" اب آپ ﷺ نے دونوں میں کشتی کرائی، اور سمرہ نے اس کو پچھاڑ دیا۔ اس لئے آپ ﷺ نے ان کو بھی شرکت جہاد کی اجازت دی۔[1]

صحابہ کرام ؓ جس ذوق و شوق سے شریک جہاد ہوتے تھے، اسکے متعلق احادیث و رجال کی کتابوں میں بہ کثرت واقعات مذکور ہیں، ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے میں اس قسم کی متعدد مثالیں مختلف عنوانات میں جمع کر دی ہیں، اس موقع پر ان کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔

فوجی شعار

مہاجرین و انصار کو اگرچہ اخوت اسلامی کی بنا پر الگ الگ نظر آتے تھے اور یہ ان کے جوش و مسابقت کا بڑا سبب تھا، انصار کا شعار عبدالرحمان اور مہاجرین نے اپنا شعار عبداللہ قرار دیا تھا۔ قرآن مجید کی بعض سورتوں کے ٹکڑوں کو بھی بطور شعار[2] کے پڑھا جاتا تھا۔

فوج کا تقسیم

اخیر میں جب اسلام کا فوجی نظام بالکل مکمل ہو گیا، تو میدان جنگ میں فوجوں کی تقسیم بھی قومی حیثیت سے کی گئی، چنانچہ فتح مکہ میں جیسا کہ صحیح بخاری کتاب المغازی میں مذکور ہے تمام قبائل کے دستے الگ الگ قائم کئے گئے تھے۔

فوجی تعلیم و تربیت

رسول اللہ ﷺ کو فوجی تعلیم و تربیت میں کدو کاوش کی ضرورت پیش نہیں آئی، خود صحابہ کرام ؓ میں تیر اندازی کا ذوق اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ مغرب کے بعد مسجد میں نکل کر تیر کا نشانہ لگاتے تھیں۔[3] رسول اللہ ﷺ کی حوصلہ افزائی اس ذوق کو اور بھی ترقی دیتی تھی، ایک بار

1: استیعاب تذکرہ حضرت سمرہ بن جندبؓ۔
2: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الرجل ینادی بالشعار۔
3: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت المغرب۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو تیر اندازی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

ارموا یا بنی اسماعیل ابا کمکان رالیا۔

اے بنو اسماعیل تیر اندازی کرو کیونکہ تمہارا باپ تیر انداز تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ؓ تیر اندازی میں باہم مسابقت کرتے تھی، چنانچہ اسی موقعہ پر جب آپ نے فرمایا کہ "میں فلاں قبیلہ کے ساتھ ہوں" تو دوسرے قبیلہ کے لوگ رک گئے اور کہا کہ "جب آپ خود ان کے ساتھ ہیں تو ہم مقابلہ کر سکتے ہیں"۔ ارشاد ہوا کہ "تیر پھینکو میں تم سب کے ساتھ ہوں"۔[1]

تیر اندازی کے علاوہ رسول اللہ ﷺ گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے اور اس میں تمام صحابہ ؓ شریک ہوتے تھے، بعض صحابہ ؓ نے پیدل دوڑنے کی مشق کی تھی، چنانچہ اس وصف میں حضرت سلمہ بن اکوع ؓ خاص طور پر ممتاز تھے اور اس مشق کی بدولت ان کو مختلف فوجی کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں، شہسواری اور تیر اندازی کے علاوہ صحابہ کرام ؓ نے فن جنگ میں اور بھی جدید ترقیاں کیں مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حضرت عروہ بن مسعود ؓ اور حضرت غیلان بن سلمہ ؓ کو جرش بھیجا کہ وہاں سے منجنیق اور دبابہ کے استعمال کا طریقہ سیکھ کے آئیں، چنانچہ وہ لوگ وہاں سے تعلیم حاصل کر کے آئے تو طائف کے محاصرہ میں ان آلات کا استعمال کیا گیا۔[2] یہ عربی کی روایت ہے، لیکن مواہب لدینہ میں ہے کہ فن جنگ میں یہ جدید اضافہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی ؓ کے بدولت ہوا، زرقانی نے اس کی شرح میں یزید بن زمعہ کا نام بھی لیا ہے اور واقدی کی ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منجنیق کا استعمال حضرت سلیمان ؓ کے مشورے سے کیا گیا۔[3]

غزوہ احزاب میں خندق انہی کے مشورے سے کھودی گئی اور کفار نے اس کو اس قدر جدید اور عجیب چیز سمجھا کہ سب کے سب یک زبان ہو کر بول اٹھے

ان زلمکیدہ ما کانت العرب تصنعھا۔[4]

یہ ایک ایسی چال ہے، جس سے اہل عرب بالکل ناآشنا تھے۔

زخمیوں کی مرہم پٹی کا انتظام

جس طرح صحابہ کرام ؓ بشوق غزوات میں شریک ہوتے تھے، اسی طرح صحابیات بھی خدا کی راہ میں ان سے پیچھے نہیں رہنا چاہتی تھیں، ان کیلئے سب سے زیادہ موزوں کام

۱: بخاری کتاب الجہاد باب التحریض علی الرمی۔

۲: طبری صفحہ ۱۶۷۶ واقعات سن ۸ھ۔ ۳: زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۲۔

۴: طبقات ابن سعد کتاب المغازی صفحہ ۴۹۔

زخمیوں کی مرہم پٹی کرنااور مجاہدین کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچاتا تھا،اور وہ اس خدمت کو نہایت خلوص اور دل سوزی سے انجام دیتی تھیں۔

حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں،جب معرکہ بدر پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست کی کہ مجھے شریک جہاد ہونے کی اجازت دی جائے میں مریضوں کی تیمار داری کروں گی۔[1]

غزوہ خیبر میں بغیر جبر و اکراہ کے متعدد عورتیں شریک جہاد ہوئیں، آپ کو ان کا حال معلوم ہوا تو بلا بھیجا اور ناراضی کے لہجے میں پوچھا تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟ بولیں "یارسول اللہ ﷺ !ہم اون کاتتے ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں اعانت کرتے ہیں، ہمارے ساتھ زخمیوں کے دوا علاج کا سامان ہے،لوگوں کو تیر اٹھا اٹھا کے دیتے ہیں،اور ستو گھول گھول کے پلاتے ہیں"۔[2]

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوتی تھیں[3] اور مجاہدین کے اسباب کی نگرانی کرتی تھیں، کھانا پکاتی تھیں، مریضوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

غزوہ احد میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شریک تھیں،اور وہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنی پیٹھ پر مشک لاد لاد کے لاتی تھیں اور لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔[4]

حضرت ربیع بنت مسعود رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہم سب غزوات میں شریک ہوتے تھے پانی پلاتے تھے مجاہدین کی خدمت کرتے تھے،اور مدینہ تک زخمیوں اور لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔[5]

حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا نے مسجد نبوی ﷺ میں ایک خیمہ قائم کر رکھا تھا،جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے وہ اسی خیمے میں ان کا علاج کرتی تھیں،چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے،تو ان کا علاج اسی خیمہ میں کیا گیا۔[6]

جہاد کیلئے سازوسامان

شوق جہاد نے اسلام کے جھنڈے کے نیچے بہادر سپاہی تو جمع کر دیے لیکن اسلام کی غربت

1: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء۔

2: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی المراۃ و العبد یحذیان من الغنیمۃ۔

3: مسلم کتاب الجہاد باب النساء الغازیات یرضخ لہن ولا یسھم و النھی عن قتل صبیان اھل الحرب۔ 4: مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ النساء مع الرجال۔

5: بخاری کتاب الجہاد باب والنساء والقتلی۔ 6: اصابہ تذکرہ رفیدہ رضی اللہ عنہا۔

مصارف جہاد اور آلات حرب کا کیا سامان کرتی؟ لیکن صحابہ کرام ﷺ نے تکمیل مقاصد جہاد کیلئے جان کی طرح مال کو بھی قربان کر دیا، وہ تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے ان کے علاوہ اور تمام صحابہ ﷺ اس کار خیر میں حصہ لیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد نفس کے ساتھ جہاد بالمال کا بھی بار بار قرآن مجید میں ذکر کیا ہے، احادیث میں اس قسم کی فیاضیوں کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت عمر ﷺ نے جہاد کی ضرورت کیلئے ایک شخص کو ایک گھوڑا دیا تھا۔[1]

حضرت ابو معقل ﷺ کے پاس ایک جوان اونٹ تھا، انہوں نے اس کو جہاد کیلئے وقف کر دیا تھا۔[2]

ایک صحابی ایک اونٹنی کی ناک میں نکیل لگائے ہوئے آئے اور کہا کہ "یا رسول اللہ ﷺ! اس کو خدا کی راہ میں دیتا ہوں" ارشاد ہوا کہ "قیامت کے دن خدا تم کو اس کے بدلے سات سو اونٹنیاں دے گا۔[3]

حضرت خالد بن ولید ﷺ کے پاس بہت سی زرہیں تھیں، جن کو انہوں نے جہاد کیلئے وقف کر دیا تھا۔[4]

حضرت نوفل بن حارث ﷺ نے غزوہ حنین میں تین ہزار نیزوں سے، رسول اللہ ﷺ کی اعانت کی، چنانچہ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا "میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے نیزے کفار کی ریڑھ کی ہڈیاں توڑ رہے ہیں۔[5]

عہد نبوت ﷺ میں انفاق فی سبیل اللہ اسلام کی سب سے بڑی علامت تھی۔ حضرت رفاعہ بن زیدہ ﷺ ایک صحابی تھے جن پر نفاق کا شبہہ کیا جاتا تھا۔ ایک بار ان کے ہتھیار چوری ہو گئے، بعد کو ملے تو انہوں نے ان کو جہاد کیلئے وقف کر دیا، اب لوگوں کے دل سے نفاق کا شبہ دور ہو گیا۔[6]

خلافت راشدہ ﷺ میں صحابہ کرام ﷺ کا فوجی نظام

خلفائے راشدین ﷺ نے جو فوجی نظام قائم کیا، اس پر مادی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے نگاہ ڈالنی چاہئے۔

حضرت ابو بکر ﷺ کے عہد خلافت میں مادی حیثیت سے صرف اس قدر ترقی ہوئی کہ

۱: ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الرجل یبتاع صدقتہ و بخاری کتاب الزکوۃ۔
۲: ابوداؤد کتاب المناسک باب العمرہ۔
۳: مسلم کتاب الامارہ فضل الصدقۃ فی سبیل اللہ و تضعیفہا۔
۴: ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی تعجیل الزکوۃ۔
۵: اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۶۔ ۶: ترمذی ابواب تفسیر القرآن۔

مساویانہ تعداد میں فوج کے مختلف دستے قائم کئے گئے اور ہر دستے کے الگ الگ سپہ سالار قرار دیئے گئے، چنانچہ ان کے عہد میں اول اول شام کی طرف جو فوج بھیجی گئی اس میں ہر کمانڈر کی ماتحتی میں تین تین ہزار سپاہی دیئے گئے، اس کے بعد متصل کمک نے اس تعداد کو بڑھا کر ساڑھے سات ہزار تک پہنچادیا، حضرت ابو بکر ؓ نے ان دستوں و قومی حیثیت سے مرتب کیا تھا، اور تمام امرائے فوج کو حکم دیا تھا کہ ہر قبیلہ کیلئے الگ الگ جھنڈا قائم کیا جائے انہوں نے امیر لامراء کا ایک نیا عہدہ بھی قائم کیا، جو گویا تمام فوج کا کمانڈر انچیف تھا، اور سب سے پہلے حضرت خالد بن ولید ؓ اس عہدے پر مامور کئے گئے۔[1]

دستہ بندی کی وجہ سے ان کے زمانے میں فن جنگ میں بھی بہت کچھ ترقی ہوئی، عرب کو چونکہ ہمیشہ ایک نا ترتیب یافتہ فوج سے لڑنا پڑتا تھا، اس لئے حالت جنگ میں فوج کسی ترتیب و نظام کی پابند نہ تھی، غیر مرتب صفیں قائم ہو جاتی تھیں اور ہر صف الگ الگ معرکہ آرا ہوتی تھی، لیکن حضرت ابو بکر ؓ کے عہد میں جب بمقام یرموک رومیوں سے جنگ ہوئی، اور حضرت خالد بن ولید ؓ نے ان کی فوج کے ترتیب و نظام کو دیکھا تو تمام فوج کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

ولا تقاتلو اتوما علی نظام و تعبیة علی تساندو انتشار۔

ایسی مرتب فوج سے متفرق طور پر نہ لڑو۔

چنانچہ انہوں نے فوج کے ۳۶ دستے قائم کئے اور ہر دستے پر الگ الگ کمانڈر مقرر کئے ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں لکھا ہے،

واول من ابطل الصف فی الحروب وصار الی التعبیة کرادیس مروان ابن الحکم۔[2]

پہلا شخص جس نے جنگ میں صف بندی کے طریقہ کو موقوف کر کے الگ الگ دستے قائم کئے، مروان بن حکم تھا۔

لیکن یہ تاریخی غلطی ہے، اس کی ابتداء خود حضرت ابو بکر ؓ کے عہد خلافت میں ہو گئی تھی، چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہیں،

وخرج خالد فی تعبیة لم تعبها العرب قبل ذالك

اور خالد نے فوج کو اس طرح آراستہ کیا کہ عرب نے اس سے پہلے اس قسم کی آراستگی نہیں دیکھی تھی۔

اس ترتیب و نظام سے فوج کے مختلف شعبے مثلاً قلب، میمنہ اور میسرہ قائم ہو گئے اور

۱: فتوح البلدان صفحہ ۱۱۰۔ ۲: مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۳۰۰۔

حضرت عمر ؓ کے زمانے میں ان میں اور بھی اضافہ ہوا۔

اخلاقی حیثیت سے خلفائے راشدین کا سب سے اہم فرض یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فوج کو جس قانون جنگ کا پابند بنایا تھا اس کو وہ بھی قائم رکھیں اور اس کی محافظت کریں رسول اللہ ﷺ نے فوج کو جس اخلاقی قانون کا پابند بنایا تھا اس کے دفعات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ مال غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔

۲۔ بدعہدی نہ کی جائے۔

۳۔ مقتولین کے ہاتھ پاؤں اور ناک کان نہ کاٹے جائیں۔

۴۔ بچے، عورتیں، بوڑھے اور راہب نہ قتل کئے جائیں۔

۵۔ مسلمانوں کی آبادی پر حملہ نہ کیا جائے۔

۶۔ لوگوں کی جائداد اور مویشیوں سے تعرض نہ کیا جائے۔

۷۔ اسیران جنگ کو ان کے اعزہ واقارب سے جدا نہ کیا جائے۔

۸۔ لونڈیوں سے بغیر استبراء رحم کے مباشرت نہ کی جائے۔

خلفائے راشدین ؓ نے شدت کے ساتھ اس قانون کی محافظت کی چنانچہ حضرت ابو بکر ؓ نے شام کی طرف فوج بھیجی تو امیر العسکر کو حسب ذیل وصیتیں کیں،

انك تحدقوما زعموا انهم حبسوا انفسهم لله فذر هم، واني موصيك بعشر لا تقتلوا امراة ولا صبيا ولا كبيرا هر ماولا تقطعن شجرا شمرا ولا تخر بن عامرا ولا تعقرن شاة ولا بعيرا لا لا كله ولا تحرقن نخلا ولا تعرقنه ولا تغلل ولا تجبن۔[1]

تم ایک ایسی قوم (راہب) کو پاؤ گے، جنہوں نے اپنے آپ کو عبادت خدا کے لئے وقف کر دیا ہے ان کو چھوڑ دو، میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرو، پھلدار درخت کو نہ کاٹو، آبادی کو ویران نہ کرو، بکری اور اونٹ کو ذبح نہ کرو، نخلستان میں آگ نہ لگاؤ مال غنیمت میں بددیانتی نہ کرو اور نامرد نہ بنو۔

حضرت عمر ؓ نے بھی ان قوانین کا نہایت احترام کیا اور فوج کو عام طور پر ہدایت فرمائی،

فان قاتلو کم فلا تغدر وا ولا تغلوا ولا تمثلوا ولا تقتلو ولیدا۔[2]

اگر وہ تم سے لڑیں تو بدعہدی نہ کرو، خیانت نہ کرو، مقتولین کے اعضا نہ کاٹو اور بچوں کو قتل نہ کرو۔

1: مؤطا امام مالک کتاب الجہاد باب النہی عن قتل النساء والولدان فی الغزو۔

2: کتاب الخراج صفحہ ۱۲۰۔

ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ فوجی لوگ امان دے کر بد عہدی کرتے ہیں تو سپہ سالار فوج کو لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہو اور جب وہ پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہو کہ "مترس، یعنی نہ ڈرو، لیکن جب ان پر قابو پا جاتے ہو تو ان کو قتل کر ڈالتے ہو، اگر اب کوئی شخص اس بد عہدی کو مرتکب ہوا تو خدا کی قسم اس کی گردن اڑا دوں گا۔[1]

لیکن اس اخلاقی قانون کے تحفظ کے ساتھ حضرت عمر ﷺ نے مادی حیثیت سے بھی نظام فوج کو نہایت ترقی دی، چنانچہ ان ترقیوں کی تفصیل یہ ہے،

۱۔ ایک مستقل محکمۂ فوج قائم کیا، تمام لوگوں کے نام درج رجسٹر کروائے اور ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔

۲۔ ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل بنوائے، جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت طیار رہتے تھے کہ بوقت ضرورت فوجی تیاریوں میں کوئی دشواری پیش نہ آئے، کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعہ باہلی کے متعلق تھا، اور اس وجہ سے وہ سلیمان الخیل کے لقب سے مشہور تھے۔[2] گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کیلئے متعدد چراگاہیں قائم کرائی تھیں جن کو حمیٰ کہتے ہیں۔

۳۔ ملک میں مختلف چھاؤنیاں قائم کیں، بالخصوص سرحدی اور ساحلی مقامات کو نہایت مستحکم اور محفوظ کیا۔

۴۔ رسد کا مستقل محکمہ قائم کیا جس کو اہراء کہتے تھے۔

۵۔ سپاہیوں کو بھتہ دیا جس کو عربی میں معونہ کہتے ہیں، جو سپاہی نادار ہوتا تھا اس کو سواری ملتی تھی،

۶۔ فوج کی صحت اور تندرستی قائم رکھنے کیلئے مختلف تدبیریں کیں، مثلاً،

۱۔ جو سرد ممالک ہوتے تھے وہاں گرمیوں میں اور گرم ممالک میں جاڑوں کے موسم میں فوجیں روانہ کرتے تھے۔

۲۔ فصل بہار میں موزوں مقامات میں فوجیں بھیجتے تھے، جن کی آب و ہوا خوشگوار اور وہ سرسبز و شاداب ہوں۔

۳۔ بارکوں کی تعمیر اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کرتے تھے۔

۴۔ کوچ کی حالت میں فوج کو حکم تھا کہ لوگ جمعہ کے روز شب و روز قیام کر کے دم لے لیں ہر روز اس قدر مسافت طے کی جائے کہ لوگ تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ اس مقام پر ڈالا جائے جہاں ضروریات کی تمام چیزیں مل سکیں۔

۱: مؤطا امام مالک کتاب الجہاد باب ما جاء فی الوفاء بالامان۔

۲: اسد الغابہ۔ تذکرہ سلمان الخیل۔ ۳: طبری صفحہ ۲۴۸۶۔

۷۔ رخصت کا باقاعدہ انتظام تھا جو فوجیں دور دراز مقامات پر رہتی تھیں ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی تھی، چنانچہ ایک بار اس میں تاخیر ہوئی تو فوج خود واپس چلی آئی۔[1]

۸۔ فوج کے ساتھ قاضی، افسر خزانہ، محاسب، طبیب، جراح اور مترجم مقرر کئے، جو مال غنیمت حاصل ہوتا تھا پہلے اس کی تفصیل لکھی جاتی تھی، محاسب اسکو تقسیم کرتا تھا، طبری میں ہے

کان الا خماس یکتب و یحسب۔[2]

خمس لکھا جاتا تھا اور اس کا حساب کیا جاتا تھا۔

۹۔ سفر مینا کا انتظام کیا اور یہ کام زیادہ تر ذمیوں سے لیا، وہی پل باندھتے تھے، سڑک بناتے تھے، بازار لگاتے تھے اور یہ تمام خدمتیں مسلمانوں کے حسن سلوک کی بنا پر بخوشی انجام دیتے تھے۔

۱۰۔ ذمی جاسوسی کی خدمت بھی انجام دیتے تھے، لیکن ان کے علاوہ حضرت عمر ﷺ نے خود متعدد جاسوس مقرر کر رکھے تھے، جو ان کو ایک ایک جزئیات کی خبر دیتے رہتے تھے، تاریخ طبری میں ہے۔

و کانت تکون لعمر العیون فی کل جیش۔

ہر فوج میں حضرت عمر ﷺ کے جاسوس رہتے تھے۔

۱۱۔ مقتولین و مجروحین کو میدان جنگ سے اٹھانے کیلئے خاص خاص اشخاص مقرر کئے جاتے تھے، تاریخ طبری میں ہے

و کل سعد جا لا ینقل الشھداء[3]

حضرت سعد نے شہداء کے اٹھانے کیلئے اشخاص مقرر کئے۔

شہداء کی لاشیں آتی تھیں تو بچے اور عورتیں قبر کھود کھود کر ان کو دفن کرتی تھیں۔[4]

غزویہ بحریہ

بحری جنگ کی تحریک اور ابتداء اول اول حضرت عمر ﷺ کے عہد خلافت میں ہوئی، چنانچہ سب سے پہلے حضرت امیر معاویہ ﷺ نے ان کو بحری جنگ کی طرف توجہ دلائی لیکن حضرت عمر ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی نیا کام کرنا ہوتا تھا، تو کافی معلومات حاصل کرنے کے بعد اس کی ابتداء فرماتے تھے۔ اسلئے پہلے حضرت عمرو بن العاص ﷺ سے بحری حالات دریافت فرمائے اور انہوں نے اسکو ایک پرخطر کام بتایا، حضرت عمر ﷺ کو غزوات بحریہ کی مشکلات کا اندازہ ہوا تو اسکی طرف سے توجہ ہٹالی اور مسلمانوں کو اس[5] کی ممانعت فرمائی، لیکن

۱: ابوداؤد کتاب الخراج باب تعقیب الجیوش۔

۲: طبری صفحہ ۲۴۸۶۔ ۳: طبری صفحہ ۲۳۰۴۔

۴: طبری صفحہ ۲۳۱۷۔

۵: مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۷۷ و طبری صفحہ ۲۴۳۶۔

صحابہ کرام ﷺ کے جوش جہاد کے ئے زمین کی وسعت کافی نہ تھی اس لئے باوجود اس ممانعت کے حضرت علماء بن حضرمی ﷺ اور حضرت عرفجہ بن ہرثمہ ازدی ﷺ نے حضرت عمر ﷺ کی اجازت کے بغیر ناکام بحری حملے کئے، حضرت عمر ﷺ کو ان کی ناکامی کا حال معلوم ہوا تو سخت زجز و توبیخ کی اور معزولی کی دھمکی دی۔[1] اس کے بعد ان کے عہد خلافت میں کوئی بحری جنگ نہیں ہوئی لیکن حضرت عثمان ﷺ کے زمانے میں یہ جوش دوبارہ تازہ ہوا، حضرت امیر معاویہ ﷺ کو ابتداء ہی سے رومیوں کے ساتھ بحری جنگ کا خیال تھا، انہوں نے حضرت عمر ﷺ کی خدمت میں اس خیال کو ظاہر بھی کیا تھا، لیکن انہوں نے اجازت نہیں دی حضرت عثمان کے زمانے میں انہوں نے پھر یہ درخواست کی پہلے تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "حضرت عمر ﷺ نے تم کو اس سے روکا تھا" انہوں نے دوبارہ خواہش ظاہر کی تو اجازت دی، چنانچہ انہوں نے سن ۲۸ھ میں انقضاء موسم سرماء کے بعد قبرص پر پہلا بحری حملہ کیا، اور وہاں سے چند شرائط پر صلح کر کے واپس آئے سن ۳۲ھ میں ان لوگوں نے بعض شرائط صلح کی خلاف ورزی کی، تو حضرت امیر معاویہ ﷺ نے پانچ سو جہازوں کے ساتھ دوبارہ حملہ کر کے قبرص کو فتح کر لیا اور وہاں عرب کی نو آبادیاں قائم کیں، مسجدیں تعمیر کیں اور ایک شہر آباد کیا اس کے بعد غزوات بحریہ کا عام سلسلہ قائم ہو گیا اور برابر قائم رہا، اسد الغابہ میں ہے۔

کان جنادہ بن امیہ علی غزو الروم فی البحر لمعاویۃ من زمن عثمان الی ایامہ یزید۔[2]

جنادہ بن امیہ حضرت عثمان ﷺ کے زمانے سے یزید کے زمانہ تک امیر معاویہ کی جانب سے رومیوں کے ساتھ غزوۂ بحریہ میں مشغول رہے۔

طبری نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہا حارثی کو حضرت امیر معاویہ ﷺ نے امیر البحر مقرر فرمایا تھا اور انہوں نے پچاس بحری لڑائیاں کیں جن میں مسلمانوں کا ایک آدمی بھی ضائع نہ ہوا۔[3]

جہاز سازی کا کارخانہ

ایسی عظیم الشان بحری حملے جس میں پانچ پانچ سو جہازوں کا بیڑا سطح سمندر پر تلاطم انداز ہو بغیر جہاز سازی کے کارخانے کے نہیں کئے جا سکتے تھے، اس لئے حضرت امیر معاویہ ﷺ نے متعدد جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے تھے، جن میں پہلا کارخانہ مصر میں سن ۵۴ھ

1: فتوح البلدان ص ۱۵۹ و ۱۶۰۔
2: اسد الغابہ تذکرہ جنادہ بن امیہ۔
3: طبری صفحہ ۲۸۲۴۔

میں قائم کیا گیا تھا۔[1]

علامہ بلاذری کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اور تمام ساحلی مقامات پر بھی جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے تھے، چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں،

كانت الضاعة بمصر فقط فامر معاوية بجمع الصناع و النجارين فجمعوا و ربتهم في السواحل و كانت الصناعة في الاردن لعكا۔

جہاز سازی کا کارخانہ صرف مصر میں تھا، لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے کاریگر اور بڑھئی جمع کئے گئے، اور ان کو انہوں نے تمام ساحلی مقامات پر مقرر کیا، اور اُردن میں بمقام عکا جہاز سازی کا کارخانہ تھا۔

یہ کارخانہ مدتوں قائم رہا لیکن ہشام بن عبدالملک نے اس کو صور میں منتقل کر دیا۔[2]

۱: حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۹۔

۲: فتوح البلدان صفحہ ۱۲۴، عربی میں صناعۃ کے لفظ کا جیسا کہ علامہ سیوطی نے تصریح کی ہے جہاز سازی کے کارخانہ پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

فتوحات صحابہ رضی اللہ عنہم
اور
ان کے علل واسباب

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نظام اخلاق، نظام عمل اور نظام عقائد کی تحلیل کی جائے تو ان فتوحات کے اہم اور اصولی اسباب حسب ذیل قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا کی فتح کیلئے اٹھے تو انکے سامنے ایک خاص مقصد تھا۔ جسکو خود رسول اللہ ﷺ نے انکا مطمح نظر قرار دیا تھا، چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو غزوہ خیبر میں علم فتح عنایت فرمایا تو ساتھ ساتھ یہ الفاظ بھی فرمائے۔

لان یهدی الله بك رحلا خیر لل من حمر النعم۔

اگر خدا تمہارے ذریعہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

لیکن جس قوم سے بادۂ ہدایت کے ان متوالوں کا مقابلہ ہوا ان کے دل اس کیف سے بالکل خالی تھے، ان کا فوجی نظام اگرچہ نہایت مکمل تھا تاہم ان کے سامنے کوئی مقصد نہ تھا، وہ خارجی قوت سے لڑنا چاہتے تھے۔ حالانکہ فوج صرف اندرونی طاقت سے لڑتی ہے، خود فرانس کا مشہور مؤرخ لیبان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات کا سبب اسی مقصد جلیل اور اسی قوت ایمانیہ کو قرار دیتا ہے چنانچہ اپنی مشہور فلسفیانہ کتاب سر تطور الامم میں لکھتا ہے۔

اگر ہم عرب کی ابتدائی فتوحات کے زمانے کی تاریخ پر غور کریں (حالانکہ ابتدائی فتوحات عادۃً مشکل اور اہم ہوتی ہیں) تو ہم کو معلوم ہوگا کہ ان کا مقابلہ ان حریفوں سے ہوا جن کا نظام فوج اگرچہ نہایت مستحکم تھا، تاہم ان کی اخلاقی طاقت ضعیف ہوگئی تھی عرب کی فوج نے اول اول شام کی طرف پیش قدمی کی، جہاں ان کو بیز نطائن فوج سے سابقہ پڑا جو ان افراد سے مرکب تھی جو کسی مقصد کیلئے اپنے اندر جان فروشی کا جذبہ نہیں رکھتی تھی، لیکن عرب کی قوت ایمانیہ ان کی تعداد کو کئی گنا بڑھا دیتی تھی۔ اسلئے ان کو ایسی کھوکھلی فوج کے شیرازہ کے پراگندہ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔[1]

---

[1]: سر تطور الامم مطبوعہ مصر صفحہ ۱۶۵۔

۲) رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک خود صحابہ کرام ؓ کی فتوحات کا ایک عظیم الشان سبب تھی، محبت واطاعت نے صحابہ کرام ؓ کو اس شمع ہدایت کا پروانہ بنادیا تھا، اور وہ صرف جان دے کر اس سے جدا ہو سکتے تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عروہ نے کہا کہ "میں تمہارے سامنے ایسے چہرے اور ایسے مخلوط آدمی دیکھتا ہوں جو تم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے" تو اس طنز آمیز فقرے نے جانثاران رسول ﷺ کے دلوں پر نشتر کا کام کیا اور حضرت ابو بکر ؓ نے برہم ہو کر کہا "ہم اور آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے"۔[1]

غزوہ بدر میں جب آپ نے کفار کے مقابلہ کیلئے صحابہ کرام ؓ کو جوش دلایا تو حضرت مقداد ؓ نے کہا کہ "ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ کی قوم کی طرح یہ کہہ کر الگ ہو جائیں۔

اذهب انت وربك فقاتلا

تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور دونوں مل کر لڑو۔

بلکہ ہم آپ کے دائیں سے، بائیں آگے سے پیچھے سے لڑیں گے" چنانچہ جان نثارانہ فقرے سنے تو فرط مسرت سے آپ کا چہرہ دمک اٹھا۔[2]

غزوہ حنین میں معرکہ کا وقت آیا تو آپ نے حضرت عباس ؓ کو حکم دیا کہ اصحاب سمرہ کو بلائیں، انہوں نے آواز دی تو وہ لوگ لبیک کہہ کر اس جوش کے ساتھ ٹوٹ پڑے، جس طرح بچے والی گائیں اپنی بچوں پر ٹوٹتی ہیں۔[3]

جان نثاری رسول کے عنوان میں اس قسم کی متعدد مثالیں گذر چکی ہیں اور ان تمام مثالوں کو پیش نظر رکھ کر ہر شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ جو قوم اپنے پیغمبر کی اس قدر جان نثار ہو اس کی محبت میں، اس قدر سرشار ہو، اس کی اس قدر اطاعت گذار ہو، اس کی حکومت کا پھریرا افق عالم پر لہرا سکتا تھا یا اس قوم کا؟ جس نے اپنے پیغمبر سے صاف صاف کہہ دیا تھا،

اذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔

تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور لڑو ہم تو اسی جگہ بیٹھتے ہیں۔

۳) صحابہ کرام ؓ کی فتوحات کا ایک بڑا سبب تحمل مشاق تھا، تحمل مشاق فوج کے نظام اخلاق کا نہایت ضروری عنصر ہے، اور صحابہ کرام ؓ نے فوجی خدمات کے ادا کرنے میں جس قدر جسمانی تکلیفیں اٹھائی ہیں، اس کی نظر سے دنیا کی مذہبی اور سیاسی تاریخ خالی ہے بنو اسرائیل کو وادی تیہ میں کوئی فوجی خدمت انجام نہیں دینی پڑتی تھی، ان کو بھوک اور پیاس کی شدت کا مقابلہ کرنا نہیں پڑتا تھا ان کیلئے آسمان سے من وسلویٰ اترتا تھا، اور زمین سے

1: بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد و مصالحۃ مع اہل الحرب۔
2: بخاری کتاب المغازی باب قصۃ غزوہ بدر۔
3: مسلم کتاب الجہاد باب فی غزوہ حنین۔

چشمے ابلتے تھے، تاہم وہ فوجی زندگی کے ابتدائی امتحان میں بھی پورے نہیں اترے اور گھبرا کر بول اٹھے۔

لن نصبر علی طعام واحد فادع لنا ربك يخرج لنا مما تنبت الارض من بقلها وقثائها و فومها و عدسها و بصلها۔

ہم ایک ہی کھانے پر قناعت نہیں کر سکتے ہمارے لئے خدا سے دعا کرو کہ زمین سے ترکاری، کھیرے، گیہوں، مسور اور پیاز اگائے۔

لیکن صحابہ کرام ؓ کو ایک غزوہ میں فی کس صرف ایک کھجور ملتی تھی، جس کو وہ بچوں کی طرح چوس کے پانی پی لیتے تھے، درخت سے پتے جھاڑ لاتے تھے اور اس کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے۔[1]

ایک غزوہ میں سامان رسد ختم ہو گیا تو صحابہ کرام ؓ کھجور کی گٹھلیاں چوس چوس کر پانی پی لیتے تھے۔[2]

غزوہ احزاب میں سامان رسد اس قدر کم تھا کہ تمام صحابہ ؓ مٹی بھر جو اور سڑی ہوئی چربی پر بسر کرتے تھے۔[3]

ایک غزوہ میں تمام صحابہ ؓ کے درمیان صرف ایک سواری تھی۔ اسلئے پیدل چلتے چلتے تلوؤں میں سوراخ ہو گئے تھے۔ پاؤں کے ناخن گر گر پڑے تھے۔ مجبوراً تمام صحابہ ؓ کو پاؤں میں چیتھڑے لپیٹنے پڑے، اسی مناسبت سے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑ گیا جسکے معنی چیتھڑے کے ہیں۔[4]

۴) صحابہ کرام ؓ کی فتوحات کا ایک سبب ان کا بیباکانہ اقدام تھا، چنانچہ صحابہ کرام ؓ نے مدین میں داخل ہونا چاہا تو بیچ میں دریا پڑتا تھا، لیکن اس سیلاب کو یہ دریا کیوں کر روک سکتا تھا؟ تمام صحابہ ؓ نے دریا میں گھوڑے ڈال دیئے اور اسکو عبور کر کے شہر میں داخل ہونا چاہا، ایرانیوں نے اس منظر کو دیکھا تو کہا کہ "دیوان آمدند" اور یہ کہہ کر شہر کو خالی کر دیا۔[5]

۵) فوجی نظام اخلاق کا اصلی عنصر صبر و استقلال ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے ہر موقع پر صبر و استقلال کی تعلیم دی ہے۔

یاایھاالنبی حرض المومنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین و ان یکن منکم ماۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون۔

۱: ابوداؤد کتاب الاطعمہ۔ باب فی دواب البحر۔
۲: مسلم کتاب الایمان باب من لقی اللہ بالایمان وھو غیر شاک فیہ دخل الجنۃ وحرم علی النار۔
۳: بخاری غزوہ خندق۔ ۴: مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذات الرقاع۔
۵: طبری صفحہ ۲۴۴۱۔

اے پیغمبر! مسلمانوں کو جہاد کیلئے ابھارو اگر تم میں بیس شخص بھی صاحب استقلال ہوں تو ہوں دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سو ہوں تو ہزار کافروں پر غالب ہوں گے، کیونکہ وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

فیض تربیت نبوی ﷺ نے اس عنصر کو صحابہ کرام ؓ کے نظام اخلاق کا ایک لازمی جزو بنادیا تھا اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے، و الصابرین فی الباساء و الضراء و حین الباس اولئك الذین صدقوا و اولئك هم المتقون اسلئے سخت سے سخت فوجی مشکلات میں وہ ثابت قدم رہے اور آخر غالب آئے، رسول اللہ ﷺ نے طائف پر چڑھائی کی تو وہاں کے لوگ قلعہ بند ہو گئے، اور آپ واپس پلٹ آئے، حضرت صخر ؓ کمک لے کر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ واپس تشریف لے گئے، لیکن انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک قلعہ مسخر نہ ہو جائے گا وہ واپس نہ آئیں گے، چنانچہ انہوں نے محاصرہ کیا اور قلعہ مسخر ہو گیا[1]

ایک بار رومیوں نے مسلمانوں کے مقابل میں ایک لشکر گراں جمع کیا، حضرت ابو عبیدہ بن جراح ؓ نے حضرت عمر ؓ کو اس خطرے کی اطلاع دی تو انہوں نے لکھا کہ "مسلمان بندے پر مصیبت نازل ہوتی ہے تو اس کے بعد خدا اس کو اطمینان و سکون عطا فرماتا ہے ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی، خداوند تعالیٰ قرآن پاک میں خود کہتا ہے،

یا ایها الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللّٰه لعلکم تفلحون۔

مسلمان صبر کرو، باہم صبر کی تلقین کرو، استقلال اختیار کرو اور خدا سے ڈرو شائد تم کامیاب ہو جاؤ۔

۲) اگر فوج میں ایک بد دیانت سپاہی بھی شامل ہے، تو وہ پوری فوج کی مادی اور اخلاقی طاقت کو بے اثر کر سکتا ہے، اسکو حرص و طمع ہر قسم کی منافقت پر آمادہ کر سکتی ہے، وہ ہر قسم کی نمک حرامی کر سکتا ہے، وہ در پردہ دشمن کا جاسوس بن سکتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ چند پیسوں پر اپنے فوجی مقصد کو قربان کر سکتا ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کا قول ہے،

ماظهر الغلول فی قوم قط الا القی فی قلوبهم الرعب۔[2]

کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں خیانت پیدا ہو اور مرعوب نہ ہو جائے۔

لیکن صحابہ کرام ؓ نے قیصر و کسریٰ کے دربار کے سامان دیکھے، دنیا نے ان کے آگے اپنا خزانہ اگل دیا، ان کے سامنے زرو جواہر کے انبار لگ گئے، تاہم ان میں کوئی چیز ان کی دیانت کو صدمہ نہ پہنچا سکی، ایران کی فتح کے بعد جب دربار خلافت میں کسریٰ کی مرصع تلوار اور زریں کمر بند آیا تو حضرت عمر ؓ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ "جس قوم نے ان چیزوں کو ہاتھ نہیں لگایا وہ ایک متدین قوم ہے"۔

1: ابو داؤد کتاب الخراج والامارۃ باب اقطاع الارضین۔

2: طبری صفحہ ۲۶۹۲۔

یہی دیانت تھی جس نے صحابہ ؓ کے سامنے فتوحات کے دروازے کھول دیئے تھے چنانچہ جب اصطخر فتح ہوا، اور صحابہ کرام ؓ نے بلاکم وکاست مال غنیمت کو امیر العسکر کے سامنے لاکر رکھ دیا تو اس نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا، جس میں کہا "اسلام اور اہل اسلام کی تمام ترقیاں اسی وقت تک ہیں جب تک لوگ خیانت نہ کریں لیکن جب بد دیانتی شروع ہوگی۔ تو نادیدنی چیزیں دیکھنے میں آئیں گی، اور بہت، اس قدر کافی نہ ہوگا جتنا تھوڑا ہوتا ہے۔"[1]

۷) صحابہ کرام ؓ کے فتوحات کا ایک سبب ان کا مساویانہ طرز عمل تھا۔ رومیوں اور ایرانیوں نے انسانوں کے جو مختلف طبقے قائم کر دیئے تھے۔ اس کا ناگوار احساس خود رعایا کو ہو چکا تھا۔ اس لئے ان میں مدافعت کا وہ شریفانہ جذبہ نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ جو خود ارکان سلطنت کے دلوں میں موجود تھا۔ چنانچہ جب حضرت مغیرہ ؓ قید کر کے رستم کے دربار میں پیش کئے گئے تو وہ بے تکلف رستم کے برابر تخت پر جا کر بیٹھ گئے ایرانیوں کو یہ کیونکہ گوارا ہو سکتا تھا؟ خدام بارگاہ جھپٹے اور ان کو فوراً تخت سے اتار دیا اس موقع پر انہوں نے کہا کہ "ہم پہلے صرف تمہارے قصے سنتے تھے لیکن آج مجھے تم سے زیادہ احمق کوئی قوم نظر نہیں آتی۔ ہم عرب لوگ باہم مساویانہ برتاؤ کرتے ہیں۔ کوئی کسی کو غلام نہیں بناتا۔ میرا خیال تھا کہ تم لوگ ہماری طرح ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرتے رہو گے اس لئے یہ بہت اچھا ہوا کہ تم نے خود مجھے بتا دیا کہ تم میں بعض لوگ بعض لوگوں کے خدا ہیں۔ اب تمہاری سلطنت قائم نہیں رہ سکتی۔ میں نے اس راز کی انکشاف کیلئے خود کوئی کوشش نہیں کی۔ تم نے بلایا تو مجھے معلوم ہوا کہ اب تم لوگ مغلوب ہو گے کیونکہ اس طرز عمل سے کوئی ملک قائم نہیں رہ سکتا "اس آزادانہ تقریر کو سن کر طبقہ اسفلی کے اصلی جذبات ابھر آئے اور سب کے سب ہم زبان ہو کر بول اٹھے کہ خدا کی قسم یہ عرب سچ کہتا ہے۔ دہقانوں نے کہا کہ "اس نے ہمارے غلاموں کے دل کی بات کہہ دی"۔[2]

اسکے برخلاف اسلامی فوج میں اصول مساوات سے ذرہ برابر تجاوز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جنگ ایران میں حضرت ابو عبیدہ ؓ سپہ سالار تھے ان کے سامنے چند ایرانی رئیسوں نے نہایت لذیذ کھانے پیش کئے تو انہوں نے پوچھا کیا تم نے اسی طرح کھانوں سے تمام فوج کی ضیافت کی ہے؟ بولے "نہیں"۔ فرمایا "ابو عبیدہ بدترین شخص ہوگا اگر ایک قوم کو ساتھ لے کر آئے جو اس کے آگے اپنا خون بہائے اور پھر وہ اپنے آپ کو ان پر ترجیح دے۔ وہ وہی کھائے گا جس کو سب لوگ کھاتے ہیں۔[3]

اس مساوات نے خود مخالفین کو یقین دلایا تھا کہ اس قوم کے سامنے اب ان کے عرش کے پائے متزلزل ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب رومیوں سے جنگ ہوئی تو قبقلاء نے ایک عربی

۱: طبری صفحہ ۲۹۰ ۲: طبری صفحہ ۲۲۷۲ ۳: طبری صفحہ ۲۱۷۱۔

جاسوس کو بھیجا کہ مسلمانوں کی اخلاقی حالت کا پتہ لگائے۔ اس نے پلٹ کر خبر دی کہ یہ لوگ راتوں کو تو راہب رہتے ہیں اور دن کو شہسوار بن جاتے ہیں۔ اگر ان کے بادشاہ کا لڑکا بھی کوئی چیز چرائے تو اس کے ہاتھ کاٹ لیتے ہیں اور اگر زنا کرے تو اس کو سنگسار کرتے ہیں۔ یہ سن کر قیقلار خود بول اٹھا کہ "اگر یہ سچ ہے، تو میرے لئے یہی بہتر ہے کہ میں پیوند خاک ہو جاؤں"۔[1]

۸) صحابہ کرام ؓ کی فتوحات کو ذمیوں کی ہمدردی اور اعانت نے بھی بہت کچھ ترقی دی۔ کیونکہ صحابہ کرام ؓ نے ذمیوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس نے ان کو اس قدر گرویدہ کر لیا کہ جب یرموک میں رومیوں سے معرکہ آرائی ہوئی اور صحابہ کرام ؓ نے اس خیال سے کہ اب وہ ذمیوں کی جان و مال حفاظت نہیں کر سکتے۔ جزیہ و خراج کی کل رقم ان کو واپس کر دی۔ تو اہل حمص نے کہا کہ "تمہاری عادلانہ حکومت ہم کو اپنی قدیم ظالمانہ حکومت سے زیادہ پسند ہے۔ ہم تمہارے عامل کے ساتھ ہر قل کی فوج سے معرکہ آرا ہوں گے۔ یہودیوں نے تورات کی قسم کھا کر کہا کہ "جب تک ہم مغلوب نہ ہو جائیں ہر قل کا عامل حمص میں داخل نہیں ہو سکتا۔[2]

اس گرویدگی کا نتیجہ یہ تھا کہ یہی لوگ تمام فوجی کام جن پر فوج کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ انجام دیتے تھے۔ جاسوسی کرتے تھے۔ مینا بازار لگاتے تھے اور دشمنی کی خبریں لاتے تھے۔ معجم البلدان میں ہے۔

وکان الدهاقين ناصحرا المسلمين ودلو هم على عورات فارس و اهدو اهم و اقاموا لسهم الا سواق۔[3]

دہقانوں نے مسلمانوں کی خیر خواہی کی۔ ان کو ایرانیوں کی کمزوریاں بتائیں۔ ان کو راستہ دکھایا اور ان کیلئے بازار لگائے۔

صحابہ کرام ؓ کے حریفوں کو اس طرز عمل نے خود یقین دلا دیا تھا کہ یہ جو قوم معاہدہ کی اس قدر پابند ہو اس کی اخلاقی طاقت کو مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی فوج سے ایک رومی قیدی بھاگ نکلا۔ اور ہر قل نے اس سے مسلمانوں کے حالات پوچھے تو اس نے کہا کہ "وہ لوگ دن کو شہسوار اور رات کو راہب ہوتے ہیں۔ جس قوم سے معاہدہ کرتے ہیں۔ اس سے ہر چیز بہ قیمت لیکر کھاتے ہیں اور جس شہر میں داخل ہوتے ہیں امن وامان کے ساتھ داخل ہوتے ہیں"۔ ہر قل نے یہ سن کر کہا کہ اگر "یہ سچ ہے تو وہ میرے ان دونوں قدموں کے نیچے کی زمین تک کے مالک ہو جائیں گے"۔[4]

۱: ایضا ۲۱۲۶۔ ۲: فتوح البلدان صفحہ ۱۴۴۔
۳: معجم البلدان ذکر کوفہ۔ ۴: طبری صفحہ ۲۳۹۵۔

۹) صحابہ کرام ﷺ کی فتوحات کا ایک سبب ان کا اتحاد و ائتلاف تھا۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

هوالذی ایدك بنصره وبالمومنین والف بین قلوبهم ولو انفقت مافی الارض جمیعا ما الف بین قلوبهم ولکن اللّٰه الف بینهم انه عزیز حکیم۔

خدا وہ ہے جس نے اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی۔ اور ان میں اتحاد و اتفاق پیدا کیا۔ اگر تم زمین کا کل خزانہ صرف کر دیتے تب بھی ان کے دلوں کو نہ ملاتے۔ لیکن اللہ نے ان میں اتحاد پیدا کیا اور اللہ غالب اور دانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نصرو تائید اور اس اتحاد نے رسول اللہ ﷺ کو دنیا کی ہر مادی طاقت سے بے نیاز کر دیا تھا۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے،

یا ایها النبی حسبك اللّٰه من اتبعك من المومنین

اے پیغمبر تیرے لئے خدا اور مسلمان کافی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی صحابہ کرام ﷺ نے اس اتحاد کو قائم رکھا اور جب اس میں کسی قسم کا ضعف پیدا ہوا تو اس کی اصلاح کی۔ ایک بار حضرت عمر ﷺ کو خبر ہوئی کہ قریش نے مختلف مجلسیں قائم کر لی ہیں۔ اور باہم مل جل کر نہیں بیٹھتے تو ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں نے مختلف مجلسیں قائم کر لی ہیں اور اب یہ امتیاز قائم ہو گیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں یہ فلاں کا دوست ہے اور وہ فلاں کا ہم نشین ہے۔ خدا کی قسم یہ تمہارے مذہب کو، تمہارے شرف کو اور تمہارے تعلقات کو بہت جلد برباد کر دیگا، اور گویا میں ان لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو اس کے بعد کہیں گے کہ یہ فلاں کی رائے ہے، اور اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ ایک ساتھ نشست و برخاست کرو، کیونکہ وہ ہمیشہ تمہاری محبت کو قائم رکھے گا اور دشمن تمہارے اجتماع کو دیکھ کر مرعوب ہوں گے۔"[1]

۱۰) ان اسباب کے علاوہ اور دوسرے اخلاقی اوصاف۔ مثلاً مذہبی پابندی، وفا، صدق، اصلاح اور مواسات وغیرہ نے بھی صحابہ کرام ﷺ کی فتوحات کو بہت کچھ ترقی دی۔ صحابہ کرام ﷺ کی مادی طاقت کا غیر قوموں پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ عجمیوں نے جب ان کے تیر دیکھے تو نہایت حقارت آمیز لہجے میں کہا کہ "یہ تکلے ہیں" لیکن ان کی روحانیت عجمیوں کے بڑے بڑے جنرلوں کو مرعوب کر دیتی تھی۔ ایک بار بمقام قادسیہ صبح کی اذان ہوئی تو تمام صحابہ ﷺ اس تیزی سے نماز ادا کرنے کیلئے دوڑے کہ ایرانیوں کو دھوکا ہوا کہ حملہ کرنا چاہتے ہیں لیکن جب رستم نے دیکھا کہ وہ ایک روحانی آواز پر اس قدر جلد جمع ہو جاتے ہیں تو خود بخود بول اٹھا کہ "عمر میرا کلیجہ کھا گیا"۔[2]

۱: طبری صفحہ ۲۷۵۶۔ ۲: طبری صفحہ ۲۲۹۱۔

اسی جنگ میں جب ایک ایرانی گرفتار ہوا اور اس نے مسلمانوں کے اخلاقی منظر کو دیکھا تو مسلمان ہو گیا اور کہا کہ "جب تک تم میں یہ وفا، یہ صداقت، یہ اصلاح، یہ مساوات ہے تم لوگ شکست نہیں کھا سکتے"۔[1]

۱۱) بعض اوقات صحابہ کرام ﷺ کی ظاہری شان و شوکت، کچھ کم موثر اور ان کا ظاہری جوش و خروش بھی کچھ کم مرعوب کن نہ تھا۔ حضرت حارث بن یزید ﷺ بکری کا بیان ہے کہ میں مدینہ آیا تو دیکھا کہ مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ سیاہ جھنڈیاں لہرا رہی ہیں۔ حضرت بلال ﷺ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تلوار لگائے ہوئے کھڑے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا آپ عمرو بن العاص ﷺ کو ایک مہم پر روانہ فرما رہے ہیں۔[2]

فتح مکہ کے زمانہ میں کفار کو اس جوش اور اس ظاہری شان و شوکت کا نہایت موثر اور مرعوب کن منظر نظر آیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دس ہزار جان نثار شریک تھے اور آپ نے ہر قبیلے کے الگ الگ دستے بنائے تھے۔ جب یہ پر جوش فوج روانہ ہوئی تو اس کی روانگی سے پہلے حضرت ابو سفیان ﷺ اسلام لا چکے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو صحابہ کرام ﷺ کے جوش سے مرعوب کرنا چاہا اور حضرت عباس ﷺ کو حکم دیا کہ ان کو یہ پر اثر منظر دکھائیں۔ ابو سفیان کو انہوں نے ایک مقام پر روک لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ دستے ترتیب و نظام کے ساتھ روانہ ہوئے تو ہر دستہ ابو سفیان کے سامنے سے گذرا انہوں نے پہلے دستے کے متعلق حضرت عباس ﷺ سے سوال کیا کہ یہ کس قبیلے کے لوگ ہیں؟ بولے "غفار" بولے "مجھے ان سے غرض نہیں" اسی طرح جہینہ، سعد بن ہذیم اور قبیلۂ سُلیم کے رستے گذرے اور انہوں نے نام پوچھ کر کہا کہ مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں، سب کے آخر میں ایک عظیم الشان دستہ گذرا جس کے علم بردار حضرت سعد بن عبادہ ﷺ تھے ابو سفیان نے ان کا نام پوچھا تو حضرت عباس ﷺ نے کہا کہ "یہ انصار ہیں" اخیر میں ایک چھوٹا سا دستہ گذرا جس کے علم بردار حضرت زبیر بن عوام ﷺ تھے اور خود شمع نبوت ﷺ ان ہی پروانوں کے جھرمٹ میں تھی، آپ ﷺ مقام حجون میں پہنچے تو آپ ﷺ کا علم نصب کیا گیا، اور صحابہ کرام ﷺ اس جوش سے حملہ آور ہوئے کہ ابو سفیان بول اٹھے کہ "آج قریش کا باغ اجڑ گیا"۔

صحابہ کرام ﷺ جب کوئی فوجی خدمت انجام دیتے تو یہ جوش اور بھی تازہ ہو جاتا، غزوہ خندق کے زمانہ میں موسم نہایت سرد اور رسد کا سامان اس قدر کم تھا کہ

یوتون بملاء کفی من الشعیر فیصنع لھم باھالۃ سنخۃ توضع بین یدی القوم والقوم جیاع وھی بشعۃ فی الحلق ولھا ریح منتن۔

۱: طبری صفحہ ۲۲۶۲ ۲: ترمذی تفسیر القرآن تفسیر سورۂ ذاریات۔

صحابہ ﷺ کے پاس مٹھی بھر جو آٹا اور سڑی ہوئی، بدبودار بدمزہ چربی کے ساتھ ملا کر پکایا جاتا اور اس گرسنہ قوم کے سامنے یہ بدمزہ اور بدبودار کھانا رکھ دیا جاتا۔

زمین اس قدر سخت تھی کہ بعض پتھروں کے توڑنے میں صحابہ کرام ﷺ کی مجموعی طاقت نے جواب دے دیا اور خود رسول اللہ ﷺ کو اپنی معجزانہ طاقت سے کام لینا پڑا لیکن بایں ہمہ صحابہ ﷺ کے جوش کا یہ حال تھا کہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ یہ رجز پڑھتے جاتے تھے،

نحن الذین بایعوا محمدا
علی الجہاد مابقینا ابدا

ہم نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کیلئے بیعت کی ہے
اس وقت تک کیلئے جب تک زندہ ہیں

یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ یہ رجز پڑھ کر اس جوش کو تازہ کرتے رہتے ہیں۔

واللہ لولا اللہ مااھتدینا
ولا تصدقنا ولا صلینا

خدا کی قسم اگر خدا ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے
نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے

فانزلن سکینۃ علینا
وثبت الاقدام ان لاقینا

پس اے خدا ہم پر اپنا سکینہ نازل فرما
اور اگر دشمن سے مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ

ان الالی قد بغوا علینا
اذا ارادوا فتنۃ ابینا

ان لوگوں نے (کفار نے) ہمارے خلاف بغاوت کی ہے
جب وہ لوگ جنگ کے خواہاں ہوتے ہیں تو ہم ان سے ابا کرتے ہیں

جب اخیر مصرع پر پہنچے تو آواز نہایت بلند ہو جاتی اور مکرر فرماتے "ابینا، ابینا"[1]

۱۲) صحابہ کرام ﷺ کو ان کی مستعدی اور سرگرمی نے بھی غزوات میں بہت کچھ کامیاب کیا اور ان کو مختلف جنگی خطرات سے محفوظ رکھا۔

ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے۔ کفار نے ایک جاسوس کو بھیجا وہ آ کر صحابہ کرام ﷺ

۱: بخاری غزوہ خندق۔

کے پاس بیٹھا اور چپکے سے نکل گیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اسکو پکڑ کر قتل کر ڈالو۔ حضرت اکوع رضی اللہ عنہ نہایت مستعد، تیز رو اور سرگرم صحابی تھے۔ سب کے آگے نکل گئے اور اسکو قتل کر ڈالا۔

ایک دوسرے سفر جہاد میں مسلمانوں کی فوجی حالت نہایت ابتر تھی۔ اکثر لوگ پاپیادہ تھے۔ فوج میں بہت سے کمزور لوگ شامل تھے۔ اتفاق سے کفار کا ایک جاسوس آیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تمام فوجی کمزوریوں کو دیکھ بھال کر چلتا ہوا۔ قبیلہ اسلم کے ایک مستعد صحابی نے اسکا تعاقب کیا اور اسکو جالیا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بھی پیچھے پیچھے تھے۔ اب انہوں نے آگے بڑھ کر اسکے اونٹ کی مہار پکڑلی۔ اسکو زمین پر بٹھادیا اور تلوار کھینچ کر اسکی گردن اڑادی۔[1]

ایک بار عبدالرحمٰن بن عینیہ نے سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں پر چھاپہ مارا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو نہایت تیزی کے ساتھ پہلے مدینہ کا رخ کیا اور عرب کے طریقہ پر تین بار یا "صباحاہ" کا نعرہ مارا پھر پلٹ کر انکا تعاقب کیا، وہ اگرچہ تنہا تھے اور دشمن تیر پر تیر برساتے تھے اور تلوار پر تلوار چلاتے تھے لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف اونٹنیوں کو واپس لیا بلکہ ڈاکو بھاگے اور اس سرعت اور بدحواسی کے ساتھ بھاگے کہ ۳۰ سے زیادہ نیزے اور ۳۰ سے زیادہ چادریں بھی چھوڑتے گئے۔[2]

1: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الجاسوس المستامن۔
2: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی السریہ ترد علی اہل العسکر۔

تعمیر مساجد

مسجد قباء اور مسجد نبوی کی عالمگیر شہرت نے اگرچہ مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس کی اور تمام مسجدوں کو گم نام کر دیا ہے۔ تاہم تاریخ رال اور احادیث کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ ﷺ نے مدینہ کے متصل ہر جگہ بہ کثرت مسجدیں تعمیر کی تھیں اور ان میں باجماعت نماز ہوتی تھی فتح الباری میں حضرت جابر ﷺ سے مروری ہے۔

لقد لبثنا بالمدينة قبل ان يتقدم علينا رسول الله ﷺ بسنين نعمر المساجد جدو نقيم الصلوة۔[1]

ہم رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے کئی سال پیشتر مدینہ میں مسجدیں تعمیر کرتے تھے اور ان میں نماز پڑھا کرتے تھے۔

دار قطنی میں ہے کہ مسجد نبوی ﷺ کے متصل قبیلہ بنو عمر، بنو ساعدہ، بنو عبید، بنو سلمہ، بنو راتج، بنو زریق، اسلم، جہینہ اور بنو سنان کی نو مسجدیں آباد تھیں۔ جن میں حضرت بلال ﷺ کی اذان کی صدا پہنچنے کے ساتھ جماعت شروع ہوتی تھی۔[2] اس روایت کا ایک راوی یعنی ابولہیعہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن اور روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ امام بخاری نے ایک مستقل باب باندھا ہے کہ مساجد کو اشخاص کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس باب میں جو حدیث لائے ہیں اس میں بہ تصریح مسجد بنو زریق کا نام لیا ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔

ولجهينة مسجد بالمدينة۔[3]

مدینہ میں جہنیہ کی ایک مسجد ہے۔

"صابہ میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد کی داغ بیل ڈالی تھی"۔[4]

صرف انہی قبائل کی خصوصیت نہیں بلکہ کوئی قبیلہ، کوئی محلّہ اور کوئی گاؤں مساجد سے خالی نہ تھا۔ مسند ابن حنبل میں ایک مدنی سے روایت ہے کہ میں نے بنو غفار میں نماز پڑھی[5] اور صحیح مسلم میں ہے کہ اس قبیلے کے امام خفاف بن ایماء ابن رخصہ غفاری تھے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو قبیلہ بنو عبد الاشہل کی مسجد میں دیکھا۔[6] اسی کتاب میں

1: فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۹۱۔ 2: دار قطنی کتاب الصلوٰۃ باب تکرار لمساجد۔
3: طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۶۷۔ 4: اصابہ تذکرہ حضرت ابو مریم جہنیؓ۔
5: مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۵۷۔
6: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ثابت ابن الصامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر خطمی ﷺ کے حال میں لکھا ہے کہ وہ اپنے قبیلہ بنو خطمہ کی مسجد کے امام تھے۔ ابو سفیان عبدی کے حال میں صاحب اصابہ نے لکھا ہے کہ وہ بنو صباح کی مسجد کے موذن تھے۔ انصار کی جو آبادیاں تھیں۔ سب میں الگ الگ مسجدیں قائم تھیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حوالی مدینہ میں انصار کے جو قصبے آباد تھے۔ عاشورہ کے دن رسول اللہ ﷺ ان میں عام منادی کرا دیتے تھے کہ جو لوگ روزہ دار ہیں اپنے روزے پورے کر لیں اور جو افطار کر چکے ہیں وہ بقیہ دن کا روزہ رکھیں۔ چنانچہ صحابہ ﷺ اپنے بچوں کو لے کر مسجدوں میں نکل جاتے تھے۔[۱] موطائے امام مالک میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ ایک گاؤں میں آئے۔ جس میں قبیلہ بنو معاویہ آباد تھا اور پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہاری مسجد میں کہاں نماز پڑھی تھی۔[۲]

قبائل اور آبادیوں کے علاوہ مدینہ کے راستوں میں بکثرت مسجدیں آباد تھیں اور ان میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی، چنانچہ امام بخاری نے ایک خاص باب باندھا ہے جس کی سرخی یہ ہے (باب المساجد التی علی طرق المدینة و المواضع التی صلی فیھا النبی ﷺ) اور اس کے تحت میں اس قسم کی متعدد مسجدوں کا نام لیا ہے۔

ان تمام مساجد میں بہت سی مسجدیں حضرت عمر بن عبدالعزیز ﷺ کے زمانے تک قائم تھیں۔ چنانچہ جن مساجد میں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی انہوں نے ان کو دوبارہ منقش پتھروں سے تعمیر کروایا۔[۳] وفاء الوفاء میں ان مسجدوں کا مفصل حال لکھا ہے۔ ہم اس موقع پر ان کی ایک مختصر فہرست درج کرتے ہیں

مسجد جمعہ

چونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں پہلا جمعہ ادا فرمایا تھا اس لئے وہ مسجد جمعہ کے نام سے موسوم ہو گئی۔

مسجد فضیح

یہ مسجد قبا کے مشرقی جانب وادی کے کنارے ایک بلند مقام پر واقع تھی اس کا ایک نام مسجد الشمس بھی ہے۔ جس کی وجہ تسمیہ بظاہر یہ ہے کہ بلند مقام پر ہونے سے سورج کی شعاعیں سب سے پہلے اسی مسجد پر پڑتی تھیں۔

۱: صحیح مسلم کتاب الصیام باب من اکل فی عاشورہ فلیکف بقیۃ یوم۔
۲: موطا کتاب الصلوۃ باب ما جاء فی البدء عامہ۔
۳: فتح الباری جلد اول صفحہ ۴۷۱۔

مسجد بنو قریظہ

بنو قریظہ کے مکانات کے کھنڈر اسی کے متصل تھے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ محاصرہ کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تیمارداری کیلئے جو مسجد متعین کردی تھی وہ بظاہر یہی مسجد تھی۔

مشربہ ام ابراہیم

یہ ایک باغ کے اندر ایک بالا خانہ تھا۔ اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا اسی میں رہتی تھیں۔ آپ نے چونکہ اس میں نماز ادا فرمائی تھی اس لئے اخیر میں اس نے مسجد کی صورت اختیار کرلی تاہم کوئی دیوار قائم نہیں کی گئی بلکہ ادھر ادھر سے پتھر کھڑے کردیئے گئے۔

مسجد بنو ظفر

یہ مسجد بقیع کے مشرقی جانب واقع تھی۔

مسجد بون معاویہ

اس مسجد کا نام مسجد اجابہ بھی ہے جس کی وجہ جیسا کہ صحیح مسلم کتاب الفتن میں ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا مقبول ہوئی تھی۔

مسجد فتح

چونکہ غزوہ احزاب میں رسول اللہ ﷺ نے اس میں فتح کی دعائیں مانگی تھیں اسلئے اس کا ایک نام مسجد احزاب بھی ہے جس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ اسکے آس پاس اور تین مسجدیں تھیں جو اسی نام سے موسوم تھیں۔

مسجد قبلتین

یہ مسجد وادی عقیق کے کنارے واقع تھی بعض لوگوں نے نزدیک چونکہ تحویل قبلہ اسی مسجد میں ہوئی تھی اس لئے اس کا یہ نام پڑ گیا۔

مسجد السقیا

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ایک قطعہ زمین تھا۔ جس میں ایک کنواں تھا جس کو سقیاء کہتے تھے۔ یہ مسجد اسی کنوائیں کے متصل آباد تھی۔

مسجد ذباب

ذباب ایک پہاڑ کا نام ہے جس پر یہ مسجد واقع تھی۔

مسجد احد

یہ مسجد کوہ احد کے متصل واقع تھی۔

ان مساجد کے علاوہ وفاء الوفاء میں مسجدوں کے نام بھی مذکور ہیں جن کو ہم اختصار کے خیال سے نظر انداز کرتے ہیں۔

مدینہ اور حوالی مدینہ کے علاوہ عرب کے جن ممالک میں اسلام پھیلا وہاں صحابہ کرام ﷺ نے مسجدیں تعمیر کیں۔ رسول اللہ ﷺ نے متعدد صحابہ ﷺ کو بت شکنی کیلئے طائف بھیجا تو حکم دیا کہ جہاں جہاں یہ بت نصب تھا وہیں مسجد تعمیر کی جائے تاکہ خدا وہاں پوجا جائے جہاں پوجا نہیں جاتا تھا۔[1]

آفتاب اسلام کی شعاعیں سواحل یمن پر پڑیں اور یہاں کا ایک قبیلہ عبدالقیس اسلام لایا تو اس قبیلہ نے جو مسجد تعمیر کی اس کو یہ شرف حاصل ہوا کہ مسجد نبوی ﷺ کے بعد جمعہ کی سب سے پہلی نماز اسی مسجد میں ادا کی گئی۔[2]

صنعاء میں بھی کوہ ضَیل کے پاس ایک مسجد تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں حضرت دبر بن یحنس کلبی ﷺ کو اشاعت اسلام کیلئے بھیجا تو فرمایا کہ اس مسجد میں جانا۔[3] حضرت طلق بن علی ﷺ سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں ایک گرجا ہے تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کی درخواست پر اپنے وضو کا پانی عنایت فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ گرجے کو توڑ ڈالو اور اس پانی کو چھڑک کر وہاں مسجد بناؤ۔ چنانچہ ان لوگوں نے واپس جا کر حسب ارشاد مسجد تعمیر کر لی۔ ابوداؤد میں ایک روایت ہے۔

> كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يا مرنا بالمساجدان نصنعها في ديارنا ناد نصلح صنعتها و نطهرها ـ
>
> رسول اللہ ﷺ ہم کو حکم دیتے تھے کہ اپنے دیار میں عمدہ مسجدیں بنائیں اور ان کو پاک و صاف رکھیں۔

ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب اتخاذ المساجد فی الدور میں اس حدیث کو درج کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہ مسجدیں تھیں جو آپ کے حکم سے صحابہ ﷺ اپنے گھروں میں بنا لیتے تھے لیکن دیار کے لفظ سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حکم باہر کے مسلمانوں کے متعلق ہوگا۔ بہر حال اسلام جہاں جہاں پھیلا وہاں مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کہیں فوج

1: اسد الغابہ تذکرہ تمیم بن غیلان بن سلمہ الثقفی۔

2: بخاری کتاب الجمعہ باب الجمعہ فی القری والمدن۔

3: اصابہ تذکرہ حضرت دبر بن یحنس کلبی رضی اللہ عنہ۔

شی کرتے تھے تو ساتھ ساتھ یہ ہدایت بھی کرتے تھے۔

اذا رایتم مسجدا او سمعتم موذنا فلا تقتلوا احدا ۔[1]

اگر کہیں مسجد دیکھو یا مؤذن کی آواز سنو تو وہاں کسی کو قتل نہ کرو۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں فتوحات کے ساتھ ساتھ جا بجا اسلام اور مسلمان دونوں پھیل گئے اور اس لئے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بکثرت مسجدیں تعمیر کروائیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تو نہایت مختصر اور پر آشوب تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہر شہر میں کم از کم ایک ورنہ بعض بعض شہروں میں متعدد مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ چنانچہ انہوں نے شام کے تمام عمال کو لکھ کہ ہر ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے۔[2] کوفہ آباد کیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہر قبیلہ کیلئے الگ الگ مسجدیں تعمیر ہوئیں چنانچہ جب کوفہ والوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ وہ ٹھیک طور پر نماز نہیں پڑھاتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایک مسجد میں اس کی تحقیقات کروائی۔[3] اسی طرح بصرہ کی آبادی کے ساتھ ہر قبیلے کیلئے الگ الگ مسجدیں تعمیر ہوئیں۔[4]

عراق فتح ہوا تو ہر جگہ مسجدیں تعمیر کی گئیں سب سے پہلے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مدائن میں جامع مسجد تعمیر کروائی۔ پھر حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے اس کی عمارت کو اور وسیع و مستحکم کیا۔ اس کے بعد بہ ترتیب کوفہ اور ابنار کی مسجدیں تعمیر ہوئیں۔[5]

حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ موصل کے گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے ایک مسجد تعمیر کروائی۔[6] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے حضرت ہرثمہ بن عرفجۃ البارقی رضی اللہ عنہ کو وہاں کا والی مقرر کیا تو انہوں نے وہاں مسلمانوں کی ایک مستقل نو آبادی قائم کی اور ان کیلئے ایک جامع مسجد تعمیر کروائی۔[7]

1: ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین۔

2: حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۱۳۳ ذکر جوامع مصر ، حسن المحاضرہ کی اصل عبارت یہ ہے لما افتتح عمر البلدان کتب الی ابی موسی وھو علی البصرہ مامرہ ان یتخذ مسجد الجماعۃ ویتخذ للقبائل مساجد فاذا کان یوم الجمعۃ انضموا الی مسجد الجماعۃ و کتب الی سعد بن ابی وقاص وھو علی کوفۃ بمثل ذالک و کتب الی عمرو بن العاص وھو علی مصر بمثل ذالک کتب الی امراء اجناد الشام ان لا یتبدوا الی القرای وان ینزلوا المدائن و ان یتخذوا فی کل مدینۃ مسجدا واحدا ولا یتخذ القبائل مساجد و کان الناس متمسکین بامر عمرو و عہدہ۔

3: بخاری کتاب الصلوٰۃ باب وجوب القرأۃ للامام والماموم فی الصلوٰۃ کلہا فی الحضر والسفر

4: حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۳۳ ذکر جوامع مصر۔

5: فتوح البلدان ص ۲۹۹۔ 6: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عتبہ بن فرقد۔

7: فتوح البلدان صفحہ ۳۴۰۔

حضرت سعید بن عامر بن حذیم ﷜ جزیرہ کے والی مقرر ہوئے تو رقہ اور رہا کی مسجدیں تعمیر کرائیں ان کے انتقال کے بعد حضرت عمیر بن سعد ﷜ ان کے قائم مقام ہوئے تو دیار ربیعہ اور دیار مضر میں متعدد مسجدیں تعمیر کرائیں۔[1]

مصر فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاص ﷜ نے وہاں نہایت عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی اور تقریباً اسی صحابہ ﷜ نے اس کا قبلہ سیدھا کیا۔ اس مسجد میں بخور بھی سلگایا جاتا تھا۔[2]

شام میں لاذقیہ فتح ہوا تو حضرت عبادہ بن صامت ﷜ کے حکم سے ایک جامع مسجد تیار ہوئی اور بعد کو اس کو اور توسیع دی گئی۔[3]

حضرت عثمان بن العاص ﷜ نے بحری حملہ کر کے توج کو فتح کیا تو وہاں عرب کی ایک نو آبادی قائم کی اور وہاں متعدد مسجدیں بنوائیں۔[4]

حضرت عمر ﷜ نے جدید مسجدوں کی تعمیر کے ساتھ مسجد نبوی اور مسجد حرام کی تجدید و توسیع بھی کی۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں کے علاوہ مسجد نبوی کے آس پاس کے اور تمام مکانات نہایت گراں قیمت پر خرید لئے۔ حضرت عباس ﷜ اول اول اپنا مکان دینا نہیں چاہتے تھے لیکن اخیر میں انہوں نے بھی اسکو وقف کر دیا۔ اب حضرت عمر ﷜ نے مسجد کو از سر نو اینٹ سے تعمیر کیا۔ ستون پہلے کھجور کے تھے۔ انہوں نے لکڑی کے ستون لگوائے۔[5] مسجد کا طول پہلے ۱۰۰ گز تھا، انہوں نے ۱۴۰ گز کر دیا، عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا۔

تجدید عمارت کے ساتھ حضرت عمر ﷜ نے مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا کہ جو لوگ شور و شغب کرنا یا اشعار وغیرہ پڑھنا چاہیں وہیں جا کر پڑھیں۔[6]

سن ۱۷ھ میں حرم کی عمارت کو بھی بہت کچھ وسعت دی جن لوگوں نے بالکل خانہ کعبہ کے متصل مکانات بنوا لئے تھے۔ حضرت عمر ﷜ نے ان سے کہا کہ "کعبہ خدا کا گھر ہے اور گھر کیلئے صحن چاہئے لیکن تم نے الٹے کعبہ ہی کو دبا لیا ہے اس نے تم کو نہیں دبایا ہے۔ چنانچہ اس غرض سے تمام مکانات منہدم کروا دیئے۔ پہلے خانہ کعبہ کی کوئی دیوار نہ تھی حضرت عمر ﷜ نے اس کے گرد چار دیواری بنوائی[7] اور اس پر چراغ جلوائے۔[8]

کعبہ پر اگرچہ غلاف ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا۔ چنانچہ جاہلیت میں نطع اور مغافر کا غلاف چڑھاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے یمنی کپڑوں کے غلاف چڑھوائے لیکن حضرت عمر ﷜

۱: فتوح البلدان صفحہ ۱۰۲۔ ۲: حسن المحاضرہ صفحہ ۵۸ جلد اول۔
۳: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۹۔ ۴: فتوح البلدان صفحہ ۳۹۴۔
۵: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المساجد۔ ۶: موطا کتاب الصلوٰۃ العمل فی جامع الصلوٰۃ۔
۷: بخاری باب بنیان الکعبہ۔ ۸: معجم البلدان ذکر مسجد الحرام۔

نے قباطی کا غلاف تیار کروایا جو نہایت عمدہ مصری کپڑا ہوتا ہے۔[۱]

حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں بہ کثرت نو آبادیاں قائم ہوئیں اور بہ کثرت مسجدیں تعمیر ہوئیں انہوں نے حضرت امیر معاویہ ؓ کو غزوہ بحریہ کی اجازت دی تو ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ متعینہ فوج کے علاوہ تمام سواحل پر جدید فوجی آدمی آباد کرائے جائیں ان کو جاگیریں اور جلاوطن شدہ لوگوں کے مکانات دیئے جائیں۔ مسجدیں تعمیر کرائی جائیں اور ان کے زمانے سے پیشتر جو مسجدیں تعمیر ہو چکی ہیں ان کو وسعت دی جائے۔[۲]

حضرت عثمان ؓ نے مسجد نبوی اور حرم محترم کو بھی بہت کچھ وسعت دی۔ پہلے پہل جب انہوں نے توسیع مسجد نبوی کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اگرچہ مخالفت کی اور قدیم ہیئت کو بدلنا پسند نہیں کیا[۳] لیکن بالآخر سب لوگ راضی ہو گئے اور اب حضرت عثمان ؓ نے نہایت اہتمام کے ساتھ ربیع الاول سن ۲۹ھ میں تعمیر کا کام شروع کروایا اور پورے دس مہینے میں کام ختم ہوا۔[۴] حضرت عمر ؓ کے زمانے تک دیوار کچی اینٹ کی تھی انہوں نے منقش پتھروں کی دیواریں قائم کیں اور اس پر چونے کی سفیدی کروائی حضرت عمر ؓ نے لکڑی کے ستون لگوائے تھے۔ انہوں نے منقش پتھروں کے ستون قائم کروا دیئے رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک گویا چھپر کی چھت تھی انہوں نے ساکھوں کی چھت بنوائی۔[۵]

حضرت عثمان ؓ نے حرم محترم کی عمارت کو اور بھی وسعت دی۔ ارد گرد کے تمام مکانات خرید کر گروا دیئے اور ان کی زمین کو حرم میں شامل کر دیا۔ انہوں نے مسجد حرام میں یہ جدت کی کہ رواق بنوائے جن کو ان کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے۔[۶]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد میں اگرچہ بہت کم مسجدیں تعمیر ہوئیں تاہم یہ سلسلہ بالکل منقطع نہیں ہوا۔ فتوح البلدان میں ہے کہ انہوں نے حضرت اشعث بن قیس ؓ کو آذربائجان کا والی مقرر کیا وہ آئے تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید پڑھ چکے ہیں انہوں نے اردبیل ایک نیا شہر آباد کیا وہاں بہت سے عرب بسائے اور ایک مسجد تعمیر کروائی۔[۷] اسکے علاوہ ان کے عہد میں ہم کو اور کسی جدید مسجد کا نام نہیں ملتا۔

حضرت امیر معاویہ ؓ کے زمانے میں بہ کثرت نو آبادیاں قائم ہوئیں اور نو آبادیوں کے ساتھ مساجد کا تعمیر ہونا لازمی تھا۔ انہوں نے جزیرہ قبرس کو فتح کیا تو وہاں ایک شہر آباد کر لیا

۱: فتوح البلدان صفحہ ۵۴۔
۲: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۵۔
۳: صحیح مسلم باب فضل بناء المساجد۔
۴: خلاصۃ الوفاء صفحہ ۱۳۴۔
۵: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المساجد۔
۶: فتوح البلدان صفحہ ۵۳۔
۷: فتوح البلدان صفحہ ۳۳۷۔

اور بارہ ہزار فوجی آدمی متعین کئے۔ جنہوں نے وہاں متعدد مسجدیں تعمیر کیں۔[1] ان کے عہد میں افریقہ فتح ہوا تو عقبہ بن نافع فہری نے جو وہاں کے گورنر تھے وہاں مسلمانوں کی ایک ایک مستقل نو آبادی قائم کی بہت سے مکانات اور ایک جامع مسجد بنوائی۔[2] حضرت امیر معاویہ ؓ نے ان مسجدوں میں بھی توسیع و اضافہ کیا جو ان سے پہلے تعمیر ہو چکی تھیں مثلاً انہوں نے زیاد کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تو اس نے وہاں کی مسجد کو نہایت وسعت دی اور اس کو اینٹ اور چونے سے بنوایا اور ساکھو کی چھت بنوائی۔[3]

حضرت امیر معاویہ ؓ کے زمانے میں فن تعمیر میں بھی ایک جدید ترقی ہوئی یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ ؓ جو ان کی جانب سے بجستان کے عامل تھے آئے تو اپنے ساتھ کابل سے چند غلام لائے۔ جنہوں نے ان کے محل میں کابلی طرز کی ایک مسجد تعمیر کی۔[4] مصر میں جو مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں اب تک ان میں منارے نہیں تھے۔ حضرت سلمہ بن مخلد ؓ نے جو حضرت امیر معاویہ ؓ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے۔ سن ۵۳ھ میں مساجد میں منارے بنوائے۔[5]

انصاب حرم

حرم کے حدود سے چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں اس لئے اس کے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے۔ جن کو انصاب حرم کہتے تھے۔ ہر زمانے میں ان پتھروں کی تجدید ہوتی رہی۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے حضرت تمیم بن اسید ؓ کو اس خدمت پر مامور کیا اس کے بعد حضرت عمر ؓ نے اس کی تجدید کرائی۔[7]

حضرت امیر معاویہ ؓ کے زمانے میں پھر تجدید و اصلاح کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے حضرت کرز بن علقمہ ؓ سے یہ کام لیا۔[8]

۱: فتوح البلدان صفحہ ۱۴۰۔
۲: فتوح البلدان صفحہ ۲۳۶۔
۳: فتوح البلدان صفحہ ۳۵۵۔
۴: فتوح البلدان صفحہ ۴۰۴۔
۵: اصابہ تذکرہ سلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ۔
۶: اسد الغابہ تذکرہ حضرت تمیم بن اسیدؓ۔
۷: اسد الغابہ تذکرہ حضرت مخرمہ بن نوفلؓ۔
۸: اسد الغابہ تذکرہ حضرت کرز بن علقمہؓ۔

خدمات متفرقہ

مسجد کی صفائی

ایک بار کسی نے مسجد نبوی ﷺ میں تھوک دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا تو اس قدر برہم ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا ایک صحابیہ اٹھیں اور اس کو مٹا دیا اور اس جگہ خوشبو لگائی۔ آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب کام کیا۔[1]

ایک صحابیہ تھیں جو ہمیشہ مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھیں۔ یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کی نہایت قدر فرماتے تھے۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو صحابہ کرام ﷺ نے ان کو راتوں رات دفن کر دیا اور آپ ﷺ کو اطلاع نہ دی آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی؟ بولے "حضور ﷺ استراحت فرما رہے تھے ہم نے تکلیف دینا گوارا نہیں کیا۔[2]

مسجد میں روشنی کا انتظام

صحابہ کرام ﷺ کھجور کی شاخوں کی مشعل بناتے تھے اور مسجد نبوی ﷺ میں روشنی کرتے تھے۔ مدتوں یہی حالت رہی۔ اس کے بعد حضرت تمیم داری ﷺ ایک تجارت پیشہ غلام جس کا نام فتح تھا۔ بیت المقدس سے زیتون کا تیل اور قندیل لایا اور مسجد میں روشنی کی رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کس نے روشنی کی ہے؟ غلام کا نام معلوم ہوا تو اس کا نام فتح کی بجائے سراج رکھ دیا جس کے معنی چراغ جلانے والے کے ہیں۔[3] حضرت عمر ﷺ نے مساجد میں اور بھی وسیع پیمانے پر روشنی کا انتظام کیا۔ چنانچہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسجدوں میں قندیلوں کی جگمگاہٹ دیکھی تو بولے کہ "عمر ﷺ نے جس طرح ہماری مساجد کو روشن کیا اسی طرح خدا ان کی قبر میں بھی روشنی کرے۔[4] مسجد میں بخور کا انتظام ایک بار حضرت عمر ﷺ کے پاس مال غنیمت میں عود کا ایک بنڈل آیا جس کو انہوں نے حسب ذیل مسلمانوں میں تقسیم کرنا چاہا لیکن کافی نہ ہوا اسلئے حکم دیا کہ انگیٹھی میں رکھ کر مسجد میں سلگایا جائے تاکہ تمام

1: نسائی کتاب الصلوۃ باب تخلیق المسجد۔
2: سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ما جاء فی الصلوۃ علی بقرۃ۔
3: اسد الغابہ تذکرہ سراج۔
4: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ۔

مسلمانوں کو اس سے فائدہ ہو ان کے بعد تمام خلفاء نے اس انتظام کو قائم رکھا۔ [۱]

مسجد کی نگرانی

حضرت عمر ؓ نہایت اہتمام کے ساتھ مسجد کی نگرانی فرماتے تھے عموماً عشاء کے بعد مسجد میں آتے اور کسی بیکار شخص کو دیکھتے تو نکال دیتے۔ البتہ نمازی اس سے مستثنٰی تھے حضرت عثمان ؓ کا بھی یہی حال تھا۔ ایک دن عصر کی نماز کیلئے آئے تو دیکھا کہ مسجد کے کسی گوشہ میں ایک درزی بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو نکل جانے کا حکم دیا لوگوں نے کہا وہ مسجد میں جھاڑو دیتا ہے دروازے بند کرتا ہے۔ کبھی کبھی چھڑکاؤ بھی کرتا ہے" بولے "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کاریگروں کو مسجد سے الگ رکھو۔ [۲]

اذان

صحابہ کرام ؓ اذان کو نہایت ثواب کا کام سمجھتے تھے۔ اسلئے اس خدمت کو نہایت شوق کیساتھ انجام دیتے تھے۔ حضرت عمر ؓ فرماتے تھے اگر میں مؤذن ہوتا تو میرا کام مکمل ہو جاتا۔ حضرت ابن ام مکتوم اور حضرت بلال ؓ نے تو اپنی زندگی ہی اس خدمت پر وقف کر دی تھی اور اس کو نہایت مستعدی کے ساتھ انجام دیتے تھے مسجد نبوی کے متصل ایک صحابیہ کا مکان سب سے بلند تر تھا۔ حضرت بلال ؓ صبح تڑکے وہیں آ جاتے اور طلوع فجر کا انتظار کرتے۔ جب صبح طلوع ہوتی تو اسی مکان کے اوپر چڑھ کر اذان دیتے اذان دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرتے۔ جب آپ ﷺ کاشانہ نبوت سے بر آمد ہوتے تو اقامت کہتے۔ [۳]

امامت

اقامت نہایت ذمہ داری کا کام ہے لیکن صحابہ کرام ؓ اس خدمت کو نہایت شوق کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ مہاجرین پہلے پہل مدینہ میں آئے تو حضرت سالم مولی ابی حذیفہ ؓ امامت کرتے تھے۔ حضرت عمرو بن سلمہ ؓ کا قبیلہ مسلمان ہوا تو ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم میں کون امامت کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کو قرآن سب سے زیادہ یاد ہو۔ حضرت عمرو بن سلمہ ؓ کا سن اگرچہ صرف سات آٹھ برس کا تھا تاہم ان کو قرآن سب سے زیادہ یاد تھا۔ اس لئے ان لوگوں نے انہی کو امام بنایا اور وہ عمر بھر ان کے امام تھے۔ حضرت ابن ام مکتوم ؓ کو امامت کیلئے رسول اللہ ﷺ نے خود اپنا خلیفہ بنایا تھا۔ حضرت معاذ

۱: خلاصۃ الوفاء صفحہ ۱۷۳۔

۲: خلاصۃ الوفاء صفحہ ۱۷۳۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب الاذان۔

بن جبل ﷺ اپنی قوم کے امام تھے لیکن پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ لیتے تھے۔ تب اپنی مسجد میں جاکر امامت کرتے تھے۔ حضرت اسید بن حضیر ﷺ اپنی قوم کے امام تھے وہ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ عیادت کو آئے۔ ان لوگوں نے کہ "ہمارا امام بیمار ہے"۔ فرمایا "وہ بیٹھ کر نماز پڑھیں تو تم لوگ بھی بیٹھ کر نماز ادا کرو"۔[1] تمام خلفاء اور فرائض خلافت کے ساتھ یہ فرض بھی ادا کرتے تھے۔

حجاج کی خدمت

صحابہ کرام ﷺ حجاج کی خدمت کو بڑے ثواب کا کام سمجھتے تھے اور نہایت فیاضی کے ساتھ ان کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچاتے تھے۔ حضرت عمر ﷺ نے اہل مکہ کو عام حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھروں میں دروازے نہ لگائیں تاکہ تمام حجاج بلا روک ٹوک ان میں قیام کر سکیں۔ مکہ اور مدینہ کے راستہ میں انہوں نے سرائیں، چوکیاں اور کنوئیں تیار کرائے تھے کہ حجاج ان سے متمتع ہو سکیں۔ سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت زمانہ جاہلیت میں حضرت عباس ﷺ کے خاندان سے متعلق تھی اور عہد اسلام میں بھی ان کا یہ خاندانی شرف قائم رہا۔ ایام حج میں ان کے خاندان کے لوگ دودھ، شہد اور ستو کی سبیل چلاتے تھے، لیکن حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ حاجیوں کو صرف نبیذ پلاتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ "آپ کا خاندان بخیل ہے یا محتاج؟ بولے "نہ بخیل ہے نہ محتاج۔ وجہ صرف یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے پانی مانگا۔ تو ہم نے آپ ﷺ کو نبیذ پلائی آپ ﷺ نے فرمایا تم نے خوب کیا ایسا ہی کرتے رہو۔ اسلئے ہم آپ ﷺ کے ارشاد میں کسی قسم کا تغیر کرنا نہیں چاہتے"۔[2]

۱: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب الامامۃ۔

۲: ابوداؤد کتاب المناسک باب فی نبیذ السقایہ۔

علمی خدمات

تعلیم قرآن

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کی تعلیم کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے قیام مکہ معظمہ ہی کے زمانے سے شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بیعت عقبہ اولی کے بعد اس غرض سے مدینہ بھیجا تھا کہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں۔[1] لیکن ہجرت کے بعد مسجد نبوی میں ایک مستقل حلقہ درس قائم ہو گیا اور اصحاب صفہ شب و روز قرآن مجید کی تعلیم و تعلم میں مصروف رہنے لگے۔ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کاشانہ نبوت سے برآمد ہوئے تو آپ نے مسجد میں دو حلقے نظر آئے ایک میں لوگ تلاوت و دعا کرتے تھے اور دوسرے حلقے والے تعلیم و تعلم میں مصروف تھے۔ آپ نے فرمایا "دونوں نیک کام کر رہے ہیں۔ ایک گروہ تلاوت و دعا کرتا ہے دوسرا قرآن مجید کی تعلیم کر رہا ہے۔ "میں صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔" یہ کہہ کر اسی حلقہ درس میں بیٹھ گئے۔[2] اس حلقہ میں درس و تدریس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص قرآن مجید پڑھتا جاتا تھا اور دوسرے لوگ سنتے جاتے تھے۔ ایک بار اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ آ نکلے تو قاری جو قرآن پڑھ رہا تھا رک گیا اور ادب سے سلام کیا۔ آپ ﷺ بیچ میں بیٹھ گئے اور ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ لوگ حلقہ قائم کر کے آپ ﷺ کے گرد بیٹھ گئے۔[3]

اصحاب صفہ نہایت نادار اور مفلس تھے اس لئے ان میں کچھ لوگ دن میں شیریں پانی بھر لاتے۔ جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور ان کو بیچ کر جو آمدنی ہوتی اس کو وجہ معاش میں صرف کرتے[4] لیکن اس مصروفیت کی وجہ سے ان کو دن میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اس بناء پر تعلیم کا وقت رات کو مقرر کیا تھا۔ مسند ابن حنبل میں ہے۔

فکانو اذا جنهم اللیل انطلقو الی معلم لهم بالمدینة فیدرسون اللیل حتی

---

1. مسند جلد ۴ صفحہ ۲۸۴ و بخاری کتاب التفسیر سبح اسم ربک الاعلی۔
2. سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم۔
3. ابوداؤد کتاب العلم باب فی القصص۔
4. صحیح مسلم کتاب الامارة باب ثبوت الجنة للشہید۔

یصبحوا۔[1]

جب رات ہو جاتی تھی تو یہ لوگ ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک پڑھتے تھے۔

اس طرح جو لوگ تعلیم و تربیت حاصل کر چکتے تھے ان کو قرآء کہا جاتا تھا اور باہر کے مسلمانوں کو مذہبی تعلیم کی ضرورت ہوتی تھی تو یہی لوگ بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک بار کچھ لوگ باہر سے آئے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کچھ لوگوں کو کر دیجئے کہ ہم کو قرآن اور سنت کی تعلیم دیں۔ آپ نے ستر انصار کو جو قراء کے نام سے مشہور تھے ساتھ کر دیا۔ لیکن ان لوگوں نے دھوکے سے ان کو شہید کر دیا۔[2]

باہر سے جو مہاجرین آتے وہ بھی اہل صفہ میں داخل ہو جاتے اور قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر کے اپنی وطن واپس جاتے۔ ابوداؤد میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے اجمالاً مروی ہے۔

علمت ناسا من اهل الصفة القرآن و الكتاب فاهدى الى رجل منهم قوسا۔[3]

میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن کی اور لکھنے کی تعلیم دی۔ ان میں سے ایک نے مجھے ایک کمان ہدیۃً بھیجی۔

لیکن مسند کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ شخص مہاجر تھا اور اس نے اپنے وطن میں پہنچ کر ان کی خدمت میں ہدیۃً کمان بھیجی تھی۔[4] اس سلسلہ میں الگ انصار کا ہر گھر مہمان خانہ ہونے کے ساتھ ایک مستقل مکتب ہو گیا تھا۔ باہر سے جو مہاجر آتے۔ رسول اللہ ﷺ ان کو انصار کے سپرد کر دیتے اور وہ لوگ مہمان داری کے ساتھ اس دلسوزی سے ان کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے کہ یہ لوگ نہایت شکر گذاری کے ساتھ واپس جاتے۔ چنانچہ وفد عبدالقیس آیا تو اس منت شناسانہ اعتراف کے ساتھ واپس گیا۔

ان الانصار یعلمونا کتاب ربنا و سنت نبینا۔[5]

انصار ہم کو ہمارے خدا کی کتاب اور ہمارے پیغمبر کی سنت سکھاتے ہیں۔

وفد بنو تمیم آیا تو مدت تک مدینہ میں رہ کر قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتا رہا۔[6]

بعض اوقات مہاجرین کو بھی یہ خدمت انجام دینی ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت دردان رضی اللہ عنہ

1: مسند جلد ۳ صفحہ ۱۳۷۔
2: مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید۔
3: ابوداؤد کتاب البیوع باب فی کسب المعلم۔
4: مسند جلد ۵ صفحہ ۳۲۴۔
5: مسند جلد ۳ صفحہ ۴۳۲۔ 6: اسد الغابہ تذکرہ عمرو بن اہتم۔

طائف سے آئے تو آپ نے ان کو حضرت ابان بن سعید ﷺ کے حوالے کیا کہ ان کے مصارف کا بار اٹھائیں اور قرآن مجید کی تعلیم دیں۔[1]

نظام حکومت کے قائم ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو امراء و عمال مقرر فرمائے ان کا سب سے مقدم فرض کتاب اور سنت کی تعلیم دینا قرار دیا۔ چنانچہ استیعاب تذکرہ معاذ بن جبل ﷺ میں ہے۔

بعثه رسول الله ﷺ قاضيا الى الجند من اليمن ليعلم الناس القرآن و شرايع الاسلام۔

آپ ﷺ نے کو ان کو یمن کے ایک حصہ کا قاضی مقرر فرما کر بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن مجید اور احکام اسلام کی تعلیم دیں۔

چنانچہ انہوں نے وہاں پہنچ کر ایک خطبہ دیا جس میں لوگوں کو اسلام اور تفقہ فی القرآن پر آمادہ کیا اور کہا کہ "جب قرآن مجید پڑھ چکنا تو مجھ سے پوچھنا کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون؟ وہ لوگ قرآن مجید پڑھ چکے تو ان سے یہ سوال کیا۔[2] اس کے بعد اگرچہ حضرت عمر ﷺ کے زمانے میں تعلیم القرآن کے متعلق کوئی خاص یا جدید انتظام نہیں کیا گیا لیکن حضرت ابو بکر ﷺ نے اپنے عہد خلافت میں نہایت وسیع پیمانہ پر تعلیم قرآن کا سلسلہ قائم کیا۔ تمام ممالک مفتوحہ میں تعلیم قرآن کیلئے مکاتب قائم کئے اور بعض حالتوں میں قرآن مجید کی جبری تعلیم کا انتظام یا۔ چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا۔ خاص اس کام پر مامور کیا کہ بدوؤں کے قبائل میں دورہ کر کے ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔[3]

حضرت عبادہ بن صامت ﷺ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ عہد نبوت ہی میں قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ شام فتح ہوا تو حضرت عمر ﷺ نے وہاں کے مسلمانوں کی تعلیم کیلئے انہی کو منتخب کیا اور انکے ساتھ حضرت معاذ بن جبل ﷺ اور حضرت ابودرداء ﷺ کو بھی کر دیا۔ ان میں حضرت عبادہ ﷺ نے حمص میں قیام کیا۔ حضرت ابوالدرداء ﷺ دمشق کو گئے اور حضرت معاذ ﷺ نے فلسطین میں اقامت اختیار کی۔ اسکے بعد حضرت عبادہ بن صامت ﷺ بھی فلسطین چلے گئے۔[4] حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ کو بصرہ کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو ان کے ساتھ حضرت عمران بن حصین ﷺ کو بھی کر دیا کہ لوگوں کو فقہ اور قرآن کی تعلیم دیں۔[5]

۱: اصابہ تذکرہ وردان جد الفرات۔ ۲: دارمی باب الاقتدا بالعلماء صفحہ ۴۰۔
۳: اصابہ تذکرہ اوس بن خالدؓ۔
۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبادہ بن صامتؓ۔
۵: فتوح البلدان صفحہ ۳۸۴۔

حضرت عمر ؓ نے قرآن مجید کی تعلیم کی توسیع اشاعت کیلئے اور بھی مختلف ذرائع اختیار کیئے۔ ضروری سورتوں یعنی بقرہ، نساء، مائدہ، حج اور نور کی نسبت حکم دیا کہ تمام مسلمانوں کو ان کا سیکھنا لازمی ہوگا۔ کیونکہ ان میں احکام اور فرائض مذکور ہیں۔[1] عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید پڑھ چکے ہوں ان کو بھیج دیں کہ ان کی تنخواہیں مقرر کردی جائیں۔[2]

ان تدابیر سے قرآن مجید کی تعلیم نے بہ تدریج اس قدر وسعت حاصل کی کہ ایک بار خراج کا کچھ مال بچ گیا تو حضرت عمر ؓ نے حضرت سعد بن وقاص ؓ کو اجازت دی کہ طلبائے قرآن کو تقسیم کردی جائے۔ دوسرے سال بھی یہ نوبت پیش آئی تو انہوں نے لکھا کہ "پہلے سال صرف سات آدمی تھے اور اس سال ستر[3] ہیں۔" ایک بار جب فوجی افسروں کو لکھا کہ میرے پاس حفاظ قرآن کو بھیج دو کہ ان کو جابجا قرآن کی تعلیم کیلئے بھیج دوں۔ تو حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو سے زائد حافظ موجود ہیں۔[4]

حضرت عمر ؓ نے قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ صحت تلفظ کا بھی نہایت اہتمام کیا۔ ہر جگہ تاکیدی حکم بھیج دیا کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت اعراب کی تعلیم دیجائے۔ اسکے ساتھ یہ حکم دیا کہ جو شخص علم لغت کا ماہر نہ ہو وہ قرآن مجید نہ پڑھانے پائے۔[5] ان کے بعد اور خلفاء نے بھی اس سلسلہ کو قائم رکھا۔ چنانچہ حضرت عثمان ؓ کے زمانے میں آذربائیجان دوبارہ فتح ہوا۔ تو کچھ لوگ وہاں اشاعت اسلام کیلئے آباد کردیئے گئے۔ انکی کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت علی ؓ کے زمانے تک یہ لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید پڑھ چکے تھے۔[6] حضرت علی ؓ کی نسبت ایک روایت ہے کہ انہوں نے طلبائے قرآن کے وظیفے دو دو ہزار مقرر فرمائے۔[7]

حضرت امیر معاویہ ؓ نے جزیرہ قبرس فتح کیا تو مجاہدین حمر کو قرآن مجید کی تعلیم کیلئے متعین کیا۔[8]

بعض صحابہ ؓ ذاتی طور پر بھی لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عکرمہ ؓ کا بیان ہے کہ حضرت عباس ؓ میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔[9]

کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا ایک مستقل حلقۂ درس قائم ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس حلقے کے کچھ لوگ شام میں آئے تو حضرت ابوالدرداء ؓ نے ان سے قرآن پڑھوا کر سنا۔[10]

۱: کنزالعمال جلد ا صفحہ ۲۲۴۔ ۲: کنزالعمال جلد ا صفحہ ۲۱۷۔
۳: اصابہ تذکرہ بشیر بن ربیعہ۔ ۴: کنزالعمال جلد ا صفحہ ۲۱۷۔
۵: کنزالعمال جلد ا صفحہ ۲۲۸۔ ۶: فتوح البلدان صفحہ ۳۳۶۔
۷: کنزالعمال جلد ا صفحہ ۲۳۰۔ ۸: فتوح البلدان صفحہ ۲۴۴۔ ۹: دارمی صفحہ ۷۳۔
۱۰: بخاری کتاب التفسیر، تفسیر واللیل اذا یغشی۔

تعلیم حدیث

صحابہ کرام ؓ اشاعت حدیث کیلئے تمام ممالک مفتوحہ میں پھیل گئے تھے اور لوگوں کو نہایت شوق کے ساتھ حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت ابوادریس خولانی ؓ کا بیان ہے کہ "میں حمص کی مسجد میں گیا تو ایک حلقہ میں جس میں ۳۲ صحابی تھے بیٹھ گیا۔ ایک شخص روایت حدیث کر چکتا تو دوسرے صاحب اس سلسلہ کو شروع کرتے۔[1] نصر بن عاصم اللیثی کا بیان ہے کہ میں کوفہ کی مسجد میں گیا تو ایک حلقہ نظر آیا۔ جو نہایت خاموشی کے ساتھ ایک شخص کی طرف کان لگائے ہوئے تھا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ بن یمان ؓ ہیں۔[2]

حضرت ابوالدرداء ؓ دمشق میں رہتے تھے اور جب درس دینے کیلئے مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ طلبہ کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے۔[3] لیکن علم حدیث کا سب سے بڑا دار العلم مدینہ تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ خاص مسجد نبوی میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیتے تھے۔ علامہ سیوطی حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں۔

کان لجابر بن عبداللّٰہ حلقۃ فی المسجد النبوی یوخذ عنہ العلم۔[4]

جابر بن عبداللہ کا حلقہ درس مسجد نبوی میں تھا اور لوگ ان سے علم حاصل کرتے تھے۔

ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ ہم بصرہ میں صحابہ ؓ کے مرویات سنتے تھے لیکن اس پر کافی اعتماد نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے خود مدینہ میں آکر ان کی زبان[5] سے ان کو سنتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا بیان ہے کہ اکثر حدیثیں انصار کے یہاں ملیں۔

بعض صحابہ ؓ کو اگرچہ سلطنت کی طرف سے روایت حدیث کی ممانعت تھی لیکن سلطنت کا دباؤ ان کو اس مقدس فرض کے ادا کرنے سے نہیں روک سکتا تھا۔ حضرت ابوذر غفاری ؓ اسی قسم کے صحابی تھے، لیکن وہ اعلانیہ کہتے تھے کہ "اگر تم لوگ میری گردن پر تلوار رکھ دو اور مجھے معلوم ہو کہ ایک کلمہ بھی جس کو میں نے رسول اللہ سے سنا ہے ادا کر سکوں گا تو قبل اس کے کہ تلوار اپنا کام کرے[6] میں اس کو ادا کروں گا۔

۱: مسند جلد ۵ صفحہ ۳۲۸۔ ۲: مسند ج ۵ صفحہ ۳۸۶۔
۳: تذکرۃ الحفاظ ترجمہ حضرت ابوالدرداءؓ۔ ۴: حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۷۸۔
۵: مسند دارمی باب الرحلۃ فی طلب العلم صفحہ ۷۴ و ۷۵۔
۶: بخاری کتاب العلم باب العلم قبل القول والعمل۔

خود امراء و سلاطین کو ضرورت ہوتی تھی تو وہ صحابہ کرام ؓ کو طلب فرماتے تھے اور روایت حدیث کی درخواست کرتے تھے۔ ایک دن حضرت زید بن ثابت ؓ ٹھیک دوپہر کے وقت مروان کے دربار سے نکلے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ مروان نے اس وقت ان کو کیوں تکلیف دی؟ ان سے دریافت کیا تو فرمایا کہ "مجھ سے بعض حدیثوں کے متعلق پوچھا تھا"۔[1]

حضرت امیر معاویہ ؓ نے حضرت عبدالرحمان بن شبل ؓ کو لکھ بھیجا تھا کہ "لوگوں کو احادیث کی تعلیم دو اور جب میرے خیمہ کے پاس کھڑے ہو تو مجھے حدیثیں سناؤ"۔[2]

لوگ صحابہ کرام ؓ کی خدمت میں طلب علم کیلئے آتے تھے تو وہ نہایت کشادہ دلی کے ساتھ ان کا خیر مقدم کرتے تھے۔ حضرت ابوہراون عبدی ؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت ابوسعید خدری ؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ "مرحبا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہارے پاس دنیا کے گوشے سے بہت سے لوگ علم حاصل کرنے کیلئے آئیں گے۔[3] تم لوگ ان کے ساتھ بھلائی کرنا۔

حضرت حسن بصری ؓ سے روایت ہے کہ "ہم لوگ ایک بار حضرت ابوہریرہ ؓ کی عیادت کو گئے۔ جب آدمیوں سے ان کا گھر بھر گیا تو انہوں نے خاکساری سے اپنے پاؤں سمیٹ لئے اور فرمایا کہ "ایک دن ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ لیٹے ہوئے تھے۔ ہم لوگوں کو دیکھا تو اسی طرح پاؤں سمیٹ لئے اور فرمایا کہ میرے بعد تمہارے پاس لوگ تحصیل علم کیلئے آئیں گے ان کو مرحبا کہنا تحیت دینا اور علم سکھانا"۔[4]

ایک بار حضرت سعد بن ہشام ؓ مدینہ آئے اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے رسول اللہ ﷺ کی وتر کی کیفیت پوچھی۔ انہوں نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے وتر کی بہت بڑی عالم ہیں۔ انہوں نے حضرت حکیم بن افلح کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ انہوں نے انکار کیا تو ان کو قسم دلائی اور اب وہ ساتھ ہو گئے۔ دروازے پر اذن طلب کیا۔ بولیں کون؟ بولے حکیم بن افلح۔ پھر فرمایا ساتھ میں کون ہے؟ بولے سعد بن ہشام۔ فرمایا: "ہشام بن عامر جو احد میں شہید ہوئے؟" بولے: "ہاں"۔ فرمایا: "نہایت اچھا آدمی تھا۔" اس تعریف کے بعد انہوں نے کہا کہ "آپ ﷺ کے خلق کا حال بیان فرمائیے۔" بولیں "آپ

۱: ترمذی ابواب العلم باب فی الحث علی تبلیغ السماع۔
۲: مسند جلد ۳ صفحہ ۴۴۴۔
۳: ترمذی ابواب العلم ماجاء فی الاستیصاء بمن یطلب العلم ترمذی میں ہے کہ شعبہ نے براون عبدی کی تضعیف کی ہے۔
۴: سنن ابن ماجہ باب الوصاۃ لطلبۃ العلم۔

ﷺ کا خلق قرآن تھا، کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟" پھر پوچھا: "آپ ﷺ رات کو تہجد کیونکر پڑھتے تھے؟" بولیں "کیا تم سورہ مزمل نہیں پڑھتے؟" اس کے بعد اس تفصیل کے ساتھ ان کے تمام سوالات کے جواب دیئے کہ انہوں نے پلٹ کر حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے کہا خدا کی قسم اس کا نام حدیث[1] ہے۔

اس تمدنی دور میں سب سے پہلے طلبہ کی علمی قابلیت کا امتحان لیا جاتا ہے۔ پھر اس کو اساتذہ کے فیض تعلیم سے متمتع ہونے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن صحابہ کرام ؓ کی درس گاہ میں طالبان علم سے صرف خلوص نیت کا امتحان لیا جاتا تھا۔ ایک بار حضرت ابوالدرداء ؓ کے پاس مدینہ سے ایک آدمی آیا اور کہا کہ "میں آپ کی خدمت میں صرف ایک حدیث کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ جس کی آپ روایت کرتے ہیں۔ "بولے کسی ضرورت سے تو نہیں آئے؟ تجارت کی غرض سے تو نہیں آنا ہوا؟" اس نے کہا "نہیں"۔ تو حدیث کی روایت کی۔[2]

صحابہ کرام ؓ حدیث کی روایت فرماتے تو طالبان حدیث کا ہجوم ہو جاتا۔ ایک بار اشقیا اصمی ؓ مدینہ آئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے، پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا "ابوہریرہ ؓ" وہ درس دے چکے تو انہوں نے تنہا جا کر ایک حدیث کی درخواست کی۔[3]

حضرت ابوسعید خدری ؓ روایت حدیث کرتے تھے تو سامنے آدمیوں کی دیوار کھڑی ہو جاتی تھی۔[4]

ایک صحابی حدیث بیان کرتے تھے تو ان کے گرد آدمیوں کا اس قدر ہجوم ہو جاتا تھا کہ ان کو کوٹھے پر چڑھ کر حدیث[5] بیان کرنا پڑتا تھا۔

۱: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی صلاۃ اللیل۔
۲: ترمذی ابواب العلم باب ماجاء فضل الفقه علی العبادة یہ حدیث ابوداؤد وابن ماجہ میں بھی ہے۔
۳: ترمذی ابواب الزہد۔ ۴: مسلم کتاب الصلوٰۃ باب القرآءۃ فی الظهر والعصر۔
۵: مسند جلد ۵ صفحہ ۵۸۔

تعلیم فقہ

جس قدر اکابر صحابہ ﷺ تھے تقریباً سب فقہی مسائل کی تعلیم میں مصروف تھے اور اس کو اپنا نذہبی فرض خیال کرتے تھے۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ نے بصرہ کی مسجد میں آخر رمضان میں خطبہ دیا جس میں لوگوں کو صدقہ فطر کی ترغیب دی۔ یہ لوگ احکام شریعت سے اس قدر ناواقف تھے کہ ان کو صدقہ فطر کے تعین و مقدار کا حال بھی معلوم نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کو معلم ہوا تو بولے یہاں مدینہ کے کون لوگ ہیں؟ اٹھیں اور اپنے بھائیوں کو تعلیم دیں۔ کیونکہ انہیں یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر آزاد، غلام، مرد، عورت اور چھوٹے بڑی پر ایک صاع کھجور یا جو اور نصف صاع گیہوں صدقہ فطر میں مقرر فرمایا ہے۔[1]

موطائے امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر ﷺ نے ایک بار منبر پر چڑھ کر لوگوں کو تشہد سکھایا۔[2] موطائے امام محمد ﷺ میں ہے کہ انہوں نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل سکھائے۔[3] اسی طرح اور متعدد خطبوں میں مسائل فقہ کی تعلیم دی لیکن تمام ممالک مفتوحہ کی فقہی تعلیم کیلئے یہ طریقہ کافی نہیں تھا۔ اس لئے انہوں نے اور بھی متعدد طریقے اختیار کئے۔ مثلاً

۱) اکثر علماء و عمال کے پاس ہم مذہبی احکام اور مسائل لکھ لکھ کر روانہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ نماز پنجگانہ کے متعلق تمام عمال کے نام ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا۔ جسکو امام مالک نے موطا میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح عمال کے نام اور بھی مختلف مسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔

۲) اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے۔ وہ عالم اور فقیہہ ہوتے تھے اور تمام فرائض کی ساتھ ان کو تعلیم فقہ کا فرض بھی ادا کرنا ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ بصرہ کے گورنر ہو کر آئے تو علی الاعلان فرمایا۔

بعثني اليكم عمر لاعلمكم كتاب ربكم و سنة نبيكم۔[4]

مجھ کو عمر ﷺ نے تمہارے پاس اسلئے بھیجا ہے کہ تمہارے خدا کی کتاب اور سنت کی تعلیم دوں۔

۱: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب کم یودی فی صدقۃ الفطر۔

۲: مؤطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب التشهد في الصلوٰۃ۔ ۳: مؤطا امام محمد ۲۲۷۔

۴: دارمی صفحہ ۴۷ باب البلاغ عن رسول اللّٰه و تعليم السنن۔

۴) خاص اس مقصد کیلئے ممالک مفتوحہ میں فقہاء اور معلمین مقرر کئے۔ شام فتح ہوا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اور فقہ کے مسائل سکھائیں۔[۱] حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ کو بھی شام میں یہ خدمت تفویض ہوئی اور انہوں نے شام کے تمام تابعین کو فقہ سکھائی۔[۲] بصرہ کے لوگوں کی تعلیم کیلئے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور ان کے ساتھ آٹھ بزرگ اور بھی اسی غرض سے روانہ فرمائے۔[۳] مصر میں تعلیم فقہ کیلئے حضرت حیان بن ابی جبلہ رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا۔[۴] مدائن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس خدمت پر مامور تھے۔[۵]

غرض تمام ممالک میں فقہاء اور معلمین پھیلے ہوئے تھے اور نہایت سرگرمی کے ساتھ مسائل شریعت کی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کوفہ سے روانہ ہوئے تو اپنے اصحاب و تلامذہ کو جمع کر کے کہا "خدا کی قسم! میرے خیال میں دین، فقہ اور تعلیم قرآن کی حالت ملک کے اور صوبوں سے تمہارے یہاں بہتر ہو گئی"۔[۶]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد میں اس نظام کو قائم رکھا۔ چنانچہ قاضی ابن عبدالبر حضرت ربیعہ بن عمرو الجرشی رضی اللہ عنہ کے حال میں لکھتے ہیں۔

كان بفقه الناس زمن معاوية۔[۷]

وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔

عملی تعلیم

لیکن اسکے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عملی طریقہ سے بھی لوگوں کو مسائل شرعیہ کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کرنا شروع کیا۔ پہلے بالترتیب تین بار ہاتھ دھوئے پھر کلی کی، ناک صاف کی اور تین بار منہ دھویا اس کے بعد تین بار دایاں ہاتھ اور تین بار بایاں ہاتھ کہنی تک دھویا، پھر تین بار سر کا مسح کیا، پھر تین بار دایاں پاؤں، پھر تین بار بایاں پاؤں دھویا، ان تمام جزئیات کو عملاً نمایاں کر کے فرمایا کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے اور جو شخص میری طرح وضو کر کے اس خشوع کے ساتھ نماز پڑھے گا کہ اسکے دل میں وسوسے نہ پیدا ہوں تو خدا اسکے تمام اگلے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبادہ بن صامتؓ۔
۲: تذکرۃ الحفاظ ترجمہ عبدالرحمٰن بن غنم اشعری۔
۳: طبقات الحفاظ تذکرہ عمران بن حصین و اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن معقلؓ۔
۴: تہذیب تذکرہ حیان بن ابی جبلہؓ۔
۵: یعقوبی جلد دوم صفحہ ۱۷۳۔
۶: مسند جلد اول صفحہ ۴۰۵۔
۷: استیعاب تذکرہ ربیعہ بن عمرو الجرشی۔

حضرت علی ؓ نے بھی اسی طرح سنن وضو کی تعلیم فرمائی۔ چنانچہ وہ نماز پڑھ کر آئے تو وضو کا پانی طلب کیا۔ صحابہ ؓ سمجھ گئے کہ اب پانی کیا ہوگا؟ اس سے صرف عملی تعلیم مقصود ہے۔[1]

حضرت عبداللہ بن زید ؓ اور حضرت امیر معاویہ ؓ نے بھی اسی طریقہ سے سنن وضو کی تعلیم دی[1] اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا۔[2]

ایک بار حضرت ابومالک اشعری ؓ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "کیا تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق روایت کروں۔" یہ کہہ کر اٹھے اور صف بندی کی، پہلی صف میں مردوں کو اور ان کے پیچھے بچوں کو کھڑا کیا، پھر نماز پڑھائی۔[3]

ایک بار حضرت ابوسلیمان بن مالک حویرث ؓ ایک مسجد میں آئے اور فرمایا کہ میں نماز پڑھنا نہیں چاہتا۔ صرف مقصود یہ ہے کہ تم کو رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نماز سکھاؤں۔[4]

۱: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء ثلاثا باب صفۃ وضوء النبیؐ۔
۲: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضو مرتین۔
۳: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب مقام الصبیان من الصف۔
۴: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب النہوض فی الفرد۔

تعلیم تحریر و کتابت

اسلام آیا تو قریش میں صرف سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے جن میں شفاء بنت عدویہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ سب کے سب مرد[1] تھے۔ ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاء نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی لکھنا سکھایا تھا۔[2]

انصار اگرچہ مکہ والوں سے زیادہ متمدن تھے۔ تاہم ان میں تحریر و کتابت کا رواج مکہ والوں سے بھی کم تھا۔ اوس و خزرج کے قبائل میں صرف چند لوگ لکھنا جانتے تھے اور بعض یہود مدینہ کے بچوں کو لکھنے کی تعلیم دیتے تھے۔ اسی طرح اسلام کے ابتدائی زمانے میں انصار میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، منذر بن عمرو، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، رافع بن مالک رضی اللہ عنہ، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ، معن بن عدی، بشیر بن سعد، سعد بن ربیع، اوس بن خولی اور عبداللہ بن ابی لکھنا جانتے تھے۔[3] لیکن اسلام کے زمانے میں اس کو بہت ترقی ہوئی۔ اسیر ان بدر گرفتار ہو کر آئے تو ان میں جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کا فدیہ یہ قرار دیا کہ یہ لوگ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ چنانچہ انصار کے بچوں نے ان سے لکھنا شروع کیا۔ حضرت عبداللہ بن سعید بن العاصی رضی اللہ عنہ بھی جاہلیت میں لکھنا جانتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی حکم دیا کہ مدینہ کے لوگوں کو لکھنا سکھائیں۔[4] حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اہل صفہ کو قرآن مجید کی جو تعلیم دیتے تھے تحریر و کتابت بھی اسکا جزو تھی۔[5]

خلفاء کے زمانے میں اس کو اور بھی ترقی ہوئی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو مکاتب قائم ہوئے ان میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ انہوں نے تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ ابو عامر سلیم جو رواۃ حدیث میں ہیں ان کی زبانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا تو مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ معلم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھو جس طرح

1: فتوح البلدان صفحہ ۴۷۷۔
2: ابوداؤد کتاب الطب باب ماجاء فی الرقی۔
3: فتوح البلدان صفحہ ۴۷۹۔
4: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن سعید بن العاصیؓ۔
5: مسند جلد ۵ صفحہ ۳۱۵۔

گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حمران بن ابان کو جو مسیّب بن نجنہ فزاری کا غلام تھا خرید لیا اور اس کو لکھنا سکھا کر اپنا میر منشی مقرر کیا۔[2]

۱: معجم البلدان لفت حاضر بحوالہ الفاروق۔
۲: فتوح البلدان صفحہ ۳۶۰۔

افتاء

اگرچہ خود رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک ہی میں مہاجرین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انصار میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس خدمت کو انجام دینے لگے تھے۔[1] لیکن آپ کے بعد تمام مسائل شرعیہ کا دارومدار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذات پر رہ گیا تھا۔ اس لیے ان بزرگوں کے دروازوں پر تشنگان علم کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت قرعہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ فتویٰ دے رہے تھے اور لوگ ان پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ میں نے انتظار کیا، جب بھیڑ بھاڑ چھٹی تو میں نے خود سفر کے روزے کے متعلق سوال کیا۔[2]

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ یہ خدمت انجام دیتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اس صیغہ کو بالکل باضابطہ کر دیا۔

1) مثلاً حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اگرچہ چند منتخب بزرگ اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ تاہم اور لوگوں کو فتوے دینے کی ممانعت نہ تھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چند اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس خدمت کیلئے مخصوص کر لیا اور بقیہ صحابہ کو فتویٰ دینے کی ممانعت کر دی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اگرچہ فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھے اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو خزانۃ العلم کہتے تھے لیکن جب انہوں نے بغیر اجازت فتویٰ دینا شروع کیا تو انہوں نے ان کو روک دیا۔[3]

2) جو صحابہ رضی اللہ عنہم جس فن میں ممتاز تھے ان کو اسی شاخ میں فتوے دینے کا مجاز کیا۔ چنانچہ شام کے سفر میں بمقام جابیہ جو خطبہ دیا اس میں یہ الفاظ فرمائے۔

من اراد القرآن فلیات ابیا ومن اراد ان یسأل الفرائض فلیات زیدا او من اراد ان یساء ل الفقہ فلیات معاذ۔

1: اسد الغابہ تذکرہ معاذ بن جبلؓ۔

2: ابو داؤد کتاب الصیام باب فی الصوم فی السفر۔

3: مسند دارمی صفحہ ۳۴۔

جن لوگوں کا مقصد قرآن مجید ہو وہ ابی بن کعب کے پاس آئیں جو لوگ فرائض کے متعلق سوال کرنا چاہیں وہ زید کے پاس آئیں۔ جن لوگوں کو فقہ کے متعلق دریافت کرنا ہو وہ معاذ کے پاس جائیں۔

۴) سوال کرنے والوں کو صرف عملی مسائل کے پوچھنے کی اجازت دی۔ چنانچہ ایک شخص کے متعلق جب معلوم ہوا کہ وہ مسلمانوں کی فوجی چھاؤنیوں میں متشابہات قرآن کے متعلق سوال کرتا ہے تو اس کو سزا دی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ کو لکھ بھیجا کہ ان کے پاس کوئی مسلمان بیٹھنے نہ پائے۔[1]

صحابہ کرام ﷺ جن پابندیوں کے ساتھ فتوے دیتے تھے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱) خلیفۂ وقت کے فتوے کو اپنے فتویٰ پر نافذ العمل سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ نے حج کے متعلق فتویٰ دیا اور بعد کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین (عمر ﷺ) نے دوسرا تغیر کیا ہے تو لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ میرے فتویٰ پر عمل نہ کرو امیر المومنین آرہے ہیں ان کی اقتداء کرو۔[2]

۲) جو فتوے دیتے تھے دوسرے صحابہ ﷺ سے اس کی تصویب کروا لیتے تھے اگر ان کی رائے میں وہ فتوے اصحیح نہیں ہوتا تھا تو وہ آزادی کے ساتھ اس کی مخالفت کرتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ اور حضرت سلمان بن ربیعہ ﷺ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے جواب دے کر کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کے پاس جاؤ وہ بھی ہماری تائید کریں گے۔ وہ آئے تو انہوں نے کہا کہ اگر اس کی تائید کروں تو گمراہ ہو جاؤں گا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے موافق فتوے دیتا ہوں۔[3]

۳) صرف انہی مسائل کا جواب دیتے تھے جو عملاً وقوع پذیر ہوتے تھے۔ ہمارے فقہاء کی طرح فرضی مسائل کے جواب نہیں دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کا قول تھا کہ "جو شخص ہر مسئلہ کا جواب دیتا ہے وہ پاگل ہے۔" ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت ابی بن کعب ﷺ سے ایک مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا "کیا یہ ہو چکا؟" بولا "نہیں۔" فرمایا انتظار کرو جب ہو چکے تو ہم غور کر کے تمہیں جواب دیں گے[4] اور صحابہ ﷺ سے بھی اسی قسم کے اقوال مذکور ہیں۔

۴) اگر کسی مسئلہ کا جواب معلوم نہ ہوتا تو ہمارے علماء کی طرح حیلہ بازیاں نہیں کرتے تھے بلکہ صاف صاف کہہ دیتے تھے کہ ہمیں معلوم نہیں۔

۱: مسند دارمی صفحہ ۲۳۱۔
۲: نسائی کتاب الحج ترک تسمیہ عند الاہلال۔
۳: ابوداؤد کتاب الفرائض باب ماجاء فی الصلب۔
۴: مسند دارمی صفحہ ۳۱ و ۳۵۔

ایک دفعہ کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ معلوم نہیں! وہ واپس ہوا تو بولے کہ "ابن عمر رضی اللہ عنہ نے خوب کہا مجھے معلوم نہیں"۔[1]

۵) مسئلہ کے متعلق جس قدر معلوم ہوتا۔ اس سے زیادہ جواب نہیں دیتے تھے۔ ایک بار کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا وتر واجب ہے یا نہیں؟ بولے رسول اللہ ﷺ نے اور مسلمانوں نے وتر پڑھا ہے۔ وہ بار بار پوچھتا رہا مگر انہوں نے اس فقرے کے سوا یہ نہیں کہا کہ "واجب ہے"۔

1: دارمی ص ۳۵۔

علم التفسیر

احادیث کی کتابوں میں اگرچہ قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق صحابہ کرام ﷺ سے بہت کم روایتیں منقول ہیں۔ تاہم جو کچھ ہیں وہی قرآن مجید کا مغز ہیں۔

قرآن مجید صرف عقائد، احکام اور اخلاق کا مجموعہ ہے۔ قصص انبیاء نے اگرچہ اس میں تاریخی عنصر بھی شامل کر دیا ہے لیکن ان کا جو حصہ قرآن مجید میں مذکور ہے، وہ نہایت سادہ، مختصر اور صحیح ہے۔ صحابہ کرام ﷺ سے ان کے متعلق کوئی صحیح روایت مذکور نہیں، لیکن بعد کو ان کے متعلق بے سر و پا روایات کا جو دفتر بے پایاں تیار ہو گیا۔ اس کے متعلق علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

وقد جمع المتقدمون فی ذالك ولوعوا الا ان کتبهم ومنقولاتهم تشتمل علی الغث والسمين والمقبول والمردود والسبب فی ذالك ان العرب لم يكونوا اهل كتاب ولا علم انما عليهم عليهم البداوة والامية واذا اتشوقوا الی معرفة شئی مما تشوق اليه النفوس البشرية فی اسباب المكونات و بدء الخليقة واسرار الوجود فانما يساء لون عنه اهل الكتاب قبلهم و يستفيدونه منهم وهم اهل التوراة من اليهود و من تبغ دينهم من النصاری والهل التوراة الذين بين العرب يومئيذ بادية مثلم ولايعرفون من ذالك الا ماتعرفه العامة من اهل الكتاب ومعظمهم من حمير الذين اخذوابدين اليهودية فلما اسلموا بقوا علی ماكان عندهم ممالاتعلق له بالاحكام الشرعية التی يحتاطون لما مثل اخبار بدء الخيقة ومايرجع الی الحدثان والملاحم وامثال ذالك وهتولاء مثل كعب الاحبار ووهب بن منبه وعبدالله بن سلام وامثالهم فامتلات التفاسير من المنقولات عندهم۔[1]

متقدمین نے ان تمام چیزوں کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے لیکن ان کی کتابوں میں بری بھلی مقبول اور مردود ہر قسم کی روایتیں مذکور ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب اہل کتاب اور اہل علم نہ تھے بلکہ وحشی اور جاہل تھے۔ اس لئے ان کو جب مخلوقات کی تکوین، عالم کی آفرینش اور اسرار کائنات کے جاننے کا شوق ہوتا تھا تو اہل کتاب یعنی یہود اور ان کے مقلدین نصاری سے پوچھتے تھے لیکن اس وقت عرب میں جو یہود آباد تھے۔ وہ بھی انہی کی طرح وحشی تھے۔

1: مقدمہ ابن خلدون ص ۴۸۱۔

ان باتوں کا علم ان کو صرف اتنا ہی تھا جتنا ایک عامی کو ہو سکتا ہے۔ ان میں زیادہ تر قبیلہ حمیر کے وہ لوگ تھے جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس لئے جب یہ لوگ اسلام لائے تو جن چیزوں کو احکام شرعیہ سے تعلق نہ تھا ان کو اسی قدیم حالت پر قائم رکھا۔ مثلاً آفرینش عالم، واقعات تاریخی اور مذہبی لڑائیوں کے حالات وغیرہ اس قسم کے لوگوں میں کعب احبار، وہب بن منبہ اور عبداللہ بن سلام وغیرہ ہیں۔ اس بناء پر متقدمین کی تفسیریں ان ہی منقولات سے بھر گئیں۔

لیکن اس نکتہ کو سب سے پہلے صحابہ کرام ؓ ہی نے سمجھا تھا، مثلاً حضرت کعب احبار ؓ کو اگرچہ صحابہ کرام ؓ ثقہ سمجھتے تھے۔ تاہم امیر معاویہ ؓ نے ان کے متعلق صاف الفاظ میں فرمایا تھا۔

ان کان من اصدق ھٰؤلاء المحدثین الذین یحدثون عن اھل الکتاب و ان کنامع ذلك لیتلوا علیه الکذب۔

اگرچہ ان محدثین میں جو اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ سچے ہیں۔ تاہم ان کو جھوٹ سے بری نہیں پاتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ عموماً لوگوں کو تفسیر کے متعلق اہل کتاب کی طرف رجوع کرنے سے روکتے تھے۔ ایک بار انہوں نے فرمایا "تم لوگ اہل کتاب سے کیا پوچھتے ہو؟ تمہاری کتاب تو خود تازہ اور غیر مخلوق ہے اور اس میں مذکور ہے کہ یہود نے کتاب اللہ کو بدل دیا تھا اور اس میں اپنے قلم سے تغیرات[1] کر دیئے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ اگرچہ نہایت کثیر الروایۃ صحابی تھے لیکن وہ بھی اہل کتاب سے روایت نہیں کرتے تھے۔[2]

حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں جس درخت کا پھل کھایا وہ کون سا درخت تھا؟ عصائے موسیٰ کا طول کیا تھا؟ سفینۂ نوح کتنا بڑا تھا؟ یہ اور اسی قسم کی بہت سی بیکار باتوں کے متعلق تفسیروں میں جو دور از کار روایتیں مذکور ہیں وہ انہی تفسیروں کا اندوختہ ہیں۔ لیکن صحابہ کرام ؓ اس قسم کی ادھیڑ بن میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ صحابہ کرام ؓ عرب تھے اور عربی کلام کے رموز و اسرار سے واقف تھے۔ اس لئے قرآن مجید کا اکثر حصہ ان کیلئے متن بھی تھا اور تفسیر بھی۔ البتہ جب کوئی لفظ یا کوئی آیت سمجھ میں نہیں آتی تھی تو

۱۔ رسول اللہ ﷺ سے اسکے متعلق سوال کرتے تھے اور آپ اسکی تفسیر فرما دیتے تھے۔ احادیث میں اس قسم کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

۱: بخاری الاعتصام باب قول النبی "تسألوا اھل الکتاب عن شئی۔
۲: فتح الباری جلد ۶ ص ۲۵۶۔

و لم یلبسوا ایمانھم بظلم اور جن لوگوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوط نہیں کیا
تو صحابہ ﷺ نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم میں کس نے ظلم نہیں کیا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ان الشرك لظلم[1] عظیم شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

جس سے معلوم ہو گیا کہ آیت میں ظلم سے شرک مراد ہے۔

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

من یعمل سوء ایجزبه جو شخص کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا

کے متعلق آپ سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس بدلے سے مراد وہ مصیبتیں ہیں جو بندوں کو بھگتنی پڑتی ہیں۔ یہاں تک کہ اگر انسان کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ اس کیلئے پریشان ہو تو وہ بھی اسی میں داخل ہے۔[2]

قرآن مجید کی اس آیت میں

یاایھا الذین امنو علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم
مسلمانو! تم پر صرف تمہاری ذات کی ذمہ داری ہے۔ جب تم نے ٹھیک راہ پالی تو جو شخص گمراہ ہوا وہ تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

بظاہر امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا سدباب ہو جاتا ہے۔ ایک صحابی کے دل میں یہ بات کھٹکی اور انہوں نے آپ سے یہ سوال کیا۔ آپ نے فرمایا اس آیت پر صرف اس وقت عمل کرنا چاہئے جب ہوا پرستی عام ہو جائے اور ہر شخص صرف اپنی رائے پر عمل کرنے لگے ورنہ جب تک لوگوں میں ہدایت کے قبول کرنے کا مادہ موجود ہے امر بالمعروف کا فرض ساقط نہیں ہو سکتا۔[3]

بعض آیتیں اس قسم کی تھیں جن پر تاریخی حیثیت سے اعتراض ہوتا تھا اور صحابہ کرام ﷺ آپ سے ان کا جواب پوچھتے تھے۔ مثلاً ایک بار آپ ﷺ نے ایک صحابی کو نجران کے عیسائیوں کے پاس بھیجا تو ان لوگوں نے اعتراض کیا کہ قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کو ہارون کی بہن کہا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے زمانے میں بہت فصل ہے۔ ان سے اس کا جواب بن نہیں آیا اسلئے انہوں نے واپس آکر آپ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہود اپنے قدیم انبیاء و صلحا کے نام پر اپنی اولاد کا نام رکھتے تھے۔[4] اسلئے حضرت مریم کے بھائی کا نام اسی طریقہ پر ہارون رکھا گیا تھا۔

1: بخاری کتاب التفسیر باب قوله ولم یلبسو ایمانھم بظلم۔
۲: ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورہ بقرہ۔ ۳: ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورہ مائدہ۔
۴: ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورہ مریم۔

۲) بعض اوقات خود رسول اللہ ﷺ تفسیر کے متعلق صحابہ کرام ؓ کا امتحان لیتے تھے اور جب ان سے جواب بن نہیں آتا تھا تو خود آیت کی تفسیر فرمادیتے تھے۔ قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

کشجرة طيبة اصلها ثابت وفرعها في السماء توتي اكلها كل حين۔

مثل اس پاک درخت کے جس کی جڑ ثابت ہے اور اس کی شاخ آسمان میں ہے اور وہ ہمیشہ پھلتار ہتا ہے۔

ایک بار صحابہ ؓ کا مجمع تھا آپ نے پوچھا کہ یہ کون سا درخت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے دل میں اگر چہ اس کا جواب آیا لیکن انہوں نے حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کی موجودگی میں کچھ بولنا خلاف ادب سمجھا۔ بالاخر آپ نے خود بتلایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔[1]

صحابہ کرام ؓ کو آپ کی زبان مبارک سے تفسیر سننے کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار جب آپ نے حالت سفر میں بہ آواز بلند یہ آیت پڑھی۔

یاایها الناس اتقوا ربکم ان زلزلة الساعة شئی عظیم

لوگو! اپنے خدا سے ڈرو۔ قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے۔

تو صحابہ کرام ؓ نے اپنی سواریوں کو تیزی کے ساتھ دوڑایا کہ آپ اس آیت کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ پاس پہنچے تو آپ نے پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون سا دن ہے۔ بولے اس کا علم تو صرف خدا اور خدا کے رسول کو ہے اسکے بعد آپ نے وقائع قیامت کو بیان کیا۔[2]

۳۔ بعض اوقات اکابر صحابہ ؓ علمی صحبتیں منعقد کرتے تھے اور ان میں قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق بہت سے نکتے حل ہو جاتے تھے۔ ایک بار صحابہ ؓ کا مجمع تھا۔ ایک بار صحابہ ؓ کا مجمع تھا۔ حضرت عمر ؓ نے پوچھا کہ آیت ایود احدکم ان تکون له جنة کس کے بارے میں نازل ہوئے صحابہ ؓ نے کہا اس کا علم تو خدا کو ہے حضرت عمر ؓ سخت برہم ہوئے اور کہا کہ یا تو یہ کہو جانتے ہیں یا یہ کہو کہ نہیں جانتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اگر چہ کم سن تھے اور اس لئے کچھ کہتے ہوئے ڈرتے تھے۔ تاہم حضرت عمر ؓ کی ہمت افزائی سے اجمالاً اس قدر کہا کہ یہ آیت ایک عمل کی مثال ہے۔ حضرت عمر ؓ نے مزید تشریح کی اور کہا کہ اس دولتمند شخص کے عمل کی مثال ہے جس نے اطاعت الٰہی کی پھر شیطان کے اغواء سے گناہوں کا مرتکب ہوا۔ اسلئے خدا نے اسکے تمام اعمال کو برباد کر دیا۔[3]

۱: بخاری کتاب التفسیر باب قوله کشجرة طیبة اصلها ثابت۔

۲: ترمذی کتاب التفسیر، تفسیر سورہ حج۔

۳: ترمذی کتاب التفسیر سورہ باب قوله ایود احدکم ان تکون له جنة۔

ایک بار تمام کبار صحابہ ؓ جمع تھے حضرت عمر ؓ نے اذا جاء نصر اللّٰہ و الفتح کی تفسیر پوچھی سب نے کہا کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم کو اس آیت میں تسبیح واستغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت عمر ؓ خاموش رہے اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے وصال کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت عمر ؓ نے کہا میں بھی یہی جانتا ہوں۔[1]

۴۔ بعض اوقات لوگ صحابہ کرام ؓ سے تفسیر کے متعلق سوال کرتے اور وہ اس کا جواب قرآن مجید میں ہے۔

لا تحسبن الذین یفرحون الخ

جو لوگ خوش ہوتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں۔

ایک بار مروان نے اپنے دربان کو حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ اگر یہ گناہ ہے تو ہر شخص پر عذاب ہونا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ اس آیت کا تم سے تعلق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو بلایا اور ایک سوال کیا۔ انہوں نے اس کے اصلی جواب کو مخفی رکھ کر دوسری بات بتادی اور جس علم کو مخفی رکھا اس پر خوش ہوئے اور جو جواب دیا اس پر داد طلب کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[2]

جس آیت میں چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع۔

اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے حسب خواہش دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔

لیکن بظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑوں میں ربط معلوم نہیں ہوتا یتیموں کے معاملے میں عدم انصاف اور چار نکاح کی اجازت میں باہم کیا تعلق ہے۔

ایک بار حضرت عروہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق سوال کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ بعض اوقات یتیم لڑکیاں جائیداد میں ولی کی شریک ہوتی ہیں۔ وہ ان سے نکاح کر لیتا ہے اور مہر اور عورتوں سے کم دیتا ہے۔ ایسی حالت میں ان سے نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے[3] اور دوسری عورتوں سے نکاح کا حکم دیا گیا۔

۱: بخاری کتاب التفسیر باب قولہ فسبح بحمد ربک
۲: بخاری کتاب التفسیر باب قولہ لا تحسبن الذین یفرحون بما اتو
۳: بخاری کتاب التفسیر باب وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامی۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں جن دو بیبیوں نے آپ سے مظاہرہ کیا تھا۔ ان کے نام ایک برس سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرؓ سے پوچھنا چاہتے تھے۔ بالآخر ایک سفر حج میں یہ موقع ملا اور انہوں نے بتایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں۔[۱]

مناسک حج میں سے ایک رکن کوہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے۔ قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں۔

ان الصفا و المروہ من شعایر اللّٰہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما۔

صفا و مروہ کی پہاڑیاں شعائر الٰہی میں سے ہیں پس جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں اگر ان کا بھی طواف کر لے۔

حضرت عروہ نے اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ خالہ جان! اسکے تو معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تب بھی کوئی ہرج نہیں۔ فرمایا بھانجے تم نے ٹھیک نہیں کہا یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اوس و خزرج اسلام سے پہلے مناہ کی جے پکارا کرتے تھے منات مشلل میں نصب تھا۔ اسلئے وہ لوگ صفا و مروہ کے طواف کو برا جانتے تھے۔ اسلام لائے تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کرتے تھے۔ اب کیا حکم ہے؟ اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا و مروہ کا طواف کرو۔ اس میں کوئی مضایقہ کی بات نہیں۔[۲]

قرآن مجید کی ایک آیت یہ ہے

یستفتونك فی النساء قل اللّٰہ یفتیکم فیھن وما یتلی علیکم فی الکتاب فی یتامی النساء التی لا تو تو نھن ما کتب لھن و ترغبون ان تنکحو ھن۔

عورتوں کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہہ دے کہ خدا ان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے اس کتاب یعنی قرآن میں جو کچھ تم لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا ہے ان یتیم لڑکیوں کی نسبت جن کو نہ تم مقررہ حقوق دیتے ہو اور نہ ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عروہ رضی اللہ عنہا نے اسکا مطلب دریافت کیا تو بولیں کہ اس آیت میں جو یہ ارشاد ہوا ہے کہ اس قرآن میں پہلے جو کچھ ان کے بارے میں پڑھ کر سنایا گیا ہے اس سے وہی پہلی آیت مراد ہے یہ آیت ان اولیاء سے متعلق ہے جو یتیم لڑکیوں کو نہ خود اپنے نکاح میں لاتے کہ وہ دولت حسن سے محروم ہیں اور نہ دوسرے سے ان کا نکاح کرنا پسند کرتے کہ جائداد مشترکہ سے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے۔[۳]

۱: بخاری کتاب التفسیر باب قولہ وان تظاہرا علیہ۔ ۲: بخاری باب وجوب الصفاء والمروہ۔
۳: صحیح مسلم کتاب التفسیر و صحیح بخاری کتاب النکاح۔

اس سورہ میں ایک آیت اور ہے

حتی اذا ستیاٴس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاء ھم نصرنا۔

یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے اور انکو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے تو ہماری مدد آگئی۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کذبوا ہے (جھوٹ بولے گئے یعنی ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) یا کذبوا؟ (وہ جھٹلائے گئے) فرمایا کذبوا، عروہ نے کہا کہ اس کا تو ان کو یقین تھا کہ وہ جھٹلائے گئے۔ یہ ظن و خیال تو نہ تھا۔ اسلئے کذبوا (ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) صحیح ہے، بولیں معاذ اللہ پیغمبران الٰہی خدا کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اس نے ان سے امداد و نصرت کا جھوٹ وعدہ کیا، عروہ نے پوچھا پھر آیت کا مطلب کیا ہے۔ فرمایا یہ پیغمبروں کے پیروؤں سے متعلق ہے کہ جب وہ ایمان لائے اور توریت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا اور نصرت الٰہی میں ان کو تاخیر نظر آئی۔ یہاں تک کہ پیغمبر اپنی قوم کے منکرین کے ایمان سے ناامید ہو گئے تو ان کو خیال ہوا کہ شاید اس تاخیر کے سبب مومنین بھی ہماری تکذیب نہ کر دیں کہ اسی حالت میں دفعتہً خدا کی مدد نازل ہوئی۔[1]

اس قسم کی اور بھی متعدد مثالیں احادیث کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

۵۔ بعض آیتیں اس قسم کی تھیں جو خاص خاص اشخاص یا خاص خاص قبائل کے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ اس لئے وہی لوگ اس کی صحیح تفسیر کر سکتے تھے، مثلاً ایک بار ایک صحابی نے رومیوں پر اس جوش کے ساتھ حملہ کیا کہ ان کی صف جنگ کے اندر گھس گئے اس پر تمام لوگوں نے شور کیا کہ سبحان اللہ وہ اپنی ذات کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں جس سے قرآن مجید کی آیت لا تلقوا بایدیکم الی التھلکة کی طرف اشارہ تھا اس غزوہ میں حضرت ابوایوب انصاری ﷺ بھی موجود تھے انہوں نے کہا تم اس آیت کے یہ معنی سمجھتے ہو۔ حالانکہ یہ ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا اور اس کے بہت سے اعوان و انصار پیدا ہو گئے تو ہم میں بعض لوگوں نے چھپے چوری کہا کہ ہماری جائداد برباد ہو گئی۔ اب اسلام کے بہت سے حامی اور انصار پیدا ہو گئے اس لئے اب ہم کو اپنی جائداد کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔ اس لئے خدا نے ہمارے خیال کی تردید کی اور فرمایا۔

وانفقوا فی سبیل اللّٰہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکة

خدا کی راہ میں صرف کرو اور اپنی ذاتوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اس بنا پر جہاد ہلاکت نہیں ہے۔ بلکہ جہاد کو چھوڑ کر معاش کی فکر میں مصروف ہو جانا ہلاکت ہے۔[2]

۱: بخاری تفسیر سورہ یوسف۔ ۲: ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورہ بقرہ۔

۶۔ کبھی کبھی بعض اشخاص کسی آیت کی غلط تفسیر کرتے تھے۔ صحابہ کرام ؓ کو خبر ہوتی تھی تو ان کی غلطیوں پر تنبیہ کرتے تھے۔ اس طرح اس آیت کی صحیح تفسیر معلوم ہو جاتی تھی۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے۔

فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین۔

اس دن کا انتظار کر جس دن آسمان سے دھواں نمودار ہو گا۔

ایک بار ایک شخص نے اس کی تفسیر بیان کی کہ قیامت کے دن ایک ایسا دھواں اٹھے گا جو منافقین کو بہرا اور اندھا کر دے گا۔ لیکن مسلمانوں کو اس سے صرف اس قدر گلو گرفتگی ہو گی جتنی ذکام میں ہوتی ہے ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے اس کا تذکرہ کیا وہ ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے برہم ہو کر اٹھ بیٹھے اور کہا کہ علم رکھتے ہوں وہ بولیں اور جو جاہل ہوں وہ خاموش رہیں یہ کہنا کہ ہم نہیں جانتے یہ بھی علم ہے۔ خدا نے خود اپنے پیغمبر کی نسبت فرمایا ہے کہ کہہ دو کہ میں تم سے معاوضہ نہیں مانگتا اور تم سے بناوٹ کی کوئی بات نہیں کہتا اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ قریش نے اسلام قبول کرنے میں لیت و لعل کیا۔ اس لئے آپ نے ان کو قحط کی بد دعا دی چنانچہ ایسا قحط پڑا کہ سب مردار اور ہڈیاں تک کھانے لگے۔ اسی حالت میں لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ فضا دھوئیں سے بھرا اٹھی ہے۔ چنانچہ یہ آیت اسی کے متعلق ہے۔[1]

ایک بار مروان نے اہل حجاز کو ایک خطبہ میں یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ؓ نے اس پر اعتراض کیا اس نے ان کو گرفتار کرنا چاہا۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں چھپ گئے تو مروان نے تفسیص کے طور پر کہا قرآن مجید کی آیت والذی قال لوالدیہ اف لکما اتعداننی انہی کے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردہ سے کہا کہ بجز براۃ افک نے ہم لوگوں کے بارے میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔[2]

۷۔ قرآن مجید کی صحیح تفسیر کا دارو مدار تمام تر عربیت پر ہے لیکن مفسرین نے عربیت کے اصول و قواعد کو چھوڑ کر متعدد غلطیاں کی ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے

اذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها۔

جب ہم کسی گاؤں کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۱: بخاری کتاب التفسیر تفسیر الم غلبت الروم۔
۲: بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ احقاف۔

لیکن اگر اس آیت میں امر کے معنی حکم کیلئے جائیں۔ جیساکہ عام مفسرین نے لئے ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدا ہی ان کو فسق و فجور کا حکم دیتا ہے۔ حالانکہ خدا برائیوں کا حکم نہیں دیتا مفسرین کے دل میں یہ اعتراض کھٹکا ہے اور انہوں نے اسکے مختلف جوابات دیئے ہیں لیکن خصائص ابن جنی میں متعدد شواہد سے ثابت کیا گیا ہے کہ امر کے معنی کلام عرب میں کثرت کے بھی آتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر یہ ہوگی۔ کہ جب ہم کسی شہر کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو بہت سے امراء پیدا کر دیتے ہیں اور امارت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مبتلائے فسق و فجور ہو جاتے ہیں جو تباہی کا پیش خیمہ ہے اور اس تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر عربیت کا کون ماہر ہو سکتا تھا؟ اس لئے انہوں نے اس قسم کے موقعوں پر ٹھیک وہی تفسیر کی ہے جو ادب و عربیت کا اقتضاء تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی جو تفسیر منقول ہے اس میں انہوں نے امر کے معنی کثرت ہی کے لئے ہیں اس کے اصلی الفاظ یہ ہیں

كنا نقول للحي اذا كثروا في الجاهلية امر بنو فلان۔[1]

زمانہ جاہلیت میں جب کوئی قبیلہ بڑھ جاتا تھا تو ہم کہتے تھے کہ امر بنو فلاں۔

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بحث و جستجو، تحقیق و تلاش روک و ٹوک جو کچھ تھی اس کا تعلق صرف تفسیر کے اس حصے کے ساتھ تھا۔ جو ضروری، کار آمد اور عملی تھا۔ غیر ضروری مباحث مثلاً تخلیق عالم، اسرار کائنات تاریخ قدیم اور قصص انبیاء سے انہوں نے کبھی اعتنا نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بروایت صحیحہ ایک حرف بھی مروی نہیں ہے۔ متاخرین کے دماغ کا سب سے بڑا جولانگاہ آیات متشابہات ہیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بحث میں پڑنا بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کو جو آیات متشابہات کے متعلق سوال کرتا پھرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سخت سزا دی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ کوئی مسلمان اس کے پاس بیٹھنے نہ پائے۔[2]

ان آیات کے علاوہ وہ قرآن مجید کی اور متعدد آیتوں کی تفسیریں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث کی کتابوں میں منقول ہیں لیکن ہم ان کو بخوف طوالت قلم انداز کرتے ہیں۔

1: بخاری کتاب التفسیر باب قوله اذا اردنا ان نهلك قرية الخ۔
2: مسند دارمی صفحہ ۳۱۔

علم حدیث

یہ مسلم ہے کہ حدیث کا مقدس فن تمام تر صحابہ کرام ؓ کا ساختہ و پرداختہ ہے لیکن اگر یہ سوال کیا جائے کہ صحابہ کرام ؓ نے اس فن کو کیونکر مرتب کیا؟ تو اس کے جواب کے لئے ہم کو اس سوال کے تمام اجزاء کو تحلیل کر کے تفصیل کے ساتھ بتانا ہو گا کہ صحابہ کرام ؓ نے فن حدیث کی کیا ضرورت سمجھی؟ اس کو کیونکر حاصل کیا؟ کیونکر محفوظ رکھا؟ ہم تک اس کو کس حزم و احتیاط کے ساتھ پہنچایا؟ ان کی روایتوں کا مقصد کیا تھا؟ ان کے پاس احادیث کا تحریری ذخیرہ کس قدر تھا؟ صحابہ کرام ؓ نے احادیث کے کس قدر مدارج قائم کیے؟ ان سے جن لوگوں نے روایتیں کیں انہوں نے ان احادیث کا کس قدر تحریری ذخیرہ فراہم کیا؟ صحابہ کرام ؓ نے احادیث کے کس قدر مدارج قائم کیئے؟ فن درایت کو کس حد تک پہنچایا؟ قلت و کثرت روایت کی بنا پر ان کے کس قدر طبقات قائم ہوئے؟ اور ان کی روایات کی تعداد کیا ہے؟

چنانچہ ہم اسی ترتیب کے ساتھ ان سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

فن روایت کی ضرورت

عقائد، عبادات اور اخلاق کے تمام ابواب اگرچہ اصولاً قرآن مجید میں مذکور ہیں لیکن ان کی توضیح، تفصیل اور تحدید و تعیین کیلئے رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کی ضرورت ہے اسلئے وہ بھی قرآن مجید کی طرح مذہبی عقائد و اعمال کا لازمی جزو ہے۔ اسی مقصد کیلئے فن حدیث کی ضرورت ہے اور صحابہ کرام ؓ نے اس کی یہی ضرورت سمجھی تھی۔

چنانچہ ایک بار کسی شخص نے حضرت عمران بن حصین ؓ سے کہا کہ "آپ لوگ ایسی حدیثوں کی روایت کرتے ہیں جن کی اصل ہم کو قرآن مجید میں نہیں ملتی وہ سخت برہم ہوئے اور فرمایا "کیا قرآن مجید میں یہ تفصیل ہے کہ ہر چالیس درہم میں ایک درہم۔ اتنی بکریوں میں اتنی بکری اور اتنے اونٹوں میں اتنے اونٹ زکوۃ میں دینے چاہئیں اس نے کہا" نہیں بولے "تو پھر تم کو کیونکر یہ معلوم ہوا؟ تم نے ہم سے سیکھا اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے۔[1]

صحابہ کرام ؓ نے علم حدیث کیوں کر حاصل کیا

صحابہ کرام ؓ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت کا مشتاق نہ تھا،

1: ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب ماتجب فیہ الزکوۃ۔

لیکن اسکا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ مشکوۃ نبوت سے اقتباس نور کریں۔ حضرت عمر ﷺ عوالی میں قیام رکھتے تھے جو مدینہ سے کسی قدر دور تھے اسلئے آپ کی خدمت میں روز حاضر ہونا ناممکن تھا تاہم یہ معمول کر لیا تھا کہ ایک روز خود آتے تھے اور دوسرے روز اپنے پڑوسی حضرت عتبان بن مالک ﷺ کو بھیجتے تھے تاکہ خرمن نبوت کی خوشہ چینہ سے کسی دن محروم نہ ہونے پائیں۔[1]

بعض صحابہ ﷺ کو اس کا اس قدر شوق تھا کہ ایک ایک بات کیلئے برسوں آپ کی خدمت میں قیام کرتے تھے۔

حضرت نواس بن سمعان ﷺ کا بیان ہے کہ لوگ جب آپ ﷺ کے پاس رخصت ہوتے تھے تو کچھ پوچھ کر نہیں جاتے تھے، لیکن مجھے گناہ وثواب کی حقیقت دریافت کرنی تھی اس کیلئے میں نے ایک سال تک قیام کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "نیکی حسن خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو خود تمہارے دل میں کھٹکے اور لوگوں پر اس کا افشاء تمہیں ناگوار ہو"۔[2]

اس طرح جن بزرگوں کو آپ کے فیض صحبت سے متمتع ہونے کا جس قدر موقع ملتا تھا اسی قدر ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ زیادہ جمع ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ ﷺ پر جب کثرت روایت حدیث کا الزام لگایا گیا تو انہوں نے اس کا یہ جواب دیا

ان اخوتي من المهاجرين كان شيلهم الصفق بالا سواق و كنت الزم رسول الله صلى الله عليه و سلم على ملاء بطني فاشهدا ذاغا بوا واحفظ اذا نسوا و كان يشغل اخوتي من الا نصار عمل المو الهم و كنت امرء مسكينا من مساكين الصفة اعي حين ينسون۔[3]

میرے بھائی مہاجرین تجارت میں اور میرے بھائی انصار کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے، لیکن میں مساکین صفہ کا ایک فرد تھا اس لئے ہر وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اس بنا پر جب وہ لوگ غائب ہوتے تھے تو میں آپ کی خدمت میں موجود رہتا تھا۔ جب یہ لوگ بھولتے تھے تو میں یاد کیا کرتا تھا۔

وہ معاش کی ضرورت کے علاوہ خود حدیث نبوی ﷺ کے نہایت مشتاق تھے اس لئے آپ ﷺ سے سوالات کیا کرتے تھے اور آپ شوق سے ان کا جواب دیتے تھے۔

ایک بار انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت

۱: بخاری کتاب العلم باب التناوب فی العلم۔
۲: مسلم کتاب البر والصلة والآداب باب تفسیر البر والاثم۔
۳: بخاری کتاب البیوع۔

سے سب سے زیادہ بہرہ اندوز کون ہوگا؟ فرمایا کہ "میرا خیال تھا کہ تم سے پہلے کوئی اس کا سوال نہ کرے گا کیونکہ تم حدیث کے بڑے حریص ہوے۔[۱]

ان بزرگوں سے الگ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا اس لئے ان کو خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کے سننے اور دیکھنے کا موقع ملتا تھا۔ احادیث میں نہایت کثرت سے اس قسم کے واقعات ملتے ہیں۔ جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر اور صحابہ ﷺ کی روایتوں پر نکتہ چینی کی اہل بیعت میں بھی جو لوگ زیادہ متجسس ہوتے تھے وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کے ذریعہ سے اس مقصد میں کامیاب ہوتے تھے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کی خالہ تھیں وہ ان کے یہاں اس غرض سے سوتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز شب کی کیفیت کو ملاحظہ کریں۔[۲]

شوق حدیث میں سفر

لیکن صحابہ کرام ﷺ کا شوق حدیث صرف رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت تک محدود نہ تھا بلکہ وہ اس روحانی خزانے کی تلاش میں طرح طرح کی مشقیں برداشت کر کے سینکڑوں کوس کا سفر کرتے تھے حضرت فضالہ بن عبید ﷺ مصر کے گورنر تھے۔ ایک صحابی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "میں ملاقات کیلئے نہیں آیا میں اور آپ دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث سنی تھی۔ اسلئے مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ کے پاس اس کا علم ہو۔[۳]

حضرت عبداللہ بن انیس جہنی ﷺ مصر میں مقیم تھے۔ وہ قصاص کے متعلق ایک حدیث کی روایت کرتے تھے۔ حضرت جابر ﷺ کو معلوم ہوا تو بازار میں آکر ایک اونٹ خریدا اور اس پر کجاوہ کس کر مصر کو روانہ ہوئے ایک مہینے میں مصر پہنچے اور لوگوں سے پوچھتے ہوئے انکے دروازے پر گئے اور ایک حبشی غلام کے ذریعہ سے ان کو اطلاع دی۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ صحابی ہیں تو آکر لپٹ گئے اور پوچھا کہ آپ کیوں تشریف لائے؟ بولے "قصاص کے متعلق آپ جس حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ اب آپ کے سوا اس کا کوئی راوی نہیں ہے۔ اسلئے میں نے چاہا کہ قبل اسکے کہ ہم دونوں میں سے کسی کو موت آئے میں آپ سے اس حدیث کو سن لوں۔[۴]

۱: بخاری کتاب العلم باب الحرص علی الحدیث۔ ۲: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی صلاۃ اللیل۔
۳: ابوداؤد کتاب الترجل۔
۴: حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۸۷ بخاری کتاب العلم میں بھی اس کا اجمالاً تذکرہ ہے دیکھو باب الخروج فی طلب العلم۔

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث بیان فرمائی تھی۔ حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ اور حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ اس موقع پر موجود تھے لیکن بعد میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کے متعلق وہم پیدا ہوا اور وہ ازالہ شک کے لئے مصر میں حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور پہلے مسلمہ بن مخلد کے دروازے پر حاضر ہوئے انہوں نے ان کو مہمان بنانا چاہا لیکن انہوں نے کہا کہ "پہلے عقبہ سے میری ملاقات کروا دیجئے وہ ایک گاؤں میں تھے۔ وہ وہاں گئے اور اس حدیث کی تصدیق کر کے واپس آئے۔[1]

اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سینکڑوں طریقے سے احادیث کو جمع کرتے تھے ایک بار حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ آستانہ مبارک پر ٹیک لگا کر سوئے اور آپ کی نماز شب کی کیفیت ملاحظہ فرمائی۔[2]

ایک بار ایک صحابی نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے ان سے کچھ کہا جس کو اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہیں سنا جب وہ پلٹے تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو گھیر لیا اور کہا کہ "آپ نے کیا فرمایا"۔[3]

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ نماز کے سلام کے بعد آپ کیا دعا پڑھتے تھے۔ انہوں نے دعا لکھ بھیجی۔[4]

اس تفحص و تلاش کے ذریعہ سے کان سعادت کے یہ موتی جب دامن میں آجاتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نشۂ مسرت سے بے خود ہو جاتے تھے۔ حضرت ابن الحنظلیہ رضی اللہ عنہ ایک خاموش اور گوشہ نشین صحابی تھے۔ ایک روز وہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہو کر گذرے تو انہوں نے ان کو دیکھ کر کہا

كلمة تنفعنا و لا تضرك

کچھ فرمائیے جو ہم کو نفع دے اور آپ کے لئے مضر نہ ہو۔

انہوں نے ایک حدیث بیان کی۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اس قدر مسرور ہوئے کہ سر اٹھا کر کہا "آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے اور بار بار اس جملے کو دہراتے رہے اسی طرح وہ متعدد بار ان کے پاس سے گذرے اور انہوں نے کلمہ نافعہ کی استدعا کی اور انہوں نے ایک حدیث بیان کر دی۔[5]

۱: حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۸۶۔
۲: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء کم یصلی اللیل۔
۳: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبہ۔
۴: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب مایقول الرجل اذا سلم۔
۵: ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار۔

صحابہ کرام ؓ نے احادیث کو کیونکر محفوظ رکھا

دنیا کو تعجب ہے کہ صحابہ کرام ؓ نے احادیث کے ذخیرے کو کیوں کر اس صحت و جامعیت کے ساتھ محفوظ رکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کا ایک فقرہ بھی ہوا کہ تموج میں جذب ہو کر فنا نہیں ہوا؟ لیکن اگر اس کو یہ معلوم ہو تا کہ صحابہ کرام ؓ نے نہ صرف اس مقدس مجموعہ کی حفاظت کی۔ بلکہ آپ کے ایک ایک اشارے ایک ایک حرکت اور ایک ایک ادا کو محفوظ رکھا تو یہ تعجب خود بخود زائل ہو جاتا۔

ایک بار لوگوں نے حضرت خباب سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر میں قرأت کرتے تھے بولے ہاں لوگوں نے کہا یہ کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا ہم آپ ﷺ کی ریش مبارک کی حرکت سے اس کا پتہ لگا لیتے تھے۔[1]

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں "کہ ہم نے یہ اندازہ کیا کہ آپ ظہر و عصر کی رکعت میں کتنی دیر تک قیام کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اول دو رکعتوں میں اتنی دیر میں تین آیتیں پڑھ لی جائیں اور اخیر کی دو ۲ رکعتوں میں اسکی نصف مدت۔[2]

ایک بار حضرت عبداللہ ؓ نے نماز کا طریقہ بتایا اور کہا کہ "مجھے رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کی گردش نظر آرہی ہے۔[3]

پہلے جب نماز میں اشارہ کرنا یا بات چیت کرنا جائز تھا تو رسول اللہ ﷺ لوگوں کو نماز میں سلام کا جواب دیا کرتے تھے۔ ایک صاحب نے حضرت بلال ؓ سے اسکی کیفیت پوچھی تو انہوں نے اسی طرح ہاتھ کو گردش دی جس طرح آپ ہاتھوں کو اس حالت میں گردش دیتے تھے۔[4]

حضرت اغر مزنی ؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک بار شمار کیا معلوم ہوا کہ آپ نے ایک نشست میں سو ۱۰۰ بار استغفار فرمایا۔[5]

صحابہ کرام ؓ نے جس طرح ان حرکات و اشارات کو محفوظ رکھا تھا اسی طرح بعض احادیث کی روایت میں ان جزئیات کی تفصیل بھی کرتے تھے۔

ایک بار حضرت ابو حمید ساعدی ؓ نے دس صحابہ ؓ کے مجمع میں کہا کہ "میں تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز سے واقف ہوں ان لوگوں نے کہا کیونکر؟ تم نہ ہم سے زیادہ متبع

۱: ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب القراءۃ فی الظہر۔
۲: ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب تخفیف الاخریین۔
۳: ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب تضریع ابواب الرکوع والسجود الیدین علی الرکبتین۔
۴: ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب رد السلام فی الصلوٰۃ۔
۵: ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی الاستغفار۔

سنت تھے۔ نہ ہم سے زیادہ قدیم الصحبت انہوں نے صلوٰۃ نبویہ ﷺ کی ایک ایک جزئیات کو بیان کرنا شروع کیا۔ تو ان لوگوں نے تصدیق کی۔[1]

لیکن احادیث کے محفوظ رکھنے کا اصلی ذریعہ حفظ حدیث تھا۔ یعنی صحابہ کرام ؓ ان کو از بر یاد کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ کا بیان ہے کہ میں رات کے تین حصے کرتا تھا۔ ایک میں سوتا تھا ایک میں نماز پڑھتا تھا اور ایک میں احادیث رسول اللہ ﷺ کو یاد کرتا تھا۔[2]

لوگوں نے حضرت ابو سعید خدری ؓ سے کہا کہ "آپ ہم کو احادیث کے لکھنے کی اجازت نہیں دیتے فرمایا" ۔ ہم حدیث کو قرآن کی طرح لکھنے کی اجازت نہیں دے سکتے لیکن جس طرح ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر حدیثیں یاد کرلی تھیں تم بھی اسی طرح یاد کرلو۔[3]

صحابہ کرام ؓ نے کس حزم و احتیاط کے ساتھ ہم تک احادیث کو پہنچایا

صحابہ کرام ؓ روایت حدیث میں نہایت حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے۔ بعض صحابہ ؓ مثلاً حضرت زبیر ؓ سرے سے روایت ہی نہیں کرتے تھے۔ ایک بار ان سے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے پوچھا کہ آپ تمام صحابہ ؓ کی طرح کیوں نہیں روایت کرتے؟ بولے "اگرچہ رسول اللہ ﷺ سے مجھ کو امتیاز و خصوصیت حاصل تھی۔ تاہم میں نے آپ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف جھوٹ کا انتساب کرے اسکو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہیے۔[4]

بعض صحابہ ؓ برسوں قال الرسول کے لفظ سے اپنے لب کو آشنا تک نہیں کرتے تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ میں ایک سال تک حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے پاس بیٹھا لیکن انہوں نے کوئی حدیث نہیں بیان کی۔ حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے کہ میں نے حضرت طلحہ بن عبداللہ ؓ ، حضرت سعد ؓ ، حضرت مقداد ؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف ؓ کی رفاقت کی لیکن طلحہ کے سوا کہ وہ واقعات احد بیان کرتے تھے کسی سے کوئی حدیث نہیں سنی۔[5]

حضرت سائب بن یزید ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ سے مکہ تک حضرت سعد بن مالک ؓ کی رفاقت کی، لیکن میں نے ان کی زبان سے ایک حدیث بھی نہیں سنی۔[6]

1: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب افتتاح الصلوٰۃ۔
2: مسند دارمی ص ۴۵۔ 3: دارمی صفحہ ۲۶۔
4: ابوداؤد کتاب العلم باب فی التشدید فی الکذب علی رسول اللہ ﷺ۔
5: بخاری کتاب الجہاد باب من حدث بمشاھدہ فی الحرب۔
6: سنن ابن ماجہ باب التوقی فی الحدیث عن رسول ﷺ۔

بعض لوگ صحابہ کرام ﷡ سے روایت حدیث کی درخواست کرتے تھے لیکن وہ انکار کر دیتے یا ٹال دیتے تھے۔ ایک بار لوگوں نے حضرت زید بن ارقم ﷛ سے کہا کہ "حدیث بیان فرمایئے" بولے "ہم لوگ بوڑھے ہوئے اور بھول گئے۔ حدیث کی روایت کرنا تو نہایت سخت کام ہے"۔

ایک بار لوگوں نے حضرت انس بن مالک ﷛ سے روایت حدیث کی درخواست کی تو فرمایا کہ "انشاءاللہ"۔[1]

جو صحابہ ﷡ روایت کرتے تھے وہ بھی نہایت کم حدیثیں بیان کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالک ﷛ فرماتے تھے کہ کثرت روایت سے مجھے یہ حدیث روکتی ہے۔

من كذب علي متعمداً الخ۔[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ مہینے میں صرف دو یا تین حدیثوں کی روایت کرتے تھے۔[3]

حضرت عمر ﷛ لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ کثرت روایت سے روکتے تھے۔

حضرت قرظہ بن کعب ﷛ کا بیان ہے کہ حضرت عمر ﷛ نے ہم کو عراق بھیجا تو ہماری مشایعت کی اور کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ چلتا ہوں؟ سب نے کہا یہ ہماری عزت افزائی ہے بولے ہاں لیکن تم ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو تلاوت قرآن میں شہد کی مکھیوں کی طرح ترنم ریز ہے پس ان کی تلاوت میں خلل انداز نہ ہونا اور رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں کم بیان کرنا، اور میں تمہارا شریک رہوں گا۔[4]

صحابہ کرام ﷡ جب حدیث بیان کرتے تھے تو روایت کی ذمہ داری سے گھبرا اٹھتے تھے۔ حضرت عمرو بن میمون ایک تابعی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں ہر جمعرات کو بلاناغہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا لیکن ان کی زبان سے کبھی قال رسول اللہ ﷺ کا لفظ نہیں سنا ایک دن یہ الفاظ ان کی زبان سے نکلے تو گردن جھکالی۔ میں نے دیکھا تو ان کی قمیص کے تکمے کھلے ہوئے تھے آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں گردن رگیں پھول گئی تھی حدیث کی روایت کرتے تھے تو احتیاطاً کہتے جاتے تھے: اس سے کم یا اس سے زیادہ۔ اس کے قریب یا اس کے مشابہ یعنی یقینی طور پر یہ نہیں کہتے تھے کہ یہی الفاظ ہیں۔[5]

۱: دارمی ص ۴۶۔
۲: بخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبیؐ۔
۳: دارمی صفحہ ۴۶۔
۴: تذکرۃ الحفاظ تذکرہ حضرت عمرؓ۔
۵: ابوداؤد باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہؐ۔

حضرت انس بن مالک ﷜ جب حدیث بیان کرتے تھے تو گھبرا اٹھتے تھے اور کہتے تھے "کہ یہ الفاظ ہیں یا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہوگا۔[۱]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ میں جب حدیث بیان کروں تو مجھے یہ گوارا ہے کہ مجھ پر آسمان پھٹ پڑے بہ نسبت اسکے کہ آپ کی طرف اس حدیث کا انتساب کروں۔[۲] جس کو آپ نے نہیں فرمایا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوہند ﷜ ایک صحابی تھے۔ وہ اپنے بستر پر ایک چھڑی رکھ کر بیٹھتے تھے جب ان کے لڑکے اور بھتیجے علم حدیث کی تعلیم کے لئے آتے اور کہتے کہ "قال رسول اللہ تو چھڑی اٹھا کر فرماتے کہ تم رسول اللہ ﷺ سے کیوں کر روایت کر سکتے ہو۔[۳]

صحابہ کرام ﷡ جس حزم واحتیاط کے ساتھ روایت کرتے تھے اسی حزم واحتیاط کے ساتھ ان کو قبول بھی کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب میرے سامنے کوئی صحابی روایت کرتے ہیں تو میں ان سے قسم لیتا ہوں۔ جب وہ قسم کھا لیتے ہیں تو میں اس روایت کی تصدیق کرتا ہوں۔[۴]

حضرت ابو بکر صدیق ﷜ نہایت نرم خو تھے لیکن روایت کے قبول کرنے میں کسی قسم کی مداہنت نہیں کرتے تھے۔ ایک بار دادی کی میراث کے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷜ نے ایک روایت کی تو فرمایا کہ "شاہد لاؤ" حضرت محمد بن مسلمہ ﷜ نے شہادت دی تو اسکو قبول کیا۔[۵]

تمام صحابہ ﷡ میں حضرت عمر ﷜ سب سے زیادہ متشدد فی الحدیث تھے۔ ایک بار زدوکوب میں کسی عورت کا حمل ساقط ہو گیا تو حضرت عمر ﷜ نے اس کی دیت کے متعلق صحابہ کرام ﷡ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت مغیرہ ابن شعبہ ﷜ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام یا ایک لونڈی اس کی دیت میں دلوائی ہے۔ حضرت عمر ﷜ نے اس حدیث پر شہادت طلب فرمائی۔ تو حضرت محمد بن مسلمہ ﷜ نے شہادت دی۔[۶]

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷜ حضرت عمر ﷜ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "ابو موسیٰ اجازت چاہتا ہے۔ اشعری اذن چاہتا ہے۔ عبداللہ بن قیس استیذان کا خواستگار ہے۔ تین بار کی اذن طلبی پر بھی جب باریابی کی اجازت نہ ملی تو واپس آئے۔ حضرت عمر ﷜

۱: دارمی ص ۴۶۔
۲: مسلم کتاب الزکوۃ باب التحریض علی قتل الخوارج۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوہند۔
۴: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی الاستغفار۔
۵: ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی الجدہ۔
۶: ابوداؤد کتاب الدیات باب دیۃ الجنین۔

نے بلا کر پوچھا کیوں واپس چلے گئے؟ بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اگر تین بار میں اذن نہ ملے تو واپس چلے آؤ"۔ فرمایا اس حدیث پر گواہ لاؤ۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے شہادت دی تو کہا کہ میں تم کو متہم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ تشدد صرف اس خوف کی بنا پر تھا کہ لوگ جھوٹی روایتوں کے کرنے پر دلیر نہ ہو جائیں۔ لیکن حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے اس تشدد کو دیکھ کر کہا "عمر! اصحاب رسول اللہ ﷺ کی جان کا عذاب نہ بنو"۔[1]

ایک بار حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ الضمری بازار میں چادر خرید رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کیا کرو گے۔ بولے اس کو صدقہ میں دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن لیا اور چلے گئے بعد کو ملے تو کہا کہ وہ چادر کیا ہوئی۔ انہوں نے کہا میں نے اپنی بی بی پر صدقہ کر دیا۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "بی بی کو جو کچھ دو گے وہ صدقہ ہو گا بولے عمرو! رسول اللہ ﷺ پر افترا نہ کرو چنانچہ ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے اور اس حدیث کی تصدیق کرائی۔[2]

ایک بار حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اسی تشدد و احتیاط کی بنا پر قید کر دیا اور کہا یہ حدیثیں روایت کرتے ہو۔[3]

ایک بار کسی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ عہد عمر رضی اللہ عنہ میں بھی تم اسی طرح حدیثوں کی روایت کر سکتے تھے۔ بولے "اگر ایسا کرتے تو کوڑا کھاتے"۔[4]

اسی تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں روایتیں اس قدر منقح ہو گئیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی حدیثیں روایت کی جائیں کیونکہ وہ لوگوں کو مذہبی معاملات میں ڈرایا کرتے تھے۔[5]

روایت حدیث کا مقصد

ثواب آخرت کے علاوہ علم حدیث چونکہ دنیوی عزت و جاہ کا بھی ذریعہ تھا اسلئے اخیر زمانے میں بہت سے لوگ ایسے پیدا ہو گئے تھے۔ جو صرف حصول عزت کے لئے حدیثیں بناتے تھے اور ان کی روایت کرتے تھے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت حدیث کا مقصد حصول ثواب اخروی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس امانت کو اس وقت ادا کرتے

1: ابوداؤد کتاب الادب فی الاستیذان و بخاری کتاب الاستیذان۔
2: مسند ابوداؤد طیالسی ص ۱۹۴۔
3: المعتصر من المختصر من مشکل الآثار للطحاوی ص ۴۵۹۔
4: تذکرۃ الحفاظ ترجمہ حضرت عمرؓ۔
5: مسلم کتاب الزکوۃ باب النھی عن المسئلہ۔

تھے جب دنیوی عزت ہر شخص کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور ہر امین کو خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر اس نے امانت ادا نہیں کی تو خدا کے نزدیک ماخوذ ہو گا۔ چنانچہ ایک صحابی نے انتقال کے وقت ایک حدیث کی روایت کی اور کہا کہ "میں صرف حصول ثواب کے لئے اس کی روایت کرتا ہوں۔"[1]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص توحید و رسالت کا اقرار کرے گا وہ جنتی ہو گا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہدایت کی تھی کہ اس کا عام اعلان نہ کیا جائے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عمر بھر اس راز کو چھپایا لیکن دم نزع خوف کتمان سے اس راز کو افشا کر دیا۔[2]

عبید اللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی عیادت کو آیا تو بولے کہ "میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں۔ اگر مرض الموت میں مبتلا نہ ہوتا تو نہ بیان کرتا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ "جو امیر مسلمانوں کی خیر خواہی نہ کرے گا وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہو گا"۔[3]

صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس حدیث کا تحریری ذخیرہ کس قدر تھا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ زبانی روایتیں کرتے تھے تاہم ان کے پاس حدیث کے بعض تحریری ذخیرے بھی موجود تھے اخیر زمانے میں زکوۃ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے جو دستور العمل مرتب فرمایا تھا اس کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محفوظ رکھا تھا۔ چنانچہ وہ مدتوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان میں محفوظ رہا اور وہیں سے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اس کی نقل لی۔[4]

تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ۵۰۰ حدیثیں بھی لکھی تھیں لیکن پھر اس مجموعہ کو جلا دیا۔

فتح مکہ کی بعد آپ نے جو خطبہ دیا تو اس کے متعلق یمن کے ایک صحابی ابو شاہ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! یہ میرے لئے لکھوا دیا جائے چنانچہ آپ نے اس کو لکھوا دیا۔[5]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس احکام کا ایک مجموعہ تھا۔ جس کی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں قرآن مجید اور اس صحیفہ کے سوا اور کچھ نہیں

۱: ابو داؤد باب ماجاء فی الهدی فی المشی الی الصلوٰۃ۔
۲: مسلم کتاب الایمان باب من لقی الله بالا یمان و هو غیر شاك فیه دخل الجنة و حرم علی النار۔
۳: مسلم کتاب الایمان باب استحقاق الوالی الغاش لرعیة النار۔
۴: ابو داؤد کتاب الزکوۃ باب فی زکوة السائمه۔
۵: ابو داؤد کتاب المناسک باب تحریم مکه و بخاری کتاب العلم۔
۶: ابو داؤد کتاب المناسک باب فی تحریم المدینہ۔

لکھا۔ یہ صحیفہ وہ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک صحابی کو انہوں نے اپنی تلوار کی میان سے نکال کر اس کو دکھلایا[1]

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا معمول تھا کہ آپ سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیتے تھے۔ قریش نے ان کو منع کیا کہ اپ مختلف حالتوں میں گفتگو کرتے ہیں۔ اس لئے آپ کا ہر ارشاد حدیث نہیں ہو سکتا انہوں نے آپ کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ "لکھا کرو اس زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا۔[2]

حضرت ابو ہریرہ ؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتے تھے بیٹھ کر لکھتے جاتے تھے۔ آپ نکلے تو فرمایا کتاب اللہ کے ساتھ دوسری کتاب بھی لکھی جائے گی؟ اسلئے ہم نے جو کچھ لکھا تھا اس کو جمع کر کے جلا دیا۔[3]

فرامین رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ نے مختلف قبائل کے نام جو فرامین لکھوائے تھے وہ اگرچہ زیادہ تر شخصی حیثیت رکھتے تھے۔ تاہم ان سے بھی شرعی مسائل مستنبط ہو سکتے تھے۔ اسلئے صحابہ کرام ؓ نے احادیث کا جو تحریری ذخیرہ جمع کیا تھا اسی سلسلہ میں یہ بھی داخل ہیں اس قسم کے فرمان متعدد صحابہ ؓ کے پاس محفوظ تھے۔ حضرت مجاعہ ؓ کے بھائی کو قبیلہ بنو سدوس نے قتل کر دیا تھا وہ آپ کے پاس آئے اور دیت طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں مشرک کی دیت تو نہیں دے سکتا لیکن ایک فرمان لکھ دیا کہ مشرکین بنو ذہل کے یہاں سے جو خمس آئے اس میں سے ان کو سو اونٹ دیئے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک حصہ وصول کر لیا۔ جو باقی تھا اس کے وصول کرنے سے پہلے بنو ذہل نے اس کا معاوضہ دوسرے ذرائع سے پورا کر دیا۔[4]

حضرت یزید بن عبداللہ ؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ کھڑے تھے کہ ایک پراگندہ مو شخص ہاتھ میں سرخ چمڑہ لئے ہوئے آیا۔ ہم نے اس کو لے کے دیکھا تو وہ فرمان تھا۔ ہم نے پوچھا اسکو کس نے لکھا ہے بولا رسول اللہ ﷺ نے۔[5]

۱: ابو داؤد کتاب الحدود باب ایقاد المسلم من الکافر۔
۲: ابو داؤد کتاب العلم باب فی کتابة العلم۔
۳: مسند جلد ۳ صفحہ ۱۹۹۔
۴: ابو داؤد کتاب الخراج والامارہ باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سهم ذی القربی۔
۵: ابو داؤد کتاب الخراج والامارہ باب ما جاء فی سهم الصفی۔

جن لوگوں نے صحابہ کرام ﷺ سے روایتیں کیں انہوں نے احادیث کا کس قدر تحریری ذخیرہ فراہم کیا

خود صحابہ کرام ﷺ سے جن لوگوں نے روایتیں کیں ان کو اگرچہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ لکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے[1] لیکن بہت سے صحابہ ﷺ کتابت حدیث کو جائز سمجھتے تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب ﷺ نے عام حکم دیا تھا کہ قیدوا العلم بالکتاب یعنی علم کو لکھ لیا کرو۔

بشریں بن نہلک کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوہریرہ ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا لکھ لیتا تھا جب ان سے رخصت ہونے لگا تو اس مجموعہ کو دکھالیا اور انہوں نے اس کی تصدیق کی سعید بن جبیر ﷺ فرماتے ہیں کہ "میں حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کیساتھ رات کو مکہ کے راستے میں چلتا تھا۔ وہ حدیث بیان کرتے تھے "تو میں اپنے کجاوے کی لکڑی پر لکھ لیتا تھا۔ پھر صبح کو صاف کر لیتا تھا حضرت براء ﷺ کے تمام تلامذہ قلم سے اپنی ہتھیلیوں پر لکھتے تھے۔ حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کی تمام حدیثیں ان کے سامنے لکھ لیا کرتے تھے۔[2] حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ نے ایک شخص کو خود حدیث لکھوائی اور اس نے لکھ لی۔[3]

حضرت زید بن ثابت ﷺ حدیثوں کے لکھنے کے مخالف تھے لیکن مروان بن حکم نے ان کو اپنے یہاں بلوا کر بیچ میں ایک پردہ ڈال دیا اور ایک شخص کو مقرر کر دیا کہ جو حدیثیں وہ بیان کریں ان کو چپکے سے لکھتا جائے۔[4] غرض اس طرح صحابہ کرام ﷺ ہی کے زمانے میں فن حدیث مدون ہو چکا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز ﷺ نے انہی اجزائے پریشان کو ایک مجموعہ کی صورت میں جمع کر دیا۔

مدارج حدیث کی تعیین

حدیث کے مختلف مدارج ہیں۔ بعض روایتیں متواتر ہوتی ہیں یعنی ان کی روایت ایک جم غفیر کرتا ہے۔ بعض روایتیں مشہور ہوتی ہیں۔ جو اگرچہ درجہ تواتر کو نہیں پہنچتیں تاہم ہر زمانے میں بہ کثرت لوگ ان کی روایت کرتے ہیں۔ بعض حدیثوں کی روایت کا سلسلہ چند اشخاص تک محدود رہتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات ایک ہی شخص کسی حدیث کی روایت کرتا ہے یہی روایتیں ہیں جو کو اصطلاح میں خبر احاد کہتے ہیں اس اختلاف مدارج کا اثر ان فقہی احکام پر

1: مسند دارمی صفحہ ۶۷ باب من لم یر کتابتہ الحدیث۔
2: مسند دارمی صفحہ ۶۸ و ۶۹ باب من رخص فی کتابتہ العلم۔
3: مسند جلد ۲ صفحہ ۱۹۹۔ 4: مسند دارمی صفحہ ۶۶۔

پڑتا ہے جو ان حدیثوں میں مذکور ہوتے ہیں۔ یا ان سے مستنبط کئے جاتے ہیں۔ قطعیت کے لحاظ سے خبر احاد متواتر یا مشہور روایتوں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ اس بنا پر فقہا میں اختلاف ہے کہ خبر احاد کے ذریعہ سے قرآن مجید کے کسی حکم عام کی تخصیص یا تنسیخ ہو سکتی ہے یا نہیں؟ امام شافعی کا مذہب ہے کہ خبر احاد کے ذریعہ سے قرآن مجید کے کسی حکم عام کی تخصیص بلکہ تنسیخ بھی کی جا سکتی ہے اس وقت ہم اس مسئلہ پر بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اس موقعہ پر صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ خود صحابہ ﷺ نے احادیث کے مختلف مدارج قائم کر لئے تھے اور اس اختلاف مدارج کا جو اثر احکام پر پڑ سکتا تھا۔ اسکے متعلق خود انہوں نے اپنی اجتہادی رائے قائم کر لی تھی۔

قرآن مجید میں بہ تصریح مذکور ہے کہ اگر کسی عورت کو طلاق باین دے دی جائے تو جب تک ایام عدت گذر نہ جائیں۔ شوہر بی بی کو گھر سے نکال نہیں سکتا۔

ولا تخریجوھن من بیوتھن۔

اور ایام عدت میں انکو گھروں سے نہ نکالو۔

اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ایام عدت میں عورت کو سکنی کا حق حاصل ہے اب صرف یہ بحث ہے کہ اس کو نان و نفقہ کا حق بھی حاصل ہے یا نہیں؟ قرآن مجید میں اگرچہ اس کے متعلق صریح حکم نہیں ہے لیکن قرآن مجید میں حاملہ عورتوں کے متعلق بہ تصریح حکم دیا گیا ہے کہ اگر حاملہ عورتوں کو طلاق دی جائے تو جب تک وضع حمل نہ ہو شوہر کو نان نفقہ دینا ہوگا

انکن او لا تا حمل فانفقو اعلیھن حتی یضعن حملھن۔ (قرآن)

اگر وہ حاملہ ہوں تو زمانہ وضع حمل تک ان کے نان و نفقہ کے کفیل رہو۔

حاملہ عورت کے وضع حمل کا زمانہ اس کی عدت کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ عدت میں عورت کے نان و نفقہ کا بار شوہر پر ہے۔ اسکے علاوہ عورت کو جب سکنی کا حق حاصل ہے تو اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسکے نان نفقہ کا بار بھی شوہر ہی پر ہوگا۔

قرآن مجید کا یہ حکم قطعی ہے اسلئے صرف قطعی دلائل ہی سے اسکی تنسیخ یا تخصیص ہو سکتی ہے۔ حضرت عمر ﷺ کے زمانے میں یہ مسئلہ پیش آیا۔ تو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے شہادت دی کہ ان کے شوہر نے ان کو طلاق باین دی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو نان و نفقہ اور سکنی کے حق سے محروم کر دیا تھا لیکن چونکہ یہ خبر احاد تھی جسکے ذریعہ سے قرآن مجید کے احکام منصوصہ کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حضرت عمر ﷺ نے صاف فرما دیا تھا۔

ماکنا لندع کتاب ربنا وسنت نبینا صلعم لقول امراہ لاندری احفظت ام لا۔

ہم خدا کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں روک سکتے خدا جانے اس نے اصل واقعہ کو یاد بھی رکھا یا کہ نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمزبان تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو اس بنا پر گھر سے منتقل کر دیا تھا کہ ان کا گھر سنسان اور آبادی سے دور تھا۔ یہ ایک خاص حالت تھی جس پر خاص ضرورت نے مجبور کیا تھا۔ کوئی عام حکم نہ تھا۔[1]

درایت

حدیثوں کے متعلق روایت کی حیثیت سے بحث صرف راوی کے عوارض و خصوصیات کی بنا پر ہوتی ہے لیکن درایت کی رو سے جب کسی حدیث کی تنقید کی جاتی ہے تو راوی بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور خارجی عوارض و اسباب کو پیش نظر رکھا جاتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں اگرچہ درایت کے تمام اصول و قوائد مرتب نہیں ہوئے تھے تاہم اس کی ابتداء ہو چکی تھی اور انہوں نے رواۃ سے قطع نظر کر کے اور حیثیتوں سے بھی روایات پر نظر ڈالی تھی۔ ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ جو چیز آگ سے پکا دی جائے اس کے استعمال سے وضوء واجب ہو جاتا ہے اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ اس بنا پر تو ہم کو روغن اور گرم پانی کے استعمال سے بھی وضوء کرنا پڑے گا۔[2]

حدیث شریف میں آیا ہے کہ "جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جب کوئی مسلمان اس کو حالت نماز میں پالیتا ہے تو اس وقت خدا سے جو کچھ مانگتا ہے خدا اس کو دے دیتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی جستجو ہوئی اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس کو معلوم کر لیا کہ وہ جمعہ کے دن کی سب سے آخری ساعت ہے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے بیان کیا تو بولے کہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے تو فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس کو حالت نماز میں پالے۔ حالانکہ دن کی آخری ساعت میں کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی۔[3]

اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاص طور پر ممتاز ہیں انہوں نے درایت کے رو سے جن احادیث پر اعتراضات کیے ہیں ان سے درایت کے بعض اصول بھی قائم ہوتے ہیں مثلاً ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ مردے اس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے تو انہوں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ خود قرآن مجید میں ہے۔

۱: ابو داؤد کتاب الطلاق باب فی نفقۃ المبتوتہ۔
۲: ترمذی کتاب الطہارہ باب الوضوء مما غیرت النار۔
۳: ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب تفریع ابواب الجمعہ۔

لا تذر وازرہ وزر اخری

ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔

اس سے یہ اصول قائم ہوا کہ کوئی روایت نصوص قرآنی کے مخالف نہیں قبول کی جا سکتی چنانچہ اس اصول کی رو سے انہوں نے متعدد روایتوں پر اعتراضات کئے مثلاً صحابہ کرام ﷺ کے دور میں یہ خیال پھیل گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں خدا کو دیکھا تھا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس کا ذکر آیا تو بولیں "جو شخص یہ روایت کرے وہ دروغ گو ہے" اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔

لا تدرکہ الابصار وھو یدرك

خدا کو کوئی نگاہ نہیں پا سکتی اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔

الابصار وھو اللطیف الخبیر۔

وہ لطیف اور خبیر ہے۔

ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ نحوست عورت، گھوڑے اور گھر میں ہے تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور یہ آیت پڑھی،

ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا۔[1]

زمین میں یا تمہارے اندر تمہیں جو مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ پہلے سے لکھی ہوتی ہیں۔

غزوہ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے مدفن پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا

ھل وجدتم ماوعدر بکم حقا۔

خدا نے جو تم سے وعدہ کیا تھا تم نے اس کو پالیا

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر ﷺ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ مردوں کو پکارتے ہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا

ماانت باسمع منھم ولکن لایجیبون۔

تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب یہ روایت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے یہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا تھا:

1: یہ روایتیں بہ ترتیب عین الاصابہ فیما استدر کتة السیدہ عایشہ علی الصحابہ صفحہ ۸، ۱۷، ۱۸، ۲۱ میں موجود ہیں اخیر روایت کے علاوہ اور روایتیں بخاری میں بھی ہیں۔

انهم ليعلمون الا ن ان ما كنت اقول لهم حق

وہ اس وقت یقینی طور پر جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا وہ سچ تھا

اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی

انك لا تسمع الموتى وما انت من في القبور۔

اے پیغمبر! تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا اور نہ ان کو جو قبر میں ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے کفار آپ کی آواز کو سن ہی نہیں سکتے تھے۔[1]

عام طور پر لوگ متعہ کی حرمت میں احادیث پیش کرتے ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب ان کے ایک شاگرد نے جواز متعہ کی روایت کی نسبت پوچھا تو انہوں نے اسکا جواب حدیث سے نہیں دیا۔ بلکہ فرمایا "میرے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے پھر یہ آیت پڑھی۔

و الذين هم لفرو جهم حفظون الا على ازواجهم او ماملكت ايمانهم فانهم غير ملومين۔

جو لوگ کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بی بیوں یا لونڈیوں کے ان پر کوئی ملامت نہیں۔

اس لئے ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت جائز نہیں۔[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ حرامی لڑکا تینوں میں (ماں باپ بچہ) بدتر ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا "یہ صحیح نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک منافق تھا جو رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا کرتا تھا، لوگوں نے عرض کی کہ "یا رسول اللہ! اس کے علاوہ ولد الزنا بھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "وہ تینوں میں بدتر ہے۔ یعنی اپنے ماں باپ سے زیادہ برا ہے۔ یہ ایک خاص واقعہ تھا عام نہ تھا۔ خدا خود فرماتا ہے۔

و لا تذر وازرة وزر اخرى

کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا

یعنی قصور تو ماں کا ہے بچے کا کیا گناہ ہے۔[3] جس کی بنا پر وہ ان سے برا قرار دیا جائے۔

احادیث میں اور بھی متعدد مثالیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جن روایات میں کسی قسم کا اشتباہ ہو سکتا تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر تنقید کر کے اس مقدس فن کو اغلاط و اوہام سے پاک کر دیا۔

۱: بخاری غزوہ بدر۔ ۲: اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم۔

۳: اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم۔

طبقات الصحابہ رضی اللہ عنہم

اگرچہ[۱] محدث ابوزرعہ کے قول کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی تاہم علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں جن صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا ہے اور جن کی نسبت لکھا ہے کہ صحاح میں ان سے حدیثیں مروی ہیں انکی تعداد صرف ایک سو پانچ ہے لیکن تفحص و تلاش سے اس پر اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں کا بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مسند ابوداؤد طیالسی جو دوسری صدی کے اخیر میں تصنیف ہوئی ہے اس میں تقریباً ڈھائی سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایتیں ہیں۔

علامہ ذہبی کی رائے کے مطابق ان ایک سو پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اٹھائیس صحابہ رضی اللہ عنہم ایسی ہیں جن کے نام سے علم حدیث کے اکثر صفحات مزین ہیں۔ لیکن ان اٹھائیس صحابہ رضی اللہ عنہم میں عام محدثین کی تصریح کے مطابق ۶ صحابہ رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ اکثر الروایات ہیں اور علم حدیث میں نصف سے زیادہ صرف انہی کی روایتیں ہیں اور چونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ "جس نے کم از کم چالیس حدیثیں بھی میری امت کو پہنچادیں اس کا حشر علماء کے ساتھ ہوگا اس لئے محد ثین نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جن کی روایتیں چالیس سے کم ہوں گی وہ قلیل الروایات شمار کئے جائیں گے۔ اس بنا پر قلت و کثرت روایت کی حیثیت سے محد ثین نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے چار طبقے قرار دیئے ہیں۔

۱) پہلا طبقہ یعنی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں۔
۲) دوسرا طبقہ یعنی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی روایتیں پانچ سو سے زیادہ ہیں۔
۳) تیسرا طبقہ یعنی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے زیادہ ہیں۔
۴) چوتھا طبقہ یعنی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں۔

لیکن چونکہ پانچ سو سے چالیس تک کے رواۃ زیادہ ہیں۔ اس لئے ہم نے اس کے دو حصے کر دیئے ہیں۔ سو سے پانچ سو تک ایک طبقہ اور چالیس سے سو تک دوسرا طبقہ، اس تفصیل کی رو سے ہم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پانچ طبقے قرار دیئے ہیں۔

۱) وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں۔
۲) وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی روایتیں پانچ سو سے یا پانچ سو سے زیادہ ہیں مگر ہزار سے کم۔
۳) وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ ہیں مگر پانچ سو سے کم۔
۴) وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے زیادہ ہیں مگر سو سے کم۔
۵) وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی روایتیں چالیس سے کم ہیں۔

۱: یہ پورا ٹکڑا مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے مضمون شائع شدہ الندوہ بابت اگست سن ۱۹۱۹ سے حرف بحرف منقول ہے۔

عام محدثین اگرچہ پہلے طبقہ میں صرف چھ صحابہ رضی اللہ عنہم یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو داخل کرتے ہیں لیکن شاہ ولی اللہ صاحب نے کثیر الروایہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں آٹھ بزرگوں کا نام لیا ہے چنانچہ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں،

صحابہ رضوان اللہ علیہم باعتبار کثرت و قلت روایت حدیث بر چہار طبقہ اند مکثرین کہ (۱) مرویات ایشان ہزار حدیث فصاعدلیا زیادہ و متوسطین (۲) کہ مرویات ایشان پانصد حدیث فصاعدا باشد مثل ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ و براء بن عازب رضی اللہ عنہ وجمیعہ کہ مرویات ایشان چہل حدیث باشد فصاعدا تاسہ صد و چہار صد، در حدیث شریف آمدہ است من حفظ علی امتی اربعین حدیثا حشر مع العلماء او کما قال ومقلین (۳) کہ مرویات ایشان تا چہل می رسد جمہور محدثین گفتہ اند کثیر الروایات کہ مکثرین از صحابہ رضی اللہ عنہم ہشت کس اند، (۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ و (۲) عائشہ رضی اللہ عنہا و (۳) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ و (۴) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ و (۵) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ و (۶) انس رضی اللہ عنہ و (۷) جابر رضی اللہ عنہ و (۸) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ۔ (صفحہ ۲۱۴ مقصد دوم)

لیکن شاہ صاحب کا دعویٰ محدثین کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے، چنانچہ علامہ ابن صلاح لکھتے ہیں۔

عن احمد بن حنبل قال ستة من اصحاب النبی ﷺ اکثر و الروایة عنه و عمرو ابو هریره و ابن عمر و عائشه و جابر بن عبدالله و ابن عباس و انس۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کثیر الروایت ہیں اور انہوں نے طویل عمریں پائی ہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، جابر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، انس رضی اللہ عنہ۔

علامہ عینی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

و کانت و احد الستة الذین هم اکثر الصحابة روایة[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان چھ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھیں جو کثیر الروایت ہیں۔

لیکن اصل یہ ہے کہ عام محدثین نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام کثیر الروایات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نہیں لیا حالانکہ ان کی مرویات ایک ہزار سے زیادہ ہیں۔[2] شاہ صاحب

۱: عمدۃ القاری جلد اول ص ۴۵۔ ۲: خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کو طبقہ اول میں داخل کرتے ہیں حالانکہ ان کی روایتوں کی تعداد صرف سات سو ہے۔[1] اسلئے کثیر الروایت صحابہ ؓ جن کا نام طبقہ اول میں لیا جاتا ہے سات ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ ، حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ ، حضرت جابر بن عبداللہ ؓ حضرت انس بن مالک ؓ ، حضرت ابوسعید خدری ؓ ۔

شاہ صاحب نے دوسرے طبقہ میں حضرت براء بن عازب ؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کا نام لیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں کی حدیثیں پانچ سو سے بہت کم ہیں اس لئے یہ لوگ دوسرے طبقہ میں نہیں بلکہ تیسرے طبقہ میں داخل ہیں۔

مرویات صحابہ ؓ کی تعداد

بہر حال قلت و کثرت روایت کی بنا پر صحابہ ؓ کے پانچ طبقے ہیں جن کے نام اور تعداد روایات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

طبقہ اول یعنی وہ صحابہ ؓ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں اس طبقہ میں سات بزرگ ہیں۔

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱	حضرت ابوہریرہ ؓ	۵۳۷۴
۲	حضرت عبداللہ بن عباس ؓ	۲۶۶۰
۳	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	۲۲۱۰
۴	حضرت عبداللہ بن عمر ؓ	۱۶۳۰
۵	حضرت جابر بن عبداللہ انصاری ؓ	۱۵۴۰
۶	حضرت انس بن مالک انصاری ؓ	۱۲۸۶
۷	حضرت ابوسعید خدری ؓ	۱۱۷۰

طبقہ دوم یعنی وہ صحابہ ؓ جن کی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زائد ہیں اس طبقہ میں صرف چار صحابہ ؓ ہیں۔

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱	حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ	۸۴۸
۲	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص	۷۰۰
۳	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۵۸۶

[1] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۲۰۸۔

۴	حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	۵۳۹

طبقہ سوم یعنی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ مگر پانچ سو سے کم ہیں اس طبقہ میں چھبیس ۲۶ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱	ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا	۳۷۸
۲	حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	۳۶۰
۳	حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ	۳۰۵
۴	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ	۲۸۱
۵	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	۲۱۵
۶	حضرت سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ	۱۸۸
۷	حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ	۱۸۱
۸	حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ	۱۷۹
۹	حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ	۱۷۰
۱۰	حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ	۱۶۴
۱۱	حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ	۱۶۴
۱۲	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	۱۵۷
۱۳	حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ	۱۵۰
۱۴	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	۱۴۶
۱۵	حضرت جابر سمرہ رضی اللہ عنہ	۱۴۶
۱۶	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱۴۲
۱۷	حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ	۱۳۶
۱۸	حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہا	۱۳۰
۱۹	حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ	۱۳۰
۲۰	حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ	۱۳۰
۲۱	حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ مولی النبی ﷺ	۱۲۷
۲۲	حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ	۱۲۸
۲۳	حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ	۱۲۴
۲۴	حضرت سمرہ بن جندب فزاری رضی اللہ عنہ	۱۲۳
۲۵	حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمر رضی اللہ عنہ	۱۰۲

۲۶	حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ	۱۰۰

طبقہ چہارم یعنی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی تعداد چالیس سے سو تک ہے۔ اس طبقہ میں ۳۳ صحابہ ہیں

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱	حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ	۹۵
۲	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ	۹۲
۳	حضرت ابو طلحہ زید بن سہل رضی اللہ عنہ	۹۲
۴	حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ	۹۰
۵	حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ	۸۱
۶	حضرت کعب بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ	۸۰
۷	حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ	۷۸
۸	حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ	۷۷
۹	حضرت ابو رافع قبطی رضی اللہ عنہ	۶۸
۱۰	حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ	۶۷
۱۱	حضرت عدی بن ابی حاتم الطائی رضی اللہ عنہ	۶۶
۱۲	حضرت عبدالرحمن بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ	۶۵
۱۳	ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا	۶۵
۱۴	حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ	۶۲
۱۵	حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ	۶۴
۱۶	ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا	۶۰
۱۷	حضرت جبیر بن مطعم قرشی رضی اللہ عنہ	۶۰
۱۸	حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا	۵۶
۱۹	حضرت واثلہ بن اسقع کنانی رضی اللہ عنہ	۵۶
۲۰	حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ	۵۵
۲۱	حضرت فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ	۵۰
۲۲	حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ	۴۸
۲۳	حضرت کعب بن عجرہ انصاری رضی اللہ عنہ	۴۷
۲۴	حضرت فضلہ بن عبید اسلمی رضی اللہ عنہ	۴۶
۲۵	ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا	۴۶

۲۶	حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا	۴۶
۲۷	حضرت ابو جحیفہ بن وہب سوائی ؓ	۴۵
۲۸	حضرت بلال بن رباح تیمی ؓ	۴۴
۲۹	حضرت عبداللہ بن مغفل ؓ	۴۳
۳۰	حضرت مقداد بن اسود کوفی ؓ	۴۳
۳۱	حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا	۴۱
۳۲	حضوت حکیم بن حزام اسدی ؓ	۴۰
۳۳	حضرت سلمہ بن حنیف انصاری ؓ	۴۰

طبقہ پنجم یعنی وہ صحابہ ؓ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں۔ اس طبقہ میں پچپن صحابہ ؓ ہیں۔

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱	حضرت زبیر بن عوام ؓ	۳۸
۲	حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا	۳۴
۳	حضرت خباب بن الارت ؓ	۳۲
۴	حضرت عیاض بن حماد تیمی ؓ	۳۰
۵	حضرت مالک بن ربیعہ ساعدی ؓ	۲۸
۶	حضرت عبداللہ بن سلام ؓ	۲۵
۷	حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا	۲۴
۸	حضرت فضل بن عباس ؓ	۲۵
۹	حضرت عامر بن ربیعہ ؓ	۲۲
۱۰	حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا	۲۱
۱۱	حضرت اسید بن حضیر اشہلی ؓ	۱۸
۱۲	حضرت خالد بن ولید ؓ	۱۸
۱۳	حضرت عمرو بن حریث ؓ	۱۸
۱۴	حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا	۱۵
۱۵	حضرت ثابت بن ضحاک ؓ	۱۴
۱۶	حضرت معاویہ بن حکیم سلمی ؓ	۱۳
۱۷	حضرت عروہ بن ابی جعد الاسدی ؓ	۱۳
۱۸	حضرت یسیرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا	۱۱

۱۹	حضرت عروہ بن مضرس ﷺ	۱۰
۲۰	حضرت مجمع بن یزید ﷺ	۱۰
۲۱	حضرت سلمہ بن قیس ﷺ	۷
۲۲	حضرت قتادہ بن نعمان ﷺ	۷
۲۳	حضرت قبیصہ بن مخارق عامری ﷺ	۶
۲۴	حضرت عاصم بن عدی قضاعی ﷺ	۶
۲۵	حضرت سلمہ بن نعیم اشجعی ﷺ	۵
۲۶	حضرت مالک بن صعصعہ ﷺ	۵
۲۷	حضرت محجن بن ادرع ﷺ	۵
۲۸	حضرت سائب بن فلاح ﷺ	۵
۲۹	حضرت خفاف غفاری ﷺ	۵
۳۰	حضرت ذو مخبر حبشی ﷺ	۵
۳۱	حضرت مالک بن ہبیر کندی ﷺ	۴
۳۲	حضرت زید بن حارثہ ﷺ	۴
۳۳	حضرت ثابت بن ودیعہ ﷺ	۲
۳۴	حضرت کعب بن عیاض اشعری ﷺ	۲
۳۵	حضرت کلثوم بن حصین غفاری ﷺ	۲
۳۶	حضرت دحیہ کلبی ﷺ	۲
۳۷	حضرت جدانہ بنت وہب رضی اللہ عنہا	۲
۳۸	حضرت مالک بن یسار ﷺ	۱
۳۹	حضرت عبداللہ بن زمعہ ﷺ	۱
۴۰	حضرت کلثوم بن علقمہ ﷺ	۱

ان کے علاوہ جو صحابہ ﷺ باقی رہ گئے ہیں چونکہ وہ صغار صحابہ ﷺ ہیں اور ان کی روایت کتب حدیث میں اس قدر کم ہے کہ وہ شمار میں نہیں آئی ہے اس لئے وہ ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ مختلف طبقات میں ہم نے جن صحابہ ﷺ کا نام لیا ہے ان کی مجموعی تعداد ایک سو چھبیس ہے اور مسلمانوں کے پاس احادیث کا جو سرمایہ باقی ہے وہ انہی بزرگوں کا فیض ہے۔

علم فقہ

علم فقہ کی تدوین وترتیب میں صحابہ کرام ﷺ کے مسائل جمیلہ کا جو حصہ شامل ہے اس کی تاریخ حسب ذیل عنوانات میں بیان کی جاسکتی ہے۔

۱) صحابہ کرام ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے کیونکر فقہ کی تعلیم حاصل کی؟
۲) فقہائے صحابہ ﷺ کے کس قدر طبقات قائم ہوئے؟
۳) انہوں نے تابعین کو کیوں کر فقہ کی تعلیم دی؟ اور فقہ کے مسائل کیوں کر مدون کئے؟
۴) انہوں نے اصول فقہ کے کس قدر مسائل ایجاد کئے؟
۵) صحابہ کرام ﷺ کے اختلافی مسائل کا منشا کیا تھا؟

صحابہ کرام ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے کیوں کر فقہ کی تعلیم حاصل کی

عہد نبوت ﷺ میں علم فقہ بلکہ کوئی علم مدون و مرتب نہ تھا کہ صحابہ کرام ﷺ باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے۔ سوال واستفسار کے ذریعہ سے بے شبہ رسول اللہ ﷺ سے مسائل دریافت کئے جاسکتے تھے لیکن صحابہ کرام ﷺ کچھ تو فرط ادب سے، اور کچھ اس لئے کہ خود قرآن مجید نے سوالات کرنے کی ممانعت کردی تھی۔ آپ سے بہت کم مسائل دریافت کرتے تھے۔ مسند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ صحابہ ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے صرف تیرہ ۱۳ مسائل دریافت کئے تھے جو کل کے کل قرآن مجید میں مذکور ہیں۔[1] اس بنا پر آپ سے علم فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کا صرف یہ طریقہ تھا کہ صحابہ کرام ﷺ آپ کے تمام اعمال مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور قرآن وامارات سے ان کے شروط وارکان کو مباح، واجب اور منسوخ وغیرہ قرار دیتے تھے۔[2]

صحابیات کو بے شبہ اس طریقہ تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا کم موقع ملتا تھا اس کے ساتھ بہت سے مخصوص نسوانی مسائل عام طور پر بیان بھی نہیں کئے جاسکتے تھے اس لئے ان کو زیادہ تر آپ سے سوال واستفسار کی ضرورت پیش آتی تھی اور اس طرح فقہ کے بہت سے مسائل واضح اور منقح ہو جاتے تھے انصاریہ عورتیں اس باب میں خاص طور پر ممتاز تھیں چنانچہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اعتراف ہے۔

۱: مسند دارمی ص ۲۹۔ ۲: حجۃ اللہ البالغۃ مطبوعہ ۱۱۲۔

نعمه النساء، نساء الانصار لم يكن منعهن الحياء ان يتفقهن في الدين۔[1]

انصاریہ عورتیں کس قدر اچھی ہیں کہ تفقہ فی الدین سے ان کو حیا باز نہیں رکھ سکتی تھی۔

جو صحابہ ؓ مدینہ سے باہر رہتے تھے ان کو بھی ہر وقت اس کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ اسلئے وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر چند روز قیام کرتے تھے اور فقہی تعلیم حاصل کر کے واپس جاتے تھے تو خود اپنی قوم کے معلم بن جاتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت انہی بزرگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

فلولا نفر من كل فرقة منهم طائيفة ليتفقهوا فى الدين ولينذر واقومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون۔[2]

تم میں ہر قوم سے ایک گروہ کیوں نہیں نکلتا جو تفقہ فی الدین حاصل کرے اور جب اپنی قوم میں واپس جائے تو ان کو ڈرائے شائد وہ لوگ ڈر جائیں۔

چنانچہ احادیث کی کتابوں میں اس قسم کی متعدد سفارتوں کا ذکر ہے جو قبائل عرب سے آپ کی خدمت میں آئیں اور مذہبی تعلیم حاصل کر کے واپس گئیں۔ وفد عبدالقیس نے خدمت مبارک میں آکر عرض کیا کہ ہم ایک طویل مسافت طے کر کے آئے ہیں۔ درمیان میں کفار مضر حائل ہیں اس لئے اشہر حرم کے سوا حاضر خدمت نہیں ہو سکتے۔ ہم کو وہ احکام سکھائے جائیں جن کی ہم اپنی قوم کو تعلیم دیں۔ آپ نے ایمان، نماز، زکوۃ، روزہ اور خمس کا حکم دیا اور چند ظروف شراب کے استعمال کی ممانعت فرمائی اور کہا کہ اس کو یاد کر لو اور پلٹ کر اپنی قوم کو بھی اس سے مستفید کرو۔[3]

قبیلہ بنو سعد کی طرف سے حضرت ضمام بن ثعلبہ ؓ آئے اور نماز اور روزے وغیرہ کے متعلق چند سوالات کر کے کہا کہ "میں اپنی قوم کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں۔[4]

غرض اس طرح اکثر صحابہ ؓ فقہ کے ضروری اور عملی مسائل سے واقف ہو گئے تھے۔

طبقات فقہاء صحابہ ؓ

فقہائے صحابہ ؓ کے تین طبقے ہیں۔

۱) مکثرین...... یعنی وہ صحابہ ؓ جن سے بکثرت مسائل منقول ہیں۔

۲) مقلین...... یعنی وہ صحابہ ؓ جن سے بہت کم مسائل مروی ہیں۔

۱: صحیح مسلم کتاب الطہارہ باب استحباب استعمال المغتسلة من الحيض فرصة من مسك فى موضع الدم۔ ۲: تفسیر ابن کثیر ص ۸۸۔

۳: بخاری کتاب العلم باب تحريض النبى صلعم و فد عبدالقيس على ان يحفظوا الا يمان و العلم۔

۴: بخاری کتاب العلم باب القرآة والعرض علی المحدث۔

۳) متوسطین...... یعنی وہ صحابہ ﷺ جو ان دونوں طبقوں کے بین بین ہیں۔

پہلے طبقے میں صرف سات بزرگ یعنی حضرت عمر بن الخطاب ﷺ، حضرت علی ﷺ، حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت زید بن ثابت ﷺ اور حضرت عبداللہ ابن عمر ﷺ داخل ہیں، علامہ ابن حزم کا بیان ہے کہ اگر ان بزرگوں کے فتاوے اجمع کئے جائیں تو ہر ایک کے فتوے سے ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں، چنانچہ ابو بکر محمد بن موسیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کے فتاوے کو بیس جلدوں میں جمع کیا ہے۔

دوسرے طبقے میں بکثرت صحابہ ﷺ داخل ہیں اور ان سے صرف دو ایک مسائل منقول ہیں۔ یہاں تک کہ ان سب کے مسائل کو ایک مختصر سے رسالے میں جمع کیا جا سکتا ہے۔

متوسطین میں صرف تیرہ ۱۳ صحابی یعنی حضرت ابو بکر ﷺ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت انس بن مالک ﷺ، حضرت ابو سعید خدری ﷺ، حضرت ابو ہریرہ ﷺ، حضرت عثمان ﷺ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ، حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ، حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ، حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ، حضرت سلیمان فارسی ﷺ، حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ اور حضرت معاذ بن جبل ﷺ شامل ہیں اور ان سب کے فتاوے کو علیحدہ علیحدہ مختصر رسالوں میں جمع کیا جا سکتا ہے۔[1]

صحابہ کرام ﷺ نے تابعین کو کیونکر فقہ کی تعلیم دی؟

موجودہ فقہ کی بنیاد صرف چار صحابہ ﷺ، یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ، حضرت زید بن ثابت ﷺ، حضرت عبداللہ ابن عمر ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کے فتاوے نے ڈالی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کوفہ میں باقاعدہ فقہ کی تعلیم دیتے تھے اور ان کے تلامذہ ان کے احکام و فتاوے کو لکھ لیا کرتے تھے چنانچہ علامہ ابن قیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔

لم یکن احدله اصحاب معروفون حرر و افتیاه و مذاهبه فی الفقه غیر ابن مسعود۔[2]

ابن مسعود کے سوا کسی صحابی کے تلامذہ نے ان کے فتاوے اور مذاہب فقہ کو نہیں لکھا۔

ان کے تلامذہ میں حضرت علقمہ ﷺ نہایت نامور ہوئے۔ علقمہ کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے اور انہوں نے فقہ کو اس قدر ترقی دی کہ ان کے عہد

۱: اعلام الموقعین ص ۱۳ میں یہ پوری تفصیل مذکور ہے۔
۲: اعلام الموقعین ص ۳۲۔

میں فقہ کا ایک مختصر سا مجموعہ تیار ہو گیا۔ جس کے سب سے بڑے حافظ حماد تھے امام ابو حنیفہؒ نے انہی سے تعلیم پائی اس لئے فقہ حنفی کی بنیاد صرف حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے فتاوے و احکام پر قائم ہوئی چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

کان ابو حنیفۃ رضی اللّٰہ عنہ الذمھم بمذھب ابراھیم و اقرانہ لا تحاوزہ الا ماشاء اللّٰہ۔[1]

امام ابو حنیفہ ابراہیم اور انکے اقران کے مذہب کے سخت متبع تھے اور اس سے بہت کم ہٹتے تھے۔

حضرت زید بن ثابت ؓ مدینہ میں رہتے تھے اور ان کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا اور ان کے تمام تلامذہ میں حضرت سعید بن مسیب، عطاء بن سیار، عروہ اور قاسم وغیرہ نہایت ممتاز تھے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بھی مدینہ میں مقیم تھے اور ان کی روایتوں کے سب سے بڑے جامع حضرت نافع تھے، امام مالک نے انہی دونوں بزرگوں کے تلامذہ یعنی نافع سعید بن حسیب عروہ اور قاسم سے تعلیم حاصل کی تھی۔[2] اسلئے انہوں نے انہی کے مذہب پر اپنی فقہ کا سنگ بنیاد رکھا، چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں،

ولذلك نری مالکا یلازمہ محجھتم۔

اس لئے مالکؒ اہل مدینہ کی روش کو لازم پکڑتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے تلامذہ نے مکہ کو دار العلوم بنایا تھا، چنانچہ جب فقہ کی تدوین و ترتیب کی ابتدا ہوئی تو سب سے پہلے انہی مقامات میں کتابیں لکھی گئیں، امام مالک اور عبدالرحمٰن بن ابی ذیب نے مدینہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ نے مکہ میں امام ثوری نے کوفہ میں اور ربیع بن صبیح نے بصرہ میں کتابیں لکھیں، جن میں امام مالک کی کتابوں کو نہایت قبول عام حاصل ہوا۔[3]

تدوین مسائل

جن مسائل کے متعلق بمصرح حدیثیں موجود تھیں اور ان میں باہم کوئی تعارض نہ تھا، ان کی بنا پر فتوے دینا نہایت آسان کام تھا اور اس فرض کو بہت سے صحابہ ؓ انجام دیتے تھے، لیکن جن مسائل کے متعلق سرے سے حدیث ہی موجود نہیں تھی۔

۱) ان کی تدوین کا پہلا طریقہ استنباط و اجتہاد تھا اور اس باب میں صرف حضرت عمر ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ خاص طور پر ممتاز تھے، چنانچہ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔[4]

۱: حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر ص ۱۱۶۔ ۲: الدیباج المذہب تذکرہ امام مالک۔
۳: حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۶۔ ۴: حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۶۔

واما غیر ھولاء الا ربعة فکا نوا یرون دلالة ولکن ماکانو ایمیزون الرکن والشرط من الا داب و السنن ولم یکن لھم قول عند تعارض الا خبارو تقابل الدلایل الا قلیلا کابن عمرو عائشة وزید بن ثابت۔

ان چاروں کے سوا اور صحابہ ﷺ مطلب سمجھتے تھے، لیکن ارکان وشروط یعنی آداب و سنن میں امتیاز نہیں کرتے تھے اور جن رواتیوں میں تعارض ہوتا تھا یا دلائل متضاد قائم ہوتے تھے ان میں بہت کم دخل دیتے تھے مثلاً ابن عمر ﷺ، عائشہ رضی اللہ عنہا اور زید بن ثابت ﷺ۔

۲) دوسرا طریقہ یہ تھا کہ جو مسائل پیش آتے تھے اور ان کے متعلق غور و فکر کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ وہ حل ہو جاتا تھا۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کے سامنے ایک مسئلہ پیش ہوا، جس پر وہ فکر کرتے رہے جب کتاب و سنت سے ہدایت نہیں ملی تو خود اپنی رائے قائم کی لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا تو بے حد مسرور ہوئے حضرت عمر ﷺ ایک ایک مسئلہ کے متعلق مختلف رائیں قائم کرتے تھے ان کو بطور یادداشت کے لکھ لیا کرتے تھے اور ان میں محو و اثبات کرتے رہتے تھے، چنانچہ پھوپھی کے متعلق ایک یادداشت لکھی تھی جس کو اخیر میں مٹا دیا۔

۳) بہت سے مسائل تمام صحابہ ﷺ کے مشورے سے طے کئے جاتے تھے اور ان پر گویا تمام صحابہ ﷺ کا اجماع ہو جاتا تھا، حضرت ابو بکر ﷺ نے اس طریقہ کی ابتداء کی اور حضرت عمر ﷺ نے اس سے بکثرت کام لیا، شاہ صاحب لکھتے ہیں،

کان من سیره عمرانه کان یشاور الصحابة وینا ظرھم حتی تنکشف الغمة ویاتیه الثلج فصار غالب قضا یاله وفتا واه متبعةً فی مشارق الارض ومغاربھا۔

حضرت عمر ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ صحابہ ﷺ سے مسائل فقہیہ کے متعلق مشورہ و مناظرہ کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کے دل میں یقین و اطمینان کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا میں ان کے فتاوی کی پیروی کی گئی۔

صحابہ ﷺ نے اصول فقہ کے کس قدر مسائل ایجاد کئے؟

صحابہ کرام ﷺ نے اگرچہ استنباط مسائل کے لئے اصول و قواعد منضبط نہیں کئے تھے تاہم ان کے مخوائے کلام سے اصول فقہ کے بہت سے قواعد معلوم ہو سکتے تھے مثلاً فقہاء نے ایک اصول یہ قائم کیا ہے العبرہ لعموم اللفظا لا لخصوص السبب یعنی احکام کے استنباط میں

صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ شارع کے الفاظ عام ہیں یا خاص، اس سے بحث نہیں کہ حکم عام ہے یا خاص مثلاً قرآن مجید کی یہ آیت اذا قری القرآن فاستمعو اله و انصتوا الخ اگرچہ بالتخصیص خطبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن الفاظ میں خطبہ کی تخصیص نہیں ہے بلکہ عام حکم ہے کہ قرآن کو خاموشی کے ساتھ سننا چاہئے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر امام قرائت فاتحہ کرے تو مقتدی کو خاموش رہنا چاہئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اسی اصول کے قائل تھے چنانچہ قرآن کی اس آیت،

والذین یکنزون الذھب و الفضۃ ولا ینفقو نھا فی سبیل اللّٰہ فبشرھم بعذاب الیم۔

جو لوگ چاندی سونا جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی بشارت دو۔

کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور سونا چاندی کے جمع کرنے پر عذاب انہی کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اصرار تھا کہ (انھا لفینا و فیھم [1] وہ ہمارے اور ان کے دونوں کے بارے میں ہے) یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک روپیہ پیسہ کا جمع کرنا جائز تھا۔

فقہاء کا ایک اصول مفہوم مخالف ہے، مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ صرف نمازی لوگ جنت میں داخل ہونگے تو گو اس میں تصریح نہیں ہے کہ بے نمازی لوگ جنت میں نہ داخل ہونگے لیکن خواہ مخواہ اس کے مخالف جو نتیجہ نکلے گا وہ یہی ہوگا صحابہ رضی اللہ عنہم نے بعض موقعوں پر اس اصول سے کام لیا ہے ایک موقع پر رسول اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جن لوگوں نے کسی کو خدا کا شریک بنایا وہ مرنے کے بعد دوزخ میں جائیں گے انہوں نے جب یہ روایت بیان کی تو فرمایا کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کا قول ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے کسی کو خدا کا شریک نہیں بنایا وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ [2]

فقہاء کا ایک اصول یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی اصولاً تمام چیزیں مباح ہیں البتہ جب شارع ان کو حرام کر دیتا ہے تو حرام ہو جاتی ہیں، اس لئے جب تک تحریم کا کوئی سبب نہ ہو ہر چیز کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک تالاب کے پاس اترے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

---

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ و الذین یکنزون الذھب، اگر وہ شان نزول ہی کو عام سمجھتے ہوں گے تو یہ مثال صحیح نہ ہوگی۔

[2] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ و من الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً۔

بھی ہم سفر تھے، انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس میں درندے تو پانی نہیں پیتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ نہ بتانا۔[1] اس سے ثابت ہوا کہ جب حرمت کی کوئی ظاہری وجہ موجود نہ ہو تو اباحت اشیاء کے لحاظ سے ہر چیز سے بے تکلف فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

فقہاء نے ایک اصول یہ قائم کیا ہے کہ حدود شرعیہ شبہات سے زائل ہو جاتی ہیں مثلاً بیٹا اگر باپ کی کوئی چیز چرائے تو اس شبہ کی بنا پر کہ وہ باپ کے مال میں اپنا حق سمجھتا تھا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بعض موقعوں پر اس اصول سے کام لیا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں استغاثہ کیا کہ میرے غلام نے میری بیوی کا آئینہ چرا لیا جس کی قیمت ساٹھ ۶۰ درہم تھی، فرمایا تمہارا غلام تھا اور تمہاری ہی چیز چرائی اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔[2]

اصول فقہ میں سب سے اہم چیز قیاس ہے اور در حقیقت موجودہ فقہ کی تمام تر بنیاد قیاس ہی پر قائم ہے، تاہم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک مسائل فقہ میں صرف قرآن، حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب تمدن کی وسعت نے گوناگوں مسائل پیدا کر دیئے اور قرآن و حدیث کی تصریحات ان جزئیات کے لئے کافی نہ ہوئیں تو قیاس کی ضرورت پیش آئی چنانچہ حضرت عمر نے قضاعت کے متعلق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو فرمان لکھا اور اس میں بہ تصریح قیاس سے کام لینے کی ہدایت کی،

الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك ممالم يبلغك في الكتاب والسنة واعرف الامثال والاشباه ثم قس الامور عند ذالك۔

جو مسائل تم کو قرآن و حدیث میں نہ ملیں اور ان کی نسبت تمہیں خلجان ہو تو پہلے ان پر غور کرو پھر ان کے مشابہ واقعات کو جمع کر کے ان پر قیاس کرو۔

فقہاء نے قیاس کے لئے دو شرطیں لگائی ہیں، ایک یہ کہ حکم قرآن و حدیث میں منصوص نہ ہو دوسرے یہ کہ مقیس و مقیس علیہ میں کوئی علت مشترک ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان میں یہ دونوں شرطیں موجود ہیں پہلی شرط کے متعلق صاف تصریح ہے (ممالم يبلغك في الكتاب والسنته) اور دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے (واعرف الامثال والاشباه)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلافی مسائل کا منشا کیا تھا؟

عہد نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ممالک مفتوحہ میں پھیلے تو ان کے سامنے نہایت کثرت سے نئے نئے مسائل اور نئے نئے واقعات آئے اس لئے ان بزرگوں کو جو کچھ

[1] موطا امام مالک۔ [2] موطا امام مالک۔

حدیثیں یاد تھیں یا جو کچھ قرآن و حدیث سے مستنبط ہو سکتا تھا ان کے مطابق ان کا جواب دیا لیکن جن مسائل کے متعلق ان کا خزانہ معلومات احادیث و روایت سے خالی نہ تھا ان کے متعلق صحابہ کرام ﷺ کے درمیان اختلافات کے مختلف اسباب پیدا ہو گئے۔ مثلاً

۱) ایک صحابی نے کسی مسئلہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سنا تھا لیکن دوسرے صحابی کو اس کے سننے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لئے انہوں نے اپنے اجتہاد سے کام لیا، جس کی مختلف صورتیں پیدا ہو گئیں ایک یہ کہ یہ اجتہاد بالکل حدیث کے مطابق واقع ہوا مثلاً ایک عورت کا شوہر تعیین مہر کے بغیر مر گیا، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے اس کے متعلق استفتا کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس کے متعلق مجھے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ معلوم نہیں ہے لوگوں نے بہت اصرار کیا تو اس کو مہر مثل اور میراث دلوایا اور عدت گذارنے کا حکم دیا معقل بن یسار ﷺ نے اس جواب کے بعد شہادت دی کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک عورت کے متعلق اس صورت میں یہی فتویٰ دیا تھا جس سے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نہایت مسرور ہوئے دوسری صورت یہ کہ دو صحابیوں میں اختلاف ہوا، اس کے بعد ایک حدیث نکل آئی جس سے ایک صحابی کو اپنے اجتہاد سے رجوع کرنا پڑا، مثلاً حضرت ابوہریرہ ﷺ کے نزدیک جو شخص رمضان میں صبح تک حالت جنابت میں رہے اس کا روزہ صحیح نہیں ہو سکتا، لیکن بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ذریعہ سے ان کو اسکے خلاف روایت مل گئی تو انہوں نے اس مذہب سے رجوع کیا، تیسری صورت یہ کہ حدیث تو ملی لیکن انہوں نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا، بلکہ خود حدیث کو ناقابل عمل قرار دیا۔

مثلاً ایک بار فاطمہ بن قیس رضی اللہ عنہا نے شہادت دی کہ ان کے شوہر نے ان کو تین طلاق دی لیکن رسول اللہ ﷺ نے نہ اس کو اس سے نفقہ دلوایا اور نہ اس کے مکان میں رہنے کی اجازت دی لیکن حضرت عمر ﷺ نے اس شہادت کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ ایک عورت کے کہنے سے میں کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتا، چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک صحابی کو سرے سے حدیث ہی نہیں معلوم ہوئی مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ غسل کے وقت عورتوں کو بال کھولنے کا حکم دیتے تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عمر عورتوں کو سر منڈوانے ہی کا حکم کیوں نہیں دے دیتے میں خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہاتی تھی اور مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا پڑتا تھا کہ تین بار سر پر پانی ڈال لوں۔

۲) یا مثلاً رسول اللہ ﷺ نے کوئی کام کیا، صحابہ کرام ﷺ نے اس کو دیکھا تو بعض نے اس کو عبادت پر اور بعض نے اباحت پر محمول کیا، مثلاً زمانہ حج میں نزول تحصیب کی متعلق حضرت ابوہریرہ ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کا خیال ہے کہ وہ سنن حج میں سے ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کے نزدیک یہ محض ایک

اتفاقی واقعہ تھا۔

۳) یا مثلاً رسول اللہ ﷺ کے کسی فعل کو مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا اور وہم وظن کی بنا پر سب نے اس کی مختلف حیثیتیں قائم کر لیں مثلاً حجۃ الوداع کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم نے مختلف رائیں قائم کی ہیں بعض کے نزدیک آپ متمتع تھے، بعض کے نزدیک قارن تھے اور بعض کے نزدیک مفرد تھے چنانچہ جس طرح یہ وہم پیدا ہوا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تشریح کی ہے۔

۴) سہو ونسیان کی بنا پر بھی بعض اختلافات پیدا ہوئے، مثلاً، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے رجب میں عمرہ کیا تھا، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو سہو ونسیان کا نتیجہ قرار دیا۔

۵) بعض اختلافات روایت کے تمام جزئیات کے محفوظ نہ رکھنے سے پیدا ہوئے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر یا رضی اللہ عنہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ روایت کی کہ "میت پر اس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس روایت کو سنا تو فرمایا کہ انہوں نے حدیث کو صحیح طور پر یاد نہیں رکھا واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودیہ مر گئی تھی اور اس کے اہل وعیال اس پر نوحہ کر رہے تھے، رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا تو فرمایا کہ لوگ اس پر رو رہے ہیں اور اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلطی سے رونے کو عذاب کی علت قرار دیا اور اس کی بنا پر ہر میت کے لئے اس حکم کو عام کر دیا حالانکہ یہ دو الگ الگ واقع تھے اور ان میں باہم علت ومعلول کا تعلق تھا۔

۶) اختلاف کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی حکم کی علت میں اختلاف پیدا ہوا، اسلئے اسکے نتائج بھی مختلف صورتوں میں ظاہر ہوئے، مثلاً احادیث میں جنازے کیلئے کھڑے ہو جانے کا حکم آیا ہے جسکے مختلف اسباب بتائے جاتے ہیں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اسکی علت تعظیم ملائکہ ہے اور اس صورت میں مسلمان اور کافر دونوں کے جنازے کیلئے کھڑا ہو جانا چاہئے کیونکہ فرشتے دونوں کے ساتھ ہوتے ہیں بعض کے نزدیک خوف موت اس کا سبب ہے اور اس صورت میں بھی یہ حکم کافر اور مومن دونوں کیلئے عام ہے لیکن ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے ایک یہودی کا جنازہ گذرا تو آپ ﷺ نے یہ پسند نہیں کیا کہ وہ آپ ﷺ کے سر کے اوپر سے گذر جائے، اسلئے کھڑے ہو گئے اور اس صورت میں یہ حکم صرف کافر کیلئے مخصوص ہے۔

۷) اختلاف کا ایک سبب الجمع بین المختلفین ہے یعنی یہ کہ ایک چیز کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے دو متضاد حکم موجود ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان دونوں میں تطبیق دی تو باہم اختلاف پیدا ہو گیا، مثلاً رسول اللہ ﷺ نے پہلے غزوہ خیبر میں متعہ کی اجازت دی، پھر غزوہ اوطاس میں اس کا حکم دیا، اس کے بعد اس کی ممانعت کر دی، آپ کے اس طرز عمل کے متعلق

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ متعہ کا حکم اب تک باقی ہے، اجازت اور ممانعت دونوں ضرورت کی بنا پر تھیں، اور بوقت ضرورت ان دونوں پر عمل کیا جاسکتا ہے لیکن عام صحابہ رضی اللہ عنہم کا فتوے یہ ہے کہ متعہ کی اجازت محض ضرورۃ تھی، لیکن ممانعت نے اس کو ہمیشہ کیلئے منسوخ کر دیا۔[1]

1: یہ پوری بحث حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۱۳ اور ۱۱۴ سے ماخوذ ہے۔

علم اسرار الدین

صحابہ کرام ؓ کا زمانہ اگرچہ عقلی ترقی کا زمانہ نہ تھا تاہم وہ اتنا جانتے تھے کہ شریعت کے احکام واوامر مصالح عقلی کی بناپر ہیں، اس بناء پر ان کو جب کوئی بات خلاف عقل نظر آتی تھی تو اس کے متعلق فوراً رسول اللہ ﷺ سے استفسار کر کے اپنی تشفی کر لیتے تھے ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا کہ "بی بی کے ساتھ مباشرت کرنا ثواب کا کام ہے اس پر صحابہ ؓ نے تعجب سے پوچھا کہ اس میں کون سی ثواب کی بات ہے؟ ارشاد ہوا کہ "اگر کوئی شخص کسی دوسری عورت سے ملوث ہوتا تو کیا گنہگار نہ ہوتا۔[1]

ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان باہم لڑتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہوتے ہیں اس پر ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ قاتل کا جہنمی ہونا تو ظاہر ہے، لیکن مقتول کیوں جہنمی ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ "وہ اپنے بھائی کے قتل کا آرزومند تھا"۔[2]

قرآن مجید میں قصر نماز کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی،

لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا

اگر تم کفار کی فتنہ انگیزی کے خوف سے قصر نماز کرو تو کوئی حرج نہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ رخصت مشروط بہ فتنہ ہے، ہر سفر پر اس آیت کا انطباق نہیں ہو سکتا، چنانچہ عرب میں امن وامان کے قائم ہونے پر بھی یہ حکم باقی رہا تو حضرت عمر ؓ کو اس پر استعجاب ہوا اور انہوں نے آپ سے اس کی وجہ دریافت کی، ارشاد ہوا کہ "یہ خدا کا صدقہ ہے اور اس کے صدقے کو قبول کرو"۔[3]

صحابہ کرام ؓ کے انہی استفسارات وسوالات نے در حقیقت علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی اور اخیر زمانے میں امام غزالی، خطابی اور ابن عبدالسلام وغیرہ اور سب سے آخیر میں شاہ ولی اللہ صاحب نے اس پر ایک عظیم الشان عمارت قائم کر دی، چنانچہ خود شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

بعد مامهد النبی صلعم اصوله وفرع فروعه واقتفی اثره فقهاء الصحابة کامیری المومنین عمر و علی و کزید و ابن عباس وعایشة و غیر هم

1: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الضحی۔

2: بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاهلية۔

3: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب صلوۃ المسافر۔

بحثوا عنه و ابرزوا و جوهها منه۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے اس فن کے اصول و فروغ مرتب کئے اور فقہاء صحابہ ؓ مثلاً امیر المومنین عمر ؓ، علی ؓ، زید بن ثابت ؓ، ابن عباس ؓ، اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا اتباع کیا، اس سے بحث کی اور اس کے وجوہ بیان کئے۔

شاہ صاحب نے بالتخصیص جن صحابہ ؓ کا نام لیا ہے انہوں نے احکام کے جو علل و اسباب بیان کئے ہیں وہ کتب احادیث میں بہ تفصیل مذکور ہیں، مثلاً آپ صلح حدیبیہ کے بعد عمرہ ادا کرنے کیلئے تشریف لائے تو صحابہ کرام ؓ کو طواف کی حالت میں دوڑ کر اور اکڑ کر چلنے کا حکم دیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مدینہ میں ایک وبائی بخار پھیلا ہوا تھا، جس میں اکثر صحابہ ؓ مبتلا تھے طواف میں ضعف کا اثر محسوس ہوتا تھا تو کفار شماتت کرتے تھے کہ مدینہ کے بخار نے ان کو چور کر دیا۔ اس بناء پر آپ ﷺ نے صحابہ ؓ کو یہ حکم دیا کہ ضعف کا اثر محسوس نہ ہونے پائے لیکن ظاہر ہے کہ یہ حکم محض ایک وقتی سبب کی بناپر دیا گیا تھا اور جب وہ زائل ہو گیا تو اس حکم کو بھی بدل جانا چاہئے۔ چنانچہ حضرت عمر نے اس خیال کو یہ کہہ کر ظاہر کر دیا کہ اب اسلام کو قوت حاصل ہو گئی اور کفار فنا ہو گئے تاہم چونکہ یہ عہد نبوت ﷺ کی یادگار ہے اسلئے ہم اس کو قائم رکھتے ہیں۔[2]

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تک پھل کی حالت قابل اطمینان نہ ہو جائے اسکو فروخت نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت زید بن ثابت ؓ نے اس حکم کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لوگ عہد رسالت ﷺ میں پھلوں کو فروخت کر ڈالتے تھے، لیکن جب فصل کا زمانہ آتا تھا اور بائع قیمت کا تقاضا کرتا تھا تو مشتری حیلے حوالے کرتا تھا کہ پھل کو فلاں فلاں روگ لگ گئے۔ اس طرح جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بہ کثرت مقدمات آنے لگے تو آپ ﷺ نے یہ حکم دیا۔[3]

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے پوچھا کہ غسل جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ بولے "نہیں غسل جمعہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ابتداء میں تمام صحابہ ؓ بہت مفلس تھے، کمبل پہنتے تھے اپنی پیٹھ پر بوجھ لاد کر چلتے تھے، مسجد نہایت تنگ تھی، ایک دن تپتے ہوئے دن میں رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کیلئے تشریف لائے، لوگ پسینے میں شرابور تھے اور اس کی بو سے ہر شخص کو تکلیف محسوس ہو رہی تھی اسلئے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جمعہ کے دن غسل کرو اور خوشبو لگا کر آؤ، لیکن اب خدا کے فضل سے یہ حالت بدل گئی ہے۔ اب لوگ بال کے کپڑے

۱: حجۃ البالغہ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۔

۲: ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الرمل۔

۳: بخاری کتاب البیوع باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحها۔

نہیں پہنتے، محنت مزدوری نہیں کرتے، مسجد وسیع ہو گئی ہے اور پسینہ کی بو پھیل کر لوگوں کو اذیت نہیں دیتی۔[1] اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم کا وجود و عدم، علت کے وجود و عدم پر مبنی ہوتا ہے اور اب چونکہ غسل جمعہ کی علت موجود نہیں ہے اس لئے وہ واجب بھی نہیں ہے۔

لیکن ان بزرگوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سب سے زیادہ ان اسرار کی پردہ دری کی ہے،[2] اور بکثرت مسائل کے علل و اسباب بیان کئے ہیں مثلاً عہد نبوت میں عورتوں کی اخلاقی حالت چونکہ قابل اعتماد تھی اس لئے ان کو حضور صلاۃ اور شرکت جماعت کی اجازت تھی، لیکن جب اخیر زمانے میں عورتوں کے نظام اخلاق میں انحطاط پیدا ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صاف صاف کہہ دیا۔

لو ادرك رسول الله صلعم ما احدث النساء المنعهن المساجد كما منعه نساء بني اسرائيل[3]

عورتوں نے اپنی حالت میں جو تغیرات پیدا کر لئے ہیں اگر رسول اللہ صلعم ان کو دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں تھیں۔

قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتوں میں متعدد فروق و امتیازات ہیں، مثلاً جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر عقائد اور وقائع اخروی کا ذکر ہے اور مدنی سورتوں میں بتدریج اوامر و نواہی کا مطالبہ کیا گیا ہے کیونکہ اسلام ایک جاہل قوم میں آیا اسلئے اس کو پہلے خطیبانہ اور واعظانہ طریقہ سے جنت اور دوزخ کا حال سنایا گیا۔ جب اس سے لوگ متاثر ہو چکے تو اسلام کے احکام، قوانین اور اوامر و نواہی نازل ہوئے، اگر زنا و شراب خواری وغیرہ سے اجتناب کا پہلے ہی دن مطالبہ کیا جاتا تو دفعتاً کون اس نامانوس آواز کو سنتا؟ اس قسم کے امتیازات و فروق کے دریافت کرنے پر یورپ کے علمائے مستشرقین کو بڑا ناز ہے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پہلے ہی دن اس راز کو فاش کر دیا تھا۔ صحیح بخاری میں ان سے مروی ہے۔

انما نزل اول مانزل منه سورة من المفصل فيها ذكر الجنة و النار حتى اذا ثاب الناس الى الا سلام ثم نزل الحرام و الحلال و لونزل اول شي لا تشربوا الخمر لقالو الا ندع الخمر ابداولو نزل لاتزنوا لقالوا لاندع الزنا ابدا لقد نزل بمكة وانا جارية العب بل الساعة موعدهم و الساعة ادهى و امرو مانزلت سوره البقره والنساء الا و انا عنده (باب تاليف القرآن)

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الرخصة في ترك الغسل يوم الجمعة۔
[2] ماخوذ از سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔
[3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء في خروج النساء الى المسجد۔

قرآن کی سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی وہ مفصل کی سورت ہے جس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام لانے کی طرف مائل ہوئے تو پھر حلال و حرام اترا اگر پہلے یہ اترتا کہ شراب مت پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ اترتا کہ زنانہ کرو تو کہتے کہ ہم ہرگز زنانہ چھوڑیں گے، مکہ میں جب میں کھیلتی تھی تو یہ اترا کہ ان کے وعدہ کا دن قیامت ہے اور قیامت نہایت سخت اور نہایت تلخ چیز ہے سورہ بقرہ اور سورہ نساء جب اتری تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں تھی۔

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ کے قبائل باہم خانہ جنگیوں میں مصروف تھے جن میں ان کے اکثر ارباب ادعا جو اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے ہر نئی تحریک کی کامیابی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں قتل ہو گئے۔ انصار ان لڑائیوں سے اس قدر چور ہو گئے تھے کہ اسلام آیا تو سب نے اس کو اپنے لئے رحمت سمجھا چونکہ ارباب ادعا کا طبقہ مفقود ہو چکا تھا۔ اس لئے ان کی راہ میں کسی نے موانع نہیں پیدا کئے۔ اس طریقہ سے خدائے پاک نے ہجرت سے پہلے مدینہ میں اسلام کی ترقی کے راستے صاف کر دیئے تھے۔ یورپ کے فلسفہ تاریخ نے آج اس نکتہ کو حل کیا ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے ان سے پہلے ہم کو بتا دیا تھا۔

كان يوم بعاث يوما قدم الله الرسول صلعم فقدم رسول الله صلعم وقد افترق ملوهم وقتلف ساداتهم و جرحو فقدمه الله لرسوله في دخولهم الا سلام في الجاهلية۔

جنگ بعاث وہ واقعہ تھا جس کو خدا نے اپنے رسول کیلئے پہلے ہی پیدا کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو انصار کی جمعیت منتشر ہو گئی تھی اور ان کے سردار مارے جا چکے تھے۔ اسلئے خدا نے اپنے رسول ﷺ کیلئے ان کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کیلئے یہ واقعہ پہلے ہی سے مہیا کر دیا تھا۔

جن نمازوں میں چار رکعتیں ہوتی ہیں، قصر کی حالت میں ان کی صرف دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کر دی گئی ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے اس کی یہ وجہ بتائی ہے،

فرضت الصلوه ركعتين ثم هاجر النبي صلعم ففرضت اربعا و تركت صلوة السفر على الا ول۔ (بخاری باب ہجرت)

مکہ میں دو رکعتیں نماز فرض تھیں، جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی گئیں اور سفر کی نماز اپنی حالت پر چھوڑ دی گئی۔

عبادت کا تو خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے لیکن احادیث میں حضرت عمر ﷺ سے مروی ہے کہ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نماز یعنی نفل و سنت بھی جائز نہیں، اسلئے بظاہر اس ممانعت

کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسکی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں۔

و ہم عمر انما نہی رسول اللّٰہ صلعم عن الصلوۃ یتحری طلوع الشمس وغروبھا۔ (مسند احمد ج ٦ ص ١٤٤)

عمر کو وہم ہوا آپ نے صرف اس طرح نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز نہ پڑھے۔

یعنی آفتاب پرستی کا شبہہ نہ ہو، آفتاب پرستوں کے ساتھ وقت عبادت میں تشابہ نہ ہو۔

احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نفل پڑھتے تھے اس بناپر لوگ بغیر کسی عذر کے بیٹھ کر نفل پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں، ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ جواب دیا:

حین حطمہ الناس، (ابو داؤد باب صلوۃ القاعد)

یہ اس وقت تھا جب لوگوں نے آپ ﷺ کو توڑ دیا یعنی آپ ﷺ کمزور ہو گئے۔

ابوداؤد اور مسلم میں ان سے اس قسم کی اور روایتیں بھی مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کبر سنی اور ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے، ہجرت کے بعد جب نمازوں میں دو رکعت کے بجائے چار رکعتیں ہو گئیں تو مغرب میں یہ اضافہ کیوں نہیں کیا گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا یہ جواب دیتی ہیں۔

فانھا وتر النھار (مسند ج ٦ ص ٢٤١)

مغرب میں اضافہ نہ ہوا کیونکہ وہ دن کی وتر ہے۔

یعنی جس طرح رات کی نمازوں میں تین رکعتیں وتر کی ہیں، اسی طرح دن کی نمازوں میں وتر کی یہ تین رکعتیں ہیں۔

نماز فجر میں تو اطمینان زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس میں رکعتیں زیادہ ہونی چاہیں، لیکن اور نمازوں سے کم ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں۔

وصلوۃ الفجر لطول قرآتھما۔

نماز فجر میں رکعات کا اضافہ اسلئے نہیں ہوا کہ دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔

یعنی رکعتوں کی کمی کو طول قرائت نے پورا کر دیا۔

اہل جاہلیت عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور وہ فرضیت صوم سے پہلے اسلام میں بھی واجب رہا۔ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے اسی قسم کی روایت احادیث میں مذکور ہے، لیکن وہ یہ نہیں بیان کرتے تھے کہ جاہلیت میں اس دن کیوں روزہ رکھا جاتا تھا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا سبب یہ بیان فرماتی ہیں،

کانوا یصومون یوم عاشوراء قبل ان یفرض رمضان و کان یوم تستر فیه الکعبة۔ (مسند احمد ج ٦ ص ٢٤٤)

اہل عرب رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشورا کے دن کا روزہ رکھتے تھے، کیونکہ اس روز کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔

باوجودیکہ آپ ﷺ ہمیشہ تہجد پڑھتے تھے لیکن رمضان کے پورے مہینے میں آپ ﷺ نے تراویح نہیں پڑھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی وجہ بیان فرماتی ہیں کہ پہلے دن آپ ﷺ نے مسجد میں نماز تراویح ادا فرمائی تو کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا تیسرے دن اور بھی لوگ جمع ہوئے، چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی، لیکن آپ ﷺ باہر تشریف نہ لائے اور لوگ مایوس ہو کر چلے گئے، صبح کو آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

اما بعد فانه لم یخف علی شانکم اللیلة ولکنی خشیت ان تفرض علیکم صلاة اللیل فتحجزوا۔

رات تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی، لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے قاصر رہو۔

حج کے بعض ارکان مثلاً طواف کرنا، بعض مقامات میں دوڑنا، کہیں کھڑا ہونا، کہیں کنکری پھینکنا بظاہر فعل عبث معلوم ہوتے ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

انما جعل الطواف بالبیت و بالصفا و المروة ورمی الجمار لا قامة ذکر اللہ عزوجل۔ (مسند احمد ج ٦ ص ٦٤)

خانہ کعبہ صفا اور مروہ کا طواف، کنکریاں پھینکنا تو صرف خدا کے یاد کرنے کے لئے ہے،

قرآن مجید کے اشارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں یہ بھی ایک طرز عبادت تھا چونکہ حج یادگار ابراہیم ہے اس لئے وہی طرز عبادت قائم رکھا گیا،

مکہ معظمہ کے پاس محصب نام ایک وادی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ایام حج میں قیام فرمایا تھا اور آپ کے بعد خلفاء راشدین بھی اس میں قیام فرماتے رہے اور اس بنا پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کو سنن حج میں شمار کرتے تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں اور آپ کے قیام کی یہ وجہ بیان فرماتی تھیں،

انما نزله رسول اللہ صلعم لا نه کان منزلا اسمح لخروجه۔

آپ ﷺ نے یہاں صرف اس لئے قیام کیا تھا کہ یہاں سے چلنے میں آسانی ہوتی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا کے ہمزبان ہیں۔[1]

ایک دفعہ آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے۔ بہت سے صحابہ ؓ اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے لیکن متعدد صحابہ ؓ کے نزدیک یہ حکم وقتی تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان ہی لوگوں میں ہیں اور اس وقتی حکم کا سبب یہ بتاتی ہیں،

لا ولكن لم يكن يضحى منهم الا قليل ففعل ذلك ليطعم من ضحى من لم يضح۔ (مسند ج ٦ ص ١٠٢)

یہ نہیں ہے کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد حرام ہو جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کریں وہ ان لوگوں کو کھلائیں جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی حدیث امام مسلم نے ایک خبر کی صورت میں بیان کی ہے یعنی یہ کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس دیہاتوں میں قحط پڑا اس سے آپ نے یہ حکم دیا اور دوسرے سال جب قحط نہیں پڑا تو اس کو منسوخ فرمادیا حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔[2]

کعبہ کے ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ جگہ چھوٹی ہوئی ہے جس کو حطیم کہتے ہیں اور طواف میں اس کو بھی اندر داخل کر لیتے ہیں لیکن ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ دیواریں بھی خانہ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا "ہاں" عرض کی کہ "پھر بناتے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کیا۔ فرمایا تیری قوم کے پاس سرمایہ نہ تھا اس لئے اتنا کم کر دیا پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا؟ فرمایا یہ اس لئے کیا تاکہ "جس کو چاہیں اندر جانے دیں جس کو چاہیں روک دیں"۔

حضرت ابن عمر ؓ کہتے ہیں کہ اگر "عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اسی لئے ادھر کے دونوں رکنوں کو بوسہ نہیں دیا لیکن سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ خانہ کعبہ اپنی اصلی اساس پر قائم نہیں ہے تو شریعت ابراہیمی کے مجدد کی حیثیت سے آپ ﷺ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کرتے لیکن آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خود اس کی وجہ یہ بیان فرما دی کہ "عائشہ (رضی اللہ عنہا) تیری قوم اگر کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا

1: مسلم استحباب النزول بالمحصب و مسند ج ٦ ص ١٦٠۔ 2: مسلم کتاب الذبائح۔

کر اساسِ ابراہیمی پر تعمیر کراتا[1]

آج کل ہجرت کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں جاکر آباد ہو جانا، خواہ وہ جہاں پہلے آباد تھے کیسے ہی امن وامان کا ملک ہو لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت کی حقیقت یہ بتائی ہے،

لاھجرۃ الیوم کان المومنون یفراحدھم بدینہ الی اللّٰہ والی رسولہ مخافۃ ان یفتن علیہ فاما الیوم فقد اظھر اللّٰہ الا سلام والیوم یعبد ربہ حیث شاء لکن جھاد و نیۃ ۔ (بخاری باب الھجرۃ)

اب ہجرت نہیں ہے، ہجرت اس وقت تھی جب مسلمان اپنے مذہب کو لے کر خدا اور اس کے رسول کے پاس ڈر سے دوڑا آتا تھا کہ اس کو تبدیل مذہب کی بنا پر ستایا نہ جائے لیکن اب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا، اب مسلمان جہاں چاہے اپنے خدا کو پوج سکتا ہے ہاں جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف پیدا ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "پیغمبر جہاں مرتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں۔" لیکن اس کا اصلی سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں۔

قال رسول اللّٰہ ﷺ فی مرضہ الذی لم یقم منہ لعن اللّٰہ الیھود و انصاری اتخذوا قبور انبیائھم مساجد الولا ذالک ابرز قابرہ غیرانہ خشی ان یتخذ مسجدا۔ (بخاری آخر کتاب الجنائز و مسند احمد ج ٦ ص ١٢١)

آپ ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) کہ اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی، لیکن چونکہ اس کا خوف تھا کہ وہ بھی سجدہ گاہ نہ بن جائے اسلئے آپ ﷺ حجرے میں ہی مدفون ہوئے۔

لیکن بایں ہمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سمجھتے تھے کہ نظام شریعت میں حکم و مصالح کے ساتھ خود شارع بھی ایک موثر اعظم ہے اور جب وہ خود احکام کی علت بن جاتا ہے تو دوسرے علل و اسباب بیکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً موزہ کا باطنی حصہ گرد و غبار سے آلودہ رہتا ہے اس مسح کا محلک وہی ہو سکتا ہے لیکن احادیث میں موزے کی سطح ظاہری پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ یہ حکم بالکل الٹا ہے تاہم وہ اس کے ساتھ یہ بھی جانتے تھے کہ شریعت کا دار و مدار بالکل عقلی علل و اسباب پر نہیں ہے بلکہ اس کا سب سے بڑا عمود خود شارع کی ذات پر ہے۔

---

[1] مسلم باب نقض الکعبہ۔

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے،

لو کان الدین بالری لکان اسفل الخف اولی بالمسح من اعلاہ۔[1]

اگر دین کا دارو مدار بالکل عقل پر ہوتا تو موزہ کا باطنی حصہ بالائی حصہ سے زیادہ مسح کا مستحق تھا۔ لیکن خود یہ بھی علم اسرار الدین کا ایک اہم اصول ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

کما اوجبت السنة هذه وانعقد علیها الا جماع فقد اوجبت ایضاً ان نزول القضاء بالا یحاب و التحریمه سبب عظیم فی نفسه مع قطع النظر عن تلك المصالح لا ثابة المطیع و عقاب العاصی۔[2]

جیسا کہ حدیث و اجماع سے ثابت ہوتا ہے کہ احکام مبنی علی المصالح ہیں، اسی طرح احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان مصالح سے قطع نظر کر کے خود ایجاب و تحریم کا حکم بھی اطاعت گذار کے ثواب اور نافرمان کے عذاب کا بہت بڑا سبب ہے۔

[1] ابوداؤد کتاب الطہارہ باب کیف المسح۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۵۔

علم تصوف

صوفی اور تصوف

اسلام میں تصوف ایک نوزائیدہ لفظ ہے اور صوفی کا لقب اہل بغداد کی ایجاد ہے، قرآن مجید نے اہل صفہ کو جن کی طرف اس گروہ کا انتساب کیا جاتا ہے، فقراء کے لقب سے یاد کیا ہے۔

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم۔ الخ
ان فقرائے مہاجرین کے جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے۔

للفقراء الذين احصروا في سبيل الله۔ الخ
ان فقراء کے لئے جو خدا کی راہ میں روک رکھے گئے۔

اور اہل شام بھی اس کو فقراء ہی کے نام سے پکارتے تھے[1]۔ اگرچہ علامہ ابو نصر عبداللہ بن علی السراج الطوسی اس لقب کو اہل بغداد کی ایجاد نہیں سمجھتے بلکہ ان کو اس کا پتہ نہایت قدیم زمانہ میں ملتا ہے چنانچہ کتاب اللمع میں لکھتے ہیں۔

لیکن یہ کہنا کہ یہ ایک نو پیدا نام ہے جس کی ایجاد اہل بغداد نے کی ہے محال ہے کیونکہ حسن بصری کے زمانے میں یہ نام مشہور تھا اور حسن بصری نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کی ایک جماعت کا زمانہ پایا تھا وہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ میں نے طواف میں ایک صوفی کو دیکھا اور ان کو کچھ دینا چاہا لیکن انہوں نے نہیں لیا۔ ایک کتاب میں جس میں اخبار مکہ جمع کئے گئے ہیں محمد بن اسحاق بن یسار اور دوسرے لوگوں سے ایک روایت ہے کہ "اسلام سے پہلے کسی وقت میں مکہ خالی ہو گیا تھا، یہاں تک کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرتا تھا، اس حالت میں کسی دور دراز ملک سے صرف ایک صوفی آتا تھا اور طواف کر کے واپس چلا جاتا تھا"۔

پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبل از اسلام یہ نام مشہور تھا اور اس کی طرف اہل صلاح منسوب کئے جاتے تھے۔[2]

لیکن جہاں تک تاریخی روایتوں سے ثابت ہے اسلام میں سب سے پہلے ابو ہاشم صوفی کو یہ خطاب ملا جنہوں نے سن ۱۵۰ھ میں وفات پائی[3] اور اس قدر تو اکابر صوفیہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس لقب کی بنیاد عہد صحابہ ؓ کے بعد ہوئی، چنانچہ امام قشیری اپنے رسالے میں لکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ ؓ کے سوا اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا، کیونکہ شرف

۱: کتاب اللمع مطبوعہ یورپ ص ۲۶۔ ۲: کتاب اللمع مطبوعہ یورپ ص ۲۲۔ ۳: کشف الظنون۔

صحبت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہو سکتا تھا۔ صحابہ ؓ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا لقب پیدا ہوا اس کے بعد بزرگان دین زاہد و عابد کے لقب سے ممتاز ہوئے لیکن زہد و عبادت کا دعویٰ ہر فرقے کو یہاں تک کہ اہل بدعت کو بھی تھا۔ اس لئے اہل سنت والجماعت میں سے جو لوگ زاہد اور اہل دل تھے وہ صوفی کہلائے اور یہ لقب دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے رواج پا چکا تھا۔[1]

خود صاحب کتاب اللمع نے بھی اس قدر تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے[2] کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم صوفیہ کا ذکر

1: رسالہ قشیریہ ص۹ ذکر مشائخ طریقت۔

2: کتاب اللمع ص ۲۲ تصوف کے اشتقاق کے متعلق مختلف آرائیں ہیں، بعض کا قول ہے کہ یہ اصحاب صفہ کی طرف نسبت ہے بعض کے نزدیک اس کا ماخذ صفا اور بعض کے نزدیک صف ہے لیکن قاعدہ اشتقاق کے رو سے یہ تمام اقوال غلط ہیں کتاب اللمع میں ہے کہ صوفی کا لفظ پہلے صفوی تھا، پھر ثقالت کی وجہ سے صوفی کر لیا گیا، صوف سے بے شبہ یہ لفظ ماخوذ ہو سکتا تھا جس کے معنی پشمینہ کے ہیں، لیکن پشمینہ پوش ہونا اس فرقہ کی کوئی خصوصیت نہیں یہ امام قشیری کی رائے ہے لیکن علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اگرچہ پشمینہ پوش ہونا اس فرقے کی کوئی عام خصوصیت نہیں، تاہم اکثر یہ لوگ پشمینہ پوش ہی ہوتے ہیں اس لئے یہ اشتقاق صحیح ہو سکتا ہے صاحب کتاب اللمع نے لکھا ہے کہ اہل حدیث، حدیث کی طرف اور فقہا فقہ کی طرف منسوب ہیں، لیکن صوفی کسی خاص وصف یا خاص علم کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ تمام علوم، تمام صفات حسنہ اور تمام اخلاق فاضلہ کا جامع ہوتا ہے اور اس کو کسی خاص علم خاص وصف اور خاص مقام کے ساتھ خصوصیت حاصل نہیں ہوتی جس کی طرف اس کو منسوب کیا جا سکے اس کے ساتھ اس کے حالات میں ہر وقت تجدد و تغیر ہوتا رہتا ہے اور وہ خدا سے ہمیشہ اضافہ کا خواستگار رہتا ہے اسلئے اگر اسکو کسی خاص وصف کی طرف منسوب کیا جائے تو ہر وقت ایک نئے وصف کی طرف منسوب کرنا پڑے گا، اس دشواری کی بنا پر اس کو ایک ظاہری خصوصیت یعنی پشمینہ پوشی کی طرف منسوب کیا گیا جو کہ انبیاء اور لیاء اور صلحاء کا عام شعار ہے اور اس سے اجمالی طور پر صوفیہ کے تمام علوم تمام اعمال اور تمام اخلاق کا پتہ چل جاتا ہے خدا نے اصحاب عیسیٰ کو بھی ظاہری لباس کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کو حواری کہا ہے یہ لوگ سفید کپڑے پہنتے تھے اور خدا نے ان کو اسی طرف منسوب کر دیا اعمال اور اموال کی طرف منسوب نہیں کیا اسی طرح صوفیہ بھی ظاہری لباس کی طرف منسوب کر دیئے گئے (صفحہ ۲۰) ماخذ اور اشتقاق سے قطع نظر کر کے اگر اس لفظ پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو اصل میں یہ لفظ سین سے تھا اور اس کا مادہ سوف تھا جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں دوسری صدی میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عربی زبان میں آیا اور چونکہ حضرات صوفیہ میں اشراقی حکماء کا انداز پایا جاتا تھا اسلئے لوگوں نے ان کو صوفی یعنی حکیم کہنا شروع کیا رفتہ رفتہ سوفی سے صوفی ہو گیا، یہ تحقیق علامہ ابو ریحان بیرونی نے کتاب الہند میں کی ہے اور صاحب کشف الظنون کی عبادت سے بھی اس کا اشارہ نکلتا ہے، چنانچہ وہ تصوف کے عنوان سے لکھتے ہیں، .... (جاری ہے)

نہیں سنتے اور ان کے بعد بھی ہم کو اس لفظ کا پتہ نہیں چلتا، ہم اس زمانے میں عابد، زاہد، سیاح اور فقراء کے لفظ سے تو بے شبہہ آشنا ہیں لیکن کوئی صحابہ ﷺ صوفی کے لقب سے نہیں پکارا گیا، تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کو وہ عظمت اور خصوصیت حاصل ہے کہ جس شخص کو یہ عزت حاصل ہو گئی کہ کوئی دوسرا خطاب جو اس سے بھی معزز ہو نہیں دیا جا سکتا کیا تم کو یہ نظر نہیں آتا کہ وہ زیادہ عباد، متوکلین، فقراء، اہل رضاء، اہل صبر اور اہل تواضع و اخبات کے امام ہیں اور یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت سے حاصل کیا ہے تو جب ان بزرگوں کا انتساب صحبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے جو بزرگ ترین صفات سے ہے تو یہ محال ہے کہ اس بزرگ ترین صفت کے علاوہ ان کو کوئی دوسری فضیلت دی جا سکے۔

خانقاہیں

اس لقب کی طرح تصوف کی دوسری یادگاریں بھی دور صحابہ ﷺ کے بہت بعد عالم وجود میں آئیں، خود صحابہ ﷺ کی زمانہ میں ان کا پتہ نہیں چلتا، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

زمانہ بہت آگے بڑھ گیا اور امت میں تفریق پیدا ہو گئی اور ہر قوم نے دین کا ایک شعبہ لے لیا جس میں خود اپنی طرف سے اضافے کر لئے، سلاطین و امراء نے قلعے بنوائے حالانکہ قلعے وغیرہ قدیم زمانے میں صرف سرحدوں پر بنائے جاتے تھے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ دشمن اچانک حملہ نہ کر دے اور ان کے پاس مدافعت کا سامان نہ ہو اور اہل علم کے لئے مدارس اور اہل عبادت کیلئے خانقاہیں تعمیر کی گئیں۔ میرا خیال ہے کہ سلطنت سلجوقیہ میں ان چیزوں کا عام رواج ہوا اور سب سے پہلے نظام الملک کے زمانہ وزارت میں اہل علم کے لئے مدارس اور مساکین کے لئے رباطات تعمیر کی گئیں اور ان پر اوقاف کئے گئے، اگرچہ اس سے پہلے بھی مدارس اور رباطات کا پتہ چلتا ہے، لیکن میرے خیال میں ان پر کوئی عام وقف نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہ مخصوص مقامات میں سے تھے، امام معمر بن زیاد نے اخبار الصوفیہ میں بیان کیا ہے کہ صوفیہ کیلئے پہلی خانقاہ بصرہ میں تعمیر کی گئی۔[1]

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

واعلمه ان الا شراقين من الحكماء الالهين كالصو فيين فى المشرب اولا صطلاح ولا يبعد ان يوخذ هذا الا صطلاح من اصطلا حهم۔

حکمائے اشراقیہ مشرب اور اصطلاح میں صوفیہ کے مشابہ تھے اور اگر یہ اصطلاح ان کی اصطلاح سے ماخوذ ہو تو کچھ بعید نہیں۔ (المؤلف)

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) [1] فتاوائے ابن تیمیہ ج ۲ ص ۳۵۹، ۳۶۰۔

اجزائے تصوف کی بے اعتدالی

ان ظاہری یادگاروں کے علاوہ تصوف کے باطنی قوام میں بھی جو غیر معتدل تخلخل پیدا ہوا وہ دور صحابہ ﷺ کے بعد ہوا خود صحابہ کرام ﷺ کی ذات اگرچہ تصوف کے تمام عناصر کا مجموعہ تھی، تاہم ان میں کسی عنصر کی خاصیت حد اعتدال سے آگے نہیں بڑھنے پائی تھی۔ علامہ ابن تیمیہ نے صوفیوں کی جو مخالفت کی ہے وہ انہی عناصر کے غیر معتدل خواص و کیفیات کی بنا پر کی ہے، ورنہ ان کو تصوف کے حقیقی اجزاء سے کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ اپنے فتاوے کے مختلف مقامات میں اس پر تفصیلی بحثیں کی ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں،

> صحابہ ﷺ کبھی کبھی جمع ہوتے تھے اور کسی سے قرأت کی فرمائش کرتے تھے اور باقی لوگ سنتے تھے کہ اے ابو موسیٰ ہم کو ہمارے خدا کی یاد دلاؤ تو وہ پڑھتے تھے اور وہ لوگ سنتے تھے بعض صحابہ ﷺ کہتے تھے کہ آؤ بیٹھ کر کچھ دیر کے لئے ایمان لائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کے ساتھ کئی بار نفل باجماعت پڑھی اور اہل صفہ کے پاس آئے ان میں ایک قاری پڑھ رہا تھا۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور سنتے رہے سماع اور ذکر شروع کے وقت دل میں جو خوف پیدا ہوتا ہے، آنکھوں سے جو آنسو جاری ہو جاتے ہیں بدن کے جو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ کتاب و سنت کی تصریحات کے موافق بہترین اوصاف ہیں لیکن یہ سخت بے چینی، غشی موت اور چیخ پکار کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی شخص مجذوب ہو تو اس کو کوئی ملامت نہیں کی جاسکتی جیسا کہ تابعین اور ان کے بعد لوگوں میں، اسکا منشا یہ تھا کہ قلب پر ایک قوت دھکا پہنچاتی تھی اور خود ان کا دل اور ان کی طاقت اس حملے کو برداشت نہیں کر سکتی تھی لیکن اس حالت میں تمکن و ثبات جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ﷺ کا حال تھا افضل ہے البتہ زبردستی، سکون و وقا پیدا کرنا بھی برا ہے اور اس میں کوئی بھلائی نہیں جس سماع سے دل کی اصلاح ہو سکتی ہے وہ کتاب اللہ کا سماع ہے، لیکن بعض فرقوں نے اس سماع کو بھلا کر قصائد سننا شروع کئے تالیاں بجانے لگے اور الاپنا شروع کیا جو کفار کی سیٹی بجانے کے مشابہ ہے جس کی خدا نے برائی بیان کی ہے۔[1]

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں۔

> فنا کی تین قسمیں ہیں جن میں ایک قسم کو کامل ترین انبیاء اور اولیاء دوسری قسم کو متوسط درجے کے اولیا اور صلحاء اور تیسری قسم کو منافقین ملحدین اور مشبہین نے

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ ج اول ص ۱۸۵۔۱۸۶۔

اختیار کیا ہے پہلی قسم کی فنا ارادہ ماسوی اللہ میں اس طرح فنا ہو جاتا ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کی محبت کسی دوسرے کی عبادت کسی دوسرے پر توکل اور کسی دوسرے کی تلاش نہ ہو شیخ ابو یزید کے اس قول کا کہ "میں یہ چاہتا ہوں کہ بجز اس چیز کے جس کو وہ چاہتا ہے دوسری چیز کو نہ چاہوں یہی مطلب قرآن مجید کی اس آیت میں اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهُ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ میں سلیم سے مراد یہ ہے کہ ماسوائے اللہ سے ماسوائے عبادہ اللہ سے ماسوائے ارادہ اللہ سے ماسوائے محبت اللہ سے محفوظ ہو، بہر حال اگر اسی کا نام فنا ہے، تو یہ اسلام کا اول بھی ہے آخر بھی، دین کا باطن بھی ہے اور ظاہر بھی۔

دوسری قسم کی فنا کا منشا یہ ہے کہ ماسوائے کے شہود سے فنا ہو اور جن سالکین کا کمزور دل خدا کے ذکر، خدا کی عبادت اور خدا کی محبت کی طرف کھنچ جاتا ہے، ان کو فناء کا یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ خدا کے سوا نہ کسی دوسری چیز کو دیکھتے اور نہ کوئی دوسری چیز ان کے دل میں کھٹکتی، اس آیت میں وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فَارِغًا میں ان کے نزدیک فارغ سے مراد یہ ہے کہ موسیٰ کی یاد کو سوا ہر چیز سے خالی تھا یہی وہ مقام ہے جہاں ایک قوم کے پاؤں ڈگمگا گئے ہیں اور اس نے یہ خیال قائم کر لیا ہے کہ یہ اتحاد اور عاشق معشوق کے ساتھ اس قدر متحد ہو گیا ہے کہ دونوں کے وجود میں کوئی فرق نہیں رہا، لیکن یہ غلطی ہے کیونکہ خدا کے ساتھ کوئی چیز متحد نہیں ہو سکتی بہر حال فناء کا یہ درجہ فنا سے خالی نہیں اور اکابر اولیا مثلاً حضرت ابو بکر ؓ، حضرت عمر ؓ اور مہاجرین اولین اور انصار نے بھی اس درجہ کو اختیار نہیں کیا، یہ درجہ صحابہ ؓ کے بعد پیدا ہوا اسی طرح تصوف کے وہ تمام مدارج جس میں عقل و تمیز گم ہو جائے۔ صحابہ ؓ کے بعد پیدا ہوئے کیونکہ مدارج ایمانیہ میں صحابہ کرام ؓ کامل ترین، قوی ترین اور راسخ ترین تھے، جنون، غشی، بیخودی اور وارفتگی کا ان کے پاس گذر نہیں ہو سکتا تھا ان چیزوں کی ابتدا البصرہ کے عبادت گذار تابعین سے ہوئی کیونکہ انہی میں وہ لوگ تھے جس پر قرآن کے سننے سے غشی طاری ہو جاتی تھی اور انہی میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اس حالت میں مر جاتے تھے مثلاً ابو جہر الضریر اور زرارہ بن ابی اوفی قاضی بصرہ، شیوخ صوفیہ میں بعض لوگوں نے اسی عالم میں بعض باتیں ایسی کہہ دی ہیں کہ اگر وہ ہوش میں ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ انہوں نے غلطی کی ہے مثلاً ابو یزید، ابوالحسن نوری، ابو بکر شبلی وغیرہ سے اس قسم کے اقوال مذکور ہیں لیکن ابو سلیمان دارانی، معروف کرخی، فضل بن عیاض بلکہ جنید

وغیرہ کے ہوش وحواس بھی ہمیشہ صحیح رہتے تھے اور وہ فناء کے اس گرداب میں نہیں پڑتے تھے، بلکہ یہ لوگ وسعت علم اور صحت تمیز کی بناء پر ہر چیز کو اس کی اصلی حالت میں دیکھتے تھے اور ان کو نظر آتا تھا کہ تمام مخلوقات حکم خداوندی سے قائم ہیں اس کی مشیت کے ساتھ وابستہ ہیں بلکہ اس کے سامنے سر نیاز خم کئے ہوئے ہیں اس لئے ان کو اس سے بصیرت حاصل ہوتی تھی اور خلوص، توحید اور عبادت کا جو جذبہ ان کے دل کے اندر تھا اس کو ان چیزوں سے اور مدد ملتی تھی قرآن مجید نے اسی حقیقت کی دعوت دی ہے اور کامل ترین مومنین اور اہل عرفان نے اس کو محفوظ رکھا ہے ہمارے پیغمبر رسول اللہ ﷺ ان سب کے امام اور ان سب میں کامل ترین یہیں یہی وجہ ہے کہ شب معراج میں اگرچہ آپ نے خدا کی بہت سی نشانیاں دیکھیں اور خدا نے آپ سے بہت کچھ سرگوشیاں کیں، بایں ہمہ آپ کے حالات میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا اور آپ پر اس کا کوئی اثر نہیں طاری ہوا، بخلاف اس کے حضرت موسیٰ پر ایک ہی جھلک میں غشی طاری ہو گئی۔

تیسری قسم کی فنا کا منشا یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی دوسری چیز موجود نہیں، اور خالق کا وجود بعینہٖ مخلوق کا وجود ہے، اس بنا پر خدا اور بندے میں کوئی فرق نہیں، تو فنا کا یہ درجہ ان گمراہ لوگوں نے اختیار کیا ہے جو حلول واتحاد میں پڑ گئے ہیں۔[1]

اصطلاحات تصوف

تصوف کی موجودہ اصطلاحات میں بھی عہد نبوت اور عہد صحابہ ؓ تک کوئی اصطلاح نہیں قائم ہوئی لیکن اگر اس ظاہری لقب، اس رسمی خانقاہ اس بے اعتدالی اور ان ظاہری اصطلاحات سے قطع نظر کر لی جائے تو تصوف کے تمام حقیقی اجزاء خود۔

سلسلہ تصوف

عہد نبوت اور عہد صحابہ ؓ میں پیدا ہوئے اور تصوف کے ابتدائی سلسلہ کی ظاہری یادگاریں بھی اسی زمانہ میں قائم ہو گئیں، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں لکھتے ہیں۔

خرقہ پس اصلش الباس آنحضرت است ﷺ عمامہ را بہ عبدالرحمٰن ابن عوف ؓ در وقتیکہ امیر لشکر گردانید، اما بیعت پس وجود آں واعتبار بآن از آنحضرت

---

[1] ملخص از فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹۔

ﷺ مستفیض یقینی است کما لا یخفی۔[1]

تاہم اس زمانے تک تصوف کا سلسلہ ان ظاہری آداب سے قائم نہیں ہوتا تھا بلکہ صوفیانہ حلقوں کی شیرازہ بندی صرف روحانی رشتوں سے ہوتی تھی، چنانچہ خود شاہ صاحب اسی رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں،

پس صوفیہ صافیہ ارتباط ایشان در زمن اول بصحبت و تعلیم و ادب با آداب تہذیب نفس بودہ است نہ بخرقہ بیعت و در زمن سید الطائفہ جنید بغدادی رسم خرقہ ظاہر شد و بعد ازاں رسم بیعت پیدا گشت وار تباط سلسلہ بہمہ این امور محقق است و اختلاف صور ارتباط ضرر نمی کند و خرقہ ہست بیعت را اصلے، از سنت سنیہ۔[2]

شاہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں اس نکتے کی اور بھی زیادہ توضیح کی ہے چنانچہ اس کا خلاصہ یہ ہے، اس مقام پر ایک نقطہ ہے جس کو لازمی طور پر پیش نظر رکھنا چاہئے اور وہ یہ کہ عہد صحابہ ؓ عہد تابعین اور عہد تبع تابعین تک مشائخ کے ساتھ تلامذہ کا تعلق بیعت اور خرقہ پوشی کے ذریعہ سے نہ تھا صرف صحبت کے ذریعہ سے تھا اور وہ لوگ ایک شیخ یا ایک سلسلے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ایک شخص بہت سے مشائخ کی صحبت اختیار کرتا تھا اور بہت سے سلسلوں کے ساتھ تعلق پیدا کرتا تھا، اسلئے ان کا سلسلہ مخصوص طور پر کسی ایک صحابی تک نہیں پہنچایا جاسکتا، بجز اس صورت کے کہ کو ان کو اعتراف ہو کہ ان پر کسی خاص صحابی کی صحبت کا اثر زیادہ پڑا ہے یا انہوں نے ان کا فیض صحبت مدتوں تک اٹھایا ہے یا وہ کسی خاص صحابی کے اصحاب مشہور ہو گئے ہیں اور یہ ان کی ایک علامت قرار پا گیا ہے۔[3]

بایں ہمہ صوفیانہ حلقوں اور صوفیانہ سلسلوں میں خلفائے راشدین اور خلفائے راشدین میں شیخین یعنی حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کا روحانی فیض سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، چنانچہ شاہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں،

بعد فقہ اعظم علوم علم احسان (تصوف) است اعنی آنچہ امروز باسم علوم سلوک مسمی شود و قوت القلوب و احیاء العلوم در ان مصنف شدہ است و اعظم توسط کبرائے امت درمیان آنحضرت ﷺ و سائر امت او آنست کہ بزبان حال و بزبان قال ہر دو آن علوم را و آن مقامات و احوال را بمردمان تعلیم فرماید و تربیت کند یا ان را بہر دو زبان دلادے آن علوم در آفاق شہرت گردد، اقاصی وادانی ازاں مستفید شوند چنانکہ دریں کتاب باشی کثیر از حضرت شیخین معلوم کردہ باشی۔[4]

1: کتاب مذکور ص ۳۔ 2: کتاب مذکور ص ۲، ۳۔
3: ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۱۸۵۔ 4: ازالۃ الخفا ص ۶۔

ایک دوسرے موقع پر خصوصیت کے ساتھ حضرت عمرؓ کی نسبت لکھتے ہیں:۔

الفصل السابع فی بقاء سلسلة الصحبة الصوفية المبتداء ه من النبی صلی اللّٰه عليه وسلم ابی يومنا هذابوا سطتة امير المومنين عمر بن الخطاب ﷺ و لنذكر ههنا سلسلة اهل العراق فانهم اكثر المسليمن اعتناء سلسلة الصحبة لصوفية ۔[1]

ساتویں فصل صوفیہ کے اس سلسلے کے قیام و بقاء میں جو رسول اللہ ﷺ کی ذات سے شروع ہو کر آج تک بالواسطہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب ﷺ قائم ہے اور ہم اس موقع پر صرف اہل عراق کا سلسلہ بیان کرتے ہیں کیونکہ وہ لوگ مسلمانوں میں سب سے زیادہ صوفیہ کے سلسلے کا لحاظ کرتے ہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے حضرت عمر ﷺ کے سلسلہ تصوف کو حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے شروع کر کے حضرت جنید بغدادی تک پہنچایا ہے اور لکھا ہے۔

و سلسلة اشهر من ان يحتاج الى بيان۔

حضرت جنید بغدادی کا سلسلہ اس قدر مشہور ہے کہ اسکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

لیکن صوفیہ کے نزدیک تصوف کے اکثر سلسلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہیں چنانچہ اس موقع پر تمام مشہور سلسلوں کا ایک نقشہ درج کرتے ہیں جس سے اس کا اندازہ ہوگا،

نام سلسلہ	نام مستفید	نام منسوب الیہ	کیفیت
نقشبندیہ	(حسن بصری)	حضرت علی کرم اللہ وجہہ وحضرت ابو بکر صدیقؓ	یہ سلسلہ ہندوستان اور ماوراء النہر میں بہت مشہور ہے اور مکہ و مدینہ میں بھی اس کا رواج ہے۔
قادریہ	//	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	یہ سلسلہ عرب اور ہندوستان میں بہت مشہور ہے
چشتیہ	//	حضرت علی کرم اللہ جہہ	یہ سلسلہ ہندوستان میں بہت مشہور و مقبول ہے
کبرویہ	//	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	یہ سلسلہ توران اور کشمیر میں مشہور ہے
شاذلیہ	//	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	یہ سلسلہ مغرب، مصر اور سوڈان اور مدینہ میں شہرت رکھتا ہے
شطاریہ[2]	//	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	یہ سلسلہ ہندوستان میں مشہور ہے

1: ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۱۸۵۔ 2: یہ نقشہ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ سے مرتب کیا گیا ہے۔

یہ تمام سلسلے رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک سے شروع ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطہ سے حضرت حسن بصری تک منتہی ہوتے ہیں اور باتفاق اہل تصوف حضرت حسن بصریؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے استفادہ کیا ہے لیکن اہل حدیث کے نزدیک یہ استفادہ ثابت نہیں ہے، چنانچہ شاہ صاحب انتباہ فی سلاسل اولیاء میں لکھتے ہیں،

والحسن البصری ینسب الی سیدنا علی رضی اللہ عنہ عند اہل السلوك فاطعة و ان کان اہل الحدیث لا یثبتون ذالك وقد انتصر الشیخ احمد القشاشی لا ھل السلوك بکلام و ان شاف فی الکتاب العقد الفرید فی سلاسیل اھل التوحید۔[1]

اور حسن بصری تمام اہل تصوف کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہیں لیکن اہل حدیث کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہے اور شیخ احمد قشاشی نے ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ سے اپنی کتاب العقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید میں اہل تصوف کی تائید کی ہے۔

اہل تصوف نے رسم خرقہ پوشی کی ابتدا بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات سے کی ہے لیکن علامہ ابن خلدون کے نزدیک تصوف پر شیعیت کا جو اثر پڑا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف خرقہ کا انتساب بھی اسی کا نتیجہ ہے ورنہ اس کی کوئی اصلیت نہیں چنانچہ مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں،

حتی انھم کما اسندوا الباس خرقة التصوف الحعلوہ اصلا لطریقتھم و تخلیتھم رفعوہ الی علی رضی اللہ عنہ و ھو من ھذا المعنی ایضأوالا فعلی رضی اللہ عنہ لم یختص من بین الصحابة بتخلیة ولا طریقة فی لباس ولا حال بل کان ابو بکرو عمر رضی اللہ عنھما از ھد الناس بعد رسول اللہ ﷺ واکثر ھم عبادہ ولم یختص احد منھم فی الدین بشی یو ثر عنه فی الخصوص بل کان لصحابة کلھم اسوہ فی الدین والزھد المجاھدة۔[2]

یہاں تک کہ جب ان لوگوں نے خرقہ پوشی کو اپنے لئے اصل بنانا چاہا تو اس کی سند کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچایا لیکن اس کا فلسفہ بھی یہی ہے (یعنی تصوف پر شیعیت کا اثر) ورنہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تخلیہ، بالباس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوئی خاص طریقہ نہ تھا، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ عبادت گذار تھے، لیکن دینی معاملات میں ان کا کوئی قابل روایت مخصوص شیوہ نہ تھا، بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم دین زہد اور مجاہدہ میں نمونہ تھے۔

شاہ صاحب کی عبادت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے چنانچہ انتباہ میں لکھتے ہیں،

۱: ایضاً ص ۱۳۱۔ ۲: مقدمہ ابن خلدون ص ۵۱۸۔

شیخ مجد الدین بغدادی در کتاب تحفۃ البررہ آوردہ است کہ نسبت خرقہا متصل است بہ پیغامبر ﷺ بہ حدیث درست متصل مستفیض و فرمودہ است کہ مصطفی ﷺ خرقہ پوشاند امیر المومنین علی را کرم اللہ وجہہ و تمام ایں سلسلہ راذکر کردہ است و المحققون من اهل الحديث ينكرون هذالا تصال من النبی ﷺ۔[1]

تصوف صحابہ ؓ

اس تاریخی تمہید کے بعد اب سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ کا تصوف کن اجزاء پر مشتمل تھا؟ اور اسکو متاخرین کے تصوف پر کیا امتیاز حاصل تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ تصوف عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے لیکن صحابہ کرام ؓ کے زمانہ تک کوئی خاص صوفیانہ عقیدہ نہیں قائم ہوا تھا۔ غالباً صوفیانہ عقائد کی تولید فلسفہ و حکمت کے رواج اور دوسری قوموں اور فرقوں کے اختلاط اور میل جول سے ہوئی، مثلاً اہل تصوف کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ انسان عالم اصغر ہے، لیکن یہ عقیدہ جس طرح فلسفہ کی آمیزش اور اثر سے پیدا ہوا جس طرح اس پر تہ بتہ گمراہی اور ضلالت کے روے چڑھتے گئے اور اس کا جو انجام ہوا اس کی نسبت علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں،

وقد اخذوا من الفلا سفة قولهم الا نسان هو العالم الصغير و هذا قريب و صموا اليه ان الله هو العالم الكبير بناءً على اصلهم الكفرى فى وحده الوجود وان الله عين وجوه المخلوقات فالا نسان من بين المظاهر هو الخليفة الجامع لا سماء و الصفات و يتفرع على هذا مايصيرون اليه من ذعوى الربوبية والا لوهية المخرجة لهم الى الفرعونية والقرمطية و الباطنيه۔[2]

صوفیہ نے فلاسفہ سے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ انسان عالم اصغر ہے اور یہ کوئی بڑی بات نہ تھی لیکن ان لوگوں نے اس کے ساتھ اپنی کافرانہ اصل یعنی وحدت الوجود کی بنا پر اس عقیدہ کو بھی ملا لیا کہ خدا عالم اکبر ہے اور انسان تمام مظاہر عالم میں خدا کے اسماء و صفات کا جامع ہے اور یہ لوگ ربوبیۃ اور الوہیۃ کا جو ان کو فرعونیت، قرمطیت اور باطنیت تک پہنچا دیتی ہے اسی عقیدہ کی بنا پر دعوی کرتے ہیں۔

لیکن صوفیہ کو عقیدہ وحدت الوجود کی تعلیم خود فرقہ باطنیہ نے دی چنانچہ علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں،

ثم ان هو لاء المتاخرين من المتصوفة المتكلمين فى الكشف وفيما وراء الحس توغلوا فى ذالك فذهب الكثير منهم الى الحلول و الوحده كما

1: انتباہ ص ۱۴۳۔ 2: فتاوی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۳۶۱۔

اشرنا الیه و لمئو الصحف منه مثل الهروی فی کتاب المقامات له وغیره و تبعهم ابن العربی و ابن الفارض والنجم الا سرائیلی فی قصائدهم و کان سلفهم مخارطین للاسماعیلیة المتاخرین من الرافضة الدائنین ایضا بالحلول والوهیة الا ئمة مذهبا لم یعرف لا ولهم فاشرب کل واحد من الفریقین مذهب الآخر واختلط کلامهم و تشابهت عقائدهم[1]

پھر ان متاخرین صوفیہ نے جو کشف اور عالم تجرید کے متعلق بحث کرتے تھے، اس میں غلو و مبالغہ کیا اس لئے بہت سے لوگوں نے حلول اور وحدت الوجود کا عقیدہ قائم کر لیا اور اپنی کتابوں کو اس سے بھر دیا مثلاً ہروی نے کتاب المقامات وغیرہ میں ابن عربی، ابن سبعین اور ان دونوں کے تلامذہ ابن عفیف، ابن ابن فارض اور نجم اسرائیلی نے اپنے قصائد میں انہی کی تقلید کی، ان لوگوں کے آباؤاجداد متاخرین اسماعیلیہ رافضیوں سے میل جول رکھتے تھے، جنہوں نے حول اور ائمہ کی خدائی کا عقیدہ قائم کر لیا تھا، حالانکہ ان کے اسلاف سے یہ عقیدہ منقول نہیں، اس لئے ہر دو فریق نے ایک دوسرے کا مذہب قبول کر لیا، ان کا کلام گڈمڈ ہو گیا اور ان کے عقائد ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے۔

لیکن صحابہ کرام ﷢ ان گمراہ کن اثرات سے بالکل محفوظ تھے ان کے سامنے صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک تھی جو روحانیت اور اخلاق کا سرچشمہ تھی۔ صحابہ ﷢ نے اسی شمع ہدایت سے اقتباس نور کیا تھا، اسلئے انکے اجزائے تصوف میں روحانیت، اخلاق، عمل، عبادت، زہد، توکل، صبر اور استقامت وغیرہ کے سوا کوئی فلسفیانہ عقیدہ شامل نہیں تھا چنانچہ صوفیہ کرام نے اپنی تصنیفات میں صحابہ کرام ﷢ کی ان روحانی اور اخلاقی خصوصیات کو نہایت اہمیت کے ساتھ نمایاں کیا ہے اور ہم ایک خاص ترکیب کے ساتھ ان کو اس موقع پر درج کرتے ہیں۔[2]

1: مقدمہ ابن خلدون ص ۵۱۸۔

2: اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سادہ تصوف کے تمام عنوانات امام ابوالقاسم قشیری نے اپنے مشہور رسالے میں قائم کر دیئے ہیں لیکن ان عنوانات کے تحت میں آنحضرت، صحابہ تابعین اور مشائخ کے جو واقعات درج کئے ہیں ان میں بعض جگہ رواۃ کے سلسلہ و سند کا ذکر بعض جگہ ان کو مرسل چھوڑ دیا ہے اور زیادہ تر وہ ان واقعات کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ "کہا گیا ہے" جس واقعے کی سند بیان کرتے ہیں وہ بھی کبھی صحیح، کبھی ضعیف اور کبھی موضوع ہوتی ہے غرض تصوف و رقاق کی کتابوں میں جو آثار منقول ہوتے ہیں ان میں صحیح، ضعیف اور موضوع ہر قسم کے آثار ہوتے ہیں (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۱ ص ۱۹۸، ۱۹۹) ہم نے اس عنوان میں صحابہ کے متعلق اکثر واقعات کتاب اللمع سے لئے ہیں لیکن تصوف کی عام کتابوں کی طرح اس کا بھی یہی حال ہے اس لئے ہم ان تمام واقعات کی صحت کے ذمہ دار نہیں ہیں ہم نے ان کو صرف اس لئے نقل کر دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ صوفیہ کا صحابہ کرام کے متعلق کیا خیال تھا البتہ ان میں سے متعدد واقعات احادیث میں بھی مذکور ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

تصوف میں حضرات صوفیہ کی سب سے بڑی سند حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں۔

صاحب کشف المحجوب در مدح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کلمہ دارد ان الصفا سفۃ الصدیق ان اردت صوفیا علی التحقیق ازآنچہ صفا را اصلے ہست و فرعے اصلش انقطاع دل است از اغیار و فرعش خلو دل است از دنیائے غدار وایں ہر دو صفت صدیق اکبر است پس امام اہل ایں طریقہ او ست انتہی کلامہ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ واسطی کا قول ہے کہ امت محمدیہ ﷺ میں سب سے پہلے تصوف کا راز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان نے اشارۃً فاش کیا جس سے اہل فہم نے لطائف اخذ کئے اور وہ راز یہ تھا کہ جب وہ اپنی تمام مملوکات سے دست بردار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے اہل و عیال کیلئے کیا چھوڑا؟ تو انہوں نے پہلے خدا کا نام لیا پھر رسول کا اور حقائق تفرید میں اہل توحید کے لئے یہ ایک عظیم الشان اشارہ ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور بھی بہت سے اشارات ہیں جن سے اور دوسرے لطائف نکلتے ہیں۔ جو اہل حقیقت کو معلوم ہیں، چنانچہ علامہ ابو نصر عبداللہ ابن علی السراج الطوسی کتاب اللمع میں لکھتے ہیں۔

ولا بی بکر رضی اللہ عنہ معان اخر ھما تعلق بھا اھل الحقائق وار باب القلوب وان ذکرنا جمیع ذلك طال الکتاب۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذات میں اور بھی متعدد معانی جمع ہو گئے تھے جن کے ساتھ اہل حقیقت اور ارباب قلوب نے تمسک کیا ہے لیکن اگر ہم ان سب کو بیان کریں تو کتاب میں طوالت پیدا ہو جائے گی۔

مثلاً ان کے توکل کا یہ حال تھا کہ تمام مال خدا کی راہ میں دے دیا اور فرمایا کہ اہل و عیال کے لئے میں نے صرف خدا اور اس کے رسول کو چھوڑ دیا ہے ورع و تقوی کی یہ حالت تھی کہ ایک بار اپنے غلام کے ہاتھ سے دودھ پیا اور جب یہ معلوم ہوا کہ وہ مشتبہ تھا تو حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی حزم و احتیاط کی یہ کیفیت تھی کہ وہ اول شب میں وتر ادا کرتے تھے مبادا سونہ جائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آخر شب، رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے احتیاط کو پیش نظر رکھا اور عمر نے قوت کو، کف لسان کا اس قدر خیال تھا کہ ایک دفعہ وہ اپنی زبان کو پکڑ کر کھینچ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گذر ہوا تو منع فرمایا انہوں نے جواب دیا کہ اسی نے تو مجھ کو کن کن گھاٹوں اتارا ہے خاکسار اتنے بڑے تھے کہ ایک بار ایک امیر کی مشایعت کو گئے تو انہوں

نے کہا کہ یا آپ سوار ہو لیں یا میں خود سواری سے اتر آؤں۔ بولے "نہ تم کو سواری سے اترنا چاہئے نہ مجھ کو سوار ہونا چاہئے میرے یہ قدم راہ خدا میں محسوب ہوں گے"۔ زاہد اتنے بڑے تھے کہ مرض الموت میں ان کے جسم پر زعفرانی یا گیر دے رنگ کا جو کرتا تھا اس کو اتروالیا اور کہا اس کو دھوڈالو حضرت عائشہ نے وجہ پوچھی تو بولے کہ مردے سے زیادہ زندہ لوگوں کو نئے کپڑے کی ضرورت ہے، کبر و غرور سے اس قدر پاک تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے غرور سے زمین پر اپنا کپڑا الٹکایا خدا قیامت کے دن اس کی طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھے گا تو بولے کہ میرے کپڑے کا ایک جانب اگر احتیاط نہ کروں تو لٹکتا ہے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ غرو سے ایسا نہیں کرتے یہ بخاری کی روایت ہے لیکن ابوداؤد میں یہ الفاظ ہیں کہ خدا نے تم سے غرور کو نکال لیا ہے، استغناف اور خودداری کا یہ حال تھا کہ اونٹنی کی مہار زمین پر گر پڑتی تھی لیکن کسی سے اٹھانے کی فرمائش نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میرے حبیب محمد ﷺ نے حکم دیا ہے کہ میں کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کروں۔[1] لیکن ان کے تمام روحانی اخلاق میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ ان کا صبر و ثبات ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد تمام صحابہ ؓ یہاں تک کہ حضرت عمر ؓ تک اس قدر بدحواس ہو گئے کہ ان کو آپ کی وفات کا یقین ہی نہیں آتا تھا لیکن حضرت ابو بکر صدیق ؓ اس موقعہ پر نہ صرف خود ثابت قدم رہے بلکہ تمام صحابہ ؓ کو ثابت قدم رکھا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے وصال کی خبر سنی تو اپنے مکان سے جو مقام سخ میں واقع تھا گھوڑے پر سوار ہو کر چلے اور مسجد میں آئے لیکن کسی سے بات چیت نہیں کی، اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر رسول اللہ ﷺ کی لاش مبارک کارخ کیا اور آپ ﷺ کے چہرے سے کپڑا اٹھا کر بوسہ لیا اور روئے، اس کے بعد لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا:۔

اما بعد من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قدمات ومن کان منکم یعبد اللّٰہ فان اللّٰہ حی لایموت قال اللّٰہ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ۔

امابعد، تم میں جو لوگ محمد ﷺ کی پرستش کرتے تھے، ان کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ محمد ﷺ کا وصال ہو چکا اور جو لوگ خدا کو پوجتے تھے ان کا خدا زندہ ہے مرا نہیں خدا خود کہتا ہے۔ محمد ﷺ صرف ایک پیغمبر ہیں اور ان سے پہلے بہت سے پیغمبر گذر چکے ہیں۔

لوگوں پر اس خطبے کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اس آیت کو یاد کر لیا اور کوئی شخص ایسا نہ رہا جو اس

1: یہ تمام اقوال ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۲۱۔ ۲۲۔ و ۲۳۔ میں بحوالہ مذکور ہیں اور اسوہ صحابہ حصہ اول میں بھی بعض اوقات گذر چکے ہیں۔

کی تلاوت میں مصروف نہ ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے یہ آیت سنی تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے پاؤں میرے جسم کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے اور میں زمین کی طرف جھکا جاتا ہوں۔

کسی نے حضرت ابو العباس بن عطاء رحمۃ اللہ سے پوچھا کہ کُوْنُوْا ربانیین الخ کے کیا معنی ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرح ہو جاؤ کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو تمام مسلمانوں کے دل لرز گئے لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل کو جنبش نہیں ہوئی اور انہوں نے یہ خطبہ دیا کہ ایھا الناس من کان یعبد محمداً الخ اور بانی کا وصف امتیازی صرف یہ ہے کہ وہ حوادث عالم بھی جو مشرق و مغرب میں انقلاب پیدا کر سکتے ہیں، اس کے دل پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتے۔

جب غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے نہایت الحاح وزاری کے ساتھ یہ دعا فرمائی،

اللھم تھلک ھذہ العصابۃ لم تعبد فی الا رض۔

خداوندا اگر مسلمانوں کا یہ چھوٹا سا گروہ ہلاک ہو گیا تو پھر دنیا میں تیری پرستش نہ ہو گی۔

تو اس موقع پر بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صبر و ثبات کی نمائش ہوئی اور انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ اس طلب و سوال کو چھوڑ دیجئے خدا نے، آپ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کرے گا۔ اس موقع پر بظاہر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس حالت میں کیوں رسول اللہ ﷺ کے عزم و استقلال میں فرق آ گیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ثابت قدم رہے؟ حالانکہ تمام اوصاف میں آپ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ عالم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ قوی الایمان تھے۔ اس موقعہ پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی ان کی قوت ایمانیہ کا نتیجہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کا اضطراب آپ ﷺ کے وفور علم کی بنا پر تھا، اسی وفور علم کی یہ نتیجہ تھا کہ جب تیز ہوا چلتی تھی تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا حالانکہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا تھا آپ ﷺ نے خود فرمایا ہے،

لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیل و لبکیتم کثیرا۔

جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے بہت۔

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مقامات تصوف کا امتیاز نہایت مشکل ہے مثلاً یہی صبر و ثبات جس طرح تصدیق، ایمان اور یقین کامل کا نتیجہ ہے، اسی طرح یہ وصف قساوت اور سنگدلی سے بھی پیدا ہو سکتا ہے چنانچہ شاہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں۔

وگاہ صورت صبر مثلاً با سختی دل مشتبہ گردد و توکل با تہور مختلط شود و علی ہذا القیاس

محققین صوفیہ علامات و خواص برائے امتیاز یکے از دیگرے بیان کنند۔[1]

لیکن حضرت ابو بکر ﷺ کا صبر و ثبات سنگدلی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ قوت یقین کا نتیجہ تھا ورنہ وہ فطرۃً نہایت رقیق القلب تھے چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

کان ابو بکر رجالا بکاء اذقراء القرآن لا تملك عینیه۔

ابو بکر بڑے رونے والے آدمی تھے جب قرآن پڑھتے تھے تو اپنی آنکھوں پر قابو نہیں پاتے تھے۔

خود رسول اللہ ﷺ کے وصال کے موقع پر اگرچہ ان کی قوت ایمانیہ کا ظہور غیر معمولی صبر و ثبات کی صورت میں ہوا تاہم ان کی اصلی فطرت نمایاں رہی، اس لئے انہوں نے پہلے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کا بوسہ لیا اور روئے۔ اس کے بعد صحابہ ﷺ کی طرف خطاب کیا۔

حضرت عمر فاروق ﷺ

کتاب اللمع میں ہے۔

و لاهل الحقائق اسوه و تعلق بعمر ﷺ بمعانی خص بذلك عمر ﷺ من اختیاره لبس المرقعة و الخشونة و ترك الشهوات و اجتناب الشبهات و اظهار الکرامات و قلة المبالاه لائمة الخلق عند انتصاب الحق و محق الباطل و مساوات الا قارب و الا باعد فی الحقوق و التمسك بالا شد من الطاعات و اجتناب ذلك مما روی عنه و بیانه یطول ۔

اہل حقیقت کیلئے حضرت عمر ﷺ کی ذات ان معانی کی بنا پر جو ان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ایک نمونہ ہے مثلاً پیوند لگے ہوئے موٹے جھوٹے کپڑے کا پہننا خواہشات نفسانی کا ترک کرنا، شبہات سے بچنا، کرامات کا ظاہر کرنا، قیام حق کیلئے ملامت خلق کی بہت کم پرواہ کرنا، حقوق میں قریب و بعدی دونوں کو برابر رکھنا، سخت عبادتوں کو لازم کرنا۔

یہ تمام چیزیں ان سے مروی ہیں، لیکن ان کے بیاں میں طوالت ہے۔

لیکن شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں اس طوالت کو گوارا کر لیا ہے اور تصوف فاروقی پر ایک مستقل رسالہ لکھ دیا ہے، جس کی تمہید دو مقامات پر کی ہے اور پہلے مقدمہ میں تصوف کے تین اصول بتائے ہیں،

۱) ایک یہ کہ تصوف کا دار و مدار تمام تر یقین پر ہے لیکن جو یقین تقلید و استدلال سے حاصل ہوتا ہے وہ تصوف معتبر نہیں بلکہ وہ یقین معتبر ہے جو اعمال خیر مثلاً روزہ، نماز اور ذکر و

1: ازالۃ الخفاء مقصد دوم صفحہ ۱۴۳۔

تلاوت سے پیدا ہوتا ہے، اگرچہ تمام مسلمان یہ اعمال ادا کرتے ہیں بلکہ یہ یقین ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے تین شرطیں ہیں (۱) اخلاص فی العمل (۲) کثرت مقدار عمل مثلاً تہجد اشرق اور اذکار صبح وشام (۳) کیفیت عمل مثلاً حضور، خشوع ترک حدیث نفس وغیرہ قرآن وحدیث میں علم الاحسان یعنی علم تصوف کی تفسیر انہی اصول ثلاثہ کے موافق کی گئی ہے۔

۲) یقین پیدا ہونے کے بعد یقین طبیعت، نفس اور قلب کے درمیان سے مقامات پیدا ہوتے ہیں، جن میں بہترین مقامات دس ہیں، توبہ، زہد، صبر، شکر، رجاء خوف، توکل، رضا، فقر اور محبت ان کے علاوہ اور مقامات بھی ہیں، مثلاً تشدد و تواضع وغیرہ اور خود آنحضرت ﷺ نے متعدد صحابہ ﷺ کو ان مقامات کی بشارت دی ہے مثلاً صدیقیت، محدثیت، شہیدتیہ اور حواریت، لیکن یہ مقامات بعض اوقات مشتبہ ہو جاتے ہیں مثلاً صبر اور سنگدلی میں اشتباہ ہو جاتا ہے اور توکل و تہور کی حقیقت ملتبس ہو جاتی ہے۔ اسلئے صوفیہ نے ان کے امتیاز کیلئے ان کے خواص و علامات بتائے ہیں۔

۳) جب یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے تو انسان جو کچھ کہتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے اسی یقین سے کرتا ہے اور یہ اس کی ایک مستمر عادت ہو جاتی ہے اور تمام لوگوں کو یہ راز اعلانیہ معلوم ہو جاتا ہے جس کے دو ذریعہ ہیں، کرامات اور تربیت مریدین۔

حضرت فاروق اعظم ﷺ نے تصوف کے یہ تمام مدارج قولاً و فعلاً نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں اور مختلف حالات میں مواعظ، پند و نصیحت اور خط و کتابت کے ذریعہ سے صحابہ ﷺ اور تابعین کی صوفیانہ تربیت فرمائی۔ اس لئے شاہ صاحب کے الفاظ میں علمی حیثیت سے ادا علم صوفیہ اس بعلوم تصوف درامت مرحومہ دوسرے مقدمے میں عام مشائخ اور حضرت فاروق اعظم ﷺ کی کرامات و مقامات میں جو عظیم الشان فرق ہے اسکی تفصیل کی ہے مثلاً عام مشائخ کے مقامات صرف قرائن و امارات سے معلوم ہو سکتے ہیں فرض کرو کہ ایک شخص پر مصیبت میں رقت طاری نہیں ہوتی اس لئے یا تو ہم خود کہہ سکتے ہیں کہ وہ مقام صبر تک پہنچ گیا ہے یا وہ خود اپنے ذوق و وجدان کی بنا پر اس کی خبر دے سکتا ہے لیکن یہ دونوں صورتیں قابل اطمینان نہیں ہیں بلکہ تصوف میں اکثر مقامات فاضلہ اور صفات طبیعہ میں اشتباہ ہو جاتا ہے اور ایک وصف دوسرے وصف کی شکل میں نظر آتا ہے اسلئے کرامات و مقامات کی شناخت ایک ظنی چیز ہے اس شخص سے حسن عقیدت یا راویوں کے حسن ظن کی بنا پر تسلیم کی جا سکتی ہے لیکن حضرت فاروق اعظم ﷺ کے مقامات تصوف خود رسول اللہ ﷺ کے نص و بشارت سے ثابت ہوئے ہیں اور روایت متفقہ نے ان کو اس قدر یقینی کر دیا ہے کہ ان پر اجمالاً ایمان لانا فرض ہو گیا ہے اس کے بعد شاہ صاحب نے حضرت عمر فاروق ﷺ کے مقامات تصوف کو

ایک فلسفیانہ انداز سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"خدا نے نفس انسانی کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں ایک قوت عاملہ اور دوسری قوت عاقلہ جب قوت عاملہ کی تہذیب اپنے درجہ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اسی کا نام عصمت ہو جاتا ہے اور قوت عاقلہ کی تہذیب کے درجہ کمال کا نام وحی ہے عام طور پر لوگ ان دونوں قوتوں کے درجہ کمال کو نہیں پہنچ سکتے البتہ ان کے نمونے اور قائم مقام موجود ہیں اور جب یہ دونوں قائم مقام جمع ہو جاتے ہیں تو ان سے مختلف نتائج کا ظہور ہوتا ہے مثلاً ایسا شخص لوگوں کا مرشد یا کسی پیغمبر کا خلیفہ ہو جاتا ہے اس لحاظ سے وحی کی قائم مقام محدثیت فراست اور وحی کے ساتھ موافقت رائے ہے عصمت کا قائم مقام یہ ہے کہ شیطان ایسے کامل ترین شخص کے سائے سے بھی بھاگ جائے اور ان دونوں قائم مقاموں کے اجتماع سے شہیدیت کا درجہ اور پیغمبر کی نیابت کا استحقاق حاصل ہوتا ہے۔"

اس تفصیل کو پیش نظر رکھ کر اگر حضرت عمر ؓ کے فضائل و مناقب پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں یہ اوصاف کس قدر پائے جاتے ہیں، حدیث شریف میں آیا ہے:-

لقد کان فیما کان قبلکم من الامم محدثون فان یکن فی امتی احدفهو عمر بن الخطاب۔

تم سے پہلے جو لوگ گذرے ان میں محدثین تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر بن خطاب ہیں،

ایک اور روایت میں ہے۔

لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب۔

اگر میرے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ ایک بات کہتے تھے اور اس کی تصدیق میں قرآن نازل ہو جاتا تھا۔

حضرت ابن عمر ؓ کا بیان ہے کہ اصحاب رسول اللہ میں جب اختلاف ہوتا تھا، تو قرآن حضرت عمر ؓ کی رائے کے موافق نازل ہوتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

ان اللّٰه جعل الحق علی لسان عمر و قلبه۔

خدا نے حق کو عمر کی زبان اور دل پر موقوف رکھ دیا ہے

آپ ﷺ نے فرمایا

یا عمر مالقیك الشیطان سالکا فجالا سلك فجا غیر فجك۔

اے عمر جب شیطان تم سے کسی راستے میں ملتا ہے تو اپنا راستہ بدل دیتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صوفیانہ اخلاق میں تمکین واستقامت شرم وحیااور دخول فی السعات سب سے زیادہ نمایاں ہیں، ان کی تمکین واستقامت کا یہ حال تھا کہ جس وقت وہ شہید کئے گئے، اپنی جگہ سے مطلق جنبش نہیں کی کسی دوسرے کو مدافعت کرنے کا حکم نہیں دیا، اور قرآن کو اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیا یہاں تک کہ جب شہید ہوئے تو قرآن مجید شرابور ہو گیا اور آیت فَسَیَکۡفِیۡکَھُمُ اللّٰہُ وَ ھُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ پر ان کے خون کے قطرے ٹپکے، شرم وحیا کا یہ حال تھا کہ گھر کا دروازہ بند ہوتا تھا، لیکن کپڑا اتار کر نہیں نہاتے تھے۔[1] حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب نے ان کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں،

انی اغسل فی البیت المظلم فانطوی حیاء من اللّٰہ تعالی

میں تاریک گھر میں بھی نہاتا ہوں تو خدا کی شرم سے پیچ وخم کھاتا رہتا ہوں۔

اور لکھا ہے کہ

وھو غیر الحیاء الذی ھو من مقامات النفس و یتولد من رویۃ عزۃ اللّٰہ تعالی وجلالہ مع ملا حظۃ عجزہ عن القیام بحقہ و تلبسہ بالا دناس البشریۃ۔[2]

اور یہ حیا اس حیا سے مختلف ہے جو مقامات نفس سے ہے، یہ حیا خدا کی عزت اور جلال کے دیکھنے سے اور اس کے ساتھ یہ خیال کرنے سے کہ میں اس کے حق کے ادا کرنے سے قاصر ہوں، اور انسانی گندگی کے ساتھ ملوث ہوں پیدا ہوتی ہے۔

احادیث میں بھی ان کے جو فضائل ومناقب مذکور ہیں ان میں یہ وصف نمایاں نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کو صاحب الحیاء والا یمان کہا جاتا ہے، دخول فی السعات انبیاء اور صدیقین کا مخصوص وصف ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انسان ایک چیز کے اندر داخل بھی ہو اور اس سے خارج بھی ہو، ہر چیز کے ساتھ بھی ہو اور ہر چیز سے الگ بھی ہو، یحیٰی بن معاذ سے صوفی کے اوصاف پوچھے گئے تو انہوں نے کہا کہ لوگوں کے ساتھ بھی ہو اور لوگوں سے جدا بھی ہو، حضرت ابن الجلاء سے پوچھا گیا کہ فقیر صادق کس کو کہتے ہیں؟ بولے کہ وہ جس چیز کو لے غیروں کیلئے لے، اپنے لئے نہ لے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بھی یہی حالت تھی، چنانچہ انہوں نے ابتدائے اسلام میں جو فیاضیاں کیں وہ اسی وصف کا نتیجہ تھیں خود ان کا بیان ہے کہ اگر اسلام

---

[1]: مسند ابن حنبل ج ا ص ۷۴ مسند عثمان۔ [2]: حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۷۱۔

کی ضروریات کے پورا کرنے کا خیال نہ ہوتا تو میں اس مال و دولت کو ہرگز جمع نہ کرتا۔
سہل بن عبداللہ کا قول ہے کہ یہ درجہ صرف اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو خدا کے حکم کو جانتا ہے، خدا جب اور جس قدر مال کے خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے وہ خرچ کرتا ہے اور اگر روک دیتا ہے تو رک جاتا ہے وہ مال و دولت کو حقوق کے لئے محفوظ نہ کہ حظوظ کے لئے اس کی مثال بعینہٖ ایک وکیل کی ہوتی ہے جو اپنے موکل کے مال میں مالکانہ تصرف تو کرتا ہے لیکن اس کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کرسکتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

صوفیہ کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ علم تصوف کا ماخذ ہیں انہوں نے خود ایک موقع پر اپنے قلب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "اس میں ایک علم ہے، کاش میں اس کا حامل پاتا" جنید بغدادی کا قول ہے کہ اگر وہ لڑائیوں میں مشغول نہ رہتے تو ہم کو اس علم (تصوف) کے بہت سے نکات بتاجاتے، کیونکہ ان کو علم لدنی حاصل تھا، بایں ہمہ انہوں نے بہت سی ایسی باتیں بتائی ہیں جن پر تصوف کی بنیاد قائم ہے مثلاً ایک شخص نے ان سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایمان چار ستونوں پر قائم ہے صبر، یقین، عدل اور جہاد، پھر صبر کے دس مقامات کی تفصیل بیان کی صاحب کتاب اللمع اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

فان صح ذلك عنه فهو اول من تكلم فى الا حوال و المقامات۔

اگر ان سے یہ روایت صحیح ہے تو وہ پہلے شخص ہیں جس نے مقامات اور احوال کی تفصیل بتائی۔
صوفیانہ حیثیت سے ان کو تمام صحابہ ﷺ پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے بہت سے صوفیانہ نکات بیان کئے ہیں اور بیان کو معانی اور احوال پر فضیلت حاصل ہے، خدا خود کہتا ہے۔

هٰذا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ   یہ لوگوں کیلئے بیان ہے۔

علمی حیثیت کے علاوہ عملی اور اخلاقی حیثیت سے بھی وہ صوفیہ کیلئے نمونہ و مثال ہیں، ان کے زہد کا یہ حال تھا کہ ایک بار بیت المال کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ "اے دینار و درہم تم میرے علاوہ کسی کو اپنا فریفتہ بناؤ" ایک بار انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب ﷺ سے کہا کہ "اگر اپنے آقا سے ملنا چاہتے ہو تو اپنی قمیص میں پیوند لگاؤ، اپنا جوتا ٹانکو، اپنے رشتہ امید کو کوتاہ کرو" اور پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤ، ایک بار انہوں نے مزدوری کر کے کچھ کھجوریں حاصل کیں اور ان کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے جن کو آپ نے وجہ معاش میں صرف کیا، جب وہ شہید ہوئے تو امام حسن ﷺ نے کوفہ کے ممبر پر چڑھ کر کہا کہ اے کوفہ والو! امیر المومنین تمہارے سامنے شہید ہوئے لیکن خدا کی قسم انہوں نے دنیوی چیزوں میں صرف چار سو درہم

چھوڑے ہیں جن کو انہوں نے ایک غلام کے خریدنے کیلئے علیحدہ کر لیا تھا۔

ان کے خوف خدا کا یہ حال تھا کہ جب نماز کا وقت آتا تھا تو کانپ اٹھتے تھے اور ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا اس حالت میں لوگ ان کا حال پوچھتے تھے تو فرماتے تھے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آگیا جس کو خدا نے آسمان وزمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا لیکن انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا اور ان سے ڈر گئے۔ مگر انسان نے اس کو اٹھا لیا اب میں نہیں جانتا کہ میں اس امانت کو اچھی طرح ادا کر سکوں گا یا نہیں اس قسم کے واقعات کو نقل کر کے صاحب کتاب اللمع لکھتے ہیں۔

ولعلی ﷺ اشباہ ذلك كثير من الا احوال و الا خلاف و الا فعال التی يتعلق بها ارباب القلوب و اهل الا شارات و اهل المواجيدمن الصوفية۔

حضرت علی ﷺ کے اس قسم کے بہت سے احوال اخلاق اور افعال ہیں جن کے ساتھ اہل دل، اشارات اور اہل وجد صوفیہ تمسک کرتے ہیں۔

اصحاب صفہ

اکثر صحابہ ﷺ مشاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی زراعت اور تجارت وغیرہ بھی کرتے تھے، لیکن ان بزرگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت ﷺ کی تربیت پذیری پر وقف کر دی تھی، ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل جاتے تھے۔

یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے رات کو ایک چبوترے پر پڑ رہتے عربی زبان میں چبوترے کو صفہ کہتے ہیں اور اسی بناء پر ان بزرگوں کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہ بند دونوں چیزیں کبھی ایک ساتھ جمع نہ ہو سکیں۔ چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے تھے کہ رانوں تک لٹک آتی، حضرت ابوہریرہ ﷺ انہی بزرگوں میں تھے ان کا بیان ہے کہ میں اہل صفہ میں ستر اشخاص کو دیکھا کہ ان کے کپڑے ان کی رانوں تک بھی نہیں پہنچتے تھے، اس لئے جب نماز پڑھتے تھے اور رکوع میں جاتے تھے تو کپڑوں کو اپنے ہاتھ سے سمیٹ لیتے تھے کہ کشف عورت نہ ہو جائے، ایک بار مسجد نبوی ﷺ میں ان بزرگوں کا حلقہ تلاوت قائم تھا لیکن ان میں ہر شخص دوسرے سے مل کر بیٹھتا تھا تاکہ ایک کی دوسرے کے ذریعہ سے پردہ پوشی ہو۔

معاش کا طریقہ یہ تھا کہ ان میں ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیاں چن لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیوں کیلئے کچھ کھانا مہیا کرتی۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور مسجد کی چھت میں لٹکا دیتے، کھجوریں جو ٹپک ٹپک کر آتیں یہ لوگ اٹھا کر کھا لیتے کبھی دو دو دن کھانے کو

نہیں ملتا تھا، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے یہ لوگ آکر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز حالت میں گر پڑتے۔ باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے ہیں، آنحضرت ﷺ کے پاس جب کہیں سے صدقہ آتا تو مسلم ان کے پاس بھیج دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے، اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو آنحضرت ﷺ ان کو مہاجرین وانصار پر تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے۔

حضرت سعد بن عبادہ ؓ نہایت فیاض اور دولت مند تھے، وہ کبھی کبھی اسی اسی مہمانوں کو اپنے ساتھ لے کر جاتے۔

آنحضرت ﷺ کو ان کے ساتھ نہایت انس تھا، ان کے ساتھ مسجد میں بیٹھتے ان کے ساتھ کھانا کھاتے اور لوگوں کو ان کی تعظیم و تکریم پر آمادہ کرتے ایک بار اہل صفہ کی ایک جماعت نے بارگاہ نبوی ﷺ میں شکایت کی کہ کھجوروں نے ہمارے پیٹ کو جلا دیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی شکایت سنی تو ان کی دل دہی کیلئے ایک تقریر کی جس میں فرمایا یہ کیا ہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ ہمارے پیٹوں کو کھجوروں نے جلا دیا۔ کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ کھجور ہی اہل مدینہ کی غذا ہے؟ لیکن لوگ اسی کے ذریعہ سے ہماری مدد کرتے ہیں اور ہم بھی انہی کے ذریعہ سے تمہاری مدد کرتے ہیں۔ خدا کی قسم ایک یا دو مہینہ سے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں دھواں نہیں اٹھا ہے، صرف پانی اور کھجور پر بسر اوقات ہے۔

آپ ﷺ ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ جب ایک دفعہ آپ ﷺ سے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے درخواست کی کہ ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہیں، مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو تو فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ بھوکوں مریں، خود قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے ان کا ذکر نہایت غمخواری کے لہجے میں کیا ہے۔

للفقراء الذين احصروا في سبيل الله الآية

صدقہ و زکوۃ ان فقراء کیلئے ہے جو خدا کی راہ میں روک رکھے گئے ہیں (اس لئے کسب معاش نہیں کر سکتے)۔

و لا تطرد الذين يدعون ربهم الآية

ان لوگوں کو نہ دود کارو جو صبح و شام خدا کو پکارتے ہیں۔

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم الآية

تم بھی ان لوگوں کے ساتھ صبر کرو جو اپنے خدا کو پکارتے ہیں۔

ایک بار ان میں ایک بزرگ حضرت ابن مکتوم کے ساتھ ایک خاص موقع پر رسول اللہ

ﷺ نے بہ مصالح بے اعتنائی فرمائی تو یہ عتاب آمیز آیت نازل ہوئی،

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی ۔ اَنْ جَآئَهُ الْاَعْمٰی ۔

اس نے منہ بنالیا اور پیٹھ پھیر لی جب کہ اس کے پاس ایک اندھا آیا۔

اس کے بعد جب آپ ان کو دیکھتے تو محبت اور عزت کے لہجے میں فرماتے،

یامن عاتبنی فیه ربی عزوجل۔

اے وہ شخص جس کے بارے میں مجھ پر میرے خدا نے عتاب کیا۔

ان بزرگوں کا مشغلہ یہ تھا کہ راتوں کو عموماً عبادت کرتے تھے اور قرآن مجید پڑھتے رہتے، ان کیلئے ایک معلم مقرر تھا جس کے پاس رات کو جا کر پڑھتے، اس بنا پر ان میں سے اکثر لوگ قاری کہلاتے اور اشاعت اسلام کیلئے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہی لوگ بھیجے جاتے۔[1]

عام صحابہ رضی اللہ عنہم

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور اہل صفہ کے بعد عام صحابہ رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے جن کے متعلق صاحب کتاب اللمع لکھتے ہیں،

فاما غیر اهل الصفة فقدروی عن کل واحد منهم ما انفردوابه و خصوابه من الا حوال الوضیة و الاعمال الزکیة و مکارم الا خلاق ماتعلق بها اهل الحقائق من المتصوفه ویکثر ذکر ذالك ولکن نذکر طرفا نیستدل بذالك علی مالم نذکره ۔

اہل صفہ کے علاوہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں ان میں ہر ایک کے متعلق بہت سے پسندیدہ حالات پاک اعمال اور مکارم اخلاق مروی ہیں اور ان میں سے اہل حقیقت نے استناد کیا ہے، لیکن ان کے ذکر میں طوالت ہے اس لئے ہم صرف اس کا مختصر سا حصہ بیان کر دیتے ہیں تاکہ جو کچھ بیان نہیں کرتے ان کے ذریعہ سے ان پر استدلال کیا جائے۔

چنانچہ صوفیہ نے اپنے ذوق کے مطابق ان کے جن اقوال وافعال سے استناد کیا ہے ان میں بعض متفرق باتیں حسب ذیل ہیں۔[2]

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ عذاب الٰہی کے خوف سے فرماتے تھے کہ کاش میں خاک کا ذرہ ہوتا اور ہوا مجھ کو اڑا لے جاتی لیکن میں پیدا نہ ہوا ہوتا،

جب یہ آیت نازل ہوئی،

وان جهنم لمعدهم اجمعین۔ جہنم ان سب کے اجتماع کی جگہ ہے۔

---

[1] یہ حالات سیرۃ النبی اور کتاب اللمع سے لئے گئے ہیں سیرۃ النبی کے الفاظ میں بھی ہم نے بہت کم تغیر کیا ہے۔

[2] لیکن ان کی صحت کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے خود حضرات صوفیہ پر ہے۔

تو حضرت سلمان فارسی ﷺ نے اس کو سن کر ایک چیخ ماری اور سر پر ہاتھ رکھ کر بھاگے اور متصل تین دن تک غائب رہے۔

حضرت ابو الدرداء ﷺ کا بیان ہے کہ میں جاہلیت میں ایک تاجر تھا اس کے بعد جب اسلام لایا تو تجارت اور عبادت دونوں ساتھ کرنا چاہا لیکن دونوں چیزیں جمع نہ ہو سکیں اس لئے عبادت کو اختیار کیا۔

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ابو الدرداء کی بہترین عبادت کیا تھی؟ بولیں "تفکر اور اعتبار"۔

حضرت ابوذر ﷺ کا بیان ہے کہ خدا کے تعلق نے میرا کوئی دوست باقی نہیں رکھا۔ قیامت کے خوف نے میرے بدن پر گوشت نہیں چھوڑا اور ثواب آخرت کے یقین نے میرے گھر میں کوئی چیز نہیں رہنے دی۔

حبیب بن مسلمہ نے ان کے پاس ایک ہزار درہم بھیجے لیکن انہوں نے واپس کر دیئے اور کہا کہ ہمارے یہاں بکریاں ہیں جن کو ہم دوہتے ہیں ایک سواری ہے جس پر سوار ہوتے ہیں، اس کے علاوہ ہم کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

ایک شخص نے حضرت ابو عبیدہ ﷺ سے سوال کیا لیکن انہوں نے اس کو واپس کر دیا پھر دوبارہ آیا اور سوال کیا تو اس کو کچھ دیا اور فرمایا کہ خدا ہی نے تجھے دیا اور خدا ہی نے تجھے واپس کیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ فرماتے تھے کہ دو مکروہ چیزیں یعنی موت اور فقر کس قدر محبوب ہیں، ان میں سے جس چیز کے ساتھ ابتدا کی جائے میں اسی پر راضی ہوں۔

حضرت انس بن مالک ﷺ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حوض پر وہ لاغر اندام لوگ وارد ہوں گے کہ جب رات آتی ہے تو وہ رنج و غم کے ساتھ اسکا استقبال کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر ﷺ سے روایت ہے کہ ہم مجرد لوگ عہد نبوت میں صرف مسجد میں سوتے تھے، ہمارے پاس کوئی مکان نہ تھا۔

حضرت حذیفہ بن الیمان ﷺ فرماتے تھے کہ میرے لئے سب سے زیادہ خوشگوار دن وہ ہوتا ہے جب میں اہل و عیال کے پاس جاتا ہوں اور وہ اپنی تنگدستی کا گلہ کرتے ہیں، ان کا قول ہے کہ ایک گھنٹے کی خواہش نفسانی انسان کو طویل رنج و غم میں مبتلا کر دیتی ہے۔

حضرت ابو فردہ ﷺ ایک میل چلے لیکن اس میں خدا کو یاد نہیں کیا پھر پلٹ کر ایک میل تک خدا کو یاد کرتے ہوئے چلے اور اخیر میں پہنچ کر کہا کہ خداوندا ابو فردہ کو نہ بھولنا کیونکہ وہ تجھ کو نہیں بھولتا۔

حضرت عدی بن حاتم ﷺ چیونٹیوں کو روٹی چورا کر کے کھلایا کرتے تھے کیونکہ ان کو ان

رحم آتا تھا۔

حضرت زرارہ ابن اوفی رضی اللہ عنہ نے ایک مسجد میں امامت کی اور یہ آیت

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۔ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ۔

جب صور پھونکا جائے گا تو یہ نہایت سخت دن ہو گا۔

پڑھی تو زمین پر گر کر جان دے دی۔

اس قسم کے بہت سے اقوال کتاب اللمع میں مذکور ہیں اور تصوف کی دوسری کتابوں میں بھی مل سکتے ہیں لیکن محدثانہ حیثیت سے ان کی صحت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

تصوف صحابہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت

تصوف کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، لیکن تصوف کی جو حقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روحانیت اور اخلاق کا معیار قرار دی جا سکتی ہے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

شریعت نے جن چیزوں کو واجب یا حرام قرار دیا ہے انہی کا نام عمل ہے لیکن ان اعمال میں یہ حیثیت ملحوظ ہے کہ وہ ایسے روحانی اوصاف کو پیدا کریں جو قیامت کے دن روح کیلئے مفید یا مضر ہوں، وہ ان اوصاف کو بڑھائیں اس کی وضاحت کریں اور اس کا قالب اور مجسمہ بنیں۔ اب ان اعمال پر دو حیثیتوں سے بحث کی جا سکتی ہے ایک تو یہ کہ تمام لوگوں کیلئے لازم اور ضروری کر دیئے جائیں، جس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ واقع انتخاب کئے جائیں، جہاں ان اعمال سے یہ روحانی اوصاف پیدا ہو سکیں اور ایسا واضح طریقہ اختیار کیا جائے کہ لوگوں سے علی روس الاشہاد ان پر مواخذہ کیا جا سکے کہ وہ حیلہ حوالہ نہ کر سکیں اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ ان کی بنیاد و ضبط و اعتدال پر قائم کی جائے دوسری حیثیت یہ ہے کہ ان اعمال سے لوگوں کی تہذیب نفس ہو اور ان سے جن روحانی کیفیات کا پیدا کرنا مقصود ہے وہ پیدا ہو سکیں، اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ روحانی اوصاف معلوم کرائے جائیں پھر یہ بتایا جائے کہ یہ اعمال ان کو کیوں کر پیدا کر سکتے ہیں لیکن اس کی بنیاد ایک تو ذوق سلیم پر ہے اور دوسرے اس پر کہ خود صاحب شریعت پر ان کو محول کر دیا جائے پس پہلی حیثیت سے جو علم ان اعمال سے بحث کرتا ہے وہ علم شریعت ہے اور دوسری حیثیت سے ان پر علم الاحسان (علم تصوف) میں بحث کی جاتی ہے، اس بنا پر جو لوگ علم الاحسان کے مباحث پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں ان کو دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک تو یہ کہ خود ان

اعمال پر نگاہ رکھیں کہ وہ اوصاف مطلوبہ تک پہنچاتے ہیں یا کہ نہیں کیونکہ بسا اوقات یہ اعمال ریاکاری، شہرت طلبی اور الف وعادات کی بنا پر کئے جاتے ہیں اور ان میں اترانے، احسان کرنے اور اذیت دینے کا جذبہ شامل ہو جاتا ہے اور اس حالت میں ان کا مقصد حاصل نہیں ہوتا اور بسا اوقات وہ اس طرح انجام پاتے ہیں کہ نفس کو ان سے ایسا تنبہ نہیں حاصل ہوتا جو محسنین کے شایان شان ہو (اگرچہ بعض لوگ ان سے بھی تنبہ حاصل کر لیتے ہیں) مثلاً جو شخص صرف فرض کو ادا کر لیتا ہے اور اسکی کیفیت اور مقدار میں کچھ اضافہ نہیں کرتا وہ زکی نہیں کہا جا سکتا، دوسری ضرورت یہ ہے کہ وہ خود ان روحانی اوصاف پر نگاہ رکھیں ان کو جانیں پہچانیں اور علی وجہ البصیرہ اعمال کو بجالائیں، تاکہ وہ اپنے نفس کے طبیب ہوں۔[1]

اسی فن کا نام علم الاحسان ہے۔

اور اس میں جن اصولی اخلاق سے بحث کی جاتی ہے وہ چار ہیں۔

۱) ایک طہارت جو انسان کو عالم ملکوت سے مشابہ کر دیتی ہے۔

۲) دوسرے عجز و نیاز جو عالم جبروت کی جھلکیاں دکھاتے ہیں۔

۳) تیسرے سماحت جس کا منشا یہ ہے کہ قوت ملکیہ، محرکات بہیمیت مثلاً حصول لذت، انتقام، غصہ، اور بخل اور جاہ وغیرہ کے تابع نہ ہو، سماحت ہی سے متعدد اخلاق پیدا ہوتے ہیں یعنی اگر شکم پری اور شہوت رانی کی خواہش کے ساتھ کا لحاظ کیا جائے تو اس کا نام عفت ہے اور اگر عیش طلبی کے ساتھ اس کو ملایا جائے تو اس کا نام زہد و تقشف ہے اور اگر پریشانی اور گھبراہٹ کے ساتھ اس کو مخلوط کیا جائے تو اس کا نام صبر ہے، اگر جذبہ انتقام کے ساتھ اس سے کام لیا جائے تو اس کا نام سخاوت اور قناعت ہے اور منہیات شریعت کے ساتھ اس کا نام لیا جائے تو تقویٰ ہے اور صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کا نام انقطاع عن الدنیا، فناء عن الخصائص البشریہ یا حریت ہے، غرض وہ لوگ اس خصلت کو مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔

۴) چوتھے عدالت اور وہ اس ملک کا نام ہے جس سے ایک عادلانہ نظام قائم ہوتا ہے جس سے تدبیر منزل اور سیاست مدن وغیرہ کی نہایت آسانی کے ساتھ اصلاح ہوتی ہے اس ملکہ کی مختلف حیثیتوں سے مختلف اخلاق پیدا ہوتے ہیں اگر انسان کے معمولی حالات یعنی اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے میں اس کا لحاظ رکھا جائے تو اس کا نام ادب ہے اگر مال و دولت کے جمع کرنے میں اس کو استعمال کریں تو اس کا نام کفایت شعاری ہے اگر تدبیر منزل میں اس کا لحاظ رکھیں تو اس کا نام حریت ہے، اگر تدبیر ممالک میں اس کو پیش نظر رکھیں تو اس کا نام

۱: حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ابواب الاحسان۔

سیاست ہے اگر بھائی بند اور دوست واحباب کی اجتماعی زندگی میں وہ ملحوظ رہے تو اس کا نام حسن معاشرت ہے۔

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ اخلاق کیوں کر پیدا ہو سکتے ہیں؟

تو شریعت نے طہارت کیلئے وضوء اور غسل اور عجز و نیاز کیلئے نماز ذکر اور تلاوت کو فرض کیا ہے اور جب یہ تمام چیزیں جمع ہو جاتی ہیں تو اس کو سکینہ اور وسیلہ کہتے ہیں،

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی نسبت جو حضرت حذیفہ ؓ نے فرمایا ہے کہ

انه اقربهم الى الله وسيلة۔

وہ تمام صحابہ ؓ میں ازروئے وسیلہ کے خدا سے نزدیک تر ہیں۔

اسکا یہی مطلب ہے، شارع علیہ السلام نے اس کو ایمان سے بھی تعبیر کیا ہے، اور فرمایا کہ:

الطهور شطر الايمان — پاکی نصف ایمان ہے

اور عجز و نیاز کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے،

الا حسان ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك۔

احسان یہ ہے کہ خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

طہارت اور عجز و نیاز کے حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سنن انبیاء کا اتباع کیا جائے اور ان کی روح اور ان کی روشنی کا لحاظ رکھا جائے اور ان کے توکار ہیات کے تحفظ کیساتھ ان کی کثرت کی جائے مثلاً طہارت کی روح باطنی نور ہے، انس ہے، انشراح ہے بیہودہ تخیلات، گھبراہٹ پریشانی اور اضطراب کا دور ہو جاتا ہے اور نماز کی روح حضور قلب، جبروت کا نظارہ، خدا کی محبت آمیز تعظیم اور اطمینان وسکون ہے اور تلاوت کی روح یہ ہے کہ انسان خدا کی طرف شوق و تعظیم کے ساتھ متوجہ ہو اور اس کے مواعظ احکام، امثال اور قصص پر غور کرے اور دعا کی روح یہ ہے کہ تمام قوتوں کا مرجع خدا کی ذات کو سمجھے اور اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن جائے اور مناجات کی لذت حاصل کرے، سماحت کے حاصل کرنے کا عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ لذت انتقام اور بخل وغیرہ کے مواقع سے زیادہ تر الگ رہے، خدا کا ذکر کرے اور عالم تجرد کی طرف اپنی توجہ کو مبذول رکھے زید بن حارثہ ؓ کے اس قول میں،

استوى عندى حجرها ومدرها۔

میرے نزدیک زمین کا کنکر پتھر سب یکساں ہے۔

اسی عالم تجرد کی طرف اشارہ ہے۔

اور عدالت، لطف و کرم، محبت و قوت اور رقیق القلبی سے حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ امور

کلیہ کا لحاظ رکھا جائے اور انجام پر نظر رہے، لیکن سماحت اور عدالت میں بعض حیثیتوں سے تناقض و تضاد ہے کیونکہ حصول سماحت کا ذریعہ یہ ہے کہ عالم تجرد کی طرف انسان کا میلان ہو اور اس کیلئے قطع تعلق اور تخلیہ کی ضرورت ہے لیکن عدالت لطف و کرم اور محبت و مودت سے حاصل ہوتی ہے۔ (جس کیلئے اجتماع و مباشرت ضروری ہیں)

اسلئے اکثر لوگوں کیلئے یہ دونوں چیزیں باہم متضاد ہیں بالخصوص تجاذب کیلئے تو بالکل ایک دوسرے کی نقیض ہیں یہی وجہ ہے کہ بہت سے اہل اللہ اہل و عیال کو چھوڑ کر دنیا سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور عام طور پر جب لوگ بال بچوں سے ملتے ہیں تو ان کو خدا بھول جاتا ہے۔[1] لیکن انبیاء علیہم السلام نے دونوں کا لحاظ رکھا ہے، اس لئے ان دونوں کے قواعد و اصول کو نہایت احتیاط کے ساتھ منضبط کر دیا ہے، بہت سے افعال اور بہت سی کیفیات ایسی بھی ہیں جو ان اخلاق یا ان اخلاق کے برعکس اثر کرتی ہیں یعنی وہ فرشتوں یا شیطانوں کا مزاج پیدا کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے" "تم لوگ فرشتوں کی طرح صف کیوں نہیں سیدھی کرتے؟ ان مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایسی دعائیں سکھائی ہیں جو ہمیشہ عجز و نیاز کو پیدا کرتی رہتی ہیں، صبر اور فیاضی کا حکم دیا ہے، اور موت کے یاد کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور دنیا کو حقیر بتایا ہے اور خدا کی عظمت اور قدرت کے متعلق غور و فکر کی ہدایت کی ہے اور ان سب کا مقصد یہ ہے کہ سماحت حاصل ہو، عیادت، صلہ رحمی، احسان، اقامت حدود، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور سلام کرنے کا حکم اسلئے دیا ہے تاکہ عدالت کا ملکہ پیدا ہو۔

مقامات و احوال

منازل سلوک کے طے کرنے کے بعد انسان کے اندر متعدد روحانی اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں، جن کو تصوف کی اصطلاح میں مقامات اور احوال کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی اوصاف تصوف اور فلسفہ اخلاق میں مابہ الامتیاز ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے تک اگرچہ یہ اصطلاح نہیں پیدا ہوئی تھی تاہم جن چیزوں کو مقامات و احوال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ سب کی سب انکی روحانی دنیا میں موجود تھیں چنانچہ شاہ صاحب نے ان پر تفصیلی بحث کی ہے اور ہر مقام اور حال کی مثال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف روحانی سے دی ہے شاہ صاحب کا یہ بیان اگرچہ اہل حدیث اور اہل تصوف دونوں کیلئے نہایت دلآویز ہے، تاہم بخوف طوالت ہم اسکا نہایت اجمالی خلاصہ درج کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں،

علم تصوف کے چند نتائج یعنی مقامات اور احوال اس علم کے حاصل ہونے کے بعد

[1]: اس موقع پر حضرت حنظلہ کی حدیث کو پیش نظر رکھنا چاہئے تو آگے آئے گی۔

پیدا ہوتے ہیں اور جو حدیثیں اس بارے میں وارد ہوئی ہیں ان کی شرح دو مقدمات پر موقوف ہے، ایک عقل، قلب اور نفس کے اثبات اور ان کی حقیقت کے بیان پر اور دوسرے اس بیان پر کہ یہ مقامات اور احوال ان تینوں چیزوں سے کیوں کر پیدا ہوتے ہیں؟ تو تم کو جاننا چاہئے کہ انسان کے اندر تین لطائف ہیں جو عقل، قلب اور نفس کے نام سے موسوم ہیں اور وہ نقل عقل، تجربہ اور عقلاء کے اتفاق سے ثابت ہیں عقل کے اوصاف اور اس کے افعال میں یقین، شک، وہم ہر نو پیدا چیز کے اسباب و علل کی تلاش، جلب منفعت اور دفع مضرت کی تدبیر وغیرہ داخل ہیں۔

غصہ، دلیری، محبت، بزدلی، رضا مندی، ناراضی، وفاء جاہ پرسی، فیاضی، بخل اور امید و بیم وغیرہ قلب کا وصف اور قلب کا کام ہے نفس کے اوصاف واعمال میں سب سے زیادہ نمایاں چیز اطعمہ واشربہ لذیذہ کی حرص اور عورتوں کی محبت اور ان کا عشق ہے۔

اب مقامات اور احوال کے پیدا ہونے کی صورت یہ ہے کہ:-

جب کوئی شخص خدا کی کتاب اور پیغمبر کی ہدایات پر ایسا مکمل ایمان لاتا ہے جو اس کے تمام قوائے قلبیہ اور نفسیہ کی رگ وپے میں سرایت کر جاتا ہے پھر اس کے بعد ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے اور اعضاء وجوارح کے ساتھ حق عبودیت ادا کرتا ہے اور مستمراً ان اعمال کو بجالاتا رہتا ہے تو ان تینوں لطیفوں کے اندر عبودیت کی روح حلول کر جاتی ہے گویا خشک پودے کو خوب سینچ دیا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی تمام شاخوں اور پتوں میں رطوبت موجزن ہو جاتی ہے، پھر اس سے پھول اور پھل نکلنے لگتے ہیں اسی طرح یہ تینوں لطیفے عبودیت میں شرابور ہو جاتے ہیں اور ان کے رذیل ترین طبعی اوصاف صفات ملوکیت سے تبدیل ہو جاتے ہیں اب اگر ان اوصاف کو ملکات راسخہ کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے اور ان کے افعال میں مستمراً ہمواری اور یکرنگی پائی جاتی ہے تو انہی کا نام مقامات ہے اور اگر وہ بجلی کی طرح کوند کر پھر نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں اور ان میں ثبات و قرار نہیں پیدا ہوتا (مثلاً خواب یا غیب کی آواز یا مدہوشی وغیرہ) تو ان کو احوال اور اوقات کہتے ہیں اور چونکہ فطرت انسانی کے غلبہ کی حالت میں عقل کا مقتضی یہ ہے کہ جس چیز کے مناسبات جمع ہو جائیں وہ اس کی تصدیق کرے اس لئے عقل کی تہذیب کا اقتضاء یہ ہے کہ شرعی امور پر اس طرح یقین کرے کہ گویا وہ اس کو علانیہ نظر آتے ہیں مثلاً جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے،

تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ گویا مجھ کو عرش الٰہی علانیہ نظر آتا ہے آپ کہنے کی بات یہ ہے کہ کہ جو مقامات اور احوال عقل سے تعلق رکھتے ہیں ان میں اصلی چیز یقین ہے اور یقین ہی سے مختلف مقامات مثلاً توحید، اخلاص توکل، شکر، انس، ہیبت، تفرید صدیقیت اور محدثیت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یقین کل ایمان ہے، بہر حال یقین کامل کے بعد بہت سی شاخیں پیدا ہو جاتی ہیں، جن میں ایک شکر ہے اور انسان جب تک اپنی گذشتہ زندگی میں قدرت کے عجائبات سے متنبہ نہ ہوتا رہے شکر کی تکمیل نہیں ہوتی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے آخری حج سے واپس آنے لگے تو فرمایا کہ خدا کا شکر ہے خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں جس کو جو چاہتا ہے، دیتا ہے میں اس وادی (ضجنان) میں خطاب کا اونٹ چرایا کرتا تھا جو نہایت سخت تھے، جب میں کام کرتا تھا تو مجھ پر بگڑتے تھے، اور میں کام میں کوتاہی کرتا تھا تو مجھے مارتے تھے لیکن آج یہ حالت ہے کہ خدا کے سوا مجھے کسی کا ڈر نہیں۔

یقین کی دوسری شاخ ہیبت الٰہی ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے درخت پر ایک چڑیا کو دیکھ کر کہا کہ "تجھ کو اے چڑیا یہ حالت مبارک کاش میں تیری طرح ہوتا کہ درخت پر بیٹھ کر پھل کھاتی ہے اور اڑ جاتی ہے، تجھے خدا کو اس کا کچھ حساب دینا نہیں پڑتا"۔

یقین کی تیسری شاخ صدیقیت اور محدثیت ہے اور ان دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ کرامت میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو فطرۃً انبیاء سے مشابہت رکھتے ہیں اب اگر یہ مشابہت قوائے عقلیہ میں ہو تو اس شخص کو صدیق اور محدث کہتے ہیں اور اگر قوائے عملیہ میں ہو تو وہ شہید یا حواری کہا جاتا ہے قرآن پاک کی اس آیت میں والذین آمنوا باللہ ورسلہ اولئك هم الصديقون و الشهداء انہی دونوں مقامات کی طرف اشارہ ہے، لیکن صدیق اور محدث میں یہ فرق ہے کہ صدیق کی روح پیغمبر کا اثر نہایت سرعت سے قبول کرتی ہے جس طرح گندھک آگ سے بہت جلد متاثر ہو جاتی ہے، اس لئے جب وہ پیغمبر کی زبان سے کوئی بات سنتا ہے تو وہ اس کو اپنی روحانی شہادت سے فوراً تسلیم کر لیتا ہے گویا اس کا علم تقلیدی نہیں ہوتا بلکہ خود اس کے اندر سے ابال کھاتا ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت جو یہ مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی تو وہ حضرت جبرئیلؑ کے آواز کی

گنگناہٹ سنتے تھے، اس سے اسی امر کی طرف اشارہ ہے، صدیق کے چند اور خصائص ہیں، ایک تو وہ پیغمبر کی محبت اور ہمدردی میں اپنی جان و مال تک کو قربان کر دیتا ہے، کسی بات میں اس کی مخالفت نہیں کرتا، پیغمبر کی صحبت میں اکثر رہتا ہے، اور خواب کی تعبیر بہت صحیح بیان کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خوابوں کی تعبیر پوچھا کرتے تھے، صدیق کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لاتا ہے اور بغیر معجزہ کے لاتا ہے[1] اور محدث کا خاصہ یہ ہے کہ بہت سے واقعات میں قرآن اس کی رائے کے مطابق نازل ہوتا ہے[2] اور صدیق خلافت کا سب سے بڑا مستحق ہوتا ہے اور اس کے بعد محدث کو یہ استحقاق حاصل ہوتا ہے یہی وجہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع کرو۔

نفس کے احوال میں ایک حال تجلی ہے جس کی تین قسمیں ہیں ایک تجلی ذات کا نام مکاشفہ ہے دوسری تجلی صفات ذات جو نور کا مقام ہے، تیسری تجلی حکم ذات اور وہ آخرت اور تمام اخروی چیزوں کا انکشاف ہے۔

مکاشفہ کی حالت میں انسان پر یقین کا اس قدر غلبہ ہو جاتا ہے کہ گویا وہ خدا کو دیکھتا ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز کو بھول جاتا ہے جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ احسان یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔

تجلی صفات ذات کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ انسان مخلوقات میں خدا کے افعال کو نگاہ میں رکھے اور اس کے اوصاف کو پیش نظر کرے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس پر خدا کی قدرت کا یقین غالب ہو جائے گا اور وہ عالم اسباب سے نکل کر بے خوف ہو جائے گا اور اسباب سے اعانت نہ حاصل کرے گا اور اس کو یقین آ جائے گا کہ خدا اس سے واقف ہے، اسلئے وہ اس کی بارگاہ میں مرعوب و مدہوش ہو جائے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھتا ہے یہ درجہ نور کا مقام اس لئے ہے کہ نفس اس حالت میں مختلف انوار سے روشنی حاصل کرتا ہے اور نور کے ایک عالم سے نکل کر نور کے دوسرے عالم میں اور ایک مراقبہ سے دوسرے مراقبہ میں جاتا ہے بخلاف تجلی ذات کے کہ وہاں تعدد اور تغیر نہیں ہوتا دوسری حیثیت یہ

1: یہ تمام خصائص و علائم حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذات میں جمع تھے۔
2: یہ حضرت عمرؓ کی خصوصیت ہے۔

ہے کہ انسان کو صف ذات کے یعنی خدا کے وہ افعال جو بواسطہ امر کن کے صادر ہوتے ہیں بلا توسط اسباب خارجیہ کے نظر آئیں اور اس حالت میں نور کا مظہر وہ مثالی صورتیں ہیں جو عارف کو اس وقت نظر آتی ہیں جب وہ اس دنیا سے گم ہو جاتا ہے، تجلی حکم ذات یعنی تجلی آخرت کے معنی یہ ہیں کہ انسان چشم بصیرت سے عذاب اخروی کو دنیاو آخرت میں دیکھے اور اسکو اس طرح محسوس کرے جس طرح بھوکا بھوک کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ تو پہلی (تجلی ذات یعنی مکاشفہ) کی مثال یہ ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ طواف کر رہے تھے۔ اسی حالت میں کسی شخص نے ان کو سلام کیا جس کا انہوں نے جواب نہیں دیا اس نے ان کے بعض رفقاء سے اس کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ ہم اس جگہ خدا کا نظارہ کر رہے تھے۔

تجلی صفات ذات کی دو حیثیتوں میں سے پہلی حیثیت کی مثال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ قول ہے کہ مجھ کو طبیب ہی نے بیمار بنایا اور دوسری حیثیت کی مثال یہ ہے کہ ایک انصاری نے ایک روحانی سائبان میں چراغ کے مثل روشنیاں دیکھیں، اسکی ایک مثال احادیث میں یہ بھی مروی ہے کہ دو صحابی[1] رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اندھیری رات میں نکلے تو ان کو اپنے سامنے دو چراغ نظر آئے، یہاں تک کہ جب یہ دونوں بزرگ علیحدہ ہوئے تو ان میں ایک چراغ ہر ایک کے ساتھ ہو گیا اور ایک مثال حدیث میں یہ بھی مروی ہے کہ نجاشی کی قبر کے پاس نور نظر آتا ہے۔

تجلی حکم ذات یعنی تجلی آخرت کی مثال یہ ہے کہ ایک بار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے ملے اور پوچھا کہ حنظلہ کیسے ہو؟ انہوں نے کہا کہ حنظلہ منافق ہو گیا، بولے کہ سبحان اللہ کیا کہتے ہوں؟ بولے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہم کو جنت اور دوزخ کی یاد دلاتے ہیں تو وہ ہم کو گویا آنکھوں سے نظر آجاتی ہیں لیکن جب آپ سے الگ ہو کر اہل وعیال سے ملتے ہیں اور کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں تو اکثر ان کو بھول جاتے ہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارا بھی یہی حال ہوتا ہے اس خلش کو مٹانے کیلئے دونوں بزرگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ہمیشہ تمہاری یہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے آکر مصافحہ کرتے حنظلہ کبھی اس میں رہو

1: یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔

(یعنی ذکر میں) اور کبھی اس میں (یعنی اہل و عیال میں) اس آخری قول سے گویا آپ ﷺ نے اشارۃً یہ بتایا کہ احوال میں استمرار اور مداومت نہیں پائی جاتی۔

اس کی ایک مثال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا خواب میں جنت اور دوزخ کا دیکھنا بھی ہے احوال عقلی کی ایک شاخ فراست صادقہ ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعض باتیں کہتے تھے اور میں خیال کرتا تھا کہ یوں نہیں بلکہ یوں ہو گی لیکن اس کا وقوع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیال کے مطابق ہوتا تھا۔

احوال عقلی میں ایک چیز محاسبہ بھی ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا:۔

حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا۔
حساب لینے سے پہلے اپنے نفس کا حساب کر لو۔

احوال عقلی میں ایک چیز حیا ہے اور وہ اس حیاء سے مختلف ہے جو مقامات نفس میں سے ہے اور وہ صرف خدا کی عظمت و جلال اور اپنے عجز و درماندگی کے اعتراف سے پیدا ہوتی ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں اندھیری کوٹھری میں بھی نہاتا ہوں تو خدا کی شرم سے پیچ و تاب کھاتا ہوں، اس سے یہی حیا مراد ہے مقامات قلب میں پہلا مقام جمع ہے اور اس کو صوفیہ ارادہ سے تعبیر کرتے ہیں، اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اصلی مقصد آخرت ہو اور دنیا کو ایک حقیر چیز سمجھے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص کا مقصد صرف آخرت ہو، خدا اس کے مقصد کی حفاظت کرتا ہے اور جس شخص کے بہت سے مقاصد ہوں تو خدا کو اس کی پراوہ نہیں ہوتی کہ وہ کس میدان میں مرتا ہے، جب یہ مقصد سمٹ جاتا ہے اور انسان ظاہراً و باطناً عبودیت پر قائم رہتا ہے، تو خدا اور خدا کے رسول کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اس محبت سے ایمان کو صرف اسی قدر ترقی نہیں ہوتی کہ خدا مالک الملک ہے اور پیغمبر سچا ہے اور خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے، بلکہ ایک ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو پیاسے کی پانی دیکھ کر ہوتی ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ خداوندا اپنی محبت کو میرے لئے سرد پانی سے بھی زیادہ محبوب بنا آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تک میں تمہارے لئے تمہاری جان سے بھی محبوب تر نہ ہوں تم مومن نہیں ہو سکتے انہوں نے کہا خدا کی قسم آپ مجھے میری اس روح سے بھی زیادہ محبوب ہیں جو میرے پہلو کے درمیان ہے، آپ نے فرمایا کہ اب تمہارا ایمان مکمل ہو گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس شخص نے خدا کی خالص محبت کا مزہ چکھ لیا، اس کا منہ دنیا سے پھر جائے گا اور اس کو تمام دنیا سے وحشت ہو جائے گی۔

جب خدا کے ساتھ مومن کے محبت اس درجہ مکمل ہو جاتی ہے تو خدا بھی اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہے اور اس محبت کے مختلف نتائج پیدا ہوتے ہیں جس میں ایک استجابت سوال اور استجابت دعا ہے، چنانچہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم میں استجابت دعا کی متعدد مثالیں ملتی ہیں مثلاً جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ابو سعدہ کو یہ بد دعا دی کہ خداوندا! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہو تو اس کی عمر دراز کر (یعنی ارذل عمر تک پہنچا) اس کی احتیاج کو بڑھا اور اس کی عزت و آبرو کو خطرے میں ڈال دے تو انہوں نے جو کچھ کہا وہی ہوا یا جب حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے اروی بنت اوس کو بد دعا دی کہ اگر وہ جھوٹی ہے تو خداوندا! اس کو اندھا کر دے، اور اسی زمین پر (جس کا اس نے دعوی کیا ہے) اس کو مار ڈال تو ان کی یہ دعا حرف بحرف مقبول ہوئی، مقامات قلب میں دو مقام ایسے ہیں جو ان نفوس کے ساتھ مخصوص ہیں جن کو پیغمبروں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے گویا یہ دونوں مقام بمنزلہ صدیقیت اور محدثیت کے ہیں البتہ فرق یہ ہے کہ صدیقیت اور محدثیت کا تعلق نفس کی قوت عقلیہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ قلب کی قوت عملیہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

یہ شہید اور حواری کے مقامات ہیں اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ شہید کفار پر غصہ اور سختی کرتا ہے اور مواطن ملکوت میں سے کسی موقع پر جس میں خدا سرکشوں سے انتقام لینا چاہتا ہے دین کی مدد کرتا ہے اور حواری وہ ہے جو پیغمبر سے مخلصانہ محبت رکھتا ہے مدتوں اسکی صحبت میں رہتا ہے اور اسکو پیغمبر سے تعلقات قرابت ہو آتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بشارت دی کہ وہ حواری اور شہید ہیں، پھر حواری کی مختلف قسمیں ہیں، ان میں بعض کو امین اور بعض کو رفیق کہتے ہیں اور نجباء اور نقباء بھی انہی لوگوں میں سے پیدا ہوتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فضائل میں اکثر ان اوصاف کو نمایاں کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمام پیغمبروں کے ساتھ نجباء ہوتے ہیں اور میرے چودہ ہیں لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا وہ کون کون لوگ ہیں؟ فرمایا، میں میرے دونوں بیٹے حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ، حمزہ رضی اللہ عنہ، ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، بلال رضی اللہ عنہ، سلمان رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ابوذر رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ۔

مقامات قلب میں ایک مقام شکر کا ہے یعنی اس مقام میں نور ایمان عقل سے چھن کر دل میں آتا ہے اور انسان تمام دنیوی مصلحتوں کو چھوڑ کر ایسی باتوں کو چاہنے لگتا ہے جن کو لوگ عادۃً نہیں چاہتے کیونکہ اس کی حالت مخمور کی سی ہو جاتی ہے جس کی عقل و عادات میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے حضرت ابوذر ﷛ نے اسی مقام میں فرمایا ہے کہ خدا کے شوق میں موت سے محبت رکھتا ہوں اور مرض کو چاہتا ہوں کہ وہ میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور خدا کے سامنے خاکسار بننے کیلئے فقر کو دوست رکھتا ہوں حضرت ابوذر ﷛ مال و دولت سے جو فطری نفرت رکھتے تھے وہ اسی مقام کا نتیجہ تھی۔

احوال قلب میں ایک حال کا نام غلبہ ہے جس کی دو قسمیں ہیں ایک غلبہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مومن کا دل نور ایمان سے اس قدر لبریز ہو جاتا ہے کہ وہ چھلک اٹھتا ہے اور قلب اس کو سنبھال نہیں سکتا تو اس حالت میں وہ بعض باتوں کے اظہار پر مجبور ہو جاتا ہے، چاہے وہ شریعت کے موافق ہوں یا نہ ہوں کیونکہ شریعت بہت سے مقاصد پر مشتمل ہوتی ہے اور اس مومن کا قلب ان مقاصد کا احاطہ نہیں کر سکتا، مثلاً کبھی وہ رحم کرنا چاہتا ہے اور شریعت اس موقعہ پر رحم کی اجازت نہیں دیتی خدا خود کہتا ہے۔

لا تاخذ كم بهما رافة في دين الله۔

تم کو دینی معاملات میں ان دونوں پر رحم نہیں کرنا چاہئے۔

بعض اوقات اس کے دل میں بغض پیدا ہوتا ہے اور شریعت اس موقع پر لطف و کرم چاہتی ہے جس کی مثال اہل ذمہ ہیں، صحابہ کرام ﷡ کے حال میں غلبہ کی اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، مثلاً جب بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذ ﷛ کے حکم سے قلعہ سے نکلے اور انہوں نے حضرت لبابہ بن منذر ﷛ سے مشورہ کیا تو انہوں نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ذبح کئے جاؤ گے۔ پھر افشائے راز پر ان کو ندامت ہوئی اور سیدھے مسجد میں جا کر انہوں نے اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا اور کہا کہ جب تک خدا میری توبہ قبول نہ کرے گا میں یہاں سے نہ ٹلوں گا یا مثلاً مقام حدیبیہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین سے دب کر صلح کی تو حضرت عمر ﷛ حمیت عمر ﷛ حمیت اسلام سے از خود رفتہ ہو گئے اور نہایت تیزی سے حضرت ابوبکر ﷛ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ کیا رسول اللہ

ﷺ خدا کے پیغمبر نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا "ہیں" بولے کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا "ہیں" بولے کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا "ہیں" بولے تو پھر ہم کیوں مذہبی معاملات میں دب کر صلح کرتے ہیں؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عمر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو کیونکہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ خدا کے پیغمبر ہیں ان کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو خود رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اسی قسم کے سوالات کئے اور آپ ﷺ نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا، اور فرمایا کہ میں خدا کا بندہ اور رسول ﷺ ہوں، اس کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا خدا مجھے ضائع نہ کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد کو اس صلح کے مصالح کو سمجھا تو ان کا بیان ہے کہ اس والہانہ بے ادبی کے کفارے میں میں ہمیشہ روزہ رکھتا رہا، صدقہ دیتا رہا، غلام آزاد کرتا رہا، نماز پڑھتا رہا یا مثلاً جب ابو طیبہ جراح نے آپ کو پچھنا لگایا تو آپ کا خون پی گئے، خون حرام ہے لیکن چونکہ انہوں نے اس کو حالت غلبہ میں پیا تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو معذور کہا۔

شریعت میں غلبہ کی ایک اور قسم بھی ہے جو اس سے زیادہ مکمل ہے یعنی جن نفوس کو پیغمبروں کے نفوس سے مشابہت ہوتی ہے، جب وہ فیضان الٰہی کے قبول کرنے کیلئے آمادہ ہوتے ہیں، تو اگر وہ فیضان ان کی قوت عقلیہ کو پہنچتا ہے تو اس کو فراست اور الہام کہتے ہیں اور اگر قوت عملیہ اس فیضان کو قبول کرتی ہے، تو وہ عزم یا توجہ یا نفرت یا رکاوٹ کی صورت اختیار کر لیتا ہے، مثلاً جب غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ خداوندا میں تجھ سے تیرے عہد کے ایفاء کی درخواست کرتا ہوں، خداوندا! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ تیری پرستش نہ ہو؟ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ بس! اب رسول اللہ ﷺ یہ آیت پڑھتے ہوئے نکلے۔

سیہزم الجمع ویولون الدبر۔

کفار کی جمعیت ٹوٹ جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر لیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ فیضان الٰہی کی بنا پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قلب میں ایک میلان پیدا ہوا، جس سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس الحاح وزاری کو پسند نہیں کیا اور آپ ﷺ کو روک دیا آپ نے اپنی فہرست سے معلوم کیا کہ یہ ایک سچی خواہش ہے اسلئے خدا کی مدد کا اظہار کرتے ہوئے اور اس آیت کو پڑھتے ہوئے نکلے۔

اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کا جنازہ

پڑھنا چاہا تو حضرت عمر ﷺ نے آپ ﷺ کو روک دیا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جنازہ پڑھنے کا اختیار دیا گیا اور میں نے اسے اختیار کر لیا، لیکن اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

ولا تصل علی احد منهم مات ابدا۔
ان میں کبھی کسی کی جنازہ کی نماز نہ پڑھو۔

حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھ کو خود تعجب ہے کہ میں نے ایسی دلیری کی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے زیادہ عالم تھے۔

غلبات کے اقسام میں ایک غلبہ خوف بھی ہے اس حالت میں انسان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور اس کا جسم کانپنے لگتا ہے۔ حضرت ابو بکر ﷺ پر یہ غلبہ اکثر طاری ہو جاتا تھا اور وہ اپنے آنسوؤں کو ضبط نہیں کر سکتے تھے، حضرت جبیر بن مطعم ﷺ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ آیت ام خلقوا من غیر شیء ام هم الخالقون سنی تو میرا دل اڑنے لگا۔

احوال قلب میں سے ایک حال یہ ہے کہ انسان صرف خدا کی اطاعت کو اختیار کر لیتا ہے اور اس کو بقیہ چیزوں سے نفرت ہوتی ہے اس لئے جو چیزیں اس اطاعت میں خلل انداز ہوتی ہیں، ان کو بھی وہ الگ کر دیتا ہے، حضرت ابو طلحہ انصاری ﷺ اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، دفعتاً ایک خوش رنگ چڑیا آ کر گنجان شاخوں میں الجھ گئی اور پھڑکنے لگی، وہ اس دلچسپ منظر کے دیکھنے میں اس قدر محو ہوئے کہ ان کو یہ نہ معلوم ہوا کہ کتنی رکعتیں پڑھیں، اس لئے اس باغ کو صدقہ کر دیا۔

اس تمام تفصیل سے معلوم ہوا ہو گا کہ اگر تصوف، اخلاق، روحانیت اور مقامات اور احوال کا نام ہے تو صحابہ کرام ﷺ کا دل اس کا اصلی ماخذ اس کا اصلی منبع اور اس کا اصلی سرچشمہ تھا لیکن اگر صرف جبہ خرقہ رقص و سرود اور حال و قال اس کے اجزاء ہیں، تو ہندوستان اور دوسرے ممالک اسلامیہ کی خانقاہیں اس کا بہترین مرکز ہیں، صحابہ کرام ﷺ کی جھونپڑیوں میں اس کا پتہ نہیں مل سکتا۔

کی تو خود کفار بے اختیار بول اٹھے:-

ان هذه الشعر ماغاب عنه ابن ابی قحافه۔[1]

ابن ابی قحافہ یعنی حضرت ابو بکر ﷛ ان اشعار سے بے تعلق نہیں ہیں۔

حضرت ابو بکر ﷛ کے بعد حضرت عمر ﷛ کا درجہ تھا اور اس علم کو انہوں نے اپنے باپ خطاب سے سیکھا تھا چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ جب وہ انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔[2] حضرت عمر ﷛ کے بعد حضرت جبیر بن مطعم ﷛ اس فن کے ماہر خیال کئے جاتے تھے اور انہوں نے اس فن کو حضرت ابو بکر ﷛ سے حاصل کیا تھا، حضرت سعید بن المسیب ﷛ نے حضرت جبیر بن مطعم ﷛ سے اس کی تعلیم حاصل کی اور ان سے محمد بن سعید بن المسیب ﷛ نے اس علم کو سیکھا۔[3] اس طرح اسلام میں اس علم کا سلسلہ حضرت ابو بکر صدیق ﷛ کی ذات سے قائم ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی علم الانساب کی بہت بڑی ماہر تھیں چنانچہ حضرت عروہ ﷛ کا قول ہے،

مارایت احدا من الناس اعلم بحدیث العرب و النسب من عائشة رضی اللہ عنہا ۔[4]

میں نے کسی کو ایام عرب اور علم نسب کا ماہر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ نہیں دیکھا۔

لیکن یہ بھی حضرت ابو بکر ﷛ ہی کا فیض تربیت تھا۔

۱: استیعاب تذکرہ حسان بن ثابتؓ۔
۲: کتاب البیان و التبیین ج ۱ ص ۱۱۷۔
۳: کتاب البیان و التبیین ج ۱ ص ۱۱۷ و ۱۳۳۔
۴: تذکرۃ الحفاظ ذہبی ترجمہ عائشہؓ۔

علم الانساب

علم الانساب اس علم کا نام ہے جس کے ذریعہ سے خاندان اور قبائل کے نسبی تعلقات معلوم ہوتے ہیں، عہد صحابہ ﷺ کے بعد جب فتوحات کی غیر معمولی وسعت نے عرب و عجم میں اختلاط پیدا کر دیا تو اس وقت اگرچہ اس فن کی اہمیت زائل ہو گئی، تاہم چونکہ عرب کو اپنے حسب و نسب پر ہمیشہ فخر و غرور رہا، اس لئے زمانہ جاہلیت میں اور زمانہ اسلام دونوں میں یہ فن نہایت ضروری اور اہم خیال کیا جاتا تھا، خود قرآن مجید میں بھی اس فن کی اہمیت اور ضرورت کو بہ تصریح بیان کیا گیا ہے:-

وجعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا

ہم نے خاندان اور کنبوں میں تمہاری تقسیم اسلئے کی ہے کہ تم ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ۔

چونکہ اشعار عرب میں مدح و ذم کے موقعوں پر اکثر حسب و نسب سے تعرض کیا جاتا تھا، اسلئے حضرت عمر ﷺ نے حفظ اشعار کو جن اسباب کی بناپر ضروری قرار دیا ان میں ایک یہ بھی تھا کہ ان کے ذریعہ سے لوگوں کو علم الانساب کی تعلیم ہوتی ہے چنانچہ ایک فرمان میں حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ کو لکھا،

مرمن قبلك يتعلمو الشعر فانه يدل على معالى الا خلاق و صواب الرائے و معرفة الا نساب۔

لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں۔

بہر حال جاہلیت اور اسلام دونوں میں یہ علم نہایت اہم خیال کیا جاتا تھا اور تمام صحابہ ﷺ میں حضرت ابو بکر ﷺ اس علم کے سب سے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے[1] یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت کو کفار کی ہجو کہنے کا حکم دیا تو ان کو انساب کے متعلق حضرت ابو بکر ﷺ کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا،

ائت ابا بکر فانه اعلم بانساب القوم منك۔

ابو بکر ﷺ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ انساب کے تم سے زیادہ عالم ہیں۔

چنانچہ ان کی ہدایت کے بموجب انہوں نے کفار کے حسب و نسب پر طعن و تشنیع شروع

1: کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۲۳

علم تاریخ

اسلام سے پہلے اگرچہ عرب میں اور علوم وفنون موجود نہ تھے تاہم علم الانساب، ایام العرب اور شعر و شاعری نے فن تاریخ کا کافی ذخیرہ فراہم کر دیا تھا، جو اگرچہ اب تک کسی کتاب کی صورت میں مدون نہیں ہوا تھا تاہم عام زبانی روایتوں نے اس کے ایک ایک حرف کو محفوظ رکھا تھا اسلام کے بعد اگرچہ صحابہ کرام ؓ مختلف مہمات میں مشغول ہو گئے لیکن انہوں نے عرب کے اس علمی سرمایہ کو ضائع نہیں کیا بلکہ اس کو محفوظ رکھا، چنانچہ نماز فجر کے بعد جب رسول اللہ ﷺ حسب معمول طلوع آفتاب تک مصلے پر نشست فرماتے تھے تو صحابہ کرام ؓ اشعار پڑھتے اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے اس مقدس صحبت کے علاوہ عموماً ان کی مجلسوں میں ان واقعات کا تذکرہ ہوتا تھا اور اشعار پڑھے جاتے تھے۔[1]

عام صحابہ ؓ کے علاوہ جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے، جو صحابہ ؓ خاص طور پر علم الانساب اور ایام العرب کے ماہر خیال کئے جاتے تھے ان میں حضرت ابو بکر ؓ سب سے مقدم تھے حضرت ابو بکر ؓ کے بعد حضرت عمر ؓ کا درجہ تھا ان کے بعد حضرت جبیر بن مطعم ؓ تھے۔ جنہوں نے اس فن کو حضرت ابو بکر ؓ سے سیکھا تھا، حضرت ابو بکر ؓ کے فیض تربیت سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ملا تھا اس لئے ان کو بھی ان فنون میں بہت بڑی دستگاہ حاصل تھی چنانچہ مسند ابن ہشام میں ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ

کان عروة یقول لعائشة یا امتاہ لا اعجب من فھمك اقول زوجة رسول اللّٰہ ﷺ وبنت ابی بکرو لا اعجب من علمك بالشعرو ایام الناس اقول ابنة ابی بکرو کان اعلم الناس ومن اعلم الناس ولکن اعجب من علمك بالطب کیف ھو ومن این ھو۔[2]

حضرت عروہ ؓ حضرت عائشہؓ کہتے تھے کہ اے ماں مجھے تمہاری سمجھ پر تعجب نہیں آتا کیونکہ آپ رسول اللہ ﷺ کی بی بی اور ابو بکر ؓ کی بیٹی ہیں اور آپ کو ایام العرب اور شاعری کا جو علم حاصل ہے مجھے اس پر بھی تعجب نہیں ہوتا کیونکہ آپ ابو بکر ؓ کی بیٹی ہیں جو لوگوں میں بہت بڑے عالم تھے لیکن میں آپ کے علم طب پر متعجب ہوں

1: ادب المفرد باب الکبر۔ 2: مسند ج ٦ ص ٦٧۔

کہ یہ آپ کو کیوں کر آیا؟ اور کہاں سے آیا؟

خود احادیث میں انہوں نے اس کثرت سے تاریخی واقعات کی روایت کی ہے کہ اگر ان کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو حالات قبل الاسلام، اور واقعات بعد الاسلام کے متعلق ایک متوسط درجہ کا تاریخی رسالہ مرتب ہو سکتا ہے لیکن خلفائے راشدین کے زمانے تک یہ تمام تاریخی معلومات صرف سینوں میں محفوظ تھیں، سفینوں میں نہیں آئی تھیں لیکن حضرت امیر معاویہ ؓ کے دور حکومت میں یہ کمی بھی پوری ہو گئی، حضرت امیر معاویہ ؓ کو فن تاریخ سے نہایت شغف تھا، اسلئے معمولاً روزانہ کا تہائی حصہ تاریخی واقعات کے سننے میں بسر کرتے تھے اسکے بعد سو جاتے تھے، پھر اٹھتے تھے تو یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہو تا تھا، چنانچہ مسعودی مروج الذہب میں لکھتا ہے،

وسیمر الی ثلث اللیل فی اخبار العرب وایامها والعجم و ملوکها وسیاستها لرعیتها وسائر ملوك الامم وحروبها ومکائدها وسیاستها لرعیتها وغیر ذلك من اخبار الامم السابقة ثم ید خل فینام ثلث اللیل ثم یقوم فیقعد فیحضر الد فاتر فیها سیر الملوك و اخبار ها والحروب والمکائد فیقراء ذالك علیه غلمان مرتبون۔[1]

وہ ایام عرب، اخبار عرب اخبار عجم و سلاطین عجم ان کے طریقہ حکمرانی اور تمام قوموں کے بادشاہوں ان کی لڑائیوں کی داؤ گھات ان کے طرز جہاں بانی اور دوسری گذشتہ قوموں کے حالات تہائی شب تک برابر سنتے تھے، پھر اندر جا کر تہائی شب تک سوتے تھے، پھر اٹھ کر بیٹھتے تھے تو کتابیں لائی جاتی تھیں، جن میں بادشاہوں کے حالات و واقعات درج تھے اور لڑائیوں کے تذکرے درج ہوتے تھے اور ان کو وہ لڑکے پڑھ کر سناتے تھے جو اس کام پر مامور تھے۔

اس تاریخی سلسلے میں حضرت امیر معاویہ ؓ کو قبیلہ حمیر کے حالات کی خاص طور پر جستجو و تلاش تھی چنانچہ ان کو حضرت عمرو بن العاص ؓ نے یہ مشورہ دیا کہ آپ عبید بن شریہ کو بلائیے کہ وہ حمیر کے واقعات اور حالات کا سب سے زیادہ ماہر ہے چنانچہ انہوں نے اس کو طلب کیا تو اس نے ان معلومات کو ایک کتاب کی صورت میں قلم بند کر دیا،[2] اور غالباً یہ پہلی تاریخی کتاب تھی جو اسلام میں لکھی گئی اور اس لحاظ سے اسلام میں فن تاریخ کی ابتدا صحابہ کرام ؓ کے عہد مبارک میں ہوئی۔

---

[1] مروج الذہب بر حاشیہ نفح الطیب ج ۲ ص ۴۲۵۔ [2] اصابہ تذکرہ عبید بن شریہ۔

شعر و شاعری[1]

صحابہ کرام ﷺ اگرچہ اکثر ملکی مہمات، مذہبی خدمات اور علمی مشاغل میں مصروف رہتے تھے، تاہم ان میں شعر و سخن کا مذاق عام طور پر پایا جاتا تھا، اس لئے جب ان مشاغل سے فرصت ہوتی تھی تو خود اشعار پڑھتے تھے دوسروں سے اشعار پڑھوا کر سنتے تھے اور ان سے لطف اندوز ہوتے تھے چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ حسب معمول بعد نماز فجر طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر نشست فرماتے تھے تو اس حالت میں صحابہ کرام ﷺ زمانہ جاہلیت کے واقعات کا ذکر کرتے تھے اشعار پڑھتے تھے، ہنستے تھے اور آپ ان تذکروں کو سن کر مسکراتے تھے۔[2]

اس مقدس صحبت کے علاوہ ان کی مجالس میں عام طور پر شعر و شاعری کا چرچا رہتا تھا، اور یہ ان کی زندہ دلی کی ایک بڑی علامت تھی، چنانچہ ادب المفرد میں ہے،

لم يكن اصحاب رسول الله ﷺ متحزقين ولا متمارقين وكانوا تينا شدون الشعر في محالسهم ويذكرون امر جاهليتهم۔[3]

صحابہ ﷺ رسول اللہ مردہ دل اور خشک مزاج نہ تھے وہ اپنی مجلسوں میں اشعار پڑھتے تھے اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے۔

خلفاء میں حضرت عمر ﷺ اگرچہ ہمیشہ بڑی بڑی مہمات ملکی میں مصروف رہتے تھے تاہم جب موقع ملتا تھا تو نہایت شوق سے شعراء کے اشعار سنتے تھے اور ان سے لطف اٹھاتے تھے، ایک بار سفر حج کو نکلے تو قافلہ کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن جراح ﷺ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ بھی تھے لوگوں نے حضرت خوات ﷺ سے کہا کہ "ضرار بن خطاب کے اشعار سناؤ" لیکن حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ "ان کو اپنے ہی اشعار سنانے دو" چنانچہ وہ صبح تک متصل اپنے اشعار پڑھتے رہے، صبح ہوئی تو حضرت عمر ﷺ نے فرمایا "اب بس کرو"۔[4] ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے رات بھر اشعار پڑھوائے گئے جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو۔

۱: شاعری صحابہ کرامؓ کے مفاخر میں داخل نہیں ہے اس لئے ہم نے اس عنوان کو کسی قدر اختصار کے ساتھ لکھا ہے حسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابہ کے نام سے حال میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جن لوگوں کو صحابہ کرامؓ کے اشعار کا زیادہ شوق ہو وہ اس کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

۲: نسائی کتاب الامامۃ باب نعود الا مام فی مصلاہ بعد التسلیم۔

۳: ادب المفرد باب۔ ۴: اصابہ تذکرہ حضرت خوات بن جبیرؓ

یہ ذوق صرف سنے سنائے اشعار پر موقوف نہ تھا بلکہ ان کو بذات خود ہر قسم کے اشعار اس کثرت سے یاد تھے کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا تو اس پر کوئی نہ کوئی شعر ضرور پڑھ دیتے تھے۔[1] اس کے ساتھ بہت بڑے ناقد فن تھے اور تمام شعراء کے کلام کے متعلق اس قدر صحیح رائیں رکھتے تھے کہ تمام اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شعر کا پرکھنے والا نہ تھا، چنانچہ علامہ ابن رشیق القیر وانی کتاب العمدہ میں لکھتے ہیں

وکان من انقد زمانه للشعرو انقدهم فيه معرفة۔[2]

یعنی حضرت عمر ؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے نقاد اور رو شناس تھے۔

جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں لکھا ہے،

كان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر۔[3]

یعنی حضرت عمر بن الخطاب ؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔

خود ان کے زمانے کے مشہور شعراء نے ان کی اس خصوصیت کا اعتراف کیا ہے چنانچہ انہوں نے حطیہ کو جو مشہور ہجو گو تھا، ہجو گوئی کے جرم میں قید کر دیا تھا لیکن جب اس کو رہا کیا تو فرمایا کہ اب ہجو مقذع نہ کہنا اس نے کہا اے امیر المومنین ہجو مقذع کیا چیز ہے؟ بولے یہ کہ تم کسی کو کسی پر ترجیح دو یا ایک شخص کی مدح اور اس کے مقابل میں دوسرے کی ہجو کر و اس نے یہ سن کر کہا اے امیر المومنین آپ تو مجھ سے بھی زیادہ اسالیب شعر کے ماہر ہیں۔[4] حضرت عمر ؓ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا لیکن تین شاعروں کو انہوں نے سب میں انتخاب کر لیا تھا، امراء القیس، زہیر، نابغہ، ان سب میں وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اس کو اشعر الشعراء کہا کرتے تھے اہل عرب اور علمائے ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلے طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انہی تینوں میں محدود ہے، حضرت عمر ؓ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی اور جریر بھی اسی کا قائل تھا ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ ان کے ساتھ تھے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے کہا کہ اشعر الشعراء کے اشعار پڑھو، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے کہا کہ وہ کون؟ فرمایا زہیر، انہوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی، اسکے جواب میں یہ الفاظ فرمائے:۔

۱: کتاب البیان والتبیین ج ا ص ۹۸۔
۲: کتاب العمدہ ذکر اشعار الخلفاء ج ا ص ۱۲۔
۳: کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ص ۹۷۔
۴: کتاب العمدہ ج ۲ ص ۲۳۸۔

كان لا يعاضل بين الكلام ولا يتبع حوشيه ولا يمدح الرجل الا بما فيه۔[1]

وہ نامانوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا، اس کے کلام میں پیچیدگی نہیں ہوتی اور جب کسی کی مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اس میں ہوتے ہیں۔

ان ناقدین فن نے بھی زہیر کی جو خصوصیتیں بتائی ہیں وہ یہی ہیں۔

زہیر کے بعد وہ نابغہ کے معترف تھے اور اس کے اکثر اشعار ان کو یاد تھے، امام شعبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ سے زیادہ کون جانتا ہے، فرمایا شعر کس کا ہے؟

اينتك عاريا خلقا يثابي
على خوف تنطن بي الظنون

لوگوں نے کہا نابغہ کا، پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

حلفت فلم اترك لنفسك ريبة
وليس وراء لله للمرو منهب

لوگوں نے کہا نابغہ کا، فرمایا یہ شخص اشعر العرب ہے۔[2]

بایں ہمہ وہ امراء القیس کی اوستادی اور ایجاد مضامین کے منکر نہ تھے ایک دفعہ حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ نے شعراء کی نسبت ان کی رائے پوچھی تو امراء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے،

سابقهم خسف لهم عين الشعر فاقتصر عن معان عور اصح بصر۔[3]

وہ سب سے آگے ہے اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا، اسی نے اندھے مضامین کو بینا کیا۔

حضرت عمر ﷺ کے ذوق سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مزے لے لے کر پڑھتے تھے، ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے، یہ شعر آیا

و ان الحق مقطعه ثلاث
يمين او نفار او حلاء

تو حسن تقسیم پر بہت محظوظ ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کئے، ایک اور دفعہ عبدۃ بن الطیب کا لامیہ قصیدہ سن رہے تھے، اس شعر کو سن کر

۱: کتاب العمدہ باب المشاہیر من الشعراء ج ا صفحہ ۲۹۲۔

۲: آغانی تذکرہ نابغہ ج ۹ ص ۱۵۵، جن اشعار کے متعلق حضرت عمرؓ نے سوال کیا ہے آغانی میں ان کی تعداد زیادہ ہے۔

۳: کتاب العمدہ ج ا ص ۵۹ باب المشاہیر من الشعراء۔

والمرء ساع ل امریس یدرکه
والعیش شح و الشقاق و تامیل

پھڑک اٹھے اور دوسرا مصرع بار بار پڑھتے رہے اس طرح ابو قیس بن الاسلت کا قصیدہ سنا تو بعض اشعار کو دیر تک دہرایا کئے۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق ﷛ اگرچہ زہد مجسم تھے، تاہم شعر و سخن کے بڑے اداشناس تھے اور خود شعر کہتے تھے، چنانچہ ایک غزوہ میں ایک مستقل قصیدہ لکھا، جس کے چند شعر یہ ہیں،

امن طیف سلمٰی بالبطاح الدمائث
ارقت او امرفی العشیرة حادث

تم وادی میں سلمٰی کے خیال سے
جاگتے رہے یا کوئی واقعہ قبیلہ میں پیش آیا

تری من لوی فرقة لا تصدها
عن الکفر تذکیرو لا بعث باعث

تم قبیلہ لوی کے ایک گروہ کو دیکھتے ہو
کہ اس کو کفر سے نہ وعظ و پند روک سکتی نہ نبوت و بعثت

رسول اتاھم صادق فکذبوا
علیه وقالوا لست فینا بما کث

ان کے پاس ایک سچا پیغمبر آیا جس کو
ان لوگوں نے جھٹلایا اور کہا کہ تم ہم میں ٹھہرنے والے نہیں ہو

اذا مادعونا هم الی الحق ادبروا
وهر واهرید المحجرات اللوائث

جب ہم نے ان کو دعوت حق دی
تو ان لوگوں نے پشت پھیر لی اور کتے کی طرح بھونکنے لگے

حضرت عثمان ﷛ کے اخلاقی اشعار کا نمونہ یہ ہے،

غنی النفس یغنی النفس حتی یکفها
وان عضها حتی یضربها الفقر

نفس کی بے نیازی نفس کو بے نیاز کر دیتی ہے

---

[1] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ص ۹۸،۹۷

گو اس کو احتیاج کاٹ ہی کیوں نہ کھائے

و ما عسرة فاصبر لما یقتنها

بکائنة الا ستتبعها لیسر

اگر تنگ دستی پر صبر کرو گے

تو فراخ دستی لازمی طور پر حاصل ہوگی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے غزوہ صفین کے متعلق نہایت پر جوش اشعار کہے ہیں چنانچہ اس غزوہ میں قبیلہ ہمدان کی اعانت کا ذکر ان اشعار میں کیا،

ولما رایت الخلیل ترجم بالقنی

نو اصیها حمر الخور دوامی

اور جب میں نے ان گھوڑوں کو دیکھا

جن کے سینے سرخ اور خون آلود تھے

واعرض نقع فی السماء کانه

عجاجة دجن ملبس بقتام

اور آسمان کی فضاء

نہایت تاریک اور سیاہ گردو غبار سے بھر گئی

ونادی ابن هند فی الکلاع، حمیر

و کندة فی لخم و حی جدام

اور ابن ہند نے قبیلہ کلاع، حمیر

کندہ، لخم اور جدام کو پکارا

تیممت همدان الذین هم، هم

اذا ناب دهر جنتی و سهامی

تو میں نے ہمدان کی طرف رخ کیا

جو حوادثات میں میرے سپر اور میرے تیر ہیں

نجاوبنی من خیل همدان عصبته

فوارس من همدان خیر لیام

تو ہمدان کے ایک گروہ نے

میری صدا پر لبیک کہا جو نہایت شریف سوار تھے

فخا حنوا الظاهاوا ستطارو اشراه ها
و كانو الذى ايهجا كشرب مدم
وہ لوگ لڑائی کے شعلوں میں گھس گئے
اور اسکی چنگاریوں کو بکھیر دیا اور جنگ میں شرابیوں کیطرح متوالے نظر آئے
فلو كنت بو اباعلى باب جنته
لقلت لهمدان اد خلو البسلام
تو اگر میں جنت کا دربان ہوتا،
تو ہمدان سے کہتا کہ اطمینان کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ

خلفاء کے علاوہ اور جتنے صحابہ ﷺ تھے سب کے سب شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے، چنانچہ زمانہ حال کے ایک مصنف نے جمہرۃ العرب کے حوالے سے لکھا ہے،

ولم يبق من الصحابة من لم يقل الشعرا و يتمثل به۔[1]
کوئی صحابی ایسا نہ تھا جس نے کوئی نہ کوئی شعر نہ کہا ہو یا نہ پڑھا ہو۔

اور کتاب العمدہ میں خود خاندان رسالت کے متعلق تصریح کی ہے،

و ليس من بنى عبدالمطلب رجالاً و نساء من لم يقل الشعر حاشى النبى صلى الله عليه و سلم۔[2]
بنو عبدالمطلب کے مردوں اور عورتوں میں رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی ایسا نہ تھا جس نے شعر نہ کہا ہو۔

اور اس کے بعد حضرت حمزہ ﷺ، حضرت عباس ﷺ، حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ، حضرت جعفر بن ابی طالب ﷺ، حضرت ابو سفیان ﷺ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

لیکن تمام صحابہ ﷺ میں شاعرانہ حیثیت سے چار بزرگ یعنی حضرت حسان بن ثابت ﷺ، حضرت کعب بن مالک ﷺ، حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ اور حضرت کعب بن زہیر ﷺ خصوصیت کیساتھ ممتاز ہیں ان چاروں بزرگوں میں حضرت حسان بن[3] ثابت مخضرمی شاعر ہیں یعنی انہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں میں شعر کہے ہیں اور دونوں زمانوں میں داد سخن دی ہے، زمانہ جاہلیت میں وہ بہترین شاعر تسلیم کیے جاتے تھے اور ملوک غسان سے

1: جمہرۃ العرب صفحہ ۱۹ بحوالہ آداب اللغۃ العربیہ محمد جی زیدان۔
2: کتاب مذکور ج ۱ ص ۱۵۔
3: حضرت حسانؓ کے یہ حالات استیعاب و طبقات الشعراء لابن قتیبہ سے ماخوذ ہیں۔

جو ان کے ممدوح تھے گراں قیمت صلے پاتے تھے،ان سلاطین کی مدح میں انہوں نے جو قصائد لکھے ہیں ان میں عرب کے مشہور شاعر حطیہ نے اس شعر کو بہترین مدحیہ شعر تسلیم کیا ہے

یغشون حتی ماتھر کلا بھم
لا یسئلون عن السوا دا لمقبل

عبدالملک ابن مروان کا قول ہے،

ان امداح بیت قالۃ الرعب بیت حسان ھذا

اہل عرب نے جو بہترین مدحیہ اشعار کہے ہیں ان میں حسان ؓ کا یہ شعر سب سے بہتر ہے۔

ابو عبیدہ کا قول ہے کہ شہری باشندوں میں اہل عرب کے نزدیک سب سے بڑے شاعر یثرب کے لوگ تھے اس کے بعد قبیلہ عبدالقیس، پھر قبیلہ ثقیف کے لوگ بڑے شاعر تسلیم کئے جاتے تھے، لیکن ان سب میں حضرت حسان بن ثابت ؓ سب سے بڑے شاعر تھے،زمانہ اسلام میں وہ خاص رسول اللہ ﷺ کے شاعر تھے اور یہ ان کا سب سے بڑا امتیازی وصف خیال کیا جاتا تھا،ابو عبیدہ کا قول ہے کہ حسان کو تمام شعراء پر جو ترجیح حاصل ہے اس کے تین سبب ہیں ایک یہ کہ وہ زمانہ جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے، پھر رسول اللہ ﷺ کے شاعر ہوئے اس کے بعد زمانہ اسلام میں تمام یمن کے شاعر تسلیم کئے گئے لیکن ان میں ان کا اصلی شرف یہ ہے کہ ان کو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنا شاعر منتخب فرمایا،چنانچہ مشرکین قریش میں عبداللہ بن الزبعری ابو سفیان بن حارث، عمرو بن العاص اور ضرار ابن خطاب نے آپ کی ہجو گوئی شروع کی تو آپ نے فرمایا۔

مایمنع القوم الذین نصر وارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بسلاحتھم ان ینصروہ بالسنتھم۔

جس قوم نے رسول اللہ ﷺ کی مدد ہتھیار سے کی وہ اپنی زبان سے کیوں آپ کی مدد نہیں کرتی۔

یہ سن کر حضرت حسان بن ثابت ؓ نے کہا اس کام کیلئے میں تیار ہوں،اس کے بعد آپ ﷺ کی طرف سے کفار کی شاعرانہ مدافعت ان کا عام مشغلہ ہو گیا اور بارگاہ نبوی ﷺ میں ان کی خدمت کو اس قدر حسن قبول حاصل ہوا کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا،

اھجھم وروح القدس معک

کفار کی ہجو کہو روح القدس تمہارے ساتھ ہے۔

ایک بار یہ دعا دی،

اللھم ایدہ بروح القدس

خداوندا روح القدس کے ذریعہ سے ان کی تائید کر۔

ایک دفعہ ان کی ہجوؤں کی ان الفاظ میں داد دی،

ان قولہ فیھم اشد من النبل

کفار کے دلوں میں ان کے اشعار تیر سے زیادہ اثر کرتے ہیں۔

آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں ان کیلئے ایک منبر بھی بنوادیا جس پر بیٹھ کر وہ ان ہجویہ اشعار کو سناتے تھے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بھی مخضرمی شاعر ہیں، یعنی وہ زمانہ جاہلیت میں بھی مشہور شاعر تھے اور اسلام میں بھی رسول اللہ ﷺ کے مخصوص شاعر ہونے کی حیثیت سے صاحب امتیاز ہوئے چنانچہ استیعاب میں ہے

وانتدب لھجو المشرکین ثلاثۃ من الانصار حسان بن ثابت وکعب بن مالک وعبداللہ بن رواحہ۔

مشرکین کی ہجوگوئی کی خدمت انصار کے تین شخص نے قبول کی، یعنی حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے۔

لیکن ان تینوں بزرگوں کی ہجوگوئی کا موضوع مختلف تھا، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مشرکین کے نسب پر حملہ کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ان پر کفر کا الزام لگاتے تھے اور حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ ان کو لڑائی کی دھمکیاں دے دے کر ڈراتے رہتے تھے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ قبیلہ دوس نے ان کے ان اشعار سے خوف زدہ ہو کر اسلام قبول کیا،

قضینا من تھامۃ کل وتر
وخیبر ثم اغمدنا الیسوفا

ہم نے تھامہ اور خیبر سے
انتقام لے کر تلوار میان میں کر لی

تخبر ھا ولو بطقت لقالت
قواطعن دوسا او ثقیفا

اب ہم نے اپنی تلواروں کو قبائل کے انتخاب کا حق دے دیا ہے
اگر وہ بولتیں تو دوس اور ثقیف کا نام لیتیں

۱: استیعاب و آغانی تذکرہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

خود جناب رسول اللہ ﷺ ان کے اشعار کو نہایت شوق سے سنتے تھے اور داد دیتے تھے ایک بار آپ ﷺ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، تو انہوں نے گھر سے نکل کر اشعار سنائے، آپ ﷺ نے ان کو سن کر فرمایا"اور" انہوں نے پھر اشعار پڑھے، آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا"اور" اسی طرح ان سے تین بار فرمائش کی اور اشعار سنے اور اخیر میں فرمایا،

لهذا اشد علیهم من وقع النبل

کفار پر ان کی زد تیر سے بھی زیادہ سخت ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نہایت بدیہہ گو شاعر تھے، چنانچہ ایک موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ نے مناسب حال اشعار کہنے کی فرمائش کی تو انہوں نے اسی وقت اٹھ کر برجستہ یہ اشعار سنائے،

انی تفرست فیك الخیرا عرفه
واللّٰه یعلم ان خانني البصر

میں نے آپ کی ذات میں نیکی کو دیکھا
اور خدا کی قسم میری آنکھوں نے اس میں دھوکا نہیں کھایا

انت النبی ومن یحرم شفاعته
یوم الحساب لقدازری بالقدر

آپ پیغمبر ہیں اور جو شخص
قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے محروم رہے گا وہ بد قسمت ہے

بخاری میں بھی ان کے متعدد رجز اور متعدد نعتیہ اشعار موجود ہیں، لیکن ان کی شاعری کا اصلی موضوع کفار کی ہجو گوئی تھا، اور اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ غزوہ احزاب سے واپس آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج سے کفار تم سے لڑائی نہ کریں گے، بلکہ تمہاری ہجو کہیں گے تو مسلمانوں کی عزت کو تم میں کون محفوظ رکھے گا؟ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر اٹھے اور فرمایا کہ "میں" اس کے بعد سے ان کا یہ مخصوص مشغلہ ہو گیا، چنانچہ وہ ہمیشہ کفار کی ہجو کہتے تھے اور ان پر صرف کفر کا الزام لگاتے تھے لیکن ان کے رفقاء یعنی حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان کے نسب پر حملہ کرتے تھے اور جنگ کی دھمکی دیتے تھے جب تک کفر اور زمانہ جاہلیت کا نشہ سر میں تھا کفار پر انہی دونوں بزرگوں کی ہجویں اثر کرتی تھیں، لیکن جب یہ نشہ اتر گیا تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار کفار پر ان سے زیادہ اثر کرنے لگے۔

---

[1] استیعاب تذکرہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ و تذکرہ حضرت حسان بن ثابتؓ اور آغانی تذکرہ حضرت کعب بن مالکؓ۔

حضرت کعب بن زہیر ﷛ بھی مخضرمی شاعر ہیں اوران کاشمار عرب کے بہترین شعراء میں ہے عرب میں اسلام کا چرچا پھیلا تو وہ اوران کے بھائی بجیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے روانہ ہوئے،چنانچہ ایک مقام پر پہنچ کر حضرت کعب ﷛ ٹھہر گئے اور بجیر ﷛ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا،حضرت کعب ﷛ کوان کے اسلام لانے کا حال معلوم ہوا تو یہ اشعار کہے،

الا ابلغا عني بجير ار سالة
علي اے شي ويب غيرك دلكا
میری طرف سے بجیر کو پیغام پہنچا دو
کہ کس چیز کی طرف تمہاری غیر نے تمہاری رہنمائی کی

علي خلق لم تلف اما ولا ابا
عليه ولم قدرك عليه اخالكا
اس خلق کی طرف جس پر نہ تمہاری ماں تھی
نہ تمہارا باپ اور نہ تمہارا بھائی

سقاك ابوبكر بكاس روية
فانهلك المامون منها وعلكا
ابو بکر ﷛ نے تم کو چھلکتے ہوئے پیالے
بار بار پلائے

لیکن اس کے بعد خود مسلمان ہوگئے اور ایک قصیدہ کہہ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف فرما تھے اور ارد گرد صحابہ ﷡ کی صفیں تھیں،حضرت کعب ﷛ صفوں کو چیرتے ہوئے آپ کے پاس پہنچے اور اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد پڑھنا شروع کیا جب ان اشعار تک پہنچے،

ان الرسول لسيف يستضاء به
مهند من سيوف الله مسلول
رسول اللہ دست خدا کی کھینچی ہوئی
ایک ہندی تلوار ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے

في فتية من قريش قال قائلهم
ببطن مكة لما اسلمو ازولوا

قریش کے نوجوانوں میں سے ایک نے
مکہ میں اسلام لانے کے بعد کہا ہجرت کر جاؤ
تو آپ ﷺ نے صحابہ ؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کعب کے ان اشعار کو سنو۔
آپ ﷺ نے اس قصیدہ کو سن کر صلے میں ان کو خود اپنی چادر عطا فرمائی، جس کو امیر معاویہ نے خرید لیا، اور ان کے بعد تمام خلفا عیدین میں وہی چادر اوڑھ کر نکلتے تھے۔[1]

لیکن اس شاعرانہ ذوق کے ساتھ صحابہ کرام ؓ نے اپنے اصلی منصب کو فراموش نہیں کیا، اس لئے ادبی حیثیت کے ساتھ زیادہ تر اخلاقی حیثیت سے اشعار عرب کی ترویج و اشاعت کی، چنانچہ حضرت عمر ؓ نے حضرت موسیٰ اشعری ؓ کو یہ فرمان بھیجا،

مرمن قبلك بتعلم الشعر فانه يدل على معالى الا خلاق و صواب الراى و معرفة الانساب۔[2]

لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتوں صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں،

تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا اس کے الفاظ یہ ہیں،

علموا اولاد کم العلوم و افروسية ورود هم ما سار من المثل و حسن من الشعر۔[3]

اپنی اولاد کو تیر تا اور شہسواری سکھاؤ اور ضرب المثلیں اور عمدہ اشعار یاد کراؤ۔

بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں

رودامن الشعر اعفه

ان سے پاکیزہ اشعار کی روایت کرو۔

حضرت امیر معاویہ ؓ شعر کو ایک بہترین اخلاقی طاقت سمجھتے تھے اور اسی بنا پر لوگوں کو اس کے یاد کرنے کی ترغیب دیتے تھے، چنانچہ ایک بار فرمایا،

يجب على الرجل تاديب ولده و الشعر اعلى مراتب الا دب

آدمی پر اپنی اولاد کی تادیب فرض ہے اور ادب کا بلند ترین مرتبہ شعر ہے۔

ایک بار اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر لوگوں کو ہدایت کی،

اجعلوا الشعر اكبر همكم واكثر وابكم خلفاء رايتنى ليلة الهرير بصفين وانه اريد الحرب لتدة البلوا فما حملنى على الا قامة الا ابيات عمرو بن الا طناب۔[4]

1: آغانی و استیعاب و اصابہ تذکرہ کعب ابن زہیرؓ۔
2: کتاب العمدہ ج ۱ صفحہ ۱۰۔
3: کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۲۱۳۔ 4: کتاب العمدہ ج ۱ ص ۱۰۔

شعر کو اپنا سب سے بڑا مطمح نظر بنالو اور اس کے عادی ہو جاؤ، کیونکہ جنگ صفین میں لیلۃ الہریر کو میں نے بھاگنا چاہا تو مجھ کو عمرو بن الاطنابہ کے اشعار نے ثابت قدم رکھا۔

صحابہ کرام ﷺ نے شعر و شاعری کے وہ تمام عیوب بھی مٹا دیئے جو بد اخلاقی کی طرف منجر ہوتے تھے، مثلاً صحابہ کرام ﷺ کے زمانے تک تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء علانیہ شریف عورتوں کا نام اشعار میں لاتے تھے اور ان سے اپنا عشق جتاتے تھے لیکن حضرت عمر ﷺ نے اس طریقہ کو بالکل مٹا دیا، اور اس کی سخت سزا مقرر کی اسی طرح ہجو گوئی کو بھی ایک جرم قرار دیا اور حطیہ کو جو مشہور ہجو گو تھا اس جرم میں قید کر دیا لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ اہل ادب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ زمانہ اسلام میں شاعری دفعتاً اپنی اوج کمال سے گر گئی، اور صحابہ کرام ﷺ نے اسکو بحیثیت فن کے کسی قسم کی ترقی نہیں دی جس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ عرب میں فخر و غرور جنگجوئی، انتقام اور عشق و ہوس وغیرہ شاعری کا اصلی عنصر تھے اور اسلام نے ان تمام اخلاقی برائیوں کو مٹا کر صحابہ کرام ﷺ کو خیر مجسم بنا دیا تھا، اس لئے ان کی ذات میں خیر و شر کے یہ دونوں متضاد عناصر جمع نہ ہو سکے، چنانچہ اصمعی نے صاف صاف کہہ دیا،

> الشعر نکدبابه الشرفا ذاد خل فی الخیر ضعف هذا حسان بن ثابت فحل من فحول الجاهلية فلما جاء الا سلام سقط شعره۔[1]
>
> شعر کو نیکی سے کوئی تعلق نہیں اس کا دروازہ برائی ہے جب وہ نیکی کے دروازے میں داخل ہوتا ہے تو کمزور ہو جاتا ہے، مثلاً حسان بن ثابت کا شمار جاہلیت کے اکابر شعراء میں تھا لیکن جب اسلام آیا تو ان کے اشعار پست ہو گئے۔

خطابت اور زور تقریر

اہل عرب میں ابتدا ہی سے خطابت اور تقریر کا ملکہ موجود تھا اور خود زمانۂ جاہلیت میں بڑے بڑے خطباء گذر چکے تھے لیکن اس قوت سے جو کام لئے جا سکتے تھے زمانۂ جاہلیت میں ان کا دائرہ محدود تھا اسلئے اس زمانے میں خطابت اور زور تقریر کو وہ اقتدار و اثر حاصل نہ ہو سکا جو شعر و شاعری کو حاصل تھا لیکن زمانۂ اسلام میں یہ حالت بدل گئی اور سیاسی واقعات اور غزوات و فتوحات نے عرب کی پر جوش طبیعتوں کیلئے بہت سے نئے میدان کھول دیئے جن میں ان کو زبان آوری کے جوہر دکھانے کا موقع ملا اس بنا پر اسلام کے بعد اگرچہ عربی شاعری میں زمانہ جاہلیت کا زور باقی نہ رہا تاہم اس کی طاقت خطابت اور تقریر کی طرف منتقل ہو گئی اور صحابہ کرام ﷺ کی حقیقی زندگی کے پہلے ہی دن سے اسکے کامیاب نتائج ظاہر ہونے لگے چنانچہ رسول صلی

1: طبقات الشعراء لابن قتیبہ تذکرہ حسان بن ثابتؓ

اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام ﷺ میں جو خطرناک اضطرابی حالت پیدا ہو گئی۔ اس کے مٹانے کیلئے حضرت ابو بکر ﷺ نے جو خطبہ دیا وہ صرف چند فقروں پر مشتمل تھا۔

الا من کان یعبد محمد افان محمدا صلعم قدمات ومن کان یعبداللّٰہ فان اللّٰہ حی لا یموت انک میت وانھم میتون وما محمد الا رسول قد خلت من قبل الرسل افائن مات او قتل،انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللّٰہ شیاء و سیجزی اللّٰہ الشاکرین۔

ہاں! جو لوگ پرستاران محمد ﷺ تھے ان کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ محمد ﷺ وفات پا چکے لیکن جو لوگ پرستاران خدا ہیں ان کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ خدا زندہ ہے مرا نہیں، خدا اپنے پیغمبر سے خود کہتا ہے تو مرے گا اور تمام لوگ مریں گے محمد ﷺ تو صرف ایک پیغمبر تھے، ان کے پہلے بھی اور پیغمبر گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر گئے یا شہید ہو گئے تو تم لوگ پھر رجعت قہقری کر جاؤ گے یقین کرو کہ جو لوگ مرتد ہو جائیں گے وہ خدا کو کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے اور خدا شکر کرنے والوں کو جلد جزائے خیر دے گا۔

لیکن ان ہی چند فقروں کا یہ اثر ہوا کہ روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں اور لوگ نکلے تو اس آیت کو پڑھتے ہوئے نکلے اس کے بعد جب خلافت کیلئے انصار و مہاجرین کے دو جتھے قائم ہو گئے اور انصار نے اعلانیہ کہا،

منا امیر و منکم امیر

ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔

تو انکی طرف سے حضرت سعد بن عبادہ ﷺ نے ایک پر زور تقریر کی جس کے چند فقرے یہ ہیں،

اما بعد فنحن انصار اللّٰہ و کتیبۃ الا سلام وانتم معاشر المھاجرین رھط وقد دفت دافۃ من قومکم فاذا ھم یریدون ان یختزلونا من اھلنا وان یحفونا من الا مر۔

ہم خدا کے انصار اور اسلام کی فوج ہیں اور تم گروہ مہاجرین ہمارے یہاں نیاز مندانہ آئے اور اب وہی لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری بیخ کنی کریں اور خلافت سے ہمیں روک دیں،

حضرت عمر ﷺ اس موقع پر تقریر کرنے کیلئے پہلے سے تیار تھے، لیکن حضرت ابو بکر ﷺ نے ان کو موقع نہیں دیا اور خود تقریر کی جس کے چند فقرے یہ ہیں،

لا ولکنا الا مراء وانتم الو زراء فانتم لہ اھل ولن یعرف ھذا الا مر الا لھذا الحی من القریش ھم اوسط العرب نسباً و دارا۔[1]

[1] بخاری کتاب المناقب باب فضل ابی بکر و کتاب المحاربین باب رجم المحبلی من الزنی اذا احصنت۔

نہیں لیکن ہم امراء ہیں اور تم وزراء تم بے شبہ اس کی اہلیت رکھتے ہو تمام عرب صرف قریش کو خلافت کا مستحق سمجھتا ہے کیونکہ وہ خاندان وحسب کے لحاظ سے افضل ترین عرب ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی تقریر پر بڑا ناز تھا، لیکن اس تقریر کو سن کر انہوں نے اعتراف کیا،

فکان هوا حلم مني واوقر والله ما ترك من كلمة اعجبتني في تزويري الا قال في بديهة مثلها او افضل منها۔

وہ تقریر کرنے میں مجھ سے زیادہ حلیم اور باوقار تھے خدا کی قسم جن فقروں پر مجھ کو ناز تھا ان میں ایک کو بھی انہوں نے نہیں چھوڑا، بلکہ فی البدیہہ ویسے ہی یا ان سے بہتر فقرے کہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرائض خلافت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے سیاسی معاملات کے متعلق جو تقریریں کی ہیں، ان میں ایک طرف تو اس قدر جامعیت سادگی، روانی اور وضاحت پائی جاتی ہے کہ ایک بچہ بھی ان کے مفہوم کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، دوسری طرف اس قدر زور قوت اور جوش واثر پایا جاتا ہے کہ سننے والوں کے دل لرز اٹھتے ہیں،

مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ انہوں نے جو خطبہ دیا اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے،

اللهم اني غليظ فليني اللهم اني ضعيف فقولي الا وان العرب جمل انف وقد اعطيت خطامه الا واني حامله علي المحجته،

خداوندا میں سخت ہوں مجھ کو نرم کر میں ضعیف ہوں مجھے قوی بنا ہاں عرب ایک سرکش اونٹ ہے جس کی مہار میرے ہاتھ میں دے دی گئی ہے ہاں میں اس کو سیدھی راہ پر چلاؤں گا۔

ایک بار ایک تقریر کی جس میں امراء و عمال سے ان پر زور الفاظ میں خطاب کیا

الا واني لم ابعثكم امراء ولا جبارين ولكن بعثتكم ائمة الهدى يهتدى بكم ولا تغلقوا الا بواب دونهم فيا كل قويهم ضعيفهم۔[1]

ہاں! میں نے تم کو امیر بنا کر بھیجا نہ ظالم و مستبد میں نے صرف تم کو آئمہ ہدی بنا کر بھیجا، تاکہ تم سے ہدایت حاصل کی جائے، رعایا پر اپنے دروازے بند نہ کرو کہ قوی ضعیف کو کھا جائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جب پہلی تقریر کرنا چاہی تو چونکہ پہلے سے تیار نہ تھے اس لئے خاموش ہو گئے اور ان الفاظ میں معذرت کی

انتم احوج الى الا مام العادل من الا مام القائل

تم کو بولنے والے خلیفہ سے زیادہ انصاف کرنے والے خلیفہ کی ضرورت ہے۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۷، یہ ایک نہایت پرزور اور مطول تقریر ہے جس میں خلیفہ، عمال اور رعایا کے حقوق و فرائض بیان کئے ہیں۔

لیکن تمام اہل ادب متفق اللفظ ہیں کہ اس سے زیادہ بلیغ معذرت آج تک کسی نے نہیں کی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اکثر خطبے زہد و قناعت پر دیئے ہیں، جو ادب و محاضرات کی کتابوں میں منقول ہیں، ان خطبوں میں اگرچہ عموماً سلاست و روانی پائی جاتی ہے لیکن زور بلاغت کا عالم وہاں نظر آتا ہے، جہاں انہوں نے پولٹیکل تقریر کی ہے اور قوم کو جنگ پر ابھارا ہے مثلاً

ایھا الناس المجتمعة ابدانھم المختلفة اھواء ھم کلا مکم یوھن الصم الصلاب وفعلکم یطمع فیکم عدوکم ودرت واللّٰہ ان لی بکل عشر منکم رجلا من بنی فراس بن غنم صرف الدینار بالدرھم۔[1]

اے وہ لوگوں جن کی جسم تو متحد ہیں، لیکن مقاصد مختلف ہیں تمہاری باتوں سے تو پتھر کی چٹانیں چور چور ہو جاتی ہیں لیکن تمہارے افعال تمہارے دشمنوں کو تم پر چیرہ دستی کی طمع دلاتے ہیں، خدا کی قسم اگر تمہارے دس آدمیوں کے بدلے میں مجھے بنی فراس بن غنم کا ایک آدمی بھی ملتا تو میں اس کے بدلے ایک اشرفی ایک درہم کا ایک آدمی بھی ملتا تو میں اس کے بدلے ایک اشرفی ایک درہم کے بدلے میں دے دیتا۔

صحابہ کرام ﷡ نے اپنی اس قوت تقریر سے بڑی بڑی مذہبی خدمتیں انجام دی ہیں، حضرت ثابت ابن قیس بن شماس ﷛ کو رسول اللہ ﷺ نے صرف کفار کی تقریروں کے جواب دینے کیلئے مامور فرمایا تھا اس لئے وہ خطیب رسول اللہ… کے لقب سے پکارے جاتے تھے، مسیلمہ کذاب مدینہ میں آیا تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور ابتدائی سوال و جواب کے بعد یہ کہہ کر چلے آئے کہ یہ ثابت بن قیس ہیں، جو میری طرف سے تمہارا جواب دیں گے۔[2] اقرع بن حابس وغیرہ جب اپنے خطباء و شعراء کے ساتھ آپ کی خدمت میں مناظرہ کیلئے آئے تو انہی نے ان کے خطیب کا جواب دیا اور اقرع نے تسلیم کیا کہ وہ غالب رہے۔[3] حضرت سہیل بن عمرو ﷛ نہایت پرجوش خطیب تھے حالت کفر میں وہ اسلام کی مخالفت میں تقریر کیا کرتے تھے ایک بار حضرت عمر ﷛ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ان کے نیچے کے اگلے دو دانت تڑوا دیجئے کہ تقریر کرنے میں زبان نہ چلنے پائے، آپ نے فرمایا "میں مثلہ کرنا نہیں چاہتا، ممکن ہے کہ ان کے تقریر سے کبھی اسلام کو بھی فائدہ پہنچے"۔[4] چنانچہ وہ اسلام لائے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب تمام عرب میں ارتداد کی ہوا چل

1: عقد الفرید ج ۲ ص ۱۱۵۔
2: بخاری کتاب المغازی باب قصۃ الاسود العنسی۔
3: اسد الغابہ تذکرہ اقرع بن حابس۔
4: کتاب البیان والتبیین للجاحظ ج ۱ ص ۲۲۲

گئی تو انہوں نے قریش کے سامنے ایک مطول تقریر کی جس کے چند فقرے یہ ہیں،

یا معشر قریش لا تکونوا اخرمن اسلم و اول من ارتدو اللّٰہ ان ھذا الدین لیمتدن امتداد الشمس و القمر من طلو عھا الی غرو بھما۔

اے گروہ قریش یہ نہ ہو کہ تم سب کے اخیر میں تو اسلام لائے اور سب سے پہلے مرتد ہو جاؤ، خدا کی قسم یہ دین وہاں پہنچ جائے گا جہاں سے چاند سورج نکلتے اور ڈوبتے ہیں۔

چنانچہ اسی تقریر کے اثر سے تمام قبیلہ قریش اسلام پر قائم رہا۔[1]

صحابہ کرام ﷺ ہجرت کر کے حبش کو گئے، تو کفار نے ان کو وہاں سے واپس لانے کیلئے مخفی طور پر بہت سی تدبیریں کیں لیکن حضرت جعفر بن ابی طالب ﷺ نے نجاشی کے سامنے اسلام کی تعلیمات کو جس موثر اور واضح طریقہ سے بیان کیا، اس نے ان کی تمام تدبیروں کو بے اثر کر دیا انہوں نے کہا کہ "اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے قطع رحم کرتے تھے اور ہمسایوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے ہم میں جو لوگ قوی تھے وہ ضعیف کو کھا جاتے تھے یہ حالت تھی تو خدا نے ہمارے پاس ایک پیغمبر بھیجا، جو ہمیں میں سے تھا اور ہم اس کے نسب، راستبازی، امانت اور پاکبازی سے واقف تھے اس نے ہم کو خدا کی طرف بلایا کہ اس کو ایک سمجھیں، اس کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے آباؤ اجداد جن پتھروں اور بتوں کو پوجتے تھے، ان کی پرستش چھوڑ دیں، اس نے ہم کو سچائی، امانت داری اور صلہ رحمی کی تعلیم دی اور ہمسایوں کے ساتھ سلوک کرنے اور محرمات اور خونریزی سے بچنے کا حکم دیا، بدکاری اور دروغ گوئی سے روکا اور یتیموں کے مال کھانے اور عفیفہ عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور ایک خدا کی عبادت کرنے، نماز پڑھنے، زکوۃ دینے اور روزہ رکھنے کی ہدایت کی، پس ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے، اور اس کا اتباع کیا، ہم نے تنہا خدا کو پوجا، اس نے جن چیزوں کو ہم پر حرام کیا، ہم نے اس کو حرام سمجھا اور جن چیزوں کو حلال کیا ہم نے اس کو حلال قرار دیا، اس لئے ہماری قوم نے ہم پر دست تعدی دراز کیا، ہم کو اذیتیں دیں اور ہم کو ہمارے دین سے برگشتہ کرنا چاہا تاکہ ہم کو خدا کی عبادت سے پھیر کر بتوں کی پرستش کی طرف لائیں اور جن ناپاک چیزوں کو ہم پہلے حلال سمجھتے تھے اب بھی ان کو حلال سمجھیں، تو جب انہوں نے ہم پر جبر و ظلم کیا، ہم کو تکلیفیں دیں اور ہمارے مذہب میں دست اندازیاں کیں تو ہم تیرے ملک میں چلے آئے اور سب لوگوں پر تجھ کو ترجیح دی، تیری ہمسائیگی سے توقعات قائم کیں اور یہ امید باندھی کہ تیرے پاس ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا، اے بادشاہ! نجاشی نے یہ تقریر سن کر کہا کہ "تم کو کلام الٰہی کا کوئی ٹکڑا یاد ہے، حضرت جعفر ﷺ نے سورہ کھیعص کی

1: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمرو۔

چند ابتدائی آیتیں پڑھیں تو نجاشی پر یہ اثر پڑا کہ روتے روتے داڑھی تر ہو گئی اور بے اختیار بول اٹھا کہ "خدا کی قسم یہ اور وہ جو موسیٰ علیہ السلام لائے ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں، جاؤ میں کبھی تمہیں کفار کو واپس نہیں دے سکتا"۔[1]

خاتمہ

صحابہ کرام ؓ کا اثر

صحابہ کرام ؓ کی مؤثر زندگی کے تمام خال و خط تمہارے سامنے آ گئے، ان کے مذہب اخلاق اور معاشرت کی روشن مثالیں تمہاری نگاہ سے گزر چکیں، ان کی حکومت و سیاست کے تمام کارنامے تم نے پڑھ لئے، لیکن تمہارے دل نے ان کا کچھ اثر بھی قبول کیا؟ اگر ان اخترانِ تابندہ کی روشنی نے تمہاری راتوں کو دن نہیں بنایا تو یہ تمہاری سیاہ بختی کی سب سے بڑی دلیل ہے، لیکن ہر شخص تمہاری طرح سیہ گلیم اور سیہ بخت نہیں ہو سکتا، آج سے تیرہ سو برس پہلے صحابہ کرام ؓ کے مختلف فضائل نے سیکڑوں اشخاص کو اپنا گرویدہ بنایا اور ان کے مذہبی، اخلاقی اور علمی اثر نے دلوں کے اندر کی دنیا کو تہ و بالا کر دیا، اگر تم خود صحابہ کرام ؓ کے مذہب، اخلاق اور معاشرت وغیرہ کا اثر قبول نہیں کرتے تو کم از کم دوسروں کی تقلید و مثال سے تو تم کو عبرت و بصیرت حاصل کر لینا چاہئے۔

صحابہ کرام ؓ کا مذہبی اثر

حضرت جندب بن کعب ؓ نے ایک جادوگر کو ایک حدیث کے بموجب قتل کر دیا اور اس جرم میں ان کو ولید بن عقبہ بن ابی معیط گورنر کوفہ نے سزائے قید دے دی، لیکن جیلر ان کے صوم و صلوٰۃ کی پابندی سے اس قدر متاثر ہوا کہ خود ان کو رہا کر دیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن کا عامل بنا کر روانہ فرمایا، وہاں پہنچ کر انہوں نے نماز فجر میں بلند آہنگی کے ساتھ تکبیر، کہی، تو حضرت عمرو بن میمون ؓ الازدی پر اس کا جو اثر پڑا اس کو وہ خود بیان کرتے ہیں،

خالقيت محبتي عليه فما فارقة حتى دفنة بالشام

میں ہمہ تن ان کا عاشق ہو گیا اور اس وقت تک ان کی صحبت سے الگ نہ ہوا جب تک شام میں ان کو دفن نہ کر لیا۔

ان کے بعد یہ روحانی اثر ان کو کھینچ کر حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے پاس لایا، اور

1: مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۲۰۲۔ 2: اسد الغابہ تذکرہ حضرت جندب بن کعبؓ۔

تادم مرگ ان کی خدمت سے الگ نہ ہوئے۔[1]

صحابہ کرام ﷺ کو جو مذہبی عزت حاصل تھی اس کا یہ اثر تھا کہ لوگ ان کے پاس آکر طالب دعا ہوتے تھے چنانچہ ایک بار حضرت انس بن مالک ﷺ کے پاس بصرہ سے کچھ لوگ آکر طالب دعا ہوئے اور انہوں نے دعا کی۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں لوگ چھوٹے چھوٹے بچوں کو لاتے تھے اور وہ ان کیلئے دعائے برکت کرتی تھیں۔[3]

امرائے بنوامیہ پر صحابہ کرام ﷺ کا یہ اثر تھا کہ یہ لوگ مذہبی معاملات میں ان کی اقتداء کو فرض سمجھتے تھے، چنانچہ ایک بار عبدالملک بن مروان نے حجاج کو لکھ بھیجا کہ مناسک حج میں حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کی مخالفت نہ کرو، اس حکم کی بنا پر حجاج خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ کیا ارشاد ہے؟ بولے کہ "اب چلنا چاہئے" اس نے کہا اس وقت "بولے ہاں" بولا بدن پر پانی ڈال لوں تو حاضر ہوں۔[4]

یہ اثر نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ کفار پر بھی پڑتا تھا، حضرت ابو بکر ﷺ نے اپنے صحن خانہ میں ایک مسجد بنالی تھی اور اس میں نماز ادا کرتے تھے، لیکن جب وہ نماز میں قرآن پڑھتے تھے تو کفار کے اہل و عیال ان کی رقت خیز آواز سے اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ خود کفار کو یہ خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں ان کے بچوں اور بی بیوں کو وہ شیدائے اسلام نہ بنالیں۔[5]

حضرت ابوایوب انصاری ﷺ قسطنطنیہ میں خود رومیوں سے لڑ کر شہید ہوئے تھے، تاہم ان کا یہ اثر تھا کہ جب قحط پڑتا تھا تو رومی ان کی قبر کے واسطے سے پانی برسنے کی دعا مانگتے تھے۔[6]

صحابہ کرام ﷺ کا اخلاقی اثر

ہر مقدمہ میں گواہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن صحابہ کرام ﷺ کو ان کی دیانت نے اس سے مستغنی کر دیا تھا، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل پر ایک عورت نے غصب کا دعویٰ کیا، انہوں نے کہا جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ جو شخص بلا استحقاق کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے گا خدا زمین کے ساتوں طبق کو اس کے گلے کا طوق بنائے گا، میں نے اس کی زمین کا کوئی حصہ نہیں لیا، مروان کے یہاں مقدمہ پیش تھا، اس نے کہا اب میں آپ سے گواہ نہیں مانگتا۔[7]

۱: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب اذا اخر الامام الصلوۃ عن الوقت۔
۲: ادب المفرد باب۔ ۳: ادب المفرد باب الطیرہ من الجن۔
۴: نسائی کتاب الحج باب الرواح یوم عرفہ۔
۵: بخاری باب الکفالۃ باب جوار ابی بکر الصدیق۔
۶: حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۰۰۔ ۷: مسلم کتاب البیوع باب تحریم الظلم و غصب الارض۔

امرا و سلاطین تو پھر بھی مسلمان تھے، سب سے زیادہ یہ اثر کفار پر پڑتا تھا،

حضرت ابو بکر ﷛ کفرزار مکہ کو چھوڑ کر نکلے تو راہ میں ابن الدغنہ مل گیا، جو عرب میں سید القارہ کے خطاب سے ممتاز تھا، اس نے پوچھا "کہاں جاتے ہو"؟ بولے "مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے، اب سیاحت کر کے خدا کی عبادت کروں گا" اس نے کہا کہ تم جیسا شخص نہ وطن سے نکل سکتا نہ نکالا جا سکتا، تم غریبوں کیلئے مال پیدا کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، قوم کی دیت و تاوان کا بار اٹھاتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، مصائب قوی میں اعانت کرتے ہو، میں تمہارا ضامن ہوں، چلو اور اپنے ملک میں خدا کی پرستش کرو"۔ چنانچہ وہ پلٹے اور چند شرائط کے ساتھ کفار نے ان کو عبادت گذاری کی اجازت دے دی۔[1]

حضرت نعیم بن عبداللہ النحام ﷛ نہایت فیاض صحابی تھے اور قبیلہ بنو عدی کی بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کرتے تھے کفار پر ان کی اس نیکی کا یہ اثر تھا کہ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تمام کفار نے روک لیا اور کہا کہ جو مذہب چاہو اختیار کرو اگر تم سے تعرض کرے گا تو سب سے پہلے ہماری جان تم پر قربان ہوگی۔[2]

صحابہ کرام ﷛ کا علمی اثر

صحابہ کرام ﷛ کے علمی فیوض و برکات نے ایک چشمۂ شیریں بنا دیا تھا جس کے گرد تشنگان علم کا ہمیشہ مجمع رہتا تھا، حضرت قزعہ ﷛ کا بیان ہے کہ "میں حضرت سعید خدری ﷛ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ فتویٰ دے رہے تھے، اور لوگ ان پر ٹوٹے پڑتے تھے، میں نے انتظار کیا، جب بھیڑ بھاڑ چھٹی تو میں نے خود اپنا سوال پیش کیا"۔[3]

حضرت سبیع بن خالد ﷛ کا بیان ہے کہ میں کوفہ میں ایک تجارتی مقصد سے آیا، مسجد میں جا کر دیکھا کہ جوق کے جوق لوگ ایک مشہور اور نمایاں شخص کے گرد بیٹھے ہوئے ہیں، میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ حجازی آدمی ہے میں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے مجھے آنکھیں دکھائیں اور کہا کہ "تم ان کو نہیں جانتے؟ یہ حضرت حذیفہ بن الیمان ﷛ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ہیں"۔[4]

حضرت ابو ادریس خولانی ﷛ کا بیان ہے کہ میں دمشق کی مسجد میں گیا، دیکھا کہ ایک جوان جس کے دانت موتی کی طرح چمکتے ہیں لوگوں کا پیشوا ہے لوگ اگر کسی چیز میں اختلاف

۱: بخاری باب الکفالۃ باب جوار ابی بکر الصدیق فی عہد النبی و عقدہ۔
۲: اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۳ تذکرہ حضرت نعیم بن عبداللہ النحام۔
۳: ابوداؤد کتاب الصیام باب فی السفر۔
۴: ابوداؤد کتاب الفتن۔

کرتے ہیں تو اس کی سند پکڑتے ہیں اور وہ جو کہہ دیتا ہے اس پر رک جاتے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا "معاذ بن جبل ﷺ"۔[1]

صحابہ کرام ﷺ کی علمی عزت واثر کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر کسی کو صحابہ کرام ﷺ سے کچھ پوچھنا ہوتا تھا تو وہ دوسروں سے اعانت و سفارش کا خواستگار ہوتا تھا، ہلال غزی کو حضرت انس بن مالک ﷺ سے ایک حدیث دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے حضرت ثابت ﷺ کو شفیع بنایا۔[2]

حضرت عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، ان کا بیان ہے کہ لوگ دور دور سے ان کے پاس حاضر ہوتے تھے اور چونکہ مجھ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تقرب حاصل تھا اس لئے بوڑھے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے تھے جوان لوگ مجھ سے بھائی چارہ کرتے تھے اور مجھ کو ہدیہ دیتے تھے اور اطراف ملک سے خطوط بھیجتے تھے، جب میرے پاس کوئی خط آتا تو میں کہتی کہ "اے خالہ یہ فلاں کا خط ہے اور فلاں کا ہدیہ" فرماتیں کہ "جواب لکھ دو اور ہدیہ کا معاوضہ دے دو"۔[3]

عوام تو عوام امراء و سلاطین کی مغرور گردن بھی صحابہ کرام ﷺ کے علمی اثر کے سامنے جھک جاتی تھی ایک بار امیر مکہ نے رویت ہلال کے متعلق خطبہ دیا اور اخیر میں حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہا، کہ تم میں ایک ایسا بزرگ ہے جو خدا اور رسول کے احکام کا مجھ سے زیادہ عالم ہے۔[4]

خلفاء حضرت ایمن ﷺ کی فصاحت بیانی اور طلاقت لسانی کے اس قدر گرویدہ تھے کہ ان کو خلیل الخلفاء کہا جاتا تھا، باوجود یہ کہ ان کے جسم پر برص کے داغ تھے، تاہم عبدالعزیز بن مروان گورنر مصر ان کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتا تھا۔[5]

صحابہ کرام ﷺ کا عام اثر

صحابہ کرام ﷺ اگرچہ دنیوی حیثیت سے ایک فقیر بینوا تھے لیکن عام اثر نے ان کو بادشاہ بنا دیا تھا اس لئے جہاں جاتے تھے نہایت دھوم دھام سے ان کا استقبال ہوتا تھا، حضرت انس بن مالک ﷺ شام کو گئے تو لوگ عین التمر تک استقبال کو آئے۔[6]

1: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی المتحابین فی اللّٰہ۔
2: مسلم کتاب الطہارہ باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار۔
3: ادب المفرد باب الکتابۃ النساء و جوابھن۔
4: ابوداؤد کتاب الصیام باب شہادۃ رجلین علی رویۃ ھلال شوال۔
5: حسن المحاضرہ للسیوطی جلد ۱ صفحہ ۱۷۴۔ 6: حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں۔

ایک شخص حج کو جا رہے تھے، راہ میں حضرت ابوذر ؓ مل گئے اور باہم کچھ سوال و جواب ہوا انہوں نے مکہ پہنچ کر دیکھا کہ لوگوں نے ایک شخص کو گھیر لیا ہے، بھیڑ بھاڑ کو چیرتے پھاڑتے وہاں تک پہنچے تو دیکھا کہ وہی بزرگ ہیں جو مقام ربذہ میں ملے تھے یعنی ابوذر ؓ ۔[1]

ایک بار حضرت ابن عمر ؓ کے ہاتھ ایک شخص نے اپنا مریض اونٹ فروخت کیا، اس کا دوسرا شریک آیا تو اس نے کہا کہ "میں نے ایک بڈھے کے ہاتھ جو ایسا ایسا تھا اونٹ کو بیچ دیا اس نے کہا کہ "غضب کیا وہ ابن عمر ؓ تھے، وہاں سے دوڑ آیا اور اونٹ کو لے جانا چاہا مگر حضرت ابن عمر ؓ نے خود ہی واپس کرنا پسند نہیں کیا۔[2]

ایک بار حضرت بلال ؓ کے بھائی نے ایک عرب گھرانے میں شادی کرنا چاہی ان لوگوں نے کہا کہ اگر بلال ؓ آئیں تو ہم شادی کر سکتے ہیں، حضرت بلال ؓ آئے تو کہا کہ "میں بلال ؓ بن رباح ہوں، اور یہ میرا بھائی ہے، لیکن اس کی مذہبی اور اخلاقی حالت اچھی نہیں ہے اس لئے تمہیں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے، ان لوگوں نے کہا کہ تم جس کے بھائی ہو ہم کو اس کے ساتھ نکاح کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے"۔[3]

حضرت حارث بن ہشام ؓ ایک بار جہاد کی غرض سے شام کو روانہ ہوئے، تمام مکہ میں کہرام مچ گیا اور تمام لوگوں نے ان کی مشایعت کی، جب وہ مقام بطحاء میں پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور لوگ ان کے گرد کھڑے ہو کر رونے لگے۔[4]

حضرت امیر معاویہ ؓ حضرت اکدر ؓ کی نہایت عزت کرتے تھے، اور چونکہ اپنی قوم پر ان کا نہایت اثر تھا اس لئے ان کے ذریعہ سے ان کی قوم کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے تھے، جب مروان نے مصر کا محاصرہ کیا تو انہوں نے اپنی قوم کو اس کے خلاف میدان جنگ میں لا کر کھڑا کر دیا مروان نے اہل مصر سے مصالحت کر لی اور حضرت اکدر ؓ کو ایک حیلہ سے بلا کر قتل کروا دیا، جب وہ قتل ہو گئے تو تمام فوج نے شور کیا کہ "اکدر ؓ قتل ہو گئے" اس آواز کا سننا تھا کہ اسی ہزار آدمیوں نے مروان کے محل کو گھیر لیا، یہاں تک مروان نے ان کے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۲: مسلم کتاب الصلوۃ باب جواز الصلوۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر حیث توجہت۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

۱: موطائے امام مالک کتاب الحج باب جامع الحج۔

۲: بخاری کتاب البیوع باب شری الابل الہیم۔

۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت بلال ؓ۔

۴: استیعاب تذکرہ حضرت حارث بن ہشام ؓ۔

خوف سے دروازہ بند کر لیا۔[1]

ایک بار حضرت عقبہ بن عامر جہنی ؓ مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرنے کیلئے روانہ ہوئے تو اور لوگ بھی ان کے ساتھ ساتھ ہو گئے انہوں نے پوچھا کہ تم لوگ کیوں آتے ہو؟ بولے صرف اس لئے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ آپ ساتھ چلیں اور آپ کو سلام کریں۔[2]

بدو نہایت وحشی، خود غرض اور بے تعلق ہوتے ہیں، لیکن وہ بھی اس شدت کے ساتھ صحابہ کرام ؓ کے گرویدہ تھے کہ ایک بار حضرت براء بن عازب ؓ اونٹ کی تلاش میں صحرا میں پہنچے تو بدوؤں نے گھیر لیا اور ان کے گرد طواف کرنے لگے۔[3]

امراو سلاطین کا گروہ سخت مغرور ہوتا ہے، لیکن صحابہ کرام ؓ کے سامنے ان کا نشہ غرور بھی بالکل اتر جاتا تھا، ایک بار زمانہ حج میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے پاؤں میں نیزے کی نوک چبھ گئی، حجاج خود عیادت کو آیا اور کہا کہ "کاش ہم کو اس شخص کا پتہ لگ جاتا، جس کے نیزے سے آپ کے پاؤں میں زخم لگا ہے" بولے "یہ تمہارا ہی قصور ہے کہ تم نے حدود حرم میں ہتھیار لانے کی اجازت دے دی"۔[4]

ایک بار انہوں نے عبدالملک بن مروان کو خط لکھا اور طریقہ سنت کے موافق پہلے اپنے نام سے ابتداء کی، عبدالملک کے حاشیہ نشینوں نے کہا کہ "یہ بے ادبی ہے، عبدالملک نے کہا "ان کی ذات سے یہی غنیمت ہے۔[5]

نہ صرف صحابہ ؓ ،بلکہ صحابہ ؓ کے ادنیٰ درجہ کے متوسلین تک بھی امراء و سلاطین کی نگاہ میں معزز ہو جاتے تھے۔

ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیز ؓ شام میں لوگوں کا وظیفہ تقسیم فرما رہے تھے ایک شخص اس غرض سے حاضر ہوا اور کہا کہ "میں قریش سے ہوں "انہوں نے کہا کہ قریش کی کس شاخ سے ہو۔ بولا "بنو ہاشم سے "فرمایا بنو ہاشم کے کس خاندان سے ہے؟" بولا میں "علی بن ابی طالب کا غلام ہوں "۔ انہوں نے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ "میں بھی علی کا غلام ہوں"۔ پھر اپنے خزانچی سے کہا کہ غلاموں کو کیا وظیفہ دیا جاتا ہے؟ اس نے کہا "سو سے دو سو درہم"۔ فرمایا "یہ علی

۱: حسن المحاضرہ جلد ا ص ۷۵ حضرت اکدر خضرمی صحابی تھے، یعنی رسول اللہ کو حالت کفر میں دیکھا آپ کے وصال کے بعد اسلام لائے۔ ۲: مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۸۔

۳: ابوداؤد کتاب الحدود باب فی الرجل یزنی بحریمہ۔

۴: بخاری کتاب العیدین باب مایکرہ من حمل السلاح فی العید والحرم۔

۵: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

بن ابی طالبؓ کا غلام ہے اس کو ۶۰ دینار دو"۔ پھر کہا کہ اب اپنے ملک میں جاؤ ہر سال تم کو اس قدر رقم پہنچتی رہے گی، جتنی غلاموں کو ملتی ہے۔[1]

صحابہ رضی اللہ عنہم کا اثر عقائد پر

خوارج کا مذہب ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کی شفاعت قبول نہ ہو گی ایک بار خوارج کا ایک گروہ حج کیلئے روانہ ہوا اور مدینہ پہنچا تو دیکھا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حدیث کی روایت کر رہے ہیں، جہنمیوں کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا ایک قوم کو شفاعت کے ذریعہ سے جہنم سے نکالے گا۔ یزید فقیر بھی خوارج کے گروہ میں شامل تھے، انہوں نے نے اعتراض کیا کہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ خدا خود کہتا ہے۔

انك من تد خل النار فقد اخزية كلما ارادوا ان يخرجوا منها اعيدوا فيها۔

تو نے جس کو جہنم میں ڈال دیا پھر اس کو چھوڑ دیا، جب جب وہ لوگ جہنم سے نکلنے کا قصد کریں گے اس میں لوٹا دیئے جائیں گے۔

بولے تم قرآن پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، بولے رسول اللہ ﷺ کے اس مقام کو بھی جانتے ہو، جہاں خدا آپ کو مبعوث کرے گا؟ کہا ہاں بولے! یہ آپ کا وہی مقام محمود ہے۔ جس کی برکت سے خدا جس کو چاہے گا۔ جہنم سے نکالے گا، اس کے بعد اور وقائع قیامت کا ذکر کیا، تو لوگوں پر اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ سب نے کہا بھلا یہ بڈھا جھوٹی روایتیں بیان کر سکتا ہے، چنانچہ یہ لوگ پلٹے تو ایک آدمی کے سوا کوئی دوسرا شخص خارجی نہ رہ سکا۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اثر سیاست پر

اسلام کی تاریخ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی آزادانہ نکتہ چینی اور علمی مخالفت سے مختلف سیاسی انقلابات پیدا کر دیئے ہیں۔

ایک بار حضرت ابو مریم ازدی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر ہوئے، ان کو ان کا آنا ناگوار گزرا اور بولے کہ ہم تمہارے آنے سے کچھ خوش نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے، میں آپ کے سامنے اس کو بیان کرتا ہوں، آپ نے فرمایا ہے کہ خدا جس کو مسلمانوں کا والی بنادے۔ وہ اگر ان کی حاجتوں، ضرورتوں اور ناداریوں سے آنکھ بند کر کے پردے میں چھپ جائے تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی حاجتوں، ضرورتوں اور ناداریوں نے آنکھ بند کر کے آڑ میں چھپ جائے گا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ رعایا کی حاجت بر آری کیلئے ایک مستقل شخص کو

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ۔
۲: صحیح مسلم کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار۔

مقرر کردیا۔[1]

ایک غلام ایک شخص کے باغ سے کھجور کا پودا چرالایا، اور اپنے آقا کے باغ میں لگادیا، مروان بن الحکم اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، صاحب باغ نے غلام پر مقدمہ دائر کیا اور مروان نے غلام کو حراست میں لے لیا اور اس کا ہاتھ کاٹنا چاہا، غلام کا آقا حضرت رافع بن خدیج ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس معاملہ کے متعلق گفتگو کی، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ پھل کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا اس نے کہا تو مروان کو بھی اس حدیث کی خبر کر دیجئے وہ گئے اور مروان کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو اس نے غلام کو رہا کردیا۔[2]

بیت المال سے مسلمانوں کا جو وظیفہ مقرر تھا اخیر زمانے میں اس کی وصولی کیلئے ایک چک ملتی تھی جس پر لکھا ہوتا تھا کہ فلاں شخص کو اس قدر غلہ ملنا چاہئے، چنانچہ بعض لوگ یہ کرتے تھے کہ اس چک ہی کو فروخت کر ڈالتے تھے، چونکہ حدیث میں ہے کہ جب تک مال پر بائع کا قبضہ نہ ہو جائے اس کی بیع جائز نہیں، اسلئے حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے اس پر اعتراض کیا اور مروان نے حکم دیا یہ طریقہ موقوف کردیا جائے راوی کا بیان ہے کہ اس حکم کی اس سختی کے ساتھ تعمیل کی گئی کہ میں نے پولیس کو دیکھا کہ لوگوں کے ہاتھ سے رقعوں کو چھین رہی ہے۔[3]

۱: ابوداؤد کتاب الخراج والامارہ باب فیما یلزم الامام من امر للرعیتہ۔
۲: ابوداؤد کتاب الحدود باب الا قطع فیہ۔
۳: مسلم کتاب البیوع باب بطلان المبیع قبل القبض۔